Maktaba Tul Ishaat.com

خطبات

حکیم الامت

ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ

چوک فوارہ ملتان پاکستان فون: 4540513-4519240

Maktaba Tul-Ishaat.com

بسلسلہ خطبات حکیم الامت جلد - ۲۵

حُدود و قیود

(جدید ایڈیشن)

حکیم الامت مجدد الملت
حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ

عنوانات و تصحیح
صوفی محمد اقبال قریشی مدظلہ

تخریج احادیث
مولانا زاہد محمود قاسمی

ادارہ تالیفات اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان پاکستان
(061-4540513-4519240

Maktaba Tul Ishaat.com

حُدود و قیود

تاریخ اشاعت..... شعبان المعظم ۱۴۲۹ھ
ناشر.....ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
طباعت.....سلامت اقبال پریس ملتان

انتباہ

اس کتاب کی کاپی رائٹ کے جملہ حقوق محفوظ ہیں
کسی بھی طریقہ سے اس کی اشاعت غیر قانونی ہے

قانونی مشیر

قیصر احمد خان

(ایڈووکیٹ ہائی کورٹ ملتان)

قارئین سے گذارش

ادارہ کی حتی الامکان کوشش ہوتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ اس کام کیلئے ادارہ میں علماء کی ایک جماعت موجود رہتی ہے۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو برائے مہربانی مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاکم اللہ

ملنے کے پتے

ادارہ تالیفات اشرفیہ.....چوک فوارہ.....ملتان
مکتبہ رشیدیہ.....راجہ بازار.....راولپنڈی
ادارہ اسلامیات.....انارکلی.....لاہور
یونیورسٹی بک ایجنسی.....خیبر بازار.....پشاور
مکتبہ سید احمد شہید.....اردو بازار.....لاہور
ادارۃ القرآن.....نیو ٹاؤن.....کراچی نمبر 5
مکتبہ رحمانیہ.....اُردو بازار.....لاہور
مکتبہ المنظور الاسلامیہ.....جامعہ حسینیہ.....علی پور

ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K 119-121- HALLIWELL ROAD
(ISLAMIC BOOKS CENTERE BOLTON BL1 3NE. (U.K.)

Maktaba Tul Ishaat.com

عرض ناشر

خطبات حکیم الامت جلد نمبر ۲۵ ''حدود و قیود''

جدید اشاعت سے مزین آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

اللہ کے فضل و کرم اور اپنے اکابرین کی دعاؤں کے طفیل کافی عرصہ سے خطبات کی اشاعت کا ادارہ کو شرف حاصل ہو رہا ہے۔

بہت سے بزرگوں کی تمنا تھی کہ ان کی احادیث مبارکہ کی تخریج ہو جائے۔ ادارہ نے زر کثیر خرچ کر کے یہ کام محترم جناب مولانا زاہد محمود صاحب (فاضل جامعہ قاسم العلوم ملتان) سے یہ کام کرایا۔

عنوانات اور فارسی اشعار اور عربی عبارات کا ترجمہ اور اس کے ساتھ ساتھ تصحیح کا کام حضرت صوفی محمد اقبال قریشی صاحب مدظلہ نے سرانجام دیا۔

اللہ تعالیٰ اس خدمت کو قبول فرمائے آمین

احقر: محمد اسحٰق عفی عنہ

شعبان ۱۴۲۹ھ بمطابق اگست 2008ء

Maktaba Tul Ishaat.com

اجمالی فہرست

الحدود والقیود ۱۷

اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحَامِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرَّاكِعُوْنَ السَّاجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ

حرمات الحدود ۷۷

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ۚ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا

التزاحم فی التراحم ۱۴۷

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ دُعَائِهٖ اللهم بعلمک الغیب وقدرتک علی الخلق احینی ماعلمت الحیٰوۃ خیرًا وتوفنی اذا علمت الوفاۃ خیرًا اللهم اذا اردت بقومٍ فتنةً فتوفنی غیر مفتونٍ

Maktaba Tul Ishaat.com

الباب لاولی الالباب ۱۷۷
وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقَىٰ ۚ
وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ

الرغبۃ المرغوبۃ والطلبۃ المطلوبۃ ۲۲۹
فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۝ وَإِلَىٰ رَبِّكَ فَارْغَبْ ۝

التصدی للغیر ۲۸۴
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ ۚ إِلَى
اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ

الاسراف ۲۰۴
إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ

الغاء المجازفۃ ۳۸۷
إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ ۖ وَإِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا

Maktaba Tul Ishaat.com

فہرست عنوانات

الحدود والقیود	۱۷
آجکل ترقی کا حاصل	۱۸
ترقی کی حد	۱۹
معراج ایک خرق عادت واقعہ ہے	۲۱
نظیر اور دلیل میں فرق	۲۱
فضول کاموں میں جان دینا ایک فضول حرکت ہے	۲۲
حضور ﷺ کے مزاح میں حکمت	۲۵
دبدبہ سرور دو عالم ﷺ	۲۶
اظہار عبدیت شرعاً مطلوب ہے	۲۷
اللہ تعالیٰ کی کسی نعمت سے اظہار استغناء منافی ادب ہے	۲۸
علم خضر علیہ السلام کی مثال	۲۹
ممانعت قتل نفس کی حکمت	۳۲
آجکل کی ترقی کا منشاء	۳۲
ورانہ تقلید کی ممانعت	۳۳
کاملین اور محققین کی تقلید کا حکم	۳۵
ایک شعر کا صحیح مفہوم	۳۶
تحقیق کی دو قسمیں	۳۶
یورپی تقلید کا حاصل	۳۶
شعار قومی میں تشبہ حرام ہے	۳۷
مشتبہ صورت بھی ممنوع ہے	۳۸
تشبہ بالکفار کی تفصیل	۳۸
اسلام میں تعصب نہیں	۳۹
آزادی نسواں اور تقلید	۴۰
اولاد کے حقوق	۴۲
جنت بہت بڑا انعام ہے	۴۳
حفاظت حدود پر بشارت	۴۴
مقاصد کی دو قسمیں	۴۴
تمام مقاصد دینیہ میں حدود	۴۴
قربانی سے مقصود	۴۵
لیلیٰ مجنوں کی سچی محبت	۴۶
نماز تمام عبادات کی میزان الکل ہے	۴۷

Maktaba Tul Ishaat.com

زکوٰۃ کے حدود	۴۸
حج کے حدود و قیود	۴۸
گناہ کے حدود و قیود	۴۹
نیند کا اعتدال	۴۹
بھوک کی دو قسمیں	۵۰
تکسیر اعمال سے ممانعت	۵۰
محنت علم میں ضرورت اعتدال	۵۰
نادر شاہ اور ایک طبیب کی حکایت	۵۱
ہر چیز کی حد	۵۲
حمد الٰہی کے حدود و قیود	۵۳
دُعاء کے حدود و قیود	۵۳
شباں موسیٰ کی حکایت	۵۴
اخلاص پیدا ہونے کا طریقہ	۵۵
محبوب کی محبت کی حالت	۵۶
نجدیوں کی ایک کمی	۵۷
امر بالمعروف کے حدود و قیود	۵۷
حضرت شیخ عبدالقدوسؒ اور مولانا حسامی محتسب کی حکایت	۵۸
حکایت حضرت قاضی ضیاء الدین سنامیؒ اور حضرت سلطان نظام الدین اولیاءؒ	۵۹
حضرات سلف صالحین کا طریقہ امر بالمعروف	۶۳
صلوۃ الکسوف میں حنفیہ اور شافعیہ کے اختلاف کا سبب	۶۳
تجلیات خاصہ کا حق	۶۴
دین میں حدود الٰہیہ	۶۵
اعمال باطنہ کے حدود	۶۵
مذاق عاشق	۶۶
حکایت حضرت شاہ ابوالمعالیؒ	۶۷
شوق کی حد	۶۸
اعتدال کے درجات	۶۹
اعتدال کی قسمیں	۷۰
بڑا کمال اقتصاد و اعتدال	۷۱
علماء کا کام	۷۳
علماء و سیاسیات	۷۳
دندان شکن جواب	۷۳
ہر قوم کیلئے تقسیم خدمات ضروری ہے	۷۵
خلاصہ وعظ	۷۶
حرمات الحدود	۷۷
موضوع وعظ کا تعین	۷۸
مسلمانوں کی علمی و عملی کوتاہیاں	۷۹
تفاخر کی نیت سے کھانا کھلانا حرام ہے	۸۲
تہائی مال میں وصیت کی اجازت	۸۱

Maktaba Tul Ishaat.com

نام اور شہرت لاحاصل شئی ہیں	۸۲
تفاخر میں خرچ کرنا گناہ ہے	۸۳
اسراف اور تفاخر کا منشاء	۸۴
مردودیت شیطان کا سبب	۸۵
انفاق میں ضروریات اعتدال	۸۵
ہر کام میں تعین حدود کا منشاء	۸۶
اوقات مکروہ نماز	۸۸
روزہ کی حدود	۸۸
حج کے حدود	۸۸
حدود معاملات	۸۹
شریعت میں رعایت حدود کا حکم	۸۹
احکام طلاق کے حدود میں حکمت	۸۹
حق تعالیٰ کے ذمہ علت احکام بیان کرنا نہیں	۹۰
تفسیر آیت متلوہ	۹۱
لاتدری کی توجیہ	۹۲
نکاح ایک طلاق سے بھی مرجاتا ہے	۹۳
عورتوں سے مساویانہ سلوک نہ کرنیکا حکم	۹۴
طلاق سے قبل ضرورت پنج	۹۶
احکام شرعیہ میں رعایت جذبات	۹۷
نفرت نفسانی	۹۹
اعتبار خاتمہ کا ہے	۱۰۱
شریعت میں رعایت جذبات کے ساتھ حفاظت حدود	۱۰۱
بچوں کو غصہ میں سزا نہ دینے کا حکم	۱۰۲
ناموافقت مزاج کیساتھ نباہ مشکل ہے	۱۰۴
پیری ومریدی کا سارا مدار مناسبت پر ہے	۱۰۵
دنیادار مشائخ کا حال	۱۰۵
شیخ ومرید میں مناسبت کا ہونا ضروری ہے	۱۰۶
شریعت کا کوئی حکم خالی از حکمت نہیں	۱۰۷
مشائخ کاملین کا حال	۱۰۸
توکل کی حقیقت	۱۰۹
کمزوری طبیعت کا علاج	۱۱۰
مقدر رزق کا پہنچانا اللہ کے ذمہ ہے	۱۱۱
ضعف قلب منافی ولایت نہیں	۱۱۲
حضرت موسیٰ کا خوف طبعی	۱۱۲
حضرات انبیاءؑ کو تبلیغ احکام میں خوف عقلی نہیں ہوتا	۱۱۴
حضرات انبیاءؑ پر تبلیغ ہر حال میں فرض ہے	۱۱۵
حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے نرمی سے بات چیت کرنے کا حکم	۱۱۵
ہر شخص کو اسکے مناسب حال تعلیم کی جائے	۱۱۶
حکایت سید الطائفہ حضرت حاجی صاحبؒ وحضرت ضامن شہیدؒ	۱۱۶

Maktaba Tul Ishaat.com

دو احادیث میں عجیب تطبیق	۱۱۶
حضرت حاجی صاحبؒ کا نواب رئیس چھتاری کو ناصحانہ مکتوب	۱۱۸
ایک صاحب الحال نوجوان کی حکایت	۱۱۸
اہل اللہ جامع اضداد ہوتے ہیں	۱۱۹
عادل سلطان کی دعا قبول ہوتی ہے	۱۲۰
تان کر سلام کرنے کی مذمت	۱۲۱
وقف مال میں سخت احتیاط کی ضرورت	۱۲۲
حضرات سلف کا مذاق	۱۲۳
اسراف کی حد	۱۲۶
مہمان کی دعوت میں کس صورت میں اسراف ہے	۱۲۵
حضرت شاہ ابوالمعالی صاحبؒ کی جامعیت	۲۱۶
مہمان کو زیادہ بے تکلف بنانا نامناسب ہے	۱۲۷
میزبان کو بے تکلف بننے کی ضرورت	۱۲۸
حضرت احمد شیخ خضرویہؒ کی حکایت	۱۳۰
رئیس بھوپال کی حکایت	۱۳۱
حضرت علیؓ کی نگہداشت نفس	۱۳۲
حضرت گیلانیؒ کی آئینہ چینی ٹوٹنے کی حکایت	۱۳۳
دشمنی اور دوستی کا اعتدال	۱۳۴
پیر سے کونسا افشاں راز مناسب ہے	۱۳۵
راحت کا راز	۱۳۵
استیذان کا حکم	۱۳۶
مشورہ کی شرعی حیثیت	۱۳۷
عداوت میں تجاوز حدود کا انجام	۱۳۷
جذبات نفسانیہ کی ضرورت اصلاح	۱۳۸
حضرات صحابہؓ کی تکمیل اصلاح تدریجاً ہوئی	۱۳۹
مدینہ منورہ میں اجازت جہاد ملنے کا راز	۱۴۰
باطنی احوال و مقامات کی حدود	۱۴۲
شوق کی حد	۱۴۳
غلبہ شوق کے دو اثر	۱۴۳
غلبہ شوق کی روحانی خرابی	۱۴۴
خوف الٰہی کے حدود	۱۴۵
باطنی امور میں حدود غیر اختیاری ہیں	۱۴۶
التزاحم فی التراحم	۱۴۷
امراض قلب کی طرف توجہ کی ضرورت	۱۴۸
اشد مرض	۱۴۹
جاہل کا ولی اللہ بننا	۱۵۰
مجمع صلحاء کی برکت	۱۵۰
افراط فی الشفقت مذموم ہے	۱۵۱
امر بالمعروف میں سیاست و تدبیر کی ضرورت	۱۵۱
مشائخ و علماء کو شفقت میں اعتدال کی ضرورت	۱۵۳

Maktaba Tul Ishaat.com

ایثار فی القرب جائز ہے	۱۵۳	خلاصہ وعظ	۱۷۳
سلام میں پہل کرنا	۱۵۴	تتمہ وعظ	۱۷۴
مشائخ کاملین کا طرز تربیت	۱۵۵	اصلاح غیر کے درپے ہونا مطلوب نہیں	۱۷۵
جمعیت قلب کے اہتمام کی ضرورت	۱۵۷	**الباب لاولی الالباب**	۱۷۷
غیر ضروری تعلقات مضر ہیں	۱۵۸	شان نزول	۱۷۹
اتباع سنت کی حقیقت	۱۵۹	اہل جاہلیت کا غلو	۱۸۰
منتہی کو بھی یکسوئی کی ضرورت ہے	۱۶۰	دین کا تعلق عبادات اور عادات دونوں سے ہے	۱۸۲
حظ نفس میں بجائے ثواب کے گناہ	۱۶۰	انتم اعلم بامور دنیاکم کا مفہوم	۱۸۲
جملہ صحابہؓ کے حالات ایک سے نہ تھے	۱۶۳	صفت اختیار میں حق تعالیٰ شانہ کا کوئی شریک نہیں	۱۸۳
جملہ انبیاءؑ کامل ہیں۔	۱۶۴	عالم مجردات کی دلیل	۱۸۴
شیخ ومرید میں باہمی مناسبت شرط ہے	۱۶۵	علوم قرآنیہ ابتدا وانتہا میں پڑھنے کی ضرورت	۱۸۴
جملہ مشائخ وعلماء کو سیاست میں آنا مناسب نہیں	۱۶۶	اصلاحات رچ جانے کی ضرورت	۱۸۵
سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ نے اپنے خلفاء کو مختلف امور پر مامور فرمایا	۱۶۷	عالم مجردات کی دلیل نصوص قرآنی میں نہیں	۱۸۵
		تمام چیزیں مخلوق ہیں	۱۸۶
ہدایت غیر کا حد سے زیادہ اہتمام مطلوب نہیں	۱۶۸	صوفیاء مجردات کو حادث بالزماں مانتے ہیں	۱۸۶
مناظرہ کا ہر شخص اہل نہیں	۱۶۹	عالم مجردات کا مسئلہ کشفی ہے	۱۸۷
ہر فتنہ کی مدافعت کے درپے ہونا ضروری نہیں	۱۷۱	توافق اور اخذ میں فرق	۱۸۷
دعاؤں میں تطبیق	۱۷۲	اختیار تشریعی اور اختیار تکوینی دونوں اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہیں	۱۸۸
اہل اللہ کا مختلف مذاق	۱۷۲		

Maktaba Tul Ishaat.com

اباحت بھی شریعت پر موقوف ہے	۱۸۸	حضرات صحابہؓ کا خلوص	۲۰۱
حلال وحرام کرنا بھی حق تعالیٰ کا کام ہے	۱۸۹	تابیر کی خاصیت فطری امور دنیوی سے بے خبری نقص نبوت نہیں	۲۰۲
حلال وحرام کہنے کا مطلب	۱۸۹		
مسلمان دنیوی امور میں بھی خود مختار نہیں	۱۹۰	مباحات میں شریعت کو تصرف کا پورا اختیار ہے	۲۰۲
تحلیل وتحریم صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے	۱۹۱		
امور دنیوی میں خود مختار نہ ہونے سے متعلق نص قرآنی	۱۹۱	ہر امر میں انتظام مطلوب ہے	۲۰۳
		اولیاء اللہ کی طبیعتوں میں بڑا انتظام ہے	۲۰۴
صاحب نظر کون لوگ ہیں	۱۹۳	اسم اعظم کی نگہداشت اور اسکے حقوق	۲۰۴
علم دین میں بھی تجربہ کی ضرورت مسلم ہے	۱۹۴	اہل اللہ کے واقعات نازک مزاجی	۲۰۵
قانون الٰہی کو سمجھنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں	۱۹۵	چند فضول سوالات	۲۰۷
		سائنس کی تحقیقات کے فضول ہونیکا نص سے ثبوت	۲۰۸
دین کا رزق پیدا کرنے کی ضرورت	۱۹۵		
دنیوی امور کے احکام شرعی حضور ﷺ سب سے زیادہ جانتے تھے	۱۹۶	ہر بے موقع فعل مذموم ہے	۲۰۹
		حصول دنیا کی خاطر دین پر توجیہ مذموم ہے	۲۱۰
بروز قیامت غلبہ حق	۱۹۷	دین کا طریقہ معلوم کرنیکی ضرورت	۲۱۲
تابیر کا مفہوم	۱۹۸	اسباب عادیہ کا اختیار کرنا شرط ہے	۲۱۲
نفخ جبرئیلؑ سے حضرت مریمؑ کا حمل	۱۹۸	رجا اور غرور میں فرق	۲۱۳
علوم شرعیہ کے سامنے سائنس کی حقیقت	۱۹۹	ان شاء اللہ کہنے کی مزاحیہ حکایتیں	۲۱۵
اشرف العلوم اور ادنیٰ علم	۱۹۹	اسباب میں تاثیر بھی حکم خداوندی کے سبب ہے	۲۱۵
انبیاءؑ حقائق اشیاء عالم کے درپے نہیں	۲۰۰	ہر امر مشیت خداوندی کے تابع ہے	۲۱۶
حضرات صحابہؓ کا عشق رسول اللہ	۲۰۰	ترقی کا مدار محض اسباب پر نہیں	۲۱۷

Maktaba Tul Ishaat.com

اعانت خداوندی اسباب اختیار کرنے کے بعد ہوتی ہے	۲۱۷	آیت متلو کا مدلول	۲۳۵
صرف توجہ سے کام نہیں چلتا	۲۱۸	قرآن پاک کی قصر آیات	۲۳۶
ہمت کے لئے گناہوں سے نفرت عقلی کی ضرورت	۲۱۸	امام اعظمؒ اور امام ابو یوسفؒ کی حکایت	۲۳۷
بلا قصد وسوسہ گناہ مضر نہیں	۲۱۸	امامت میں کون افضل ہے	۲۳۸
گناہوں سے نفرت عقلی حاصل کرنیکا طریقہ	۲۱۹	تعلق مع الخلق مقصود بالذات نہیں	۲۳۹
شہوت دنیا کی مثال	۲۲۰	نوجوان علماء کو ایک ضروری نصیحت	۲۳۹
جوان کے تقویٰ کی مثال	۲۲۰	تکبر کی حقیقت	۲۴۰
مسلمان کو کامل راحت جنت میں ملے گی	۲۲۱	نوچندی کا میلہ	۲۴۲
راحت کی اصل قدر اہل مصیبت جانتا ہے	۲۲۳	دوسروں کی دلجوئی بھی عبادت ہے	۲۴۳
خالص ایمان کی علامت	۲۲۳	تمام عالم کو مراۃ جمال حق سمجھنا	۲۴۴
نری تمنا سے کام نہیں چلتا	۲۲۴	بعض پیرزادوں کی حکایت	۲۴۵
اتباع ملت ابراہیم کا مفہوم	۲۲۵	جوتا گھسائی کا لطیفہ	۲۴۶
اتباع فانی کی جزا	۲۲۶	حضرت حاجی صاحب کے علوم صحیحہ	۲۴۶
خلاصہ بیان	۲۲۶	سوداگر اور طوطی کی حکایت	۲۴۷
الرغبة المرغوبة والطلبة المطلوبة	۲۲۹	حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی کا معمول	۲۴۸
تعلق مع الخلق کے حدود	۲۳۱	کاملین کا حال	۲۴۹
انتظار نماز بحکم نماز ہے	۲۳۳	شیخ زبان ہوتا ہے اور مرید کان	۲۵۰
حضرت حاجی صاحبؒ کے علوم کی شان	۲۳۴	کتب تصوف کس کیلئے کارآمد ہیں	۲۵۱
		عبادت کا معمول کتنا ہونا چاہیے	۲۵۲
		چلہ سکوت	۲۵۳
		عبادت میں ضرورت اعتدال	۲۵۵

Maktaba Tul Ishaat.com

افراط وتفریط پر ایک لطیفہ	۲۵۶	غلو ہر امر میں مذموم ہے	۲۸۸
ایک سب جج کی حکایت	۲۵۹	دوسروں کی فکر کا اصل منشاء	۲۸۹
ہر نماز کے بعد تین مرتبہ لا الہ الا اللہ کہنے کا حکم	۲۶۱	بڑا بننا اپنے اختیار میں نہیں	۲۸۹
اصلاح خلق کا کام فرض کفایہ ہے	۲۶۲	طریق میں اصلی شئی طلب ہے	۲۹۰
تواضع میں ضرورت اعتدال	۲۶۳	وصول مطلوب نہیں	۲۹۱
طریق اصلاح کی شرط اول	۲۶۷	غیبت کی دینی ودنیوی مضرت	۲۹۱
توجہ الی اللہ اصل مطلوب ہے	۲۶۷	ذکر ریائی	۲۹۲
بوقت فراغ مناسب معمول	۲۶۸	غیبت گناہ جاہی ہے	۲۹۲
ذکر اللہ اور تجارت	۲۶۹	اپنی اصلاح کا مختصر طریقہ	۲۹۳
حرمات الٰہیہ کی ہتک	۲۷۰	گناہ کی حقیقت	۲۹۳
توجہ الی الخلق سے حضور ﷺ کا حال	۲۷۱	قوت فکریہ کی عجیب خاصیت	۲۹۴
حضرت عمرؓ کا نماز میں انتظام لشکر کشی	۲۷۲	حضرت رابعہ بصریہؒ کی حکایت	۲۹۴
قلب کی تمنا اور اشتہا پر مواخذہ	۲۷۶	علم کی قسمیں	۲۹۵
وساوس سے نجات کا سہل نسخہ	۲۷۷	جناب رسول ﷺ نے بضرورت مذمت دنیا فرمائی	۲۹۵
عفت قلب کا مفہوم	۲۷۹	حضرات اہل اللہ صاحب معانی ہیں	۲۹۶
نفع لازمی نفع متعدی سے افضل ہے	۲۸۰	حضرات اہل اللہ کا حال	۲۹۷
خلاصہ وعظ	۲۸۳	بجائے نحو کے محو ہونے کی ضرورت	۲۹۸
التصدی للغیر	۲۸۴	اپنی مصلحت سے وعظ کہنا بے سود ہے	۲۹۸
ہماری ایک خصلت	۲۸۵	ہر شئی کا ایک موقع ہے	۲۹۹
اہل اللہ کا طرز	۲۸۶	ضلع اعظم گڑھ	۲۹۹
اپنے عیوب سے بے فکری پر اظہار افسوس	۲۸۶		

Maktaba Tul Ishaat.com

شان رسول اکرم ﷺ	۳۰۰	ایک مسئلہ دقیق	۳۲۰
عیب گوئی کی دوصورتیں	۳۰۰	مال اور علم میں فرق	۳۲۱
کسی کے درپے ہونا امر زائد ہے	۳۰۰	حق تعالیٰ کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں	۳۲۲
صحبت بد کا انجام	۳۰۱	مسبب واحد کے متعدد اسباب	۳۲۳
ایمان کا تقاضا	۳۰۲	بلا اور مصیبت کی حقیقت	۳۲۴
خلاصہ وعظ	۳۰۲	حضرات اولیاء اللہ کا اشتیاق موت	۳۲۶
الاسراف	۳۰۴	حضرت سلطان الاولیاء کے جنارہ کا حال	۳۲۸
رخصت پر عمل کرنا محمود ہے	۳۰۵	حضرت شاہ ابوالمعالیؒ کی حکایت	۳۲۹
ربانی کا مفہوم	۳۰۶	فراخی اور تنگی کا مدار مشیت الٰہی پر ہے	۳۳۱
ربانی کی حقیقت	۳۰۶	اشراف نفس اور ادب شیخ	۳۳۲
اسراف سے دین دونیا دونوں برباد ہوتے ہیں	۳۰۸	طلباء کی عقلمندی	۳۳۴
اسراف کی حقیقت	۳۰۸	طالب علمی کا فخر	۳۳۵
طاعون کا حقیقی سبب	۳۰۹	حضرت شاہ ابوالمعالیؒ صاحب کا فقر اختیاری	۳۳۶
دین کا نام لیتے ہی کوتاہ نظری کا الزام	۳۱۱	باطنی دولت سے ظاہری مصیبت بڑی نعمت معلوم ہوتی ہے	۳۳۸
مسلمانوں پر نزول مصائب کا سبب	۳۱۲		
ترکوں سے حقیقی ہمدردی	۳۱۳	حضرت ذوالنون مصریؒ کی تواضع	۳۴۰
حضرات مقبولین پر انبار مصائب	۳۱۵	حضرت مولانا گنگوہیؒ کی تواضع	۳۴۱
مجاہدہ اضطراریہ سے اصلاح نفس	۳۱۶	اسراف بخل سے زیادہ برا ہے	۳۴۲
باطنی کلفت پر راضی رہنا صبر عظیم ہے	۳۱۷	اسراف کا انجام	۳۴۲
قبض کی حکمتیں	۳۱۸	حضرت عمر فاروقؓ کا ایفاء عہد	۳۴۵
مقبولین پر کلفتیں آنے کی حکمت	۳۱۹	دو چیزیں مقوی قلب ہیں	۳۴۶

Maktaba Tul Ishaat.com

مسلمان بچوں میں مال کی قدر کم ہوتی ہے	۳۴۷	دین میں شبہات پیدا ہونے کا سبب	۳۶۷
اسراف کی ایک خرابی	۳۴۸	مفت کی قدر نہیں ہوتی	۳۶۸
خرچ میں کفایت شعاری کی ضرورت	۳۴۹	علماء سے اسرار وعلل احکام دریافت کرنا مناسب نہیں	۳۶۹
غیر ضروری اشیاء	۳۵۰	حریر کی خاصیت	۳۷۰
سفر میں ضروری سامان کی حاجت	۳۵۲	امتیاز شان کی نیت شرعاً کبر ہے	۳۷۰
لارڈ ڈفرن کا اسلامی وضع کو پسند کرنا	۳۵۴	چھوٹی بچیوں کو زیورات پہنانے کی قباحتیں	۳۷۱
نو تعلیم حضرات کا جدید زیور	۳۵۵	سات برس کی بچی کو پردہ کی عادت ڈالنا	۳۷۲
مستورات کا جوہر	۳۵۵	حق تعالیٰ کی خاص عنایت کی گھڑی	۳۷۳
آجکل کے فیشن میں قید ہی قید ہے	۳۵۶	شادی بیاہ میں اسراف	۳۷۳
جدید فیشنوں میں اسراف کثیر	۳۵۸	شوہر کے رشوت لینے کا سبب	۳۷۴
لباس میں اسراف	۳۵۹	بناؤ سنگھار کا انجام	۳۷۴
اسراف کی حد حقیقی	۳۶۱	آرائش ونمائش میں فرق	۳۷۵
صاحب ہدایہ کا عجیب نکتہ	۳۶۲	اہل زینت کی اقسام	۳۷۶
محقق کی شان	۳۶۳	آرائش کی شرعاً اجازت ہے	۳۷۷
حضرت مولانا گنگوہیؒ کی شیخ سے محبت	۳۶۳	تکبر نئی نئی ترکیبیں سکھاتا ہے	۳۷۷
حضرت غوث اعظمؒ کا لذیذ کھانوں کے استعمال کا سبب	۳۶۴	صدقہ میں وسعت سے زیادہ خرچ کرنا	۳۷۸
حضرات عارفین کے لذائذ کے استعمال میں نیت	۳۶۵	اسراف کا ناجائز ہونے کا سبب	۳۸۰
نفس کا حق	۳۶۵	ضعیف یا قوی طبیعت ہونے کو بزرگی میں کچھ دخل نہیں	۳۸۱
چار انگشت حریر کا استعمال جائز ہے	۳۶۶	ایک بزرگ مولانا احمدؒ کی حکایت	۳۸۱

Maktaba Tul Ishaat.com

غریب آدمی کی فکر آرائش اسراف ہے	۳۸۴
احکام شریعت مولویوں کے من گھڑت مسائل نہیں	۳۸۵
عشاق کا مذاق	۳۸۶
الغاء المجازفته	۳۸۷
آیت متلو کا شان نزول	۳۸۸
ایک عام غلطی	۳۸۹
دین میں ہر شخص اجتہاد کا مدعی ہے	۳۹۰
احادیث مبارکہ کے حجت ہونے کی دلیل	۳۹۱
ادلہ اربعہ	۳۹۲
حضرت امام مالکؒ کی قابل رشک دیانت علم	۳۹۳
زبان اور چیز ہے علم اور	۳۹۳
حقیقت علم تقویٰ سے حاصل ہوتی ہے	۳۹۴
علوم حضرت حجۃ الاسلام نانوتویؒ	۳۹۵
طلباء کو بطور خاص حصول تقویٰ کی ضرورت	۳۹۵
سات برس کے بچے کو نماز پڑھانے میں حکمت	۳۹۵
جمال شریعت	۳۹۶
حق تعالیٰ شانہ سے محبت رکھنے کا اثر	۳۹۷
بچپن میں تربیت کی ضرورت	۳۹۷
حضرت زین العابدینؒ کی خشیت خداوندی	۳۹۷
علماء محققین کی صحبت کی ضرورت	۳۹۸
صحبت اہل اللہ کس صورت میں مفید ہے	۳۹۸
صحبت ناجنس سے خلوت بہتر ہے	۳۹۹
ایک دنیادار عالم اور درویش	۴۰۰
حضرت علیؓ کی عجیب حکایت عدل	۴۰۱
اتباع ظن مہلک مرض ہے	۴۰۲
جنازہ میں چار تکبیرات فرض ہیں	۴۰۴
اغلاط العوام	۴۰۴
مسائل معلوم کرنے کا قاعدہ کلیہ	۴۰۵
مردار کی ہڈی بعد رطوبت خشک ہوجانے کے پاک ہے	۴۰۶
ہر مسئلہ کی وجہ معلوم ہونا لازم نہیں	۴۰۷

Maktaba Tul Ishaat.com

الحدود والقیود

بمقام خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون ۱۶ ربیع الثانی ۱۳۴۷ھ بروز سوموار ۳ گھنٹہ کرسی پر بیٹھ کر یہ وعظ ارشاد فرمایا۔ سامعین کی تعداد تقریباً ۶۰ تھی۔

Maktaba Tul Ishaat.com

خطبہ ماثورہ

الحمدللّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونومن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرورانفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلامضل لہ ومن یضللہ فلاھادی لہ ونشھد ان لااللہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالی علیہ والہ واصحابہ وبارک وسلم امابعد.

فَاَعُوذُ بِاللّٰہِ من الشَّیطَانِ الرَّجِیم. بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم. التائبُونَ الْعَابِدُونَ الْحَامِدُوْنَ السَّائِحُوْنَ الرَّاکِعُونَ السَّاجِدُوْنَ الامِرُونَ بِالْمَعْرُوفِ والنَّاھُوْنَ عَنِ المنکرِ وَالْحَافِظُوْنَ لِحُدُودِ اللّٰہِ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ. (التوبہ:۱۱۲)

ترجمہ۔ وہ ایسے ہیں جو گناہوں سے توبہ کرنے والے ہیں اور اللہ کی عبادت کرنے والے اور حمد کرنے والے روزہ رکھنے والے اور رکوع کرنے والے اور سجدہ کرنے والے اور نیک باتوں کی تعلیم کرنے والے اور بری باتوں سے باز رکھنے والے اور اللہ کی حدوں کا (یعنی اس کے احکام کا) خیال رکھنے والے ہیں اور ایسے مومنین کو خوشخبری سنایئے۔

آجکل ترقی کا حاصل

میں نے برکت کے واسطے پوری آیت کی تلاوت کردی ہے۔ مگر مقصود صرف ایک جزو کا بیان کرنا ہے کیونکہ جو مضمون اس وقت ذہن میں ہے جس کے بیان کی ضرورت ہے اس سے آیت کے ایک جزو ہی کو مناسبت ہے۔ یوں مطلق مناسبت تو ہر جزو سے ہوسکتی ہے۔ مگر مناسبت قریبہ ایک ہی جزو سے ہے اور چونکہ مضمون مختصر ہے اس لئے مختصر ہی بیان ہوگا ان شاء اللہ تعالیٰ دوسری طبیعت بھی اس وقت ضعیف ہورہی ہے۔ دماغ زیادہ طویل کا متحمل نہیں جس مضمون کو میں بیان کرنا چاہتا ہوں وہ پہلے سے بھی ذہن میں تھا اور خیال تھا کہ کسی موقع پر اس کو بیان کروں گا۔ چنانچہ اب درخواست کی گئی ہے اس لئے اب اس کو بیان کرتا ہوں۔ اور وہ مضمون اس طرح ذہن میں آیا تھا کہ ایک بار مجلس میں ترقی کا ذکر ہورہا تھا میں نے یہ کہا کہ آج کل ترقی کا حاصل یہ ہے کہ کوئی شے حد پر نہ رہے کسی شے کیلئے کوئی حد نہ ہو بس جس چیز کے درپے ہوتے ہیں اس میں بڑھے چلے جاتے ہیں۔ کسی حد

Maktaba Tul Ishaat.com

پر نہیں رکتے اور یہ ترقی نہیں بلکہ ترقی کا ہیضہ ہے اس کی ایسی مثال ہے کہ ایک شخص دہلی کی سیر کو جائے تو ترقی فی سیر الدہلی تو یہ ہے کہ دہلی کے حدود کے اندر رہ کر اس کے تمام عجائبات کو دیکھے ہر گلی اور ہر محلہ کی سیر کرے۔ اور اگر وہ دہلی سے باہر چلا جائے تو یہ ترقی فی المقصود نہیں بلکہ ترقی عن المقصود ہے کہ مقصود کی حد سے آگے نکل گیا۔

ترقی کی حد:

اسی طرح ایک شخص گھر کے اندر تھا۔ اب اس نے ترقی کی کہ کوٹھے پر چڑھ گیا۔ لیکن اگر وہ کوٹھے پر جا کر باہر کی طرف کودنے لگے۔ تو یہ ترقی فی المقصود نہیں بلکہ ترقی عن المقصود ہے۔ اس مجلس میں یہ بھی ذکر تھا کہ آجکل امریکہ میں عورتیں بال مونڈانے لگی ہیں اور بعض ننگی رہنے لگی ہیں۔ گو حکومت نے ابھی ان کو شہر میں اس حالت سے آنے کی اجازت نہیں دی مگر سنا ہے ان کی جماعت بڑھ رہی ہے۔ میں نے کہا کہ اس کا منشا بھی وہی ہے کہ ان کے نزدیک ترقی کی کوئی حد نہیں ہوتی تو انہوں نے لباس میں ترقی کی کہ اس میں نئے نئے فیشن نکالے جب لباس میں ترقی کر چکے تو اب یہ نئی بات نکالی کہ لباس سے ترقی کی یعنی لباس ہی کو چھوڑ دیا۔ اسی طرح بالوں کی زینت میں اول یوں ترقی کی کہ ان کے واسطے قسم قسم کے فیشن نکالے گئے حتیٰ کہ میموں کو صرف بالوں کے درست کرنے میں ایک بال کو الگ کرنے میں کئی گھنٹے روزانہ صرف کرنا پڑتے تھے۔ جب اس کی کوئی حد نہ رہی تو اب بال منڈوانے لگیں۔ مگر اس کا یہ اثر ہوا کہ سر کے بال مونڈنے سے عورتوں کے منہ پر داڑھی نکلنے لگی ہے اب تو بڑی گھبرائیں اور بال منڈوانا چھوڑ دیا اب سنا ہے کہ مردوں کی طرح پٹھے رکھنے لگی ہیں۔ اب دیکھئے اس میں کیا بات نکلتی ہے اگر اس میں کوئی بات نکل آئی تو نہ معلوم پھر کیا صورت اختیار کریں گے۔ تو یہ کچھ ترقی ہے ہرگز نہیں بلکہ وبال جان ہے کیونکہ جس شخص کی ترقی کی کوئی حد ہی نہ ہو کسی وقت بھی مطمئن نہیں بلکہ ہر قدم پر پریشان ہے چنانچہ اخباروں سے معلوم ہوتا ہے کہ اب بعض اہل سائنس چاند میں جانے کا ارادہ کر رہے ہیں۔ بقول بعض ان کا یہ خیال ہے کہ وہاں جا کر سلطنت کریں گے اس کا منشا بھی وہی ہے کہ ان کے نزدیک ترقی کی کوئی حد نہیں۔ کیونکہ اگر اس سے ان کو محض تحقیق علمی مقصود ہے سلطنت مقصود نہیں تب بھی یہ تجاوز عن الحد ہے اس لئے کہ شمس و قمر سے جو مصالح متعلق ہیں وہ ان تحقیقات پر موقوف نہیں

Maktaba Tul Ishaat.com

بدون اس تحقیق کے بھی وہ منافع ہم کو پہنچ رہے ہیں پھر غیر مقصود کے درپے ہونا تجاوز عن الحد نہیں تو کیا ہے؟ اور اگر یہ مقصود ہے کہ چاند میں پہنچ کر سلطنت کرینگے جیسا بعض کا قول ہے تب بھی یہ تجاوز عن الحد ہے کیونکہ سلطنت سے مقصود یہ ہے کہ جہاں تک ہمارے تعلقات وابستہ ہیں وہاں تک ہم دوسروں سے مامون رہیں اور دوسرے ہم سے مامون رہیں تاکہ اطمینان کے ساتھ زندگی بسر ہو اور نظام تمدن قائم رہے۔ اور ظاہر ہے کہ چاند کے کرہ میں اول تو کسی مخلوق کا آباد ہونا متحقق نہیں۔ چنانچہ خود اہل سائنس کو اقرار ہے کہ کرہ قمر ویراں وغیر آباد ہے اس صورت میں وہاں جا کر آباد کیا اور پھر سلطنت کی تو اس سے کیا فائدہ یہ مخلوق اس وقت جہاں آباد ہے تم وہیں ان پر سلطنت کرو دوسری جگہ لیجانے کی کیا ضرورت ہے ہاں اگر یہ صورت ہوتی کہ زمین ان کے آباد ہونے کو کافی نہ ہوتی۔ تو خیر مگر زمین تو اس قدر وسیع ہے کہ اب بھی اس کا بہت بڑا رقبہ ویران پڑا ہوا ہے۔ اور اگر وہاں کوئی مخلوق آباد بھی ہو تب بھی یہ امر یقینی ہے کہ ہمارے تعلقات ان سے اور ان کے ہم سے وابستہ نہیں اور ہم کو ان کی طرف سے کسی قسم کا کوئی خطرہ نہیں پھر وہاں جا کر سلطنت کی ہوس کرنا یقیناً عبث ہے اور اسی کا نام تجاوز عن الحد ہے کہ سلطنت سے جو مقصود تھا یہ لوگ اس سے آگے بڑھ رہے ہوں اول تو مجھے اسی میں کلام ہے کہ یہ لوگ کرہ قمر میں پہنچیں گے بھی یا نہیں گو میں اس کو پاگل بھی نہیں کہتا کیونکہ تدابیر میں حق تعالیٰ نے خاص اثر رکھا ہے ممکن ہے کہ تدبیر کرتے کرتے کسی دن یہ لوگ کامیاب ہو جائیں اور ہم تو جس دن یہ لوگ کرہ قمر میں پہنچ جائینگے خوش ہو کر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائیں گے کیونکہ اس دن ہم ملحدین کا یعنی انہی سائنس دانوں کا منہ بند کر دینگے جو واقعہ معراج پر اعتراض کرتے اور اس کو محال بتلاتے ہیں خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہم کو اس نے محال وخلاف عادت میں فرق بتلا دیا ہے اسی لئے ہم امریکہ والوں کی چاند میں جانے کی تدبیر محال نہیں سمجھتے یہ جہل انہی لوگوں کو مبارک ہو کہ وہ محال وخلاف عادت کو ایک سمجھتے ہیں دونوں میں فرق نہیں کرتے چنانچہ معراج کے محال ہونے کی دلیل یہ بیان کرتے ہیں کہ اوپر ایک طبقہ ایسا ہے جہاں ہوا نہیں ہے اس میں کوئی متنفس زندہ نہیں رہ سکتا۔ مگر اس سے استحالہ لازمی نہیں آیا صرف مستبعاد لازم آیا کیونکہ انسان کے لئے تنفس عقلاً لازم نہیں صرف عادۃً لازم ہے عقلاً یہ ممکن ہے کہ انسان بدون تنفس کے زندہ رہے۔ اور زیادہ نہیں تو کچھ عرصہ تک

Maktaba Tul Ishaat.com

تو بدون تنفس کے زندہ رہنا مشاہد ہے جن لوگوں کو حبس دم کی مشق ہے وہ کئی روز تک اور بعضے کئی مہینوں تک حبس دم کیے رہتے ہیں۔ اور زندہ رہتے ہیں۔ پس انسان کا اس طبقہ میں جہاں ہوا نہیں ہے زندہ رہنا عقلاً ممکن ہے گو عادۃً مستبعد ہے اور معجزہ تو خارق عادت ہوتا ہی ہے اگر معجزہ خارق عادت نہ ہو تو معجزہ ہی کیا ہوا۔

معراج ایک خرق عادت واقعہ ہے

اور اہل اسلام جو حضور ﷺ کے لئے معراج کے قائل ہیں بطور اعجاز و خرق عادت ہی کے قائل ہیں۔ پھر ہم کہتے ہیں کہ تنفس کیلئے مکث طویل کی ضرورت ہے۔ تھوڑی سی دیر کے لئے تنفس لازم نہیں۔ بس اگر اس کے قائل ہوں کہ حضور ﷺ اس طبقہ میں بہت دیر تک ٹھہرے ہیں جب تو ہم پر یہ اشکال وارد ہو سکتا ہے کہ بدون تنفس کے آپ وہاں کیونکر زندہ رہے مگر جو شخص معراج کا قائل ہے وہ آپ کے لئے سرعت سیر کا بھی قائل ہے پس اگر ہم یوں کہیں کہ حضور ﷺ اس طبقہ سے ایک منٹ میں پار ہو گئے تھے۔ تو بتلائے اب کیا اشکال رہا۔ اور جب معراج خود خرق عادت ہے اور عادت سے بہت بعید ہے تو اگر اس کے مقدمات میں جو اس قدر بعید بھی نہیں ہم خرق عادت کے قائل ہوں تو کیا بُعد ہے۔ حضرت صدیقؓ نے کفار کو یہی جواب دیا تھا جب حضور ﷺ نے شب معراج کی صبح کو یہ واقعہ بیان فرمایا کہ رات مجھ کو سموات کی معراج ہوئی ہے۔ تو کفار دوڑے ہوئے حضرت صدیقؓ کے پاس آئے کہ تم نے اور بھی کچھ سنا ہے تمہارے دوست محمد ﷺ آج یہ دعوی کر رہے ہیں کہ ایک رات میں انہوں نے مکہ سے بیت المقدس تک اور وہاں سے ساتویں آسمان تک پہنچے اور صبح سے پہلے واپس بھی آ گئے کیا اب بھی تم ان کی تصدیق کرو گے۔ حضرت صدیقؓ نے فوراً جواب دیا کہ میں تو اس سے زیادہ عجیب بات کی پہلے ہی تصدیق کر چکا ہوں کہ آسمان والے ان کے پاس آتے ہیں۔ اور خدا کا کلام ان پر نازل ہوتا ہے اور جس کے پاس آسمان والے آتے ہوں وہ اگر آسمان پر بلا لیا جائے تو کیا تعجب ہے؟

نظیر اور دلیل میں فرق

دیکھو جس کے پاس بادشاہ خود آتا ہو اگر اس کو بادشاہ کبھی اپنے پاس بلا لے

Maktaba Tul Ishaat.com

تو کیا تعجب ہے۔ بادشاہ کے پاس کسی کا جانا تو عجیب نہیں ہاں بادشاہ کا کسی کے پاس خود آنا زیادہ عجیب ہے تو حضرت صدیقؓ نے فرمایا کہ اگر محمد ﷺ معراج سموات کا دعوی کرتے ہیں تو میں اس کی بھی تصدیق کرونگا۔ کیونکہ میں اس سے عجیب تر کی تصدیق پہلے ہی سے کررہا ہوں تو حضرت صدیقؓ کے جواب کا حاصل یہی ہے کہ جب میں بُعد کا قائل ہوں تو بعید کا قائل ہونا کیا مشکل ہے اس طرح ہم کہتے ہیں کہ جب ہم حضور ﷺ کیلئے خرق عادت کے طور پر معراج کے جو کہ بعد ہے قائل ہیں تو اسی خرق عادت کے طور پر آپ کے لئے سرعت سیر کے بھی جو کہ صرف بعید ہے۔ قائل ہوں تو کیا بعد ہے اور سرعت سیر کی حالت میں نہ اس طبقہ میں جو ہوا سے خالی ہے تنفس کی ضرورت ہے نہ اس حالت میں کرہ نار سے گزرنے میں احتراق لازم آتا ہے کیونکہ احتراق کیلئے بھی مکث فی النار کی ضرورت ہے۔ اور اگر کوئی شخص بجلی کی طرح کرہ نار سے نکل جائے تو اس کا بال بھی نہ جلے گا چراغ کی لو میں جلدی انگلی نکالنے سے آگ کا ذرا بھی اثر نہیں ہوتا۔ رہا یہ سوال کہ حضور ﷺ کو یہ سرعت سیر کیونکر میسر ہوئی اس وقت تو ریل اور ہوائی جہاز اور موٹر بھی ایجاد نہ ہوئے تھے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ چیزیں دنیا والوں کے پاس ایجاد نہیں ہوئی تھیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کے یہاں ان سے بھی زیادہ سریع السیر آلات موجود ہیں چنانچہ حدیثوں میں مصرح ہے کہ آپ کو براق پر سوار کر کے معراج کرائی گئی۔ اور براق ایک تیز رو سواری ہے جس کا قدم اس کی مسافت بصر پر پڑتا تھا۔ بہرحال معراج میں استحالہ کی کوئی بات نہیں ہاں استبعاد ضرور ہے اور یہ ہم کو مضر نہیں بلکہ معجزات کے لئے استبعاد تو ضروری ہے ورنہ اعجاز ہی نہ ہوگا۔ مگر آج کل کے سائنس دان علوم عقلیہ سے بالکل بے بہرہ ہیں کہ محال و مستبعد میں بھی فرق نہیں کرتے۔ اسی طرح نظیر اور دلیل میں بھی فرق نہیں کرتے آج کل یہ بھی عجیب جہل ہے کہ مدعی سے نظیر کا مطالبہ کیا جاتا ہے حالانکہ مدعی کے ذمہ صرف دلیل قائم کرنا ہے نظیر تو دعوی کی توضیح کردیتی ہے اس سے اثبات مدعی نہیں ہوتا مگر نو تعلیم یافتہ جماعت نظیر ہی کو ثبوت سمجھتی ہے۔

فضول کاموں میں جان دینا ایک فضول حرکت ہے

غرض یہ لوگ اگر کرہ قمر میں پہنچ جائیں تو ہم تو خوش ہوں گے۔ مگر ہاں اس احتمال

Maktaba Tul Ishaat.com

سے کہ شاید وہاں جا کر ہلاک و برباد ہوں۔ ہمدردی انسانی کی وجہ سے جی کڑھتا ہے اور دل یہ چاہتا ہے کہ ان کو رستہ ہی نہ ملے تو اچھا ہے کیونکہ چاند کی خاصیت ابھی تک محقق نہیں ہوئی اس میں کشش کا وہ مادہ بھی ہے یا نہیں جو زمین میں ہے۔ کیونکہ حکماء کا اس پر اتفاق ہے کہ زمین پر انسان وغیرہ کا استقرار اسو جیسے ہے کہ اس میں کشش کا مادہ ہے اگر یہ مادہ نہ ہوتا تو آدمی کا زمین پر رہنا اور دوسرے کرات میں نہ چلا جانا ترجیح بلا مرجح ہے۔ آسانی کے لئے یوں سمجھئے کہ زمین کی اور اس پر رہنے والی مخلوق کی یہ صورت ہے کہ سب کے قدم تو زمین پر جمے ہوئے ہیں مگر سر کسی کا اوپر کو ہے اور کسی کا دوسرے کے اعتبار سے نیچے کو ہے۔ اس کے صورت میں یقیناً اگر زمین میں کشش کا مادہ نہ ہوتا تو انسان وحیوانات کا اس پر مستقر ہونا سخت دشوار ہوتا۔ اور قمر میں مادہ کشش کا ہونا اب تک سائنس والوں کو بھی محقق نہیں ہوا۔ بس یہ لوگ دور سے ہی حساب لگا رہے ہیں۔ مجھے اندیشہ ہے کہیں ان کے حساب کی وہی مثال نہ ہو جو بنئے کو حساب کی ہوئی تھی کہ لیکھا جوں کا توں کنبہ ڈوبا کیوں مگر آج کل اس پر بھی فخر ہے کہ جس نے تحقیق میں جانیں دیں ہیں حالانکہ فضول باتوں میں جان دینا ایک فضول حرکت ہے۔ تمہارے جان دینے پر جب کوئی ثمرہ مرتب نہ ہوا تو اس پر فخر کرنا ایسا ہے جیسے کوئی سنکھیا کھا کر جان دے اور فخر کرے کہ میں بڑا بہادر ہوں مگر اس کو کوئی بہادری نہیں کہتا بلکہ حماقت کہتے ہیں۔ اسی طرح ان فضول تحقیقات کے پیچھے جان دینا ہمارے نزدیک تو حماقت ہی حماقت ہے۔ صاحبو! یہ جان آپ کی نہیں ہے بلکہ خدا تعالیٰ کی امانت ہے اس کو بدون خدا کے حکم کے صرف کرنا جائز نہیں اور اسی بناء پر خودکشی سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔

وَلَا تَقْتُلُوا اَنْفُسَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا. اپنی جانوں کو ہلاک نہ کرو بیشک اللہ تعالیٰ تم پر مہربان ہے۔ اہل اللہ کو یہ مسئلہ پوری طرح منکشف ہو گیا ہے کہ یہ جان ہماری نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی چیز ہے اس لئے وہ اپنی جان کی بہت حفاظت کرتے ہیں۔ اور کوئی کام بدون رضائے خدا کی نیت کے نہیں کرتے۔ چنانچہ ان کو یہ معلوم ہو جائے کہ یہاں اللہ تعالیٰ جان دینا پسند کرتے ہیں تو وہ سب سے زیادہ جان دینے میں دلیر ہوتے ہیں۔ اور جب یہ معلوم ہو کہ یہاں جان دینا خدا کو پسند نہیں تو وہ سب سے زیادہ اپنی جان کی حفاظت

Maktaba Tul Ishaat.com

کرتے ہیں لوگ سمجھتے ہیں کہ ان کو اپنے جسم و روح سے بہت محبت ہے حالانکہ حقیقت میں ان کو خدا سے محبت ہے اور اس وجہ سے خدا کی ہر چیز سے محبت ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔

نازم بچشم خود کہ جمال تو دیدہ است ☆ افتم بپائے خود کہ بکویت رسیدہ است

مجھ کو اپنی آنکھوں پر ناز ہے کہ انہوں نے تیرے جمال کو دیکھا ہے اور اپنے پاؤں پر رشک کرتا ہوں کہ وہ تیرے کوچے میں پہنچے ہیں۔

ہر دم ہزار بوسہ زنم دست خویش را ☆ کو دامنت گرفتہ بسویم کشیدہ است

ہر گھڑی اپنے ہاتھوں کو ہزار بوسہ دیتا ہوں کہ انہوں نے تیرا دامن پکڑ کر میری طرف کھینچا ہے۔

ان کو اپنے اعضاء سے محض اس لئے محبت ہے کہ یہ خدا کی امانتیں ہیں اور ان کے ذریعہ سے مرضیات الٰہیہ کی تعمیل ہوتی ہے اور کوئی وجہ نہیں صاحبو! آج جو خیال امریکہ والوں کے دماغ میں آیا ہے کہ چاند میں پہنچنا چاہیے یہ خیال پہلے بھی بعض سلاطین کو ہوا ہے چنانچہ فرعون نے آسمان پر چڑھنے کا ارادہ کیا تھا۔ قال فرعون یاھامان ابن لی صرحا لعلی ابلغ الاسباب اسباب السموات فاطلع الی الہ موسی. فرعون نے کہا اے ہامان میرے واسطے ایک اونچا محل بنا شاید میں رستوں میں پہنچ جاؤں آسمان کے رستوں میں جھانک کر دیکھوں موسیٰ کے خدا کو۔ پھر یہ معلوم نہیں کہ اس نے اس ارادہ کے بعد تدابیر کا اہتمام کیا یا نہیں اور کیا تدبیر کی اسی طرح نمرود کو خیال ہوا تھا اور اس نے تدبیر بھی کی جیسا کہ سیر میں مذکور ہے کہ اس نے چار کرگس پالے اور کرگس بڑا مضبوط جانور ہے پھر ان کو تخت کے چاروں پایوں سے منسلک کیا اور چاروں پایوں پر چار بانس باندھے اور ان کے سروں پر گوشت لٹکا دیا کرگس گوشت کو دیکھ کر تخت کو لے اڑے اور بہت دور تک میلوں اڑے چلے گئے یہ پہلی منزل تھی اگر اس کے بعد دوسرے سلاطین بھی ارادہ کرتے تو اس میں ترقی کر لیتے اور کوئی اس سے بھی سہل تدبیر نکالتے مگر سب نے اس کو فضول سمجھا اسی لئے سلاطین اسلام نے اس کا کبھی قصد نہیں کیا کیونکہ وہ لغو اور فضول سمجھتے تھے۔ اور اسلام نے لغو سے منع کیا ہے۔ والذین ھم عن اللغو معرضون اور جو لوگ لغو باتوں سے اعراض کرتے ہیں۔ گو لغویات میں جہنم کا عذاب نہ ہو مگر ممنوع ضرور ہے اسی لئے ایک بزرگ تیس برس تک اس وجہ سے

Maktaba Tul Ishaat.com

روئے کہ ان کی زبان سے ایک فضول کلمہ نکل گیا تھا۔ حدیث میں ہے من حسن اسلام المرئ ترکہ مالا یعنیہ (مجمع الزوائد ۸:۱۸- کنز العمال ۳:۸۲۹۱) آدمی کے کمال اسلام کی علامت یہ ہے کہ وہ فضول وعبث سے احتراض کرے۔ اسی لئے ہم دعوی کرتے ہیں کہ رسول ﷺ کا کوئی فعل وقول خالی عن الحکمۃ نہیں ہوتا گو کسی فعل میں ہم کو حکمت معلوم نہ ہو تو ہمارے عمل وعلم سے یہ لازم نہیں آتا کہ واقع میں بھی وہاں حکمت نہیں۔

حضور ﷺ کے مزاح میں حکمت

مثلاً حضور ﷺ مزاح فرماتے تھے اس میں بھی حکمت تھی۔ ایک حکمت تو تطییب قلوب اصحابہ تھی۔ اور دوستوں کا دل خوش کرنا بھی عبادت ہے میں نے اپنے استاد مولانا فتح محمد صاحبؒ سے سنا ہے کہ ایک دفعہ وہ حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہ کی خدمت میں دیر تک بیٹھے رہے اور باتیں کرتے رہے جب اٹھنے لگے تو حضرت سے عرض کیا کہ آج میں نے حضرت کا بہت وقت ضائع کیا حضرت کی عبادت میں خلل ڈالا حاجی صاحب نے فرمایا کیا نفلیں ہی پڑھنا عبادت ہے۔ دوستوں سے باتیں کرنا عبادت نہیں؟ یہ تم نے کیا کہا کہ وقت ضائع کیا نہیں بلکہ یہ سارا وقت عبادت ہی میں گزارا اسی طرح حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ صبح کی نماز کے بعد بعض دفعہ مصلے پر بیٹھے رہتے تھے اور اشراق کے وقت تک دوستوں سے باتیں کرتے تھے۔ آدمی تو یہ سمجھتا ہوگا۔ کہ یہ وقت عبادت سے خالی گزرا مگر مولانا اس کو بھی عبادت میں مشغول سمجھتے تھے۔ کیونکہ تطییب قلب مومن بھی عبادت ہے۔ بس ایک حکمت تو حضور ﷺ کے مزاح میں یہ تھی دوسری حکمت وہ تھی جو مجھے خواب میں بتلائی گئی۔ میں نے شباب میں خواب دیکھا تھا کہ ملکہ وکٹوریہ ایک ایسی سواری میں سوار ہے جس میں نہ انجن ہے نہ گھوڑا ہے نہ بیل۔ اس وقت تو میں اس سواری کی حقیقت کو نہیں سمجھا تھا۔ مگر اب موٹر کو دیکھ کر خیال ہوتا ہے کہ وہ سواری لاری موٹر کی شکل تھی اور میں نے دیکھا کہ ملکہ سوار تھی تھانہ بھون کی گلیوں اور سڑکوں میں پھر رہی ہے پھر تھوڑی دیر کے بعد میں نے اپنے کو بھی اس سواری پر سوار دیکھا۔ اس وقت ملکہ نے مجھے کہا کہ مجھے حقانیت اسلام میں اور کوئی شبہ نہیں صرف ایک بات کھٹکتی ہے۔ اگر وہ حل ہو جائے تو پھر اسلام کے حق

Maktaba Tul Ishaat.com

ہونے میں مجھے کوئی اشکال نہ رہیگا میں نے کہا آپ بیان کیجئے۔ وہ کیا شبہ ہے۔ کہا حدیث میں آتا ہے کہ رسول ﷺ مزاح بھی فرماتے ہیں۔ اور مزاح وقار کے خلاف ہے اور نبی کیلئے باوقار ہونا ضروری ہے یہ اشکال سلاطین ہی کے مذاق کے مناسب ہے کیونکہ وقار وخودداری کا سب سے زیادہ اہتمام انہی کو ہوتا ہے۔ میں نے جواب دیا کہ رسول ﷺ کے مزاح میں ایک بڑی حکمت تھی۔

دبدبہ سرور دو عالم ﷺ

وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو رعب جلال اس درجہ فرمایا تھا کہ ہرقل وکسری اپنے تخت پر بیٹھے ہوئے آپ کے نام سے تھراتے تھے۔ حدیث میں ہے نصرت بالرعب مسیرۃ شھر (سنن النسائی' الجھاد ب ا-مسند احمد ۲:۲۶۸) کہ اللہ تعالیٰ نے میری مدد رعب سے بھی کی ہے جو ایک مہینہ کی مسافت تک پہنچا ہوا ہے یعنی اس مخلوق پر بھی آپ کا رعب طاری تھا جو بقدر ایک مہینہ کی مسافت کے آپ سے دور تھے۔ پاس والوں کا تو کیا ذکر اور حضور تو بڑی چیز ہیں حضور ﷺ کے غلاما ن غلام کے نام سے بھی سلاطین کانپتے تھے۔ جیسے حضرت عمر وحضرت خالدؓ اور یہ معلوم ہے کہ حضور ﷺ سلطان نہ تھے بلکہ رسول بھی تھے اور رسول کا کام یہ ہے کہ امت کی ظاہری باطنی اصلاح کرے جس کے لئے افادہ واستفادہ کی ضرورت ہے اور افادہ واستفادہ کی شرط یہ ہے کہ مستفیدین کا دل مربی سے کھلا ہوا ہوتا کہ وہ بے تکلف اپنی حالت کو ظاہر کر کے اصلاح کر سکیں اور جس قدر رعب وجلال خدا تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا تھا وہ صحابہؓ کو استفادہ سے مانع ہوتا تھا۔ اس لئے حضور ﷺ گاہ گاہ اس مصلحت سے مزاح فرماتے تھے کہ صحابہ کے دل کھل جائیں اور وہ ہر وقت مرعوب رہ کر اپنے دل کو باتوں کے بیان کرنے سے رکیں اور یہ مسلم نہیں کہ مزاح خلاف وقار ہے خلاف وقار صرف وہ مزاح ہے جس میں کوئی مصلحت وحکمت نہ ہو۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حضور ﷺ کے مزاح سے آپ کے وقار وعظمت میں کمی نہ آتی تھی بلکہ اس کا اثر صرف یہ تھا کہ صحابہؓ کے قلوب میں انشراح پیدا ہوتا اور وہ انقباض جاتا رہتا تھا۔ جو غایت اور رعب کی وجہ سے قلوب میں عادۃ پیدا ہوتا ہے جس کا ثمرہ یہ تھا کہ قلوب میں آپ

Maktaba Tul Ishaat.com

کی محبت جاگزیں ہوتی تھی اگر آپ مزاح نہ فرماتے تو صحابہؓ کے اوپر آپ کا خوف ہی خوف غالب ہوتا محبت غالب نہ ہوتی۔ اور جب مزاح سے آپ کی محبت غالب ہوئی تو آپ کے وقار و عظمت میں کچھ بھی کمی نہ ہوئی۔ بلکہ پہلے سے بھی زیادہ ہوگئی۔ کیونکہ پہلے تو وقار و عظمت کا منشا صرف خوف تھا اب محبت و خوف دونوں مل کر کام کرنے لگے۔ اور اگر کوئی یوں کہے کہ مزاح سے تو خوف زائل ہوجاتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ وہاں ہوتا ہے، جہاں مزاح کرنے والے میں شان رعب کم ہو اور وہ مزاح بکثرت کرے اور اگر شان رعب بہت زیادہ ہو جیسا کہ حضور ﷺ کی بابت احادیث میں وارد ہے اور مزاح بھی کثرت سے نہ ہو تو اس صورت میں مخاطب بے خوف نہیں ہوسکتا چنانچہ مشاہدہ اس کی دلیل ہے اور احادیث سے معلوم ہوسکتا ہے کہ حضرات صحابہؓ کے قلوب میں حضور ﷺ کی عظمت کس قدر تھی اور جب کبھی کسی بات پر آپ کو غصہ آگیا تو صحابہ کی کیا حالت ہوتی تھی۔ کہ حضرت عمرؓ جیسے قوی القلب شجاع بھی تھرا جاتے اور گھٹنوں کے بل بیٹھ کر عاجزانہ التجا کرنے لگتے تھے۔ اس جواب کے بعد ملکہ نے کہا کہ اب میرا اطمینان ہوگیا اور اب مجھے حقانیت اسلام میں کوئی شبہ نہیں رہا یہ گفتگو اس پر چلی تھی کہ میں نے کہا تھا کہ ہم دعوی کرتے ہیں کہ حضور ﷺ کا کوئی قول و فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ حضور ﷺ تو بڑی چیز ہیں میں کہتا ہوں کہ حضور ﷺ کے غلامان بھی کوئی فعل عبث نہیں کرتے ان کے ہر فعل میں نیت صالح ہوتی ہے اور اگر کسی فعل میں کوئی خاص نیت نہ ہو۔

اظہار عبدیت شرعاً مطلوب ہے

کیونکہ بعض دفعہ ہر فعل میں نیت تراشنا مشکل ہوتا ہے تو اس میں اظہار عبدیت کی حکمت ہوتی ہے۔ کہ ہم ایسے عاجز ہیں کہ ہم سے نیت صالحہ بھی نہیں ہوسکتی اور اظہار عبدیت شرعاً مطلوب ہے رسول ﷺ نے محض اظہار عبدیت کیلئے بھی بعض افعال کئے ہیں چنانچہ کھانا کھا کر آپ اول خدا کی حمد فرماتے تھے۔ الحمدللّٰہ الذی اطعمنا وسقانا وجعلنا من المسلمین۔ (سنن الترمذی ۳۳۹۶-الصحیح المسلم' الذکر والدعاء ۶۴) تمام تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جس نے ہم کو کھانا کھلایا۔ اس کے بعد فرماتے

Maktaba Tul Ishaat.com

غیر مودع ولا مکفی ولا مستغنی عنه ربنا. اے اللہ ہم اس کھانے کو ہمیشہ کے لئے رخصت نہیں کرتے۔ بلکہ دوسرے وقت پھر اس کی طلب کرینگے۔ اور نہ اس کی بیقدری کی گئی ہے۔ بلکہ پیٹ بھرنے کے بعد بھی ہم اس کے ویسے ہی قدردان ہیں جیسے بھوک کی حالت میں تھے۔ اور نہ اس سے ہم کو استغناء ہوا ہے بلکہ ہر حال میں اس کے محتاج ہیں مگر اس وقت دسترخوان اس لئے اٹھادیا گیا کہ اب گنجائش نہیں رہی۔ اب کہاں ہیں اہل طامات وشطحیات جو جنت سے بھی بے پرواہ بنتے ہیں کہ ہم کو نہ جنت کی پرواہ ہے نہ دوزخ کا خوف ہے ارے تمہارے رسول تو روٹی کے دو لقموں کا بھی اپنے کو محتاج فرماتے ہیں تم جنت جیسی نعمت سے مستغنی کس طرح ہوگئے۔ موسیٰ کو جس وقت بھوک لگی ہے تو وہ فرماتے ہیں رب بما انزلت الی من خیر فقیر. وہ بھی اپنے کو روٹیوں کا محتاج اور فقیر ظاہر کرتے تھے کیا تم انبیاء سے بھی بڑھ گئے کہ دنیا کی نعمتوں سے گزر کر آخرت کی نعمتوں سے بھی بے پرواہ اور مستغنی ہوگئے۔

اللہ تعالیٰ کی کسی نعمت سے اظہار استغناء منافی ادب ہے

ان لوگوں میں ادب نہیں ہے اگر ادب ہوتا تو حق تعالیٰ کی کسی نعمت سے بھی استغناء ظاہر نہ کرتے ان کی بے ادبی کی یہ حالت ہے کہ ایک ظالم نے میرے سامنے یہ بات کہی کہ آج تو نعوذ باللہ نعوذ باللہ اللہ میاں کی ناک دکھ رہی ہے میں نے کہا کمبخت کیا بکتا ہے تو آپ نے یہ تاویل کی کہ ہر چیز تو خدا ہی کی ہے زمین بھی آسمان بھی تم بھی میں بھی۔

تو میری ناک بھی اللہ ہی کی ہے میں نے کہا سبحان اللہ۔ اگر یہی تاویل ہے تو کل تو تم یوں بھی کہو گے کہ اللہ میاں کی بیوی مرگئی۔ نعوذ باللہ منہ اگر کبھی تمہاری بیوی مرجائے اور اپنے بیٹے کو کہہ دینا کہ یہ اللہ کا بیٹا ہے پھر یہود ونصاریٰ کو جو اللہ تعالیٰ نے اس بات پر دھمکایا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کیلئے بیوی اور بچے تجویز کرتے تھے۔ یہ سب لغو ہی ہوجائے گا اور اگر یہود ونصاریٰ کا وہ قول کفر ہے تو تمہارا قول کفر ہے تو تمہارا یہ قول بھی کفر ہے۔ آخر ادب بھی کوئی چیز ہے یا نہیں شریعت میں تو ادب کلام کی اس قدر رعایت ہے کہ حضرت موسیٰ نے ایک سائل کے جواب میں جس نے سوال کیا تھا من اعلم الناس الیوم آج کل سب سے بڑا عالم کون ہے بلا قید کے یہ فرمادیا تھا انا اعلم کہ میں سب سے بڑا عالم

Maktaba Tul Ishaat.com

ہوں۔ تو اس لفظ پر عتاب ہوا اور موسیٰ علیہ السلام کو خضر علیہ السلام کے پاس بھیجا گیا حالانکہ بظاہر موسیٰ کا کلام بالکل صحیح تھا کیونکہ مقصود ان کا یہی تھا کہ علم شرائع واحکام میں سب سے زیادہ اس وقت عالم ہوں اور ظاہر ہے کہ موسیٰؑ سے بڑا نبی اس وقت کوئی نہ تھا جتنے انبیاءؑ اس وقت تھے سب ان کے تابع تھے۔ بلکہ ان کے بعد بھی ہزار برس سے زیادہ تک جملہ انبیاءؑ شریعت موسویہ ہی کے تابع ہوئے۔

علم خضر علیہ السلام کی مثال

اور علم خضر کی مثال ان کے سامنے ایسی تھی جیسے وائسرائے کے علم کے سامنے کوتوال کا علم کہ جزئیات ووقائع کا علم کوتوال کو وائسرائے سے زیادہ ہوتا ہے مگر اصول سلطنت اور کلیات قانون کے علم میں وائسرائے کی برابر کوئی حاکم بھی نہیں ہوتا۔ خضرؑ کا مرتبہ علم باطن میں بھی موسیٰؑ سے بڑھا ہوا تھا کیونکہ علم باطن بھی شریعت ہی کا ایک جزو ہے کیونکہ شریعت نام ہے مجموعہ احکام ظاہرہ وباطنہ کا اور علم باطن کی حقیقت احکام باطنہ ہے اور جب یہ بھی علم شریعت ہی کا جزو ہے تو یقیناً موسیٰ اس میں خضرؑ سے اکمل تھے کیونکہ موسیٰ انبیاء اور اولوالعزم سے ہیں۔ اور خضرؑ کی نبوت خود مختلف فیہ ہے اور نبی کے لئے علم شرائع میں غیر نبی سے اور اس طرح اس شخص سے بھی جس کی نبوت مختلف فیہ ہے کامل ہونا ضروری ہے پس خضرؑ سے علم باطن میں بھی موسیٰ اکمل تھے اور یہ میں نے اس لئے بیان کر دیا کہ اس میں بہت لوگوں کو دھوکہ ہو گیا ہے بعض لوگ خضرؑ کو علم باطن میں موسیٰ سے افضل سمجھتے ہیں اور غضب یہ ہے کہ بعض علماء بھی اس غلطی میں مبتلا ہو گئے مگر یہ علماء وہ ہیں جو صرف اہل ظاہر ہیں جنہوں نے علم باطن کی حقیقت کو نہیں سمجھا ان کو دھوکہ اس سے ہوا کہ قرآن میں جو وقائع خضرؑ کے مذکور ہیں جس کی حقیقت موسیٰ کو ابتداء میں معلوم نہیں ہوئی ان حضرات نے ان واقعات کو علم باطن کی قبیل سے سمجھا ہے حالانکہ ان کو علم باطن سے کچھ تعلق نہیں بلکہ ان کا تعلق صرف کشف کونی سے ہے اور کشف کونی ہی میں خضر سے بڑھے ہوئے تھے اور کشف کونی کو علم موسیٰ سے کچھ بھی نسبت نہیں اس کی مثال بالکل وہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی کہ کوتوال کو شہر کے واقعات وحالات کا علم وائسرائے سے زیادہ ہوتا ہے مگر اس سے کوتوال کا درجہ وائسرائے سے نہیں بڑھ جاتا کیونکہ

Maktaba Tul Ishaat.com

اس علم کو اس علم سے کچھ بھی نسبت نہیں جو وائسرائے کو حاصل ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ علم ظاہر اور علم باطن اور کشف الٰہی میں جس سے اسرار و حکم معلوم ہوتے اور معرفت ذات وصفات میں ترقی ہوتی ہے۔ موسیٰ ہی افضل تھے صرف کشف کونی میں جس کو قرب حق میں کچھ بھی دخل نہیں گو بعض مقربین کو عطا ہو جاتا ہے۔ خضرؑ پڑھے ہوئے تھے اور اوپر معلوم ہو چکا کہ اس علم کو موسیٰ کے علم سے کچھ بھی نسبت نہ تھی۔ مگر چونکہ ظاہر میں یہ بھی ایک علم ہے اور لذیذ علم ہے جس میں عجیب وغریب تماشے نظر آتے ہیں۔ اور اسی لئے حضور ﷺ نے یہ فرمایا کہ کاش موسیٰ کچھ اور صبر فرماتے تا کہ اللہ تعالیٰ ہمارے سامنے ان کے اور واقعات بیان فرماتے تو حضور ﷺ کے اس ارشاد کا یہ مطلب نہیں کہ کشف کونی علم موسیٰ سے بڑھا ہوا ہے بلکہ یہ تمنا آپ نے اس لئے کہ کہ اس علم سے عجائبات عالم کا انکشاف زیادہ ہوتا ہے پس اس کے علم ہونے میں اور عجیب ہونے میں کلام نہیں۔ اس واسطے موسیٰ کو بلا قید انا اعلم نہ فرمانا چاہیے تھا۔ بلکہ احتمال ہونا چاہیے تھا کہ شاید کسی دوسرے علم میں گو وہ میرے علم سے کمتر ہی ہو کوئی دوسرا بڑھا ہوا ہو اور اس احتمال کی رعایت کر کے انا اعلم کو قید کے ساتھ مقید کرنا چاہیے تھا کہ انا اعلم بالشرائع مثلاً باوجود یہ کہ ان کی مراد مطلق سے مقید ہی تھی اور ان کے علم کے سامنے دوسرے علوم کی کچھ حقیقت بھی نہ تھی۔ موسیٰؑ پر اطلاق کلام کی وجہ سے عتاب ہوا اور ادب کی تعلیم کا اس درجہ اہتمام کیا گیا کہ ان کو خضرؑ کی شاگردی کا حکم ہوا۔ جس کے واسطے مجمع البحرین تک سفر کرنا پڑا اور خضرؑ سے درخواست کرنا پڑی۔ **هل اتبعک علی ان تعلمن مما علمت رشدا**۔ اگر آپ کہیں تو آپ کے ساتھ رہوں اس بات پر کہ مجھے سکھلا دیں جو کچھ آپ کو بھی راہ بتلائی گئی ہے۔ بزرگوں نے اس سے یہ ادب مستنبط کیا ہے کہ کسی شخص کے ساتھ رہنے کے لئے بھی اس سے اجازت لینی چاہیے جیسا کہ موسیٰ نے خضرؑ سے اجازت طلب کی اس پر خضرؑ نے جواب دیا **انک لن تستطیع معی صبرا**۔ آپ میرے ساتھ ٹھہر نہ سکیں گے۔ کہ آپ میرے ساتھ نہیں رہ سکیں گے۔ **وکیف تصبر علی مالم تحط به خبرا**۔ اس میں ساتھ نہ رہ سکنے کی وجہ بتائی ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ میرے افعال کے اسباب ومناشی کا آپ کو علم نہ ہوگا۔

Maktaba Tul Ishaat.com

اور ظاہری صورت ان کی منکر ہوگی تو آپ سے اس پر کیوں کر صبر ہوگا۔ موسیٰ نے اس پر صبر کا وعدہ کیا اور خضرؑ نے اس شرط سے ان کو ساتھ رکھنا منظور فرمایا کہ میں جو کچھ بھی کروں اس کے متعلق مجھے کچھ باز پرس نہ کی جائے جب تک میں خود ہی اس کی وجہ نہ بتلا دوں۔ موسیٰ نے اس کو منظور کیا اور ساتھ ہو لئے پھر انہوں نے راستے میں اول ایک کشتی کا تختہ اکھاڑ دیا پھر ایک لڑکے کو جان سے مار ڈالا موسیٰ نے بے ساختہ اس پر باز پرس کی کہ یہ کیا حرکت ہے کہ تم نے ایک معصوم بچہ کو جان سے ناحق مار ڈالا خضرؑ نے وعدہ یاد دلایا کہ آپ نے وعدہ خلافی کی میں تو پہلے ہی کہتا تھا کہ آپ سے صبر نہ ہوگا۔ موسیٰ نے فرمایا کہ اب سے اگر وعدہ خلافی کروں تو مجھ کو ساتھ نہ رکھئے گا۔ اس کے بعد موسیٰ نے پھر ایک بات پر باز پرس کی اور خضرؑ نے فرمایا **ھذا فراق بینی وبینک** اور ایسی بات کو دیکھ کر جس کا سمجھنا تمہارے قابو میں نہیں کیونکر ٹھہرو گے میرے اور تمہارے درمیان اب جدائی ہے۔ اور اس کے بعد اپنے سب افعال کی حقیقت ظاہر کی جس کا مفصل ذکر قرآن میں مذکور ہے۔

علم باطن کے شرائط و آداب

یہاں سے بزرگوں نے یہ مسئلہ استنباط کیا ہے کہ شیخ پر مواخذہ و انکار پر عجلت نہ کرنا چاہیے۔ ورنہ اس کا نتیجہ وہی ہوگا جو اس قصہ میں ہوا کہ شیخ بھی خضرؑ کی طرح کہہ دے گا ہذا فراق مولانا فرماتے ہیں

گر خضر در بحر کشتی را شکست ☆ صد درستی در شکست خضر ہست

اگر خضرؑ نے سمندر میں کشتی توڑ دی تو خضرؑ کے کشتی توڑنے میں سینکڑوں درستگی ہیں۔

صبر کن در کار خضر ای بے نفاق ☆ تا نگوید خضر رو ہذا فراق

اے بے نفاق خضرؑ کے کام میں بھی صبر کرتا کہ خضر علیہ السلام اس راہ میں نہ کہہ دیں کہ یہ جدائی ہے۔

مولانا کے اس کلام کا یہ مطلب نہیں کہ خضرؑ باطن میں موسیٰ علیہ السلام سے کامل تھے بلکہ تشبیہ شیخ کو خضرؑ قرار دے کر کلام فرما رہے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ جب علم خضر میں جو علم باطن یعنی موسیٰ کے سامنے کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتا اس قدر شرائط و آداب ہیں کہ علم باطن میں جو اس سے افضل ہے ضرور ان آداب کی رعایت کرنا چاہیے۔ مگر آج کل لوگ ذرا ادب نہیں

Maktaba Tul Ishaat.com

کرتے اور یوں تاویل تو ہر بات میں ہو سکتی ہے۔ ابھی میں ایک شخص نے اپنے باپ سے کہا تھا کہ میں تو آپ کو بجائے باپ ہی کے سمجھتا ہوں۔ یقیناً یہ شخص گستاخ نالائق نہ تھا۔ گو یہ تاویل وہ بھی کر سکتا تھا کہ لفظ بجائے زائد ہے جیسے پیشوائے چو مصطفیٰ داریم میں حرف تسبیہ زائد ہے بہر حال ہماری ہر چیز خدا کی ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ بے ادبی کرنے لگو اور بے ادبی کو جائز سمجھ کر اپنی ناک کو خدا کی ناک اور اپنی بیوی کو خدا کی بیوی کہنے لگو نعوذ باللہ من ذالک۔

ممانعت قتل نفس کی حکمت

میں یہ کہہ رہا تھا کہ جو لوگ فضول تحقیقات کے پیچھے جان دینے کو بہادری سمجھتے ہیں وہ غلطی پر ہیں کیونکہ جان تمہاری نہیں بلکہ خدا کی چیز ہے جس میں بدون اجازت کے تصرف جائز نہیں اور ممانعت قتل نفس کی حکمت فقط رحمت ہی نہیں بلکہ یہ وجہ بھی ہے کہ ہماری جان ہماری نہیں۔ بس اب اگر کسی مسلمان کو چاند میں جانے کا خیال ہوا تو اس کو علماء سے استفتاء کرنا واجب ہوگا۔ اس پر مفتی یہ سوال کرے گا کہ اس سفر میں خطرہ قویہ تو نہیں اس کے جواب میں مستفتی یہ خطرات بیان کریگا کہ نہ معلوم چاند میں کشش ہے یا نہیں اگر کشش نہ ہوئی تو ہم وہاں پہنچ کر بھی اس پر قرار نہیں پکڑ سکتے۔ خدا جانے کہاں گر پڑیں اور نہ معلوم اس کی سردی کا تحمل ہو سکے گا یا نہیں اس پر مفتی کہے گا کہ جب اس سفر کا نفع تو موہوم اور غیر ضروری اور خطرہ غالب تو یہ سفر حرام ہے۔ **فقد قال اللہ تعالی ولاتقتلوا انفسکم ان اللہ کان بکم رحیماوقال ایضاً ولاتلقوا بایدیکم الی التھلکۃ** آپس میں خون نہ کرو بے شک اللہ تعالیٰ تم پر مہربان ہے۔ اپنے آپ کو خود سے ہلاکت میں مت ڈالو۔ اس جواب کا حاصل یہی ہے کہ شریعت میں ترقی کی حد ہے اور یہ کہ انسان کی جان اس کی ملک نہیں کہ اس میں جو چاہے تصرف کرے۔

آجکل کی ترقی کا منشاء

آجکل جو لوگ ترقی ترقی پکارتے ہیں ان کی ترقی کا منشاء یہ ہے کہ وہ اپنی جان کو اپنی ملک سمجھتے ہیں خدا کی چیز نہیں سمجھتے دوسرے ان کے یہاں ترقی کی کوئی حد نہیں بعض

Maktaba Tul Ishaat.com

لوگ قطب جنوبی کی تحقیق کو گئے اور بہت آدمی اس خبط میں ہلاک ہوگئے بھلا یہ بھی کچھ عافیت ہے بلکہ یہ تو آفت ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس میں یہ نفع ہے کہ ہمارا نام ہوگا میں کہتا ہوں اگر اس سے تم کو کیا نفع ہوا تم تو ہلاک ہوکر نہ معلوم جہنم کے کس طبقہ میں ہوگے۔ پیچھے اگر نام ہوا بھی تو تم کو کیا فائدہ جیسے بعض لوگ جائداد حرام وحلال سے جمع کر کے چھوڑ جاتے ہیں تا کہ اولاد کے کام آئے میں کہتا ہوں اولاد کے کام آنے سے تم کو کیا فائدہ ہوگا۔ تم جہنم میں جلتے ہوگے اور اولاد گیلچڑے اڑاتی ہوگی۔ اب بتلاؤ نام سے کیا فائدہ ہوا اس پر شاید کوئی یہ کہے کہ نام بھی تو مطلوب ہے چنانچہ حضرت ابراہیمؑ نے اس کے لئے دعا فرمائی ہے واجعل لی لسان صدق فی الاخرین، اور میرے لئے پیچھے آنے والے آدمیوں میں نیک نامی باقی رکھئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ

کار بوزینہ نیست نجاری بندر کا کام ترکھان کا نہیں ہے

بندر بھی آدمی کی نقل کیا کرتا ہے مگر اس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ جو اس بندر کا ہوا تھا جس نے بڑھئی کی نقل کی تھی کہ اس کا سارا سرمایہ کھونٹی نکالنے سے دو لکڑیوں کے بیچ میں پھنس گیا اور وہ لگا چیخنے چلانے ادھر سے بڑھئی آ گیا اس نے بھی خوب مرمت کی۔ صاحبو! ابراہیمؑ پر تم اپنے کو قیاس نہ کرو ورنہ تمہاری مثال اس بندر جیسی ہوگی۔ حضرت ابراہیمؑ نے جو نیک نام کی تمنا کی ہے اس کا منشا یہ تھا کہ اس طرح میرے اقوال وافعال بھی محفوظ رہیں گے اور میرا اتباع زیادہ کیا جائیگا۔ تو ثواب بھی مجھے زیادہ ملے گا اور قرب ودرجات میں بھی ترقی ہوگی۔ ان کو محض شہرت مطلوب نہ تھی۔ بہرحال آج کل لوگوں میں ترقی کی بہت ہوس ہے اور مسلمان یہ چاہتے ہیں کہ یورپ کی تقلید کر کے ترقی کریں۔

کورانہ تقلید کی ممانعت

مگر آج تک ان لوگوں کو یہ بھی خبر نہیں کہ یورپ کی ترقی کی حقیقت کیا ہے بس انہوں نے تو ترقی کا نام سن لیا اور اندھے ہوکر ان کے پیچھے ہولئے یہ بھی نہ سوچا کہ ترقی کی حقیقت کیا ہے۔ اور وہ ہمارے امام کو حاصل بھی ہے یا نہیں اسی کا نام کورانہ تقلید ہے اور اسی کو شریعت نے منع کیا ہے اور اسی کے بارہ میں مولانا فرماتے ہیں۔

Maktaba Tul Ishaat.com

خلق را تقلید شان برباد داد ☆ کہ دوصد لعنت بریں تقلید باد

مخلوق ایسی تقلید سے برباد ہوئی کہ ایسی تقلید پر دوسو لعنتیں۔

بعض لوگ جو تقلید فی الاحکام کے منکر ہیں مقلدین کے مقابلہ میں مولانا کا یہ شعر پڑھ دیا کرتے ہیں کہ دیکھو مولانا نے تقلید پر لعنت فرمائی ہے مگر یہ ان کا جہل ہے مولانا نے مطلق تقلید پر لعنت نہیں فرمائی بلکہ خاص تقلید پر لعنت فرمائی ہے کیونکہ انہوں نے یوں نہیں فرمایا کہ دوصد لعنت بر تقلید باد بلکہ بریں تقلید باد فرمایا۔ جس میں اشارہ اس تقلید پر جس کا ذکر اس سے پہلے ہو چکا ہے اور اسے پہلے یہ قصہ بیان فرمایا ہے کہ ایک صوفی گدھے پر سوار ہو کر ایک خانقاہ میں پہنچے خانقاہ والے سچے متوکل تھے بلکہ رہزن طریق نام کے متوکل تھے۔ اور اس وقت ان کے یہاں کئی وقت کا فاقہ تھا۔ صوفی کو گدھے پر سوار دیکھ کر خوش ہوئے۔ کہ شکار ہاتھ لگا۔ بس اس کے گدھے کو بیچ کر دو چار دن مزے اڑائیں گے۔ چنانچہ صوفی کی خوب خاطر کی اور گدھے کو اصطبل میں بھیج دیا۔ پھر ایک آدمی کے ہاتھ بازار میں بھیج کر فروخت کرا دیا اور اس کی قیمت سے عمدہ عمدہ کھانے تیار کرائے گئے۔ رات کو کھانے کے بعد سماع شروع ہوا تو ایک شخص نے قوال سے کہہ دیا کہ یہ گانا

خر برفت وخر برفت وخر برفت

گدھا گیا اور گدھا گیا اور گدھا چلا گیا

قوال نے ایسا ہی کہا۔ کیونکہ خانقاہ والوں کو سب لطف امروزہ اسی کی بدولت تھا ان کو وجد ہونے لگا اور اس کا تکرار شروع کر دیا سب کی دیکھا دیکھی وہ درویش بھی یہی کہنے لگے۔ خر برفت وخر برفت وخر برفت۔ کچھ عرصہ کے بعد مجلس سماع ختم ہوئی اور سب لوگ پڑ کر سو رہے صبح درویش نے اپنے خادم سے کہا کہ گدھے پر زین کسو تا کہ آگے روانہ ہوں خادم نے کہا حضور گدھا تو رات ہی سے غائب ہے نہ معلوم کون لے گیا۔ درویش نے کہا ارے کمبخت تو نے رات ہی کیوں نہ اطلاع کی تا کہ تفتیش کی جاتی خادم نے کہا حضور میں تو اطلاع کرنے گیا تھا مگر جب آپ کے پاس پہنچا تو میں نے مجلس سماع میں آپ کو یہ کہتے ہوئے سنا خر برفت وخر برفت وخر برفت میں سمجھا کہ حضور کو گدھے کے جانے کا کشف ہو گیا ہے۔ درویش نے کہا کمبخت مجھے تو کچھ بھی خبر نہ تھی

Maktaba Tul Ishaat.com

میں تو دوسروں کے دیکھا دیکھی کہہ رہا تھا مولانا اس تقلید کی نسبت فرماتے ہیں۔

خلق را تقلید شان برباد داد ☆ کہ دوصد لعنت بریں تقلید باد

کہ ایسی تقلید جیسی اس درویش نے کی تھی یعنی بے سمجھے اس تقلید پر مولانا لعنت فرمارہے ہیں۔

کاملین اور محققین کی تقلید کا حکم

کاملین و محققین کی تقلید کو اور حقیقت سمجھنے کے بعد جو تقلید ہو اس پر مولانا لعنت نہیں فرماتے بلکہ اس کا تو امر فرماتے ہیں۔

چوں گزیدی پیر ہین تسلیم شو ☆ ہم چو موسیٰ زیر حکم خضر رو

جب کسی کو پیر بنایا تو اس کی اطاعت ہر بات میں کرو۔ اور اس کی تو اس قدر تاکید فرماتے ہیں کہ کامل کے سامنے بولنے کو بھی منع فرماتے ہیں۔

صبر کن در کار خضرائے بے نفاق ☆ تا نگوید خضر رو ہذا فراق

اے بے نفاق خضرؑ کے کام میں صبر کرو تا کہ خضرؑ یہ نہ کہہ دیں کہ جدائی ہے۔

قال را بگذار مرد حال شو ☆ پیش مرد کاملے پامال شو

قال کو چھوڑو، حال کے مرد بنو کسی اللہ والے کے سامنے روندے جاؤ۔

اور لقائے تو جواب ہر سوال ☆ مشکل از تو حل شود بے قیل و قال

آپ کی ملاقات ہر سوال کا جواب ہے اور بغیر بحث مباحثہ کے آپ کی ملاقات سے ہر مشکل حل ہو جاتی ہے۔

اور شیخ کی سختی پر اور اسکے امتحان پر ثابت قدم رہنے کی تاکید فرماتے ہیں۔

چوں بیک زخمے گریزانی زعشق ☆ تو بجز نامے چہ دانی زعشق

جب تو ایک ہی زخم سے عشق سے بھاگتا ہے تو سوائے عشق کے نام کے اور کیا جانتا ہے۔

گر نداری طاقت سوزن زدن ☆ از چنیں شیر ژیاں بس دم مزن

جب تم کو سوئی چبھنے کو برداشت نہیں تو پھر ایک شیر کا نام مت لینا۔

تو جو لوگ مولانا کے ایک شعر سے مطلق تقلید کی مذمت ثابت کرتے ہیں وہ مولانا کے اس کلام کو بھی تو دیکھیں کہ اس میں وہ کس تاکید سے تقلید کا امر فرمارہے ہیں۔ سب

Maktaba Tul Ishaat.com

مجموعہ کو ملا کر حاصل یہ نکلے گا کہ مولانا کورانہ تقلید کی مذمت فرماتے ہیں نہ اس تقلید کی جو بصیرت اور تحقیق کے ساتھ ہو چنانچہ فرماتے ہیں۔

ایک شعر کا صحیح مفہوم

کور کورا نہ مرد در کربلا ☆ تا نفتی چوں حسین اندر بلا

(تم اندھے ہو کر کربلا نہ جاؤ جب تک حضرت حسینؓ کی مجاہدات سے تصفیہ باطن نہ کرلو)

اس میں صاف طور تقلید کورانہ سے منع فرمارہے ہیں مگر اس شعر کا صحیح مطلب بھی سن لیجئے کیونکہ بہت لوگ اس کا مطلب غلط سمجھے ہوئے ہیں عام طور سے اس کا ترجمہ یہ کیا جاتا ہے کہ اندھے بن کر کربلا میں نہ جاؤ کہیں تم بھی حسین رضی اللہ عنہ کی طرح گرفتار بلا نہ ہو جاؤ پھر اس پر اشکال کرتے ہیں کہ اس میں حسینؓ کی تنقیص لازم آتی ہے سبحان اللہ ترجمہ تو غلط تم کرو اور تنقیص کا الزام مولانا پر رکھو۔ اسکا صحیح ترجمہ یوں ہے کہ لفظ تا تعلیل کے واسطے نہیں بلکہ غایت کے واسطے ہی یعنی تم اندھے ہو کر کربلا میں نہ جاؤ جب تک کہ امام حسینؓ کی طرح بلا مجاہدہ کا تحمل نہ کرلو یعنی پہلے مجاہدات سے تصفیہ باطن کرو پھر کربلا میں جانے کا نام لینا کیونکہ امام حسینؓ بھی مجاہدہ سے فارغ ہو کر کربلا میں گئے تھے۔ اس لئے پہلے نہیں گئے اس پر کچھ بھی اشکال نہیں اور اس توجیہ کی ضرورت اس وقت ہے کہ یہ شعر مولانا کا ہو مگر میرے نزدیک یہ شعر مولانا کا نہیں ہے کیونکہ مثنوی میں میری نظر سے نہیں گزرا۔ بہرحال ممانعت کورانہ تقلید سے ہے۔ اور حقیقت سمجھ کر تقلید کرنے کا مضائقہ نہیں وہ ایک درجہ تحقیق ہی ہے۔

تحقیق کی دو قسمیں

کیونکہ تحقیق کی دو قسمیں ہیں ایک تفصیلی ایک اجمالی اور تقلید تحقیق تفصیلی کا تو قسم ہے اور تحقیق اجمالی کی قسم ہے ہر مقلد کو اجمالاً اتنی تحقیق ہے کہ ہم اس امام کے مقلد ہیں وہ اللہ و رسول ﷺ کی مراد کو اچھی طرح سمجھتا ہو۔

یورپی تقلید کا حاصل

ہاں ترقی کے بارہ میں جو آج کل یورپ کی تقلید کی جارہی ہے یہ البتہ کورانہ تقلید

Maktaba Tul Ishaat.com

ہے کیونکہ ان لوگوں کو یہ بھی خبر نہیں کہ انکی ترقی کا حاصل کیا ہے سو میں نے بتلادیا کہ اس کا حاصل یہ ہے کہ کسی شے کیلئے کوئی حد نہیں۔ ان کے یہاں تجاوز عن الحدود کا نام ترقی ہے۔ مگر اس کو کوئی عاقل ترقی نہیں کہہ سکتا۔ اور اسلام تو یقیناً نہیں کہہ سکتا کیونکہ اسلام میں ہر شے کی ایک حد ہے۔ اور ہم دعوی سے کہتے ہیں کہ حقیقی ترقی اسلام نے ہی سکھائی ہے۔ اور اہل یورپ کی ترقی حقیقت میں ترقی نہیں بلکہ جہل وحماقت ہے جس سے عافیت کے بجائے انسان آفت میں گرفتار ہوجاتا ہے۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ اہل یورپ کی ایجادات سے منتفع ہونا حرام ہے۔ میں اسباب راحت سے انتفاع کو منع نہیں کرتا ہوں میرا مطلب یہ ہے کہ حدود سے تجاوز کرنا جائز نہیں تم شوق سے ایجادات کرو۔ اور دوسروں کی ایجادات سے نفع بھی حاصل کرو مگر حدود سے تجاوز نہ کرو۔ اور جن امور میں وہ لوگ حدود سے تجاوز کررہے ہیں ان میں ان کی تقلید نہ کرو اس زمانہ میں مسلمانوں کی یہ حالت ہوگئی ہے کہ یورپ کی ہر چیز کو ترقی میں دخیل سمجھتے ہیں حتیٰ کہ لباس اور وضع میں بھی انکی تقلید کرنے لگے۔ بھلا کوئی پوچھے کہ اس کو ترقی میں کیا دخل ہے۔ دین کی ترقی میں دخل نہ ہونا ظاہر ہے میں کہتا ہوں کہ دنیا کی بھی اس میں کچھ ترقی نہیں بلکہ تنزل ہے کیونکہ ان کے فیشن کا اتباع کرنا بدون زیادہ روپے خرچ کرنے کے دشوار ہے۔ ہندوستانی لباس ایک دو روپیہ میں تیار ہوسکتا ہے اور کوٹ پتلون بوٹ سوٹ پندرہ بیس روپے سے کم میں تیار نہیں ہوسکتا۔ پھر اس کے لوازمات بھی چار پانچ روپے سے کم میں تیار نہیں ہوسکتے ہم نہیں سمجھ سکتے کہ اس کو ترقی دنیا کہنا کس حد تک صحیح ہے۔

شعار قومی میں تشبہ حرام ہے

بہرحال میں ایجادات یورپ سے انتفاع کو منع نہ کرتا ہوں تشبہ اور کورانہ تقلید سے منع کرتا ہوں اور تشبہ بالکفار جو کہ شریعت میں حرام ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ تشبہ بالکفار امور مذہبیہ میں تو حرام ہے اور شعار قومی میں مکروہ تحریمی ہے باقی ایجادات وانتظامات میں جائز ہے وہ درحقیقت تشبہ ہی نہیں بعض لوگ ان احکامات کو خارج شریعت سمجھتے ہیں اس لئے میں نے اس مضمون کو بیان کردیا اور بتلادیا کہ شعار قومی، میں بھی تشبہ حرام ہے۔ گو قسم اول کے درجہ میں نہ ہو مگر پیشاب پاخانہ میں فرق ہونے سے کیا کوئی پیشاب پینا گوارا کرلے

Maktaba Tul Ishaat.com

گا ہرگز نہیں بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے کوٹ پتلون پہن کر ٹوپی تو اسلامی پہن لی ہے۔ اب تشبہ کہاں رہا۔ میں کہتا ہوں تشبہ کامل نہ سہی ناقص تو ہوا اگر آپ ایسا کر سکیں تو سارا لباس زنانہ پہن کر اوپر سے مردانہ ٹوپی پہن لیں اور اس سے محفل میں جا سکیں تو ہم آپ کو اسلامی ٹوپی اور کفری پاجامہ کی بھی اجازت دے دینگے۔ صاحبو! مشتبہ صورت بھی ممنوع ہے۔

مشتبہ صورت بھی ممنوع ہے

ہمارے یہاں ایک طالب علم کنویں کے پاس پاجامہ دھو رہے ہیں میں نے پوچھا یہ پاجامہ پاک ہے یا ناپاک کہا مشتبہ ہے میں نے کہا پھر تم اس کو کنویں کے پاس دھوتے ہو اور یہی ہاتھ ڈول رسی کو لگاتے ہو جس سے سارا کنواں مشتبہ ہو جائے گا۔ تم خانقاہ سے نکلو تم کو ہدایہ پڑھ کر بھی پاکی ناپاکی کا خیال نہیں کہنے لگے مجھے عقل نہیں میں نے کہا اس جواب سے جرم کی تو نفی ہو گئی۔ مگر ضرورت اخراج کی نفی نہیں ہوئی۔ کیونکہ اخراج کیلئے یہ ضرور نہیں کہ جرم ہی پر اخراج ہو بلکہ کم عقلی بھی موجب اخراج ہے۔

غرض انکو خانقاہ سے نکال دیا گیا۔ تو یہ آپ نے دیکھا کہ مشتبہ پاجامہ کو ناپاک ہی کا حکم دیا گیا جیسے ناپاک کپڑوں کا دھونا کنویں کے پاس جرم ہے۔ ایسے ہی مشتبہ کپڑے کا دھونا بھی جرم ہے۔ اسی طرح آپ اس کو سمجھ لیجئے کہ اسلامی ٹوپی اور کفری پاجامہ پہننے سے گو آپ بالکل ناپاک تو نہ ہوں گے مگر مشتبہ تو ہو جائیں گے اور اسلام نے مشتبہ صورت سے بھی منع کیا ہے۔ صاحبو! کیا یہ حیرت نہیں ہے کہ ایک برطانوی جرنیل کو تو یہ حق ہو کہ وہ جرمنی وردی کو جرم قرار دے کیونکہ وہ برطانیہ کا دشمن ہے اور رسول ﷺ کو یہ حق نہ ہو کہ آپ ﷺ دشمنان خدا کی وضع کو جرم قرار دیں۔

تشبہ بالکفار کی تفصیل

مگر اسلام میں تعصب نہیں چنانچہ تشبہ بالکفار کے مسئلہ میں شریعت نے تفصیل کی ہے کہ جو چیز کفار ہی کے پاس ہو اور مسلمانوں کے یہاں اس کا بدل نہ ہو اور وہ شے کفار کی شعار قومی یا امر مذہبی نہ ہو تو اس کا اختیار کرنا جائز ہے جیسے بندوق، توپ، ہوائی جہاز، موٹر وغیرہ۔ چنانچہ ایک بزرگ نے رسول ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ آپ کے دست

Maktaba Tul Ishaat.com

مبارک میں بندوق ہے اور آپ اس کی طرف اشارہ کر کے فرمارہے ہیں۔ نعم السلاح کہ بہت اچھا ہتھیار ہے میں اس خواب سے استدلال نہیں کرتا صرف تائید بیان کر دیا ورنہ اصل استدلال قواعد فقہیہ سے ہے اور اس قاعدہ کی بناء پر نہ ہم ایجادات سے منع کرتے ہیں اور نہ ایجادات یورپ کے استعمال سے منع کرتے ہیں گو اسلام میں ایجادات کی تعلیم بھی نہیں ہے۔ اور نہ اسلام کا کمال ہے کہ اس میں صرف مقاصد کی تعلیم ہے۔ غیر مقاصد کی تعلیم نہیں اس کی ایسی مثال ہے جیسے بی اے کے سکول میں جوتا بنانے کی تعلیم نہیں ہوتی۔ اور یہ اس کے لئے نقص نہیں بلکہ کمال ہے اور اگر کسی سکول میں بی اے کیساتھ جوتا سینے اور پاخانہ کمانے کی بھی تعلیم دی جاتی ہو تو یہ اس کے لئے نقص ہوگا کمال نہ ہوگا۔

اسلام میں تعصب نہیں

حکیم محمود خاں کا یہ کمال تھا کہ وہ جوتا بنانے کی ترکیب نہیں سکھاتے تھے ہاں یہ بتاتے تھے کہ جوتا اس طرح مت سلواؤ کہ اس کی میخیں ابھری ہوئی ہوں جس سے پیر زخمی ہو جائے اس طرح اسلام ایجادات نہیں سکھلاتا ہاں یہ سکھاتا ہے کہ کسی ایجاد کو اس طرح اختیار نہ کرو جس سے دین میں خلل ہو یا جان کا خطرہ ہو اسی طرح یہ بتاتا ہے کہ بے ضرورت ایجادات کے درپے ہو کہ ضروری کاموں کا ضائع نہ کرو اور ضروری ایجادات میں بھی اس کا لحاظ رکھو کہ موہوم منفعت کے لئے خطرہ قویہ کا تحمل نہ کرو غرض اصول تو ہر ایجاد کے متعلق بتلا دیئے ہیں مگر ان کی ترکیب نہیں بتلائی کیونکہ یہ مقصود اسلام سے الگ ہے اور کمال اسی کا نام ہے۔ کہ مقصود سے تجاوز نہ کیا جائے۔ یہ تو ان ایجادات کا حکم تھا جنکا بدل مسلمانوں کے یہاں نہیں ہے اور جو ایجاد ایسی ہو جس کا بدل مسلمانوں کے یہاں بھی موجود ہے اس میں تشبہ مکروہ ہے جیسے رسول اللہ ﷺ نے فارسی کمان کے استعمال سے منع فرمایا ہے اور فرمایا علیکم بالقوس العربی بها یفتح اللّٰه علیکم او کماقال کہ عربی کمان کا استعمال کیا کرو اللہ تعالیٰ تم کو اسی کے ذریعہ سے فتوحات دیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے عربی اسلحہ ہی سے صحابہ کو فتوحات عطا فرمائیں تو آپ نے فارسی کمان سے اس لئے منع فرمایا کہ اس کا بدل مسلمانوں کے پاس عربی کمان موجود تھی۔ اور دونوں کی منفعت

Maktaba Tul Ishaat.com

برابر تھی صرف ساخت کا فرق تھا۔ غرض اسلام میں تعصب نہیں جیسا کہ اس تفصیل سے معلوم ہو گیا ہو گا ہاں اسلام میں غیرت ہے کہ جو چیز مسلمانوں کے پاس بھی ہے اور کفار کے پاس بھی ہے صرف وضع قطع کا فرق ہے اس میں اسلام نے تشبہ بالکفار سے منع کیا ہے کہ اس میں علاوہ گناہ کے ایک بے غیرتی بھی تو ہے کہ بلاوجہ اپنے کو دوسری قوموں کا محتاج ظاہر کیا جائے۔ مگر آجکل مسلمانوں میں غیرت نہیں رہی۔ کہ یہ اپنے گھر سے نیچر ہو کر بلکہ یوں کہئے کہ اپنے گھر کو آگ لگا کر دوسروں کی عادت و معاشرت کا اتباع کرنے لگے بس نئی مثال ایسی ہے جیسے مولانا فرماتے ہیں

یک سبد پرنان ترا برفرق سر ☆ تو ہمی جوئی لب نان دربدر

روٹیوں کا ایک بھرا تھال پیر سے سر پر ہے اور تو ندی کے کنارے دربدر روٹی ڈھونڈ رہا ہے۔

تا بہ زانوی میان قعر آب ☆ وز عطش وز جوع کشتی خراب

پانی کی گہرائی کے درمیان زانو تک پیاس اور بھوک سے کشتی خراب ہے۔

آزادی نسواں اور تقلید

چنانچہ آج کل بے پردگی میں بھی مسلمان یورپ کی تقلید کرنے لگے ہیں حالانکہ یورپ والے عورتوں کی آزادی سے خود بہت گھبرائے ہیں۔ اسی طرح بعض لوگ عورتوں کو مردوں کے ساتھ مساوات دینا چاہتے ہیں یہ سبق بھی یورپ ہی سے سیکھا ہے اور یورپ والے اس سے بھی گھبرائے ہیں۔ کیونکہ عورتوں نے ان کا ناطقہ بند کر دیا ہے۔ اخبارات کے دیکھنے سے معلوم ہو گا اہل یورپ کو عورتوں نے کیسے پریشان کر رکھا ہے۔ صاحبو! اسلام کی تعلیم کی قدر کرو اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ ولھن مثل الذی علیھن بالمعروف وللرجال علیھن درجہ یعنی حقوق میں تو عورتیں مردوں کے مساوی ہیں مگر درجہ میں مرد بڑھے ہوئے ہیں جس کو دوسرے مقام پر صاف طور پر بیان فرمایا ہے الرجال قوامون علی النساء بما فضل اللہ بعضھم علی بعض وبما انفقوا من اموالھم کہ مرد عورتوں پر سردار ہیں کیونکہ خدا نے ان کو فضلیت دی ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ عورتیں مردوں کی امام نہیں بن سکتیں اور نہ ان پر حکومت کر سکتی ہیں۔ للرجال علیھن درجہ کے بعد ارشاد فرماتے ہیں واللہ

Maktaba Tul Ishaat.com

عزیز حکیم کہ اللہ تعالیٰ زبردست ہیں اگر وہ چاہتے تو مرد وعورت دونوں کو برابر کر دیتے مگر وہ حکیم بھی ہیں حکمت کا تقاضا یہی ہے کہ برابر نہ ہوں اگر عورتوں کو آزادی دے دی جائے تو پھر ان کی آزادی کی روک تھام بہت دشوار ہوگی۔ جیسا کہ اہل یورپ کو دشواریاں پیش آرہی ہیں۔ کیونکہ اول تو آزادی کی روک تھام عقل سے ہوتی ہے اور عورتوں میں عقل نہیں۔ ان کا ناقص العقل ہونا مشاہد ہے دوسرے طبعی قاعدہ ہے کہ جو قوت ایک زمانہ تک بند رہی ہو جب اس کو آزادی ملتی ہے تو ایک دم سے ابل پڑتی ہے۔ جیسے امریکہ والے ایک عرصہ تک جاہل رہے جب ان کو تعلیم حاصل ہوئی تو ایک دم سے ایسے ابل پڑے کہ اپنے استاد سے بھی آگے بڑھ گئے۔ اس قاعدہ کی بنا پر ہندوستان کی عورتوں کو بلکہ مسلمانوں کی عورتوں کو تو ہرگز آزادی دینا مناسب نہیں۔ کیونکہ اب تک وہ قید میں رہیں اگر انکو آزادی مل گئی تو یقیناً ایک دم سے ابل پڑیں گے۔ غرض اسلام میں عورتوں کو مردوں کے ساتھ مساوات تو نہیں ہے۔ مگر حقوق کی اس قدر رعایت ہے کہ رسول ﷺ نے حضرت عائشہؓ کے ساتھ مسابقت کی ہے اور یہی حضور ﷺ کی حقانیت کی دلیل ہے۔ واللہ بنا ہوا مدعی کبھی ایسا نہیں کر سکتا کیونکہ ان کو اندیشہ ہر وقت رہے گا کہ میں ایسا فعل نہ کروں جس پر کسی کو اعتراض ہو یا کسی نظر میں سبکی ہو مگر آپ سچے تھے اور سچا آدمی بے نظیر ہوتا ہے کہ میرے اوپر اعتراض نہیں ہو سکتا کیونکہ میری سچائی کے دلائل قویہ موجود ہیں اور اگر اس پر بھی کوئی اعتراض کرے گا تو اپنی عاقبت خود خراب کریگا۔ اسی طرح قرآن میں جو آیات آپ کے لئے لفظاً متضمن عتاب ہیں آپ کا ان کو ظاہر کر دینا بھی آپ کی حقانیت کی دلیل ہے اگر نعوذ باللہ قرآن آپ کی تصنیف ہوتا تو ان آیات کو آپ کیوں تصنیف کرتے کیونکہ کوئی شخص اپنے اوپر خود کسی کو اعتراض کی گنجائش نہیں دیا کرتا مگر آپ سچے رسول ﷺ تھے اس لئے قرآن کی سب آیات ظاہر کر دیں وہ بھی جن میں آپ کی مدح وثنا تھی اور وہ بھی جن میں آپ پر لفظاً کسی قدر عتاب تھا۔ غرض اسلام میں عورتوں کے حقوق معاشرت کی اس درجہ رعایت ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت عائشہؓ کے ساتھ مسابقت کی ہے اور ایک دفعہ آپ نے حضرت عائشہؓ کو حبشی لڑکوں کا ورزشی کھیل دکھایا ہے۔ جو عید کے دن مسجد نبوی ﷺ کے پاس نیزے وغیرہ سے کھیل رہے تھے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

مگراس کے ساتھ یہ بھی کہ مرد حاکم ہے اور عورتیں محکوم ہیں یہ نہیں کہ دونوں کا درجہ مساوی ہو بلکہ حدود کی رعایت ضروری ہے۔

اولاد کے حقوق

عورتوں کے ساتھ بھی اور اولاد کے ساتھ بھی۔ اولاد کے بہت سے حقوق والدین کے ذمہ ہیں۔ مگر اسی کے ساتھ اولاد کا درجہ والدین کے مساوی نہیں بلکہ اولاد محکوم ہے اور والدین حاکم ہیں۔ چنانچہ اولاد کا ایک حق والدین کے ذمہ یہ بھی ہے کہ ان کے اخلاق کی اصلاح کریں انکو تعلیم دیں بعض لوگ اولاد کو تعلیم نہیں دیتے بلکہ ناز و نعم میں پالتے ہیں اس کا انجام یہ ہوتا ہے۔ جو میں نے کانپور میں دیکھا کہ ایک نواب صاحب ماہوار پر جامع مسجد کا سقادہ بھرا کرتے تھے سب لوگ ان کو نواب نواب کہتے تھے میں نے اول تو یہ سمجھا کہ اس کا نام ہی نواب ہوگا پھر معلوم ہوا کہ نہیں یہ واقع میں نواب تھے انکے پاس بڑی ریاست تھی مگر عیاشی میں سب برباد کردی اور اس وقت ان کی زندگی بہت تلخ تھی۔ صاحبو! جب بچپن میں اولاد کے اخلاق کی اصلاح نہ ہو اور تعلیم نہ دی جائے تو بڑے ہو کر جب اس کے ہاتھ میں ریاست آئے گی تو اس کا یہی انجام ہوگا۔ جو ان نواب صاحب کا ہوا۔ ہمارے ماموں صاحب کا ایک شعر ایسے رئیسوں کے بارہ میں بڑا عمدہ ہے فرماتے ہیں۔

ہے شرافت تو کہاں بس شر و آفت ہے فقط ☆ ست ریاست سے گیا صرف ریا باقی ہے

اور اس کا تمام تر بربادی کا منشا وہی تجاوز عن الحدود ہے کہ مثلاً اولاد کو اس کی حدود پر رکھا جس سے بسا اوقات تجاوز عن المقصود ہو جاتا ہے۔ اسی لئے شریعت نے حفظ حدود کا بہت اہتمام کیا ہے اسی کا ذکر ہے والحفظون لحدود اللّٰہ۔ (اور اللہ تعالیٰ کے حدود کی حفاظت کرنے والے) میں اس کے بعد فرماتے ہیں وبشر المؤمنین کہ ایسے مسلمانوں کو بشارت دیجئے کس چیز کی؟ جنت کی جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ ان اللّٰہ اشتری من المؤمنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جان اور ان کا مال خرید لیا اس قیمت پر کہ ان کے واسطے جنت ہے۔ میں سبحان اللہ کس قدر کرم ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو تعلیم بھی دیتے ہیں اور اس کے اوپر انعام بھی دیتے ہیں اگر کوئی باپ بچہ

Maktaba Tul Ishaat.com

کو تعلیم دے تو یہی اس کا بڑا احسان ہے اور اگر کوئی باپ ہر روز دو روپے بھی دیا کرے تو بڑا کامل شفیق ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کے انعامات کے برابر کسی باپ کے انعامات نہیں ہو سکتے کیونکہ جنت کے برابر کوئی انعام نہیں ہو سکتا۔

جنت بہت بڑا انعام ہے

مولانا محمد یعقوب صاحب مجازی معنی کے اعتبار سے فرماتے تھے کہ جنت کیا ہوگی گویا چھوٹی سی خدائی ہوگی کیونکہ آدمی وہاں جس چیز کی خواہش کرے گا فوراً موجود ہو جائے گی۔ ولکم فیھا ماتشتھی انفسکم ولکم فیھا ماتدعون۔ اور تمہارے واسطے وہاں ہے جو چاہے دل تمہارا اور تمہارے لئے ہے جو کچھ مانگو۔ اور اللہ تعالیٰ دل کی بات کو بھی اچھی طرح جانتے ہیں بس ادھر آپ کے دل میں خواہش پیدا ہوئی اور ادھر اس کا ظہور ہو گیا بس اللہ تعالیٰ کے دربار کی ایسی شان ہے کہ:

نیم جان بستاند و صد جاں دہد ☆ انچہ در وہمت نیاید آں دہد

فانی اور حقیر جان لیتے ہیں اور اس کے بدلے میں باقی جان عطا فرماتے ہیں جو وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتا۔

کس نیاید ایں چنیں بازار را ☆ کہ بیک گل میبری گلزار را

تم ایسا بازار کہاں سے لاؤ گے کہ ایک پھول کے بدلے پورا باغ خرید لو۔

وہ ایک گل کے بدلے میں باغ دیتے ہیں اور تمہارا گل بھی تم کو واپس دیتے ہیں کیونکہ جنت کی نعمتیں اعمال کی مثالی صورتیں ہیں حدیث میں ہے۔ ان الجنة قیعان وغراسها سبحان اللّٰہ والحمد للّٰہ ولاالہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر (المعجم الکبیر للطبرانی ۱۰: ۲۱۴) کہ جنت کا میدان صاف ہے اس کی پودیہ کلمات ہیں سبحان اللّٰہ والحمدللّٰہ ادھر تم نے سبحان اللہ کہا ادھر جنت میں ایک درخت لگ گیا آیت قالوا ھذاالذی رزقنا من قبل کی ایک تفسیر یہ بھی ہے کہ جنتی جنت کی نعمتوں کو دیکھ کر کہیں گے کہ یہ تو وہی اعمال ہیں جو ہم کو دنیا میں دیئے گئے تھے۔ اور اس جگہ بشر المؤمنین (ایمان والوں کو خوشخبری سنا دیجئے) میں اعمال اس واسطے رکھا گیا تا کہ

Maktaba Tul Ishaat.com

ہر شخص کو اپنی تمنا و آرزو میں آزادی رہے۔ کہ جس چیز کا جی چاہے گا وہ اسی کی بشارت سمجھ لے ورنہ اگر بعض نعمتوں کا ذکر ہوتا۔ کیوں کہ تمام کا ذکر تو تطویل کلام کو مستلزم ہے۔ تو شاید کسی کو ان کے علاوہ کسی نعمت کی تمنا ہو اس لئے تفصیل کی بجائے اجمال پر اکتفا کیا گیا۔

حفاظت حدود پر بشارت

بہر حال یہ حق تعالیٰ کا کتنا بڑا احسان ہے کہ حالانکہ حفظ حدود وغیرہ میں ہماری ہی مصلحت ہے مگر اللہ تعالیٰ ہم کو اس پر جنت کی بشارت بھی دیتے ہیں اور یہ بشارت اصل میں رعایت حدود ہی پر ہے کیونکہ جس قدر اعمال یہاں مذکور ہیں سب میں حفظ حدود ملحوظ ہے جیسا کہ آئندہ معلوم ہو جائے گا دوسرے بشر المؤمنون (ایمان والوں کو بشارت دیجئے) کو الحافظون لحدود اللہ (اور اللہ کی حدود کی حفاظت کرنے والے) سے لفظی اتصال بھی ہے بس بشارت کا تعلق اس کے ساتھ قوی ہے۔

مقاصد کی دو قسمیں

اب میں کہتا ہوں کہ مقاصد دو قسم کے ہیں ایک مقاصد دینیہ دوسرے مقاصد دنیویہ اور دنیا مقصود بالذات ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ترقی فی الدنیا ترقی فی غیر المقصود ہے اور ترقی فی الدین ترقی فی المقصود ہے۔ اس کا مقتضا یہ تھا کہ ترقی فی الدین کے لئے کوئی حد نہ ہوتی۔ کیونکہ ظاہر میں یہ سمجھ میں آتا ہے کہ مقصود میں جس قدر بھی ترقی ہو بہتر ہی ہے مگر ترقی فی الدین کے لئے بھی حدود ہیں بلکہ حدود کے ساتھ قیود بھی ہیں۔ میرے نزدیک حدود اور قیود میں فرق ہے۔ جو غالباً لغت کے موافق ہے حدود ہے جو کسی شے کا منتہا ہوا اور قید وہ ہے جو اس حد کے اندر اس شے میں تخصیص کر دے مثلاً نماز کی ایک تو حد ہے کہ عصر کی نماز میں چار رکعات ہیں اس سے زیادہ کرنا منع ہے اور قیود یہ میں جیسے نماز کے لئے باوضو ہونا مستقبل قبلہ ہونا اسی طرح طہارت مکان و لباس وغیرہ اور اطلاق ان دونوں کا تقابل ہے حد بھی اطلاق کے منافی ہے اور قید بھی۔

تمام مقاصد دینیہ میں حدود

اور غور کر کے دیکھا جائے تو تمام مقاصد دینیہ میں حدود قیود دونوں موجود ہیں

Maktaba Tul Ishaat.com

چنانچہ نماز تمام مقاصد میں سب سے اعلیٰ ہے نماز میں بڑی خوبی یہ ہے کہ اجمالی درجہ میں یہ تمام عبادات کی جامع ہے۔ روزہ کی شان اسی میں موجود ہے کیونکہ نماز کے اندر کھانا پینا جماع کرنا بوس وکنار کرنا حرام ہے۔ حتی کہ حنفیہ کے یہاں تو محاذات نساء بھی مبطل صلوۃ ہے۔ حالانکہ روزہ محاذات کو کیا معانقات سے بھی باطل نہیں ہوتا۔ اور حج کی شان بھی اس میں موجود ہے کیونکہ استقبال قبلہ نماز میں فرض ہے اور حج کی روح تعظیم ہی ہے جو استقبال سے حاصل ہے زکوٰۃ بھی اس میں موجود ہے۔ کیونکہ بدوں انفاق مال کے لباس وغیرہ حاصل نہیں ہوسکتا۔ اور ستر عورت نماز میں فرض ہے اعتکاف بھی اس میں موجود ہے کیونکہ جب تک نمازی نماز میں ہے اس وقت تک وہ اسی جگہ محبوس ہے وہاں سے کہیں جا نہیں سکتا اور ایک بات اعتکاف سے بھی زیادہ ہے کہ نماز میں بات چیت بھی نہیں کرسکتا۔ اور قربانی کی شان بھی اس میں موجود ہے مولانا فرماتے ہیں۔

معنی تکبیر ایں است اے امیم ☆ کاے خدا پیش تو ما قربان شدیم

اے امیم تکبیر کے معنی ہیں کہ اے اللہ ہم تیرے سامنے قربان ہوتے ہیں۔

وقت ذبح اللہ اکبر می کنی ☆ ہمچنیں در ذبح نفس کشتی

اسی طرح نفس کے زیر کرتے وقت کہ جس طرح ذبح کے وقت تو اللہ اکبر کہتا ہے۔

قربانی سے مقصود

کہ یہ اللہ اکبر جو نماز میں کہا جاتا ہے یہ وہی ہے جو جانور کے ذبح کے وقت کہا جاتا ہے وہاں جانور کو اللہ کے نام پر قربان کرتے ہو۔ نماز میں اپنے نفس کو قربان کرتے ہو اور یہ محض شاعری نہیں بلکہ حقیقت ہے کیونکہ قربانی سے مقصود اظہار عظمت حق ہے کہ ہم نے اپنی محبوب چیز کو اللہ کے نام پر قربان کردیا اور یہ مقصود نماز میں اس سے زیادہ حاصل ہے کیونکہ یہاں انسان تکبیر کہہ کر دست بستہ کھڑا ہو جاتا اور اللہ اکبر کہہ کر خدا کے سامنے جھکتا اور زمین پر سر رکھ دیتا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے اپنی عزت اور بڑائی کو خدا کے سامنے فنا کردیا اور دماغ سے تکبر کا خناس نکال دیا۔ صاحبو! مال کو خدا کے نام پر قربان کرنے سے یہ زیادہ دشوار ہے چنانچہ متکبرین کو خیرات کرنا قربانی کرنا آسان ہے مگر نماز دشوار ہے۔ کیونکہ

Maktaba Tul Ishaat.com

اس میں عاجزی اور غلامی کی ایسی صورت بنانا پڑتی ہے جو تکبر سے نہیں ہو سکتی غرض نماز میں توجہ الی اللہ شرط ہے۔ جو بدون افناء غیر کے نہیں ہو سکتی۔ قربانی میں تو افناء حیوان ہی تھا یہاں افناء نفس وافنائے صفات نفس ہے اور گویا یہ بات زبان سے اللہ اکبر کہنے کے بغیر بھی حاصل ہو سکتی ہے۔ مگر زبان سے اس لئے کہا جاتا ہے کہ عظمت حق کا دل میں رسوخ ہو جائے کیونکہ مشاہدہ ہے کہ ذکر لسانی سے قلب میں ذکر کو رسوخ ہوتا ہے اسی لئے شاعر کہتا ہے

الافاسقنی خمرا وقل لی ھی الخمر ☆ ولاتسقنی سرامتی امکن الجھر

خبردار مجھے شراب پلا اور کہہ یہ شراب ہے اور مجھے چھپا کر شراب مت پلا جب تک اس کا ظاہر کرنا ممکن ہو۔

کہ مجھ کو شراب پلا دو اور یہ بھی کہتا رہ کہ یہ شراب ہے کیوں؟ اس لئے کہ اس سے شراب کی لذت بڑھتی ہے۔

لیلیٰ مجنوں کی سچی محبت

مجنوں کا قصہ ہے کہ اس کو کسی نے جنگل میں ریت کے اوپر انگلی سے کچھ لکھتے ہوئے دیکھا اور یہ سوال و جواب ہوا۔

دید مجنوں را یکے صحرا نورد ☆ در بیابان غمش بنشستہ فرد

مجنوں کو کسی نے جنگل بیابان میں دیکھا کہ اکیلا ہی بیٹھا ہے۔

ریگ کاغذ بود وانگشتان قلم ☆ مے نویسی بہر کس نامہ رقم

ریت اس کا کاغذ ہے اور انگلیاں قلم ہیں اور انگلیوں سے ریت پر لکھ رہا ہے۔

گفت اے مجنوں شیدا چیست این ☆ مے نویسی نامہ بہر کیست ایں

اس نے کہا لیلیٰ لکھ رہا ہوں اور اپنے دل کو تسلی دے رہا ہوں۔

کہ لیلیٰ کے نام کی مشق کر رہا ہوں۔ حالانکہ مجنوں کی یہ کیفیت تھی کہ لیلیٰ اس کے دل میں رچی ہوئی تھی حتی کہ ایک بار لیلیٰ اس کے سامنے آئی اور کہا اے مجنوں میں لیلیٰ ہوں اس نے جواب دیا الیک عنی فان حبک قدشغلنی عنک کہ بس جاؤ اب مجھے ضرورت نہیں تیری محبت نے مجھے تجھ سے بھی مستغنی کر دیا تو جس کے دل میں محبوب اس قدر

Maktaba Tul Ishaat.com

رچا ہوا ہو اس کو مشق نام کی کیا ضرورت تھی؟ بس ضرورت یہ تھی کہ اس سے عشق کو رسوخ ہو جاتا ہے۔ ترک ذکر سے کچھ دنوں میں عشق زائل ہو جاتا ہے اور مجنوں کو زیادت عشق مطلوب تھی۔ اس لئے لیلیٰ کے نام زباں پر بھی لیتا اور انگلیوں سے بھی لکھتا تھا ایک دفعہ مجنوں کا باپ اس کو حج کے واسطے لے گیا اور خانہ کعبہ کے پاس لیجا کر کہا کہ غلاف کعبہ ہاتھ میں لیکر دعا کر اللھم اسلبنی حب لیلی کہ اللہ میرے دل سے لیلیٰ کی محبت نکال دے مجنوں غلاف کعبہ پکڑ کر کہنے لگا۔ اللھم زدنی حب لیلی اے اللہ مجھے لیلیٰ کی محبت اور بڑھا دے۔ یہ کہہ کر رونے لگا اور یہ کہا

الھی تبت عن کل المعاصی ☆ ولکن حب لیلی لا اتوب

اے اللہ میں ہر گناہ سے توبہ کرتا ہوں لیکن لیلیٰ کی محبت سے توبہ نہیں کرتا۔

مجنوں نیک مسلمان تھا اس کو لیلیٰ سے سچی محبت تھی آج کل کے فساق جیسی محبت نہ تھی مگر باوجود اتنی محبت کے بھی وہ ذکر لیلیٰ کو ترک نہ کرتا تھا۔ تاکہ محبت اور زیادہ ہو اسی وجہ سے نماز میں زبان اللہ اکبر کہا جاتا ہے تاکہ بار بار کی تکبیر سے دل پر چوٹ لگے اور ہر تکبیر کے ساتھ دل عظمت حق سے بھر جائے اس وقت معلوم ہوگا کہ یہ قول

وقت ذبح اللہ اکبر می کنی ☆ ہمچنیں در ذبح نفس کشتنی

ذبح کے وقت اللہ اکبر کرتے ہو اسی طرح نفس کے قتل کرنے کے وقت کہتے رہو۔ حقیقت ہے شاعری محض نہیں ہے۔

نماز تمام عبادات کی میزان الکل ہے

غرض نماز ایسی شے ہے جو تمام عبادات کی میزان الکل ہے۔ گو ظاہر میں مختصر شے ہے۔ اور میزان الکل تو ذرا سا ہوتا ہے دیکھو کئی لاکھ کا حساب کر کے میزان الکل تو اس کا اسی طرح میں لکھ دیا جاتا ہے مگر تفصیل میں کئی رم کاغذ صرف ہو جائینگے تو چاہیے تھا کہ نماز میں حدود و قیود بالکل نہ ہوتے بلکہ اطلاق ہی اطلاق ہوتا مثل مشہور ہے کہ مصری کی ڈلی ہے جدھر سے چاہو منہ مارو مگر یہاں مصری کی ڈلی میں بھی حدود ہیں ایک بار میں دیوبند میں بیمار ہو گیا تھا۔ مولانا محمد یعقوب صاحب سے نسخہ لکھوایا کیونکہ مولانا بڑے حاذق طبیب

Maktaba Tul Ishaat.com

بھی تھے۔ جب مولانا نسخہ لکھ چکے تو میں نے پوچھا حضرت اس کا پرہیز کیا ہے۔ فرمایا گناہ سے پرہیز ہے۔ میں نے عرض کیا کہ مجھے مصری کی رغبت زیادہ ہے وہ کھالوں یا نہیں فرمایا ہاں کھالو مگر سیر دو سیر نہ کھانا۔ غرض نماز جیسی شے بھی حدود و قیود ہیں حالانکہ قاعدہ عقلیہ ہے کہ حدود و قیود موجب تقلیل محدود ہیں۔ دیکھو رجل میں کیسا عموم تھا اس کے ساتھ جب عالم کی قید بڑھادی گئی تو اس کی تقلیل ہوگئی۔ اسی طرح اگر نماز میں اطلاق ہوتا تو اس کا وجود کثیر ہوتا حدود و قیود کی وجہ سے اس میں تقلیل ہوگئی۔ مگر شریعت کو تکثیر مطلوب نہیں بلکہ کمال مطلوب ہے گو قلت ہی کے ساتھ ہو۔ اب میں کہتا ہوں کہ جب مقاصد میں اتنی قیود و حدود ہیں جن سے مقاصد کی تقلیل ہوگئی اب اگر غیر مقاصد میں قیود ہوں تو کیا عجب ہے۔

زکوٰۃ کے حدود

نماز کے بعد زکوۃ کا درجہ ہے زکوۃ میں حدود و قیود ہیں کہ نصاب فاضل شرط ہے۔ حولان حول شرط ہے۔ مصرف میں بہت سی قیود ہیں روزہ کو لیجئے تو اس میں بھی حدود و قیود ہیں کہ رات کو روزہ حرام ہے دن میں ہی ہونا ضروری ہے۔ صوم وصال مکروہ ہے۔ غروب سے ایک منٹ پہلے افطار ہو جائے تو روزہ فاسد ہے طلوع صبح کے ایک منٹ بعد سحری کھائے تو روزہ فاسد ہے ایام منہی عنہا میں روزہ حرام ہے۔

حج کے حدود و قیود

حج کے لئے بھی حدود و قیود ہیں۔ احرام شرط ہے وقوف عرفہ خاص تاریخ میں ضروری ہے۔ اگر وہ تاریخ نکل جائے تو سال بھر تک حج نہیں ہوسکتا۔ اس سے پہلے حج کیا جائے تو لغو ہے۔ قربانی میں بھی حدود ہیں کہ خاص ایام ہی میں ہوسکتی ہے۔ ان ایام کے بعد ہزار جانور ذبح کرنے سے کچھ نہ ہوگا۔ پھر جانور میں ایسا ہو ایسا نہ ہو وغیرہ وغیرہ جب مقاصد میں اتنی حدود ہیں پھر غیر مقاصد میں کیوں نہ ہوں پس آج کل جو لوگوں نے ترقی دنیا کی یہ صورت اختیار کی ہے کہ کسی شے کیلئے کوئی حد نہیں یقیناً یہ صورت اسلام کے بھی خلاف ہے۔ اور عقل کے خلاف ہونا اوپر معلوم ہو چکا۔ اب میں ان چیزوں کے حدود و قیود کا ذکر کرتا ہوں۔ جن کا اس آیت میں ذکر ہے تا کہ انکا بھی کچھ بیان ہو جائے اور اس سے

Maktaba Tul Ishaat.com

یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ یہاں جتنے امور مذکور ہیں سب میں حفظ حدود بھی مرعی ہے سب سے پہلے یہاں پر التائبون ہے اوپر اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ خدا تعالیٰ نے مسلمانون کی جان و مال کو جنت کے بدلہ میں خرید لیا ہے۔ اب انکی تعریف بیان فرماتے ہیں۔ کہ وہ مسلمان کیسے ہیں تو فرماتے ہیں کہ وہ توبہ کرنے والے ہیں۔

گناہ کے حدود و قیود

سب کو معلوم ہے کہ توبہ کیسی چیز ہے جس سے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ کفر جیسے سنگین جرم کا علاج بھی توبہ ہی ہے مگر اس میں بھی حدود ہیں کہ گناہ سر کی توبہ میں اعلان جائز نہیں بلکہ جو گناہ چھپ کر کیا ہو اس سے توبہ بھی مخفی طور پر کی جائے ہاں گناہ اعلانیہ کی توبہ علانیہ واجب ہے۔ یعنی جن لوگوں کے سامنے وہ گناہ ہوا تھا۔ ان پر توبہ کا بھی اظہار کر دے تا کہ وہ سوء ظن سے محفوظ رہیں۔ اور اس کے فعل سے استدلال نہ کریں اگر یہ شخص مقتدا ہو اور جن لوگوں کو گناہ کا علم نہیں ہوا ان کے سامنے گناہ علانیہ کی توبہ کا بھی اظہار نہ کرے ہاں ایک صورت اظہار کی جائز ہے۔ وہ یہ کہ کوئی شخص اپنے کسی مرض باطنی کے معالجہ سے عاجز ہو گیا ہو اس لئے شیخ کو اطلاع کرنے کی ضرورت ہو تو شیخ سے بغرض علاج اس کا اظہار جائز ہے۔ جیسا کہ طبیب کے سامنے بدن مستور کا کھولنا بغرض علاج جائز ہے اور توبہ کے افراد میں سے استغفار بھی ہے اس میں بھی حدود و قیود ہیں چنانچہ ارشاد ہے کہ **اذا نعس احدکم فلیر قد فلعله یستغفر فیسب نفسه او کماقال** (سنن الترمذی ۳۵۵، مشکوۃ المصابیح ۱۲۴۵) کہ جب کوئی شخص استغفار کرتے ہوئے اونگھنے لگے تو اس کو چاہیے کہ ابھی استغفار بند کر دے اور سو رہے کیونکہ ممکن ہے کہ یہ اپنے نزدیک استغفار کرے اور زبان سے بددعا نکل جائے۔

نیند کا اعتدال

اسی واسطے جب کوئی ذاکر مولانا گنگوہیؒ سے پوچھتا کہ ذکر میں نیند آتی ہے۔ ایسے وقت کیا کرے مولانا یہ فرماتے ہیں کہ تکیہ سر کے نیچے رکھ کر سو رہے۔ مگر اس میں میرا اجتہاد یہ کہ جو شخص رات بھر خرخر کرے جس میں گویا اپنے خر ہونے کا اقرار ہے اور اسی سے پہلے انا مقدر

Maktaba Tul Ishaat.com

ہے یعنی اناخرانا خر۔اس کے واسطے یہ حکم نہیں بلکہ اس کے واسطے میری تجویز یہ ہے کہ سیاہ مرچیں جیب میں رکھ لیا کرے جب نیند کا غلبہ ہو ایک مرچ چبالے یہ مقوی دماغ بھی ہے اس واسطے مضر بھی نہ ہوگی۔ کیونکہ جو شخص رات بھر سوتا رہے پھر بھی اس کو ذکر میں نیند آئے تو اس نیند کا منشاء کسل ہے ہاں جو شخص رات کے وقت معتد بہ جاگتا ہو پھر ذکر کرنے بیٹھا اور ذکر میں نیند آنے لگی تو اس کے واسطے وہی حکم ہے کہ سو رہے پھر کچھ دیر آرام کر کے ذکر میں مشغول ہو۔

بھوک کی دو قسمیں

غرض بھوک کی دو قسمیں ہیں ایک اشتہائے صادق ایک کاذب۔

تکسیر اعمال سے ممانعت

اسی طرح نیند کی بھی دو قسمیں ہیں ایک نوم صادق ایک کاذب۔ جو شخص رات بھر خرخر کرے اس کی نیند ذکر میں کاذب ہے اور جو رات کو جاگتا ہو اس کی نیند صادق ہے اس کو اس وقت سو رہنا چاہیے حضور ﷺ نے ایک بار مسجد کے دو ستونوں کے درمیان میں رسی بندھی ہوئی دیکھی پوچھا یہ کیا ہے معلوم ہوا کہ حضرت زینب نے یہ رسی اس واسطے باندھ رکھی ہے کہ جب نیند آتی ہے یا عبادت میں کسل ہوتا ہے تو اس سے سہارا لے لیتی ہیں۔ حضور ﷺ نے رسی کو کاٹ ڈالا اور فرمایا **علیکم من الاعمال بما تطیقون** (الصحیح المسلم' صلاۃ المسافرین ب ۳۰ رقم ۲۱۵' کنز العمال ۵۳۰۲) کہ کام میں اپنی طاقت کے موافق کرو۔ طاقت سے زیادہ کام نہ کرو اس حدیث کی شرح میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ یہ تکثیر اعمال سے نہیں بلکہ دراصل تقلیل اعمال سے ہے کیونکہ جب شخص طاقت کے موافق کام کرے گا وہ نباہ کر سکے گا اور جو طاقت سے زیادہ کام کرے گا وہ چند دن کے بعد کام سے معطل ہو جائے گا بس کثرت بالثناء سے ممانعت نہیں بلکہ کسرت بالسین سے ممانعت ہے کہ اتنا کام نہ کرو جس میں بدن ٹوٹنے لگے۔

محنت علم میں ضرورت اعتدال

Maktaba Tul Ishaat.com

اب میں مدرسین ومتدرسین سے کہتا ہوں کہ محنت اتنی کرو اور اتنی محنت لو جس کا تحمل ہو سکے بعض مدرسین طلبہ کو بعضی کتابیں حفظ کراتے ہیں یاد رکھو یہ محض فضول ہے اس کی کچھ ضرورت نہیں بس طالبان علم تین باتوں کا لحاظ رکھے اور ہمیشہ کے لئے ان پر دوام رکھے ان شاء اللہ اس کی استعداد اچھی ہوگی اور یہی تین باتیں اس کے واسطے کافی ہونگی۔ ایک یہ کہ سبق سے پہلے مطالعہ کرے دوسرے سبق سمجھ کر پڑھے بدون سمجھے آگے نہ چلے تیسرے یہ کہ سبق پڑھنے کے بعد ایک بار اس کی تقریر کر لیا کرے خواہ تنہا یا جماعت کے ساتھ تکرار کر کے اس سے زیادہ محنت کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ زیادہ محنت کا انجام اچھا نہیں۔ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے ایک بار فرمایا کہ شوق باقی رکھ کر کام کیا کرو یعنی سارا شوق پورا کر کے کام سے نہ اٹھا کرو بلکہ ایسے حال میں اٹھ کھڑے ہو کہ کچھ حصہ شوق کا باقی ہو پھر فرمایا کہ تم نے چکی پھرائی ہے۔ میں نے کہا حضرت نہیں۔ فرمایا تم نے دنیا کو کیا خاک دیکھا۔ ہمارے اکابر کیسے زندہ دل تھے یوں چاہتے تھے کہ بچے کھیلنے کے زمانہ میں کھیلیں اور کام کے وقت اچھی طرح کام کریں۔ پھر خود ہی بتایا کہ چکی پر ڈورا لپیٹ کر اس کو پھراتے ہیں اور چکی پھراتے ہوئے سارا ڈور نہیں اتارا کرتے بلکہ تھوڑا سا ڈور چھوڑ دیتے ہیں تاکہ سہولت سے پھر لوٹ آئے اگر سارا ڈور اتر جائے تو دوبارہ چڑھانا پڑے گا اسی طرح سارا شوق ختم کر کے کتاب چھوڑو گے تو دوسرے دن از سر نو شوق پیدا کرنا پڑیگا۔ نہیں اس لئے تھوڑا سا شوق باقی رکھ کر کتاب چھوڑا کرو تاکہ اگلے دن کتاب پڑھنے کو خود جی چاہے اطباء بھی تو کہتے ہیں کھانا تھوڑی سی بھوک باقی رکھ کر چھوڑنا چاہیے تاکہ دوسرے وقت اشتہائے صادق ہو ورنہ مشورہ کے لئے کمیٹی کرنا پڑے گی۔ اس وقت کھاؤں یا نہ کھاؤں پھر یار دوست سوڈا واٹر اور نمک سلیمانی کی رائے دینگے اور اس کا انجام یہ ہوگا کہ کبھی بند پڑ جائیگا تو حقنہ کرانا پڑے گا۔ دلی کے اطباء تو علم کم دیتے ہیں بہت ہی سخت ضرورت ہو تو عمل کراتے ہیں۔

نادر شاہ اور ایک طبیب کی حکایت

ہاں بعض شہر میں اس کا بہت رواج ہے۔ ذرا ذرا سی بات اطباء عمل بتلاتے ہیں

Maktaba Tul Ishaat.com

وہاں کے باشندوں کا یہ خیال ہے کہ جیسے حقہ ویسے ہی حقنہ دونوں سے معدے ہی کا علاج ہوتا ہے ادھر سے پی لیا تو کیا ہوا ادھر سے پی لیا تو کیا۔ ایک حکیم نے یہ غضب کیا کہ نادرشاہ کے پیٹ میں درد ہو گیا تھا آپ نے اس کے لئے حقنہ تجویز کیا۔ سلاطین کے لئے یہ تجویز نہایت ہی خلاف تہذیب ہے نادرشاہ کو سنتے ہی غصہ آ گیا اور للکار کر پوچھا درکون تو یادرکون من۔ غریب کے منہ سے بدحواسی میں یہ نکل گیا کہ درکون من نادرشاہ نے کہا بلے بلے اور اسی وقت حکم دیا کہ حکیم صاحب کے حقنہ کیا جائے۔ اتفاق کی بات ہے کہ حکیم کے جو حقنہ کیا گیا تو نادرشاہ کے پیٹ کا درد اچھا ہو گیا۔ اب تو وہ ان کو اپنے ساتھ لے گیا اور جب پیٹ میں ورد ہوتا حکیم صاحب کے حقنہ کرایا جاتا آخر کہاں تک غریب عمل لیتے لیتے تھک گیا تو ایک دن نادرشاہ سے عرض کیا کہ حضور میں بددل ہو چکا ہوں اور بددل طبیب کا علاج کرانا مناسب ہے اب مجھے وطن جانے کی اجازت دی جائے نادرشاہ ہنسا اور کہا اچھا جاؤ خبردار کسی بادشاہ کے لئے ایسا علاج تجویز نہ کرنا اسکے بعد خلعت وانعام دے کر رخصت کیا۔

ہر چیز کی حد

ہر چیز کیلئے ایک حد ہے جس سے تجاوز کرنا جائز نہیں اور بعض اعمال میں تجاوز سے بچنے کی یہی صورت ہے کہ حد سے قریب بھی نہ ہو اسی لئے حق تعالیٰ نے کہیں تو فرمایا ہے۔ **تلک حدود اللّٰہ فلاتعتدوھا**۔ (یہ اللہ تعالیٰ کے مقررہ حدود ہیں پس ان سے تجاوز نہ کرو) اور کہیں فرمایا ہے **تلک حدو داللّٰہ فلاتقربوھا** (یہ اللہ تعالیٰ کے مقررہ حدود ہیں پس ان کے پاس بھی نہ پھٹکو) اور گو اصل مقصود نہی عن الحدود ہی ہے مگر حدیث میں ہے **لکل ملک حمی وان حمی اللّٰہ محارمہ ومن یرع حول الحمی یوشک ان یقع فیہ**، (المعجم الکبیر للطبرانی ۱۰:۴۰۵) ہر بادشاہ کے لئے ایک خاص چراگاہ محدود ہوتی ہے۔ اور اللہ کی ایسی چراگاہ اس کے حرام کردہ اعمال ہیں اور جو شخص باڑہ کے اردگرد چرائے گا وہ کسی دن باڑہ کے اندر بھی پہنچ جائے گا۔ اس لئے تجاوز عن الحدود سے بچنے کی یہی صورت ہے کہ حدود کے قریب ہی نہ جائے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

حمد الٰہی کے حدود و قیود

اس کے بعد ارشاد ہے العابدون کہ وہ ایسے مسلمان ہیں جو توبہ کے بعد عبادت کرنے والے بھی ہیں یہ نہیں کہ توبہ ہی پر اکتفا کریں اور عبادت ایک عام لفظ ہے جو نماز زکوۃ حج وغیرہ سب کو شامل ہے اور میں عبادت کے حدود و قیود کو اوپر بیان کر چکا ہوں اس کے بعد ہے الحامدون کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حمد کرنیوالے ہیں ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور تعظیم و تفہیم شان سراپا محمود ہے سب جانتے ہیں کہ حمد کیسی اچھی چیز ہے مگر اس میں بھی حدود و قیود ہیں چنانچہ حمد الٰہی کا ایک ادب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی نام اپنی طرف سے نہ گھڑے علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ اسماء الٰہیہ توقیفی ہیں جو سماع پر موقوف ہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ کو شافی کہنا جائز ہے طبیب کہنا جائز نہیں کیونکہ گو شافی اور طبیب بھی معنی قرب ہے مگر ایک فرق بھی ہے وہ یہ کہ طب بمعنی پیشہ طب بھی آتا ہے جس سے خدا تعالیٰ مبرا ہیں لہٰذا ابہام کی وجہ سے اس لفظ کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر ممنوع ہے اور اسی لئے ادعیہ ماثورہ کے ساتھ دعا کرنا افضل ہے۔

دعا کے حدود و قیود

دعا کیسی اچھی چیز ہے جس کو حضور ﷺ نے عبادت کا مغز بتایا ہے مگر اس کے لئے بھی حدود و قیود ہیں کہ دعا میں فضول قیدیں نہ بڑھائے جیسے ایک صحابی زادہ نے دعا کی تھی۔ اللھم انی اسئلک القصر الابیض عن یمین الجنۃ کہ اے اللہ میں جنت کے دائیں جانب والا کوشک ابیض آپ سے مانگتا ہوں ان کے باپ نے اس پر ٹوکا کہ یہ قید کیسی ہے خدا سے جنت الفردوس مانگو یہ کیا کہ دائیں جانب کا حصہ ہو اور سفید محل ہو۔ یہ تجاوز عن الحدود ہے اور میں نے رسول ﷺ سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ دعا میں حد سے تجاوز کو پسند نہیں فرماتے اسی طرح یہ بھی دعاء کا ادب ہے کہ بے تمیزی کی دعا نہ کرے اسی لئے میں نے مناجات مقبول اور بعض بزرگان سلف نے حزب اعظم وغیرہ تالیف کی ہے جس میں ادعیہ ماثورہ کو جمع کیا گیا ہے۔ تاکہ لوگ اپنی طرف سے گھڑ گھڑ کر دعا نہ کیا کریں۔ کیونکہ اختراعی دعا میں بے ادبی کا اندیشہ ہے کیونکہ جاہل آدمی کا ادب ہی کیا ممکن ہے وہ

Maktaba Tul Ishaat.com

اپنی جہالت سے بے ادبی کو ادب سمجھ جائے جاہلوں کا ادب تو ایسا ہوتا ہے جیسے ایک گنوار کا اپنے رہیب کے ساتھ مقدمہ تھا ڈپٹی نے اس سے پوچھا کہ یہ لڑکا تیرا کیا لگتا ہے کہا یہ میرا کڈھیلڑا ہے ڈپٹی صاحب نے یہ وحشی لغت کیوں سنا تھا پوچھا کڈھیلڑا کیا بلا ہے گنوار نے کہا تو نہیں جانتا لے میں تجھے بتاؤں کڈھیلڑا اسے کہیں جیسا تیرا باپو مرجا اور تیری ماں مجھے کرلے اور تو اس کی گیلوں آئے تو تو میرا کڈھیلڑا ہوگا اب بھی سمجھا ڈپٹی نے کہا کہ ایسا سمجھا کہ عمر بھر نہ بھولوں گا مولانا جاہلوں کے ادب کی مثال دیتے ہیں۔

شاہ را گوید کسے جولاہ نیست ☆ ایں نہ مدح ست او مگر آگاہ نیست

بادشاہ کو اگر کوئی جولاہا کہے کہ تو یہ اس کی تعریف نہیں ہے مگر وہ اس کے مرتبہ سے واقف نہیں ہے۔

شباں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حکایت

اس کے بعد شباں موسیٰ علیہ السلام کی حکایت لکھی ہے کہ ایک چرواہا اللہ تعالیٰ کو خطاب کرکے کہہ رہا تھا کہ اے میرے خدا تو کہاں ہے اگر تم مجھے مل جائے تو میں تیری ٹانگیں دباؤں سر میں تیل کنگھی کروں اور بکریوں کا دودھ پلاؤں۔

زیں نمط بیہودہ میگفت آں شباں ☆ گفت موسیٰ با کیستی اے فلاں

اس قسم کی باتیں کر رہا تھا کہ موسیٰ کا اس پر گزر ہوا پوچھا ارے تو یہ کس کو کہہ رہا ہے۔

گفت با آں کہ مارا آفرید ☆ ایں زمان و چرخ از و آمد پدید

اس نے کہا میں اس کو کہہ رہا ہوں جس نے ہمیں پیدا کیا آسمان اور زمین پیدا کیے۔

گفت موسیٰ ہائے خیرہ سرشدی ☆ خود مسلماں ناشدہ کافر شدی

موسیٰ نے کہا ارے غضب! تو تو کافر ہوگیا تیرا خدا تو ان باتوں سے پاک ہے یہ سن کر چرواہا افسردہ خاطر ہوکر خاموش ہوگیا فوراً موسیٰ پر وحی نازل ہوئی۔

وحی آمد سوئے موسیٰ از خدا ☆ بندہ مارا چرا کردی جدا

Maktaba Tul Ishaat.com

حضرت موسیٰ کے پاس وحی آئی کہ ہمارے بندے کو ہم سے کیوں جدا کر دیا۔

تو برائے وصل کردن آمدی ☆ نے برائے فصل کردن آمدی

موسیا آداب داناں دیگرند ☆ سوختہ جاں درداناں دیگر

اے موسیٰ جاننے والوں کے اور آداب ہیں اور سوختہ جاناں انجان لوگوں کے اور آداب ہیں۔

یہ شخص مجذوب تھا اس لئے معذور تھا مگر کامل نہ تھا ناقص تھا مجاذیب کی شان چھوٹے بچوں جیسی ہے کہ چھوٹا بچہ باپ کے اوپر ہگ بھی دیتا ہے موت بھی دیتا ہے۔ اور باپ کو دھکا بھی لیتا ہے کبھی کبھی ڈاڑھی بھی کھینچ لیتا ہے اس کی یہ حرکتیں ناگوار نہیں ہوتیں مگر اس سے واقع میں یہ افعال اچھے نہیں ہو جاتے واقع میں یہ افعال برے ہی ہیں۔ چنانچہ بڑا لڑکا تو یہ حرکتیں کر کے دیکھے جو گردن نہ ماری جائے۔ اس کے بعد ہے السائحون اس کی دو تفسیریں ہیں ایک ساعون یعنی روزہ رکھنے والے اس کے لئے بھی حدود و قیود کا ذکر اوپر ہو چکا ہے ایک تفسیر ہے المہاجرون یعنی ہجرت کرنے والے اس کے لئے بھی حدود و قیود ہیں۔ سب سے اول تو ہجرت کیلئے اخلاص نیت شرط ہے ورنہ محض نام کے لئے ہجرت کرنا اس کا مصداق ہے۔

بطواف کعبہ رفتم بحرم اہم ندادند ☆ تو بروں درجہ کردی کہ دروں خانہ آئی

جب میں خانہ کعبہ کے طواف کو گیا تو حرم نے مجھ کو رستہ نہ دیا کہ تیرے جرم نے کیا کیا ہے جو اندر آنا چاہتا ہے۔

بزمین چو سجدہ کردم زیر زمین ندا برآمد ☆ کہ مرا خراب کردی تو بسجدہ ریائی

اخلاص پیدا ہونے کا طریقہ

اخلاص پیدا ہونے کا طریقہ کیا ہے؟ اس کو ایک دوسرے شعر میں بتاتے ہیں۔

صنما رہ قلندر نرود بمن نمائی ☆ کہ تراز دور دیدم رہ و رسم پارسائی

کہ اس کا طریق عشق و محبت ہے۔ عشق و محبت وہ چیز ہے جو محبوب کے سوا ہر چیز

Maktaba Tul Ishaat.com

کو جلا پھونک کر رکھ دیتی ہے رہ قلندر سے مراد یہی ہے مولانا فرماتے ہیں۔

عشق آن شعلہ ست کو چوں برفروخت ☆ ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

عشق وہ شعلہ ہے جب وہ روشن ہو جاتا ہے تو محبوب کے علاوہ سب کو فنا کر دیتا ہے۔

تیغ لا در قتل غیر حق براند ☆ در نگر آخر کہ بعد لا چہ ماند

الہ کی تلوار اپنی غرض فاسد پر چلاوا سکے بعد نتیجہ دیکھو کہ لا کے بعد کیا رہ گیا ہے۔

ماند الا اللہ و باقی جملہ رفت ☆ مرحبا عشق شرکت سوز وزفت

سوائے الا اللہ کے باقی سب جل گیا۔ اے عشق مبارک ہو سب شریک کو جلا دیا۔

عاشق کی یہ حالت ہوتی ہے کہ اس کا کوئی فعل و قول غیر کیلئے نہیں ہوتا وہ جو کچھ کرتا ہے محبوب کیلئے کرتا ہے۔ **ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العلمین لاشریک لہ** میری نماز میری قربانی میرا زندہ رہنا اور میرا مرنا سب اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہے جو پروردگار ہے کل جہانوں کا جس کا کوئی شریک نہیں۔ اس طریق سے اخلاص بہت جلد حاصل ہوتا ہے پھر محبت کے بعد عادۃً کچھ خطرہ نہیں رہتا کیونکہ جب بندہ کو خدا سے محبت ہوتی ہے تو ان کو بھی اس سے محبت ہوتی ہے بلکہ وہ اپنا عشق اسی کو دیتے ہیں جس سے پہلے ان کو محبت ہوتی ہے۔

عشق اول در دل معشوق پیدا می شود

عشق پہلے معشوق کے دل میں پیدا ہوتا ہے مگر عاشق کے عشق کی اور شان ہے یہ تو دنیا میں غل مچا دیتا ہے اور محبوب کی محبت کی دوسری شان ہے مولانا اسی کو فرماتے ہیں۔

محبوب کی محبت کی حالت

عشق معشوقاں نہاں ست و ستیر ☆ عشق عاشق با دو صد طبل و نفیر

معشوق کا عشق پوشیدہ اور ستیر ہے اور عاشقوں کا عشق دو صد طبل و نفیر کے ساتھ۔ (اس وقت مجمع کی عجیب حالت تھی گویا ذبح کر دیا گیا تھا)۔ جب یہ محبوب بھی ہے پھر اس کو عادۃً کیا خطرہ کیونکہ اسباب خطرہ کے ساتھ تو اس کی یہ حالت ہوتی ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت ☆ دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

دشمن کا ایسا نصیب نہ ہو کہ آپ کی تلوار سے ہلاک ہو آپ کی خنجر آزمائی کے لئے دوستوں کا سر سلامت رہے۔ اور یہ حالت ہوتی ہے۔

ناخوش تو خوش بود بر جان من ☆ دل فدائے یار دل رنجان من

تیرا رنجیدہ کرنا مجھے اچھا لگتا ہے دل اپنے یار پر قربان۔

نجدیوں کی ایک کمی

اس لئے عراقی راہ عشق کی تمنا کرتے ہیں کہ اس طریق سے اخلاص بہت دیر میں حاصل ہوتا ہے رہ پارسائی سے مراد زہد خشک ہے جیسے نجدی میں تو کہا کرتا ہوں کہ نجدیوں میں اتنی ہی کمی ہے کہ وہ وجدی نہیں۔ دوسری شرط ہجرت کے لئے یہ ہے کہ ہجرت میں ثواب زیادہ ہو اور اگر ہجرت نہ کرنے میں ثواب زیادہ ہو تو ہجرت افضل نہ ہوگی۔ اسی لئے ہمارے حاجی صاحب علماء کو ہندوستان سے ہجرت کرنے کی اجازت نہیں دیا کرتے تھے کہ تم ہندوستان میں زیادہ کام کر رہے ہو تمہارا وہیں رہنا بہتر ہے اگر علماء وہاں سے ہجرت کرینگے تو نہ معلوم ہندوستان میں دین کا کیا حال ہو جائیگا ایسے ہی لوگوں کے متعلق حضرت مسعود بک فرماتے ہیں۔

اے قوم بحج رفتہ کجائید کجائید ☆ معشوق دریں جاست بیائید بیائید

اے قوم جو حج کو گئی ہے کہاں ہے؟ محبوب حقیقی تو یہاں ہے واپس آئے واپس آئے۔

امر بالمعروف کے حدود و قیود

اس کے بعد ہے الامرون بالمعروف والناھون عن المنکر۔ کہ وہ امر بالمعروف کرتے ہیں اور منکرات سے منع کرتے ہیں۔ یہ تو سر سے پیر تک حدود و ضوابط سے نہایت مقید ہے۔ نصاب الاحتساب اس کے جاننے کے لئے کافی ہے۔ جاہل کو امر بالمعروف جائز نہیں کیونکہ وہ اصلاح سے زیادہ فساد کرے گا جیسے مکہ میں ایک جاہل نے مجھے امر بالمعروف کیا کہ تم عمامہ کیوں نہیں باندھتے یہ سنت ہے۔ میں نے کہا تم پاجامہ کی

Maktaba Tul Ishaat.com

جگہ لنگی کیوں نہیں باندھتے یہ سنت ہے۔ اس پر تو بڑے چپ ہوئے سوچ کر کہنے لگا کہ مجھے عذر ہے میں بوڑھا ہوں لنگی میری جسم پر ٹھہرتی نہیں ڈھلک جاتی ہے۔ میں نے کہا میں جواں ہوں عمامہ سے مجھے گرمی لگتی ہے۔ اس جواب پر تو بڑے جھلائے کہنے لگے۔ خدا کرے تمہارے دماغ میں اور گرمی بڑھ جائے۔ بھلا ایسے جاہلوں کو جو امر بالمعروف سے پہلے مخاطب کی حالت بھی دریافت نہ کریں اور ایک سنت زائد کے ساتھ اس سختی کے ساتھ امر بالمعروف کریں امر بالمعروف کیونکر جائز ہوسکتا ہے۔ اور میں نے جو اس کو اس طرح جواب دیا اس کا منشاء اس کی جہالت ہی تھی ورنہ میری عادت اس طرح جواب وسوال کی نہیں ہے دوسرے اس وقت میری بھی جوانی تھی مجھے اس کی سختی پر غصہ آ گیا۔

حضرت شیخ عبدالقدوسؒ اور مولانا حسامی محتسب کی حکایت

حضرات سلف کا طریقہ امر بالمعروف کا یہ تھا کہ شیخ عبدالقدوس کے زمانہ میں مولانا حسام الدین محتسب تھے ایک بار وہ گنگوہ آئے یہاں آ کر معلوم ہوا کہ شیخ صاحب سماع ہیں تو انہوں نے شیخ کا کتنا ادب کیا کہ اول ان کو خط لکھا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ صاحب سماع ہیں۔ اس میں بھی حدود شرعیہ کی رعایت کی کہ محض روایات کی بنا پر جرم نہیں۔ اور یہ خلاف سنت ہے اس کو ترک کر دیجئے۔ میں آپ کو تبلیغ کرتا ہوں۔ یہ تو ان کا ادب تھا۔ اب شیخ کا ادب دیکھئے کہ باوجود یہ کہ شیخ خود عالم ہیں مگر انہوں نے اپنے فعل کی یہ تاویل نہیں کی کہ میں مغلوب ہوں۔ یا شرائط کی رعایت سے سنتا ہوں بلکہ یہ جواب دیا کہ حکم شریعت سر آنکھوں پر میں آج سے توبہ کرتا ہوں پھر نہ سنوں گا۔ چنانچہ سماع موقوف ہوگیا اور مجلس سرد پڑ گئی۔ پھر چٹخارہ والوں نے جن کو سماع میں ہی لطف آتا تھا۔ اور کسی چیز میں مزہ نہ آتا تھا۔ ایک کو جو شیخ کے مکان کے پاس رہتی تھی ایک دوہرہ سکھا دیا کہ چکی پیستے ہوئے آج یہ دوہرہ پڑھ لیجئے اس نے وہ دوہرہ پڑھا اور شیخ پر وجد طاری ہوا کیونکہ ان کا حال کسی قوال یا باجہ پر تھوڑا موقوف تھا۔

کسانیکہ یزداں پرستی کنند ☆ برآواز دولاب مستی کنند

Maktaba Tul Ishaat.com

جولوگ حق تعالیٰ شانہ کی عبادت کرتے ہیں وہ چکی کی آواز پر بھی مستی کرتے ہیں۔ ان کے لئے چکی کی آواز بھی سماع کا کام دیتی ہے۔ یہ نہیں جیسا کہ آج کل کے صاحب سماع ہیں کہ ان کو ستار کی تن تن ہی پر حال طاری ہوتا ہے۔ اس کے بغیر کچھ نہیں ہوتا۔ جب شیخ پر وجد طاری ہوا تو اس کے بجھانے کی صورت عادیہ تو یہی تھی کہ مجلس سماع منعقد ہوتی اور چٹخارہ والوں کا مدعا بھی یہی ہے مگر شیخ نے ادب کیا کہ مجلس سماع منعقد کرنے سے پہلے مولانا حسام الدین کو خط لکھا کہ ایک شوریدہ حال کے جان وتن میں آگ لگ رہی ہے اگر تم اس کو بجھا سکو تو بجھا دو۔ مولانا حسام الدین اس وقت درہ لے کر کھڑے ہوئے کہ توبہ کے بعد پھر وہی حرکت اب تو اقراری جرم اور آپ کیساتھ پولیس بھی چلی تو محتسب کے ساتھ شاہی حکم سے رہا کرتی تھی۔ تاکہ وہ احکام شرعیہ کو قوت کے ساتھ جاری کر سکیں چنانچہ آپ درہ لے کر فوج کے ساتھ روانہ ہوئے مگر جس وقت خانقاہ میں قدم رکھا ہے پیر کانپنے لگے۔ بدن پر رعشہ پڑ گیا۔ اور شیخ کی صورت دیکھ کر یہ خود بھی مغلوب الحال ہو گئے تو آپ نے اسی وقت فوج کو اپنے منصب کے کاغذات حوالہ کر کے واپس کر دیا کہ بادشاہ سے عرض کر دیں کہ میں اب اس منصب کا کام نہیں کر سکتا اور اس کے بعد جا کر شیخ کے قدموں پر گر پڑے اور بیعت کی درخواست کی۔

حکایت حضرت قاضی ضیاء الدین سنامیؒ اور حضرت سلطان نظام الدین اولیاءؒ

ایک دوسری حکایت میں میں نے نصاب الاحتساب کے مصنف قاضی ضیاء الدین سنامی کے ایک بزرگ سے سنی ہے جو الہ آباد میں مجھ سے ملے ہیں وہ اپنے کسی بزرگ کی کتاب سے نقل کرتے تھے اور وہ ایسے بزرگ تھے جن سے حضرت خضر علیہ السلام ملا کرتے تھے ان کے یہاں ایک کتاب پر حضرت خضر علیہ السلام کے ہاتھ کی ف لکھی ہوئی ہے شاید انہوں نے حاشیہ کے طور پر کوئی فائدہ لکھنا چاہا تھا۔ مگر ف لکھ کر آگے نہیں لکھ سکے۔ وہ کتاب تبرک کے طور پر ان کے کتاب خانہ میں رکھی ہوئی ہے۔ ان واقعات پر جزم تو نہیں

Maktaba Tul Ishaat.com

کیا جاسکتا مگر تکذیب کی بھی کوئی حد نہیں کہ میرے نزدیک راوی غیر معتبر نہیں ہے تو ان بزرگ سے کسی نے سماع کی بابت سوال کیا تھا کہ اس میں آپ کا فیصلہ کیا ہے یہ جائز ہے یا نہیں۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ عزیز من تم نے ایسی بات کا سوال کیا ہے جس کا فیصلہ کرنا ہمارا تمہارا کام نہیں بس میں بجائے جواب کے تم کو ایک حکایت سناتا ہوں۔ وہ یہ کہ قاضی ضیاء الدین سنامی حضرت سلطان الاولیا سلطان نظام الدینؒ کے ہم عصر ہیں سلطان جی صاحب سمع تھے سنامی ان کو سماع سے منع کرتے تھے۔ ایک بار قاضی صاحب کو معلوم ہوا کہ سلطان جی کے یہاں سماع ہو رہا ہے تو وہ اپنی فوج کو ساتھ لے کر روکنے آئے یہاں پہنچ کر دیکھا تو ایک بڑا شامیانہ قائم تھا اور اس کے اندر سلطان جی کی جماعت کا اس قدر ہجوم تھا کہ قاضی صاحب کو اندر جانے کی جگہ نہ ملی تو انہوں نے حکم دیا کہ خیمہ کی طنابیں کاٹ دو تا کہ مجمع منتشر ہو جائے فوج نے خیمہ کی طنابیں کاٹ دیں مگر خیمہ اسی طرح ہوا پر معلق رہا گرا نہیں قاضی صاحب نے اپنی جماعت سے فرمایا کہ اس سے دھوکہ نہ کھانا بدعتی سے خوارق کا صدور ہو سکتا ہے۔ اور یہ موجب قبول نہیں اس وقت تو وہ واپس ہو گئے۔ دوسرے وقت حضرت سلطان جی کے مکان پر گئے اور فرمایا کہ تم سماع سے توبہ نہ کرو گے۔ سلطان جی نے فرمایا اچھا اگر ہم حضور ﷺ سے پچھوا دیں جب تو تم منع نہ کرو گے کہا اچھا پچھوا دو قاضی صاحب کو سلطان جی کی بزرگی کا علم تھا جانتے تھے۔ کہ حضور ﷺ کی زیارت کرا سکتے ہوں اس لئے سوچا کہ اس دولت کو کیوں چھوڑوں۔ چنانچہ سلطان جی نے ان کی طرف توجہ کی تو انکو حضور ﷺ کی روحانیت مکشوف ہوئی کہ حضور ﷺ ان سے فرما رہے ہیں کہ فقیر کو تنگ کرتے ہو قاضی سنامی نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ مجھے کچھ خبر نہیں کہ میں کس حال میں ہوں جاگ رہا ہوں یا سو رہا ہوں۔ اور صحیح طور پر سن رہا ہوں اور سمجھ رہا ہوں یا مدہوش ہو ں اور حضور ﷺ کے جو ارشادات حضرات صحابہ نے بحالت یقظہ آپ سے سن کر بیان فرماتے ہیں۔ وہ اس ارشاد سے اولی واقدم ہیں جو میں اس وقت سن رہا ہوں اس پر حضور ﷺ نے تبسم فرمایا۔ اور یہ حالت ختم ہو گئی۔ تو سلطان جی نے فرمایا کہ دیکھا حضور ﷺ نے کیا فرمایا قاضی صاحب نے کہا اور دیکھا ہم نے کیا عرض کیا۔ پھر سلطان جی نے قاضی

Maktaba Tul Ishaat.com

صاحب کے سامنے ہی منشد کو یعنی قوال کو اشارہ کیا اس نے سماع شروع کیا۔ قاضی صاحب بھی بیٹھے رہے کہ اس بدعت کو یہیں بیٹھ کر توڑوں گا۔ قوال نے کوئی شعر پڑھا۔ سلطان جی کو وجد ہوا اور وہ کھڑے ہو گئے۔ قاضی صاحب نے اس دفعہ بھی ان کو بٹھلا دیا تھوڑی دیر میں غلبہ وجد سے سلطان جی پھر کھڑے ہوئے اور قاضی صاحب نے اس دفعہ بھی ان کو بٹھا دیا تیسری دفعہ سلطان جی پھر کھڑے ہوئے اس دفعہ قاضی صاحب نے ہاتھ باندھ کر سلطان جی کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ اس پر قاضی صاحب کی جماعت کو بڑی حیرت ہوئی کہ یہ کیا ہونے لگا۔ سب کا خیال ہوا کہ بس اب آئندہ قاضی صاحب سلطان جی کو سماع سے منع نہ کریں گے مگر جب مجلس سماع ختم ہوئی تو قاضی صاحب یہ کہہ کر اٹھے اچھا میں پھر کبھی آؤنگا اور تم کو اس بدعت سے روکوں گا واپسی کے وقت قاضی صاحب کی جماعت نے ان سے پوچھا کہ یہ کیا بات تھی۔ کہ تیسری دفعہ میں آپ سلطان جی کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ فرمایا بات یہ ہے کہ سلطان جی کو پہلی بار جو وجد ہوا تو ان کی روح آسمان اول تک پہنچی یہاں تک میری بھی رسائی تھی میں ان کو وہاں سے واپس لے آیا۔ اور بٹھا دیا۔ دوسری بار جو وجد ہوا تو ان کی روح عرش کے نیچے پہنچی یہاں تک بھی میری رسائی تھی میں وہاں سے بھی انکو واپس لے آیا۔ تیسری بار جو وجد ہوا تو ان کی روح فوق العرش پہنچی میں نے چاہا کہ وہاں سے بھی واپس لاؤں کہ ملائکہ عرش نے مجھے روک دیا کہ عرش کے اوپر نظام الدین ہی جا سکتے ہیں تم نہیں جا سکتے۔

اس وقت مجمع کی عجیب حالت تھی۔ اور اس وقت مجھے عرش کی تجلیاں تک نظر آئیں میں ان تجلیات کے سامنے دست بستہ کھڑا ہو گیا تھا اس بدعتی کے سامنے تھوڑا ہی دست بستہ ہوا تھا وہ چاہے عرش سے اوپر پہنچ جائے مگر اس بدعت سے پھر بھی اس کو منع کرونگا۔ وہ بھی بڑے پکے تھے کہ سلطان جی کے مقامات سے بھی واقف تھے اور خود بھی صاحب مقامات تھے اور جانتے تھے کہ سلطان جی کا مقام مجھ سے اعلیٰ وارفع ہے مگر بایں ہمہ بدعت ہی سمجھتے ہیں یہ بڑا کمال ہے ورنہ ناقص تو ایسے وقت دھوکہ میں آجائے اور بدعت کے بدعت ہونے میں تامل کرنے لگے مگر قاضی صاحب کو اس پر بھی تامل نہیں ہوا یہ انکے

Maktaba Tul Ishaat.com

کمال کی دلیل تھی اور واقعی ایسے ہی صاحب کمال کو سلطان جی جیسے پر احتساب کا حق بھی تھا۔ پھر اتفاق ایسا ہوا کہ قاضی صاحب کا وقت وصال سلطان جی سے پہلے آیا سلطان جی ان کو عیادت کو گئے اور دروازہ پر پہنچ کر اجازت مانگی قاضی صاحب نے فرمایا کہ سلطان جی سے کہہ دو کہ یہ وقت وصال حق کا وقت ہے اس وقت میں بدعتی کا چہرہ نہیں دیکھنا چاہتا سلطان جی نے جواب دیا کہ قاضی صاحب سے عرض کردو کہ وہ بدعتی ایسا بے ادب نہیں کہ بارگاہ سنت میں بدعت سے ملوث ہو کر آتا وہ حضرت والا کے مذاق سے واقف ہے اور آپ کے مذاق کی پوری رعایت کر کے حاضر ہوا ہے میں اس بدعت سے توبہ کر کے حاضر ہوا ہوں۔ اس پر مجمع گویا ذبح ہو گیا تھا۔ یہ جواب سن کر قاضی صاحب پر حالت طاری ہو گئی اور آبدیدہ ہو کر اپنا عمامہ سر سے اتار کر خادم کو دے دیا۔ کہ سلطان جی سے کہو کہ اس عمامہ پر پاؤں رکھتے ہوئے تشریف لائیں۔ بس ان میں یہی ایک کسر تھی جو جاتی رہی باقی ان کے مقامات عالیہ اور کمالات سے میں ناواقف نہیں ہوں۔

گر برسرو چشم من نشیی ☆ نازت بکشم کہ نازنینی

اگر تو میرے سر اور آنکھوں پر بیٹھے تو تیرا آنا آٹھاؤں اس سے کہ تو نازنیں ہے۔

خادم قاضی صاحب کا عمامہ لے کر سلطان جی کے پاس حاضر ہوا تو آپ نے عمامہ کو سر پر رکھ لیا کہ یہ عمامہ شریعت ہے میں اس کو اپنے سر پر رکھ کر حاضر ہوں گا چنانچہ تشریف لائے اور قاضی صاحب نے فرمایا۔

آنانکہ خاک را بنظر کیمیا کنند ☆ آیا بود کہ گوشہ چشمے بما کنند

وہ گوشہ جو تیری خاک ہے مٹی کو کیمیا بناتے ہیں کیا وہاں ہماری جانب رسائی ہے۔

حضرت اب میرا آخری وقت ہے اللہ میرے اوپر توجہ فرمائے چنانچہ حضرت سلطان جی نے توجہ شروع کی اور ایسی توجہ کی کہ قاضی صاحب کی روح نہایت فرح وشادمانی کے ساتھ عالم بالا کو پرواز ہو گئی۔ حضرت قاضی صاحب کا وصال ہو گیا تو سلطان جی روتے تھے اور فرماتے تھے کہ افسوس شریعت کا ستون گر گیا۔ اس حکایت کو ذکر کر کے وہ بزرگ فرماتے ہیں کہ بھائی نہ میں نظام الدین ہوں جو اجازت دوں نہ ضیاء الدین ہوں جو منع

Maktaba Tul Ishaat.com

کروں یہ حکایت میں نے اخبار الاخیار میں بھی دیکھی ہے مگر مختصر۔

حضرات سلف صالحین کا طریقہ امر بالمعروف

حضرت یہ تھا ہمارے سلف صالحین کا طریقہ امر بالمعروف میں کہ ایک دوسرے کا ادب بھی کرتے تھے اور نصیحت بھی کرتے تھے۔ اب میں حضرت قاضی سنامی کے اس جواب پر کہ میں تجلیات آلہ کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوا تھا سلطان جی کے سامنے میں نے ہاتھ نہیں باندھے ایک علمی فائدہ متفرع کرتا ہوں۔

صلوۃ الکسوف میں حنفیہ اور شافعیہ کے اختلاف کا سبب

وہ یہ کہ صلوۃ الکسوف میں امام ابوحنیفہؒ ایک ہی رکوع کے قائل ہیں جیسا کہ سب نمازوں میں ایک ہی رکوع معروف ہے اور شافعیہ دو رکوع کے قائل ہیں۔ کیونکہ بعض روایات صحیح میں یہ وارد ہے کہ حضور ﷺ نے صلوۃ الکسوف میں دو رکوع کئے تھے حنفیہ کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صلوۃ الکسوف کے بارہ میں فرمایا ہے **صلوا کاحدث صلوۃ صلیتموھا** کہ اس سے پہلے جو نماز سب سے قریب تم پر پڑھی ہے اسی طرح دو رکعتیں پڑھو اور نماز کسوف سے قریب تر نماز فجر ہے اور اس میں ایک ہی رکوع ہے تو اس جیسی نماز بھی ایک ہی رکوع سے ہوگی اور یہ حدیث بھی صحیح ہے۔ (رواہ النسائی والحاکم وصححہ علی شرطھما)۔

اور قولی ہے اور فعلی حدیث سے قولی مقدم ہے۔ یہ تو حنفیہ کی دلیل تھی مگر چونکہ حدیث فعلی بھی صحیح ہے اس لئے اس میں تاویل ضروری ہے تو علماء ظاہر نے تو یہ کہا ہے کہ حضور ﷺ نے اس نماز میں رکوع تو ایکہی کیا تھا مگر طویل بہت تھا۔ تو ممکن ہے بعض لوگوں کو طول کی وجہ سے یہ شبہ ہوا کہ شاید حضور کھڑے ہو گئے ہوں اور ہم نے **سمع اللہ لمن حمدہ** کی آواز نہ سنی ہو اس لئے وہ کھڑے ہو گئے انکو دیکھ کر پچھلی صف والے بھی کھڑے ہو گئے۔ پھر اگلوں نے دیکھا کہ حضور ﷺ ابھی تک رکوع ہی میں ہیں تو وہ پھر رکوع میں چلے گئے پچھلی صف والے بھی ان کو دیکھ کر رکوع میں چلے گئے اب اگلوں کو تو اپنے کھڑے ہونے اور دوبارہ رکوع میں جانے کی حقیقت معلوم تھی مگر پچھلے یہ سمجھے۔ کہ اگلوں نے حضور

Maktaba Tul Ishaat.com

ﷺ کو دیکھ کر دو رکوع کیے ہیں اور اصل حضور ﷺ ہی نے دو رکوع کیے ہیں۔ یہ تاویل اس معنی کو کافی ہے کہ مانع کا احتمال کافی ہے مگر اس میں یہ کلام ہے کہ بعض روایات سے رکوعین کے درمیان قیام طویل ثابت ہے اور اس شبہ کی حالت میں قیام طویل نہیں ہوسکتا۔

تجلیات خاصہ کا حق

مولانا محمد یعقوب صاحب نے جو کہ عارف کامل تھے حدیث فعلی کا یہ جواب دیا ہے کہ نماز میں جو قیام و رکوع و سجدہ ہے یہ تجلیات خاصہ ہے اور حضور ﷺ کے اوپر اس نماز میں تجلیات کا تعاقب تھا جس وقت آپ رکوع میں گئے کچھ دیر کے بعد آپ پر وہ تجلی منکشف ہوئی جس کا حق قیام تھا اس لئے آپ کھڑے ہو گئے۔ پھر دوسری تجلی منکشف ہوئی جس کا حق رکوع تھا اس لئے آپ پھر رکوع میں چلے گئے یہ وجہ تھی آپ کے بار بار قیام و رکوع کی مگر یہ امر آپ کے ساتھ مخصوص تھا کیونکہ اس کا منشا انکشاف خاص تھا اور ہم لوگوں کو تجلی کی خبر تو ہوتی نہیں اس لئے ہمکو قاعدہ ہی کا اتباع کرنا چاہیے۔ خلاف ضابطہ دو رکوع اور دو قیام نہ کرنا چاہیے اس کی ایسی مثال ہے کہ دربار شاہی میں جا کر سب لوگ ایک دفعہ آداب بجالاتے ہیں اس کے بعد ہر شخص اپنے اپنے درجہ بیٹھ جاتا ہے۔ لیکن وزیر کی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ ایک بار آداب بجالا کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ پھر بادشاہ نے اس کی طرف دیکھا تو وہ دوبارہ آداب بجالاتا ہے۔ پھر اس نے بیٹھنے کا حکم دیا تو تیسری بار آداب بجالاتا ہے پھر کسی بات پر بادشاہ نے تبسم کیا تو چوتھی بار آداب بجالاتا ہے پھر کسی بات پر وزیر کی تعریف کی تو پانچویں بار آداب بجالاتا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ وزیر کی ان حرکات کا منشا خاص تجلیات ہیں۔ جو بادشاہ کی طرف سے اس پر ہو رہی ہیں۔ اب اگر کوئی شخص جس کو ان تجلیات کی اور انکے مقتضیات کی خبر نہیں محض وزیر کو دیکھ کر بجائے ایک دفعہ کے پانچ دفعہ آداب بجالایا کرے تو وہ معتوب ہوگا کیونکہ اس کی یہ حرکات بے موقع ہیں اور وزیر کی حرکات با موقع ہیں کیونکہ وہ تجلیات کو دیکھ کر انکا حق ادا کر رہا ہے۔ دوسروں کو اس کا اتباع اس امر میں نہ کرنا چاہیے۔ بلکہ ان کو ضابطہ پر عمل کرنا چاہیے جو ان کو بتلا دیا گیا ہے میرے خیال میں حدیث فعلی کی یہ توجیہ سب سے بہتر ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

دین میں حدود الٰہیہ

اس کے بعد ہی والحافظون لحدود اللہ کہ وہ مسلمان ایسے ہیں جو حدود الٰہیہ کی حفاظت کرتے ہیں یہ وہی جزو ہے جس کا بیان میں اس وقت کرنا چاہتا ہوں۔ سو میں نے بتادیا کہ دین حفظ حدود کا نہایت درجہ اہتمام ہے۔ اعمال ظاہرہ میں حفظ حدود کا اہتمام بیان کر چکا ہوں اسی کا تتمہ ہے۔ انفاق میں اعتدال جو اس آیت میں مذکور ہے لَمْ یسرفوا ولم یقتروا وکان بین ذالک قواماً نہ بیجا اڑائیں اور نہ تنگی کریں اور اس کے درمیان ایک سیدھی گزران ہے۔

اعمال باطنہ کے حدود

اب سنئے کہ اعمال باطنہ میں بھی حدود ہیں۔ چنانچہ خوف میں بھی ایک حد ہے چنانچہ الحمد للہ ایک حدیث سے میں اس کو سمجھا ہوں۔ حدیث میں آپ کی یہ دعا مذکور ہے اللھم انی اسئلک من خشیتک ماتحول به بینی وبین معاصیک. (موارد الظمآن للھیثمی بلفظ آخر ۵۰۹) اے اللہ میں آپ سے آپ کی خشیت کا وہ درجہ مانگتا ہوں جس سے میں معاصی سے بچ جاؤں معلوم ہوا کہ زیادہ خوف مطلوب نہیں۔ ورنہ وہ حال ہوگا جو ایک وکیل صاحب کا حال ہوا تھا جو میرے ہم نام تھے صرف اتنا فرق تھا کہ ان کے نام میں علی نہ تھا انہوں نے احیاء العلوم کا باب الخوف دیکھا تو اس کو دیکھ کر ان پر ایسا خوف طاری ہوا کہ یاس کے قریب ہو گئے۔ وہ میرے پاس آئے اور کہنے لگے جب ہر حالت میں سوء خاتمہ کا خطرہ ہے پھر عمل سے کیا نفع؟ میں نے کہا کہ آپ کو احیاء العلوم کی کتاب الخوف دیکھنا جائز نہیں آپ کو اس کا باب الرجاء دیکھنا چاہیے اور مشکوۃ وغیرہ میں احادیث رجاء کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ حضرت امام غزالی پر خوف کا بہت غلبہ ہے اس لئے کتاب الخوف میں ان پر یہ حال غالب ہے اسی کا یہ اثر ہے کہ اس باب کے مطالعہ کا تحمل نہیں ہو سکتا۔ امام غزالی پر خوف کا غلبہ ایسا رہا کہ دس برس تک اس کی وجہ سے قبض میں مبتلا رہے۔ اور صحرا قدس میں پھرتے رہے۔ معتقدین نے ایک طبیب نصرانی کو جسے ڈاکٹر کہنا چاہیے

Maktaba Tul Ishaat.com

آپ کا قارورہ دکھلایا اس نے تشخیص میں کمال کیا کہ قارورہ دیکھ کر کہا کہ صاحب قارورہ کو کوئی ظاہری مرض نہیں ہے اس پر خالق کا خوف غالب ہے اس کا علاج خدا ہی کے پاس ہے وہ وکیل صاحب بھی مغلوب الحال تھے اس لئے کتاب الخوف کو دیکھ کر یہ خیال ہو گیا کہ عمل سے کیا نفع اگر صاحب مقام ہوتے تو وہ بات کہتے جو۔

مذاق عاشق

امام سعدیؒ نے ایک حکایت میں ایک بزرگ کا قول نقل کیا ہے۔

توانی ازاں دل بہ پرداختن ☆ کہ دانی کہ بے اوتواں ساختن

اس سے دل خالی کر سکتے ہو جس کے بغیر گزارہ نہیں کر سکتے۔

ان کو ایک رات غیب سے آواز آئی تھی کہ جو چاہے کر یہاں کچھ قبول نہیں اور ایسے زور سے آواز آئی۔ کہ ایک مرید نے بھی سن لیا مگر وہ بزرگ بدستور اپنا معمول پورا کرنے چلے اگلے دن پھر لوٹا لیکر تہجد کو اٹھے مرید نے کہا کہ ایسی بھی کیا بے غرتی ہے جب وہ کچھ نہیں پوچھتے تو اس محنت سے کیا نفع؟ شیخ نے جواب دیا کہ بیٹا یہ تو صحیح کہ وہ نہیں پوچھتے مگر تم ہی یہ بتلاؤ کہ میں اور کہاں جاؤں کیا اور کوئی دروازہ ہے جسے خدا کے دروازہ کو چھوڑ کر اختیار کر لوں اور جب اور کوئی دروازہ نہیں تو پھر چاہے وہ ماریں یا چھوڑیں میں تو انہی کو لپٹا رہوں گا۔

زندہ کنی عطائے تو ور بکشی فدائے تو ☆ دل شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو

اور یہ کہا

اگر آپ زندہ کریں یہ آپ کی عطا ہے اور اگر قتل کریں تو میں آپ پر قربان ہوں جو بھی آپ کریں میں آپ سے راضی ہوں۔

توانی ازاں دل بہ پرداختن ☆ کہ دانی کہ بے اوتواں ساختن

اس پر دوبارہ آواز آئی۔

اس سے دل خالی کر سکتے ہو جس کے بغیر گزارہ نہیں کر سکتے۔

قبولت گرچہ ہنر نیستت ☆ کہ جز ماپناہ دگر نیستت

Maktaba Tul Ishaat.com

اگر چہ تمہاری عبادت تو کسی ڈھنگ کی نہیں لیکن خیر جبکہ ہمارے سوا کوئی دوسرا نہیں۔ اس میں بھی ایک چرکہ لگا دیا کہ گو کسی قابل تو نہیں ہو مگر رحم کر کے قبول کیے لیتے ہیں۔ حضرت! عاشق کا مذاق یہی ہوتا ہے کہ اگر اس کو یقین بھی ہو جائے کہ جہنم میں جاؤں گا جب بھی عمل سے نا نہیں آتا اور برابر طلب میں بڑھتا رہتا ہے ایک مرید نے شیخ کو لکھا کہ ذکر کے وقت روزانہ یہ آواز آتی ہے کہ تو کافر ہو کر مریگا۔ شیخ نے لکھا کہ یہ محبت ہے کچھ خطرہ نہ کرو وہ اپنے چاہنے والوں کو یونہی تنگ کیا کرتے ہیں۔

حکایت حضرت شاہ ابوالمعالیؒ

حضرت شاہ ابوالمعالیؒ نے اپنے ایک مرید سے جو سفر حج کو جا رہا تھا فرمایا کہ روضہ اقدس پر میرا اسلام عرض کر دینا اس نے سلام عرض کیا تو جواب آیا کہ اپنے بدعتی پیر کو ہمارا بھی سلام کہنا مرید بڑا گھبرایا کہ شیخ سے الفاظ کیونکر عرض کروں واپسی پر شیخ نے جو پوچھا کہ ہمارا اسلام عرض کیا تھا کہ جی ہاں عرض کیا تھا حضور نے بھی آپ کو سلام فرمایا ہے۔ کہا وہی کہو جو حضور نے فرمایا تھا بات کیوں بدلتے ہو کہا جب تو آپ مجھ ہی سے کیوں پوچھتے ہیں فرمایا کہ وہ بات تم تھوڑا ہی کہو گے تم تو قاصد ہو قاصد سفیر محض ہوتا ہے اور محبوب کا پیام سننے میں اور مزہ ہے کہ جانتے ہیں وہ مزا نہیں چنانچہ اس نے حضور ہی کے الفاظ میں پیام کو ادا کیا شیخ پر وجد طاری ہو گیا اور کہا

بدم گفتی و خرسندم عفاک اللہ نکو گفتی ☆ جواب تلخ می زیبد لب لعل شکر خارا

غرض عاشق کو جو عارف بھی ہو جس وقت یہ وسوسہ نہیں ہوتا کہ محبوب کو چھوڑ دے اس کی طلب ہر وقت ترقی پر رہتی ہے خواہ قبض ہو یا بسط ہو انعام ہو یا دشنام ہو سعدیؒ فرماتے ہیں۔

گدایان از بادشاہی نفور ☆ بامیدش اندر گدائی صبور
دمادم شراب الم درکشند ☆ وگر تلخ بینند دم درکشند
نہ گویم کہ برآب قادر نیند ☆ کہ برساحل نیل مستسقیند

Maktaba Tul Ishaat.com

شوق کی حد

اب سنئے کہ شوق کے لئے بھی ایک حد ہے حدیث میں ہے **واسئلک شوقاً الی لقائک فی غیر ضراء مضرۃ وفتنۃ مضلۃ**۔ اور میں آپ سے آپ کی بقاء کا شوق مانگتا ہوں جس میں نہ کوئی جسمانی تکلیف ہو اور نہ ایسا فتنہ ہو جو گمراہ کردے۔ ضراء مضرۃ تو یہی ہے کہ ایسا شوق غالب ہو کہ جسم کو گھلا دے جیسا کہ بعض عشاق شوق میں گھل گئے ہیں اور فتنۃ مضلۃ یہ ہے کہ شوق بقاء میں تشبیہ وتجسیم میں مبتلا ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کو کسی خاص صورت میں تصور کرنے لگے کہ اللہ تعالیٰ ایسے ہونگے ویسے ہونگے۔ جس کی نسبت مولانا فرماتے ہیں۔

گہ ترا گوید زمستی بوالحسن ☆ یاصغیر السن یارطب البدن

یہ غلبہ شوق ہی کا اثر ہے آگے اس سے بتری کرتے ہیں۔

اے بروں از وہم وقال وقیل من ☆ خاک برفرق من وتمثیل من

اس تمثیل کا عذر بتاتی ہیں۔

بندہ نشکیبد ز تصویر خوشت ☆ ہر دمت گوید کہ جانم مفرشت

مولانا تو صاحب مقام ہیں اس لئے تمثیل کو تمثیل کے درجہ پر رکھتے ہیں اور اس سے بھی برائت ظاہر کرتے ہیں لیکن صاحب حال کو غلبہ شوق میں حدود کا خیال نہیں رہتا وہ اس تشبیہ وتمثیل کو اعتقاد میں داخل کر لیتا ہے اور غائب کو حاضر پر قیاس کرنے لگتا ہے اس لئے حضور ﷺ نے فرمایا **ولا فتنۃ مضلۃ** نیز شوق میں بعض دفعہ حد ادب سے بھی نکل جاتا ہے نہ زبان قابو میں رہتی اس درجہ کی بھی حضور ﷺ نے نفی کی ہے بس شوق مطلوب شوق ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف چلائے اور جو شوق ادھر سے ہٹانے لگے وہ مطلوب نہیں۔ تو وہ شوق کیلئے بھی حد ثابت ہوئی۔ جب شریعت میں تمام امور کیلئے حدود کیوں نہ ہونگے؟ یقیناً ہیں اور ترقی جس کے معنی آج کل سمجھے جاتے ہیں کہ کسی شے کیلئے حد نہ ہو سراسر مضر ہے۔ یہ غلط ہے اب اس کا فیصلہ کہ وہ حدود کیا ہیں حکماء شریعت وحکماء عقل نے یہ کہا ہے کہ

Maktaba Tul Ishaat.com

انسان میں تین قوتیں ہیں ایک عقلیہ ایک شہویہ ایک غضبیہ (قوت شہویہ سے مراد وہ قوت ہے جو منافع کو حاصل کرنا چاہتی ہے اور قوت غضبیہ وہ قوت ہے جو مضرتوں کو رفع کرنا چاہتی ہے۔ شہوت سے صرف عورتوں کی خواہش اور غضب سے غصہ مراد نہیں بلکہ یہ دونوں بھی ان کے افراد میں سے ہیں) اور ان میں ہر ایک کے تین درجے ہیں۔

اعتدال کے درجات

افراط، تفریط، اعتدال، مثلاً قوت عقلیہ میں تفریط کا درجہ حماقت ہے اور درجہ افراط کا نام جزیرہ جس کا ترجمہ ہے۔ چربرا یعنی بہت تیز اور درجہ اعتدال کا نام حکمت ہے اسی طرح قوت شہوت میں ایک درجہ افراط کا ہے جس کا نام فجور ہے ایک درجہ تفریط کا ہے جس کا نام خمود ہے۔ ایک درجہ اعتدال کا ہے جس کا نام عفت۔ اور قوت غضب میں افراط کا نام تہور ہے اور تفریط کا نام جبن ہے اور اعتدال کا نام شجاعت ہے یہ کل ۹۰ درجے ہوئے جنکی مفصل تعریف کتب حکمت واخلاق میں مذکور ہے جن میں سے مطلوب صرف تین درجے ہیں اور ان تینوں کے مجموعہ کا نام عدالت ہے۔ چھ درجے مطلوب نہیں حکما کا اس پر اتفاق ہے کہ انسان کا کمال یہ ہے کہ ان تینوں قوتوں میں اعتدال کا درجہ حاصل کرے اور اگر افراط کا درجہ ہو یا تفریط کا تو یہ کمال نہیں بلکہ نقص ہے۔ پس آج کل جو ترقی کا مفہوم یہ ہے کہ کسی حد پر نہ ٹھہرو یہ باتفاق حکماء غلط اور باطل ہے۔ اور علماء اسلام کے نزدیک تو باطل ہے ہی کیونکہ اسلام میں اعتدال ہی کی تعلیم ہے۔ اسی لیے اس امت کو امت عادلہ اور امت وسط قرآن میں کہا گیا ہے۔ اور شہود میں اور روایت حدیث میں جو عدالت شرط ہے اس کے معنی یہی ہیں کہ ان نو درجوں میں سے تین معتدل درجے حاصل کئے ہوئے ہوں اور افراط وتفریط کے درجات سے مبرا ہوں۔ ہاں یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ اعتدال کے بھی درجے ہیں ایک تو اعتدال حقیقی بالمعنی اللغوی ہے۔ اس پر تو بجز رسول اللہ ﷺ کے کوئی قادر نہیں اسی لئے حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

اعتدال کی قسمیں

لن یشادالدین احدالا غلبه فسددوا وقاربوا (الصحیح للبخاری ۱:۱۶، سنن النسائی الایمان ۲۸) کہ دین پر کوئی غالب نہیں آسکتا یعنی درجہ کمال حقیقی پر۔ پس سیدھے چلتے رہو اور قریب قریب چلتے رہو اور ایک اعتدال حقیقی اصطلاحی ہے یعنی ایسا اعتدال جس پر عام طور پر سب کو قدرت ہے۔ مامور بہ اور مطلوب یہی اعتدال ہے۔ اب میں ایک لطیف بات کہتا ہوں کہ جس مسافت پر چلا جائے اس کا وسط حقیقی یعنی وسط بہ تحریک الاوسط غیر متجزی ہوگا۔ پھر طرفین اور وسط نکلیں گے تو وسط وسط رہا۔ اس لئے لازم ہے کہ وسط غیر متجزی ہو یعنی عرضاً کیونکہ طولاً تو ضروری متجزی ہے جبکہ اس کو مسافت تسلیم کیا گیا ہے۔ جس پر سیر کی جارہی ہے پس اعمال کا وسط حقیقی غیر متجزی ہوگا۔ اور یہی دین کا طریق غیر متجزی قیامت کے روز بشکل پل صراط متمثل ہوگا۔ جس کو حدیث میں احد من السیف وادق من الشعر کہا گیا ہے حقیقت وہ اعتدال حقیقی غیر متجزی کی مثال صورت ہے اور جو غیر متجزی ہوگا اس دق من الشعر ہونا ضرور ہے کیونکہ بال عرضاً متجزی ہوتا ہے اور چونکہ اس پر چلنا قدرے دشوار ہے اس لئے احد من السیف بھی ہوگا پس جو لوگ یہاں شریعت پر چل رہے ہیں وہ وہاں بھی پل صراط پر چلیں گے اور اسی طرح چلیں گے جس طرح یہاں چل رہے ہیں اور احد من السیف وادق من الشعر پر چلنا عقلاً محال نہیں گو یہاں مستبعد رہے مگر یہاں کے استبعاد سے حدیث پر اشکال نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اس عالم کی خاصیت جدا ہے اس عالم کی جدا ہے اس کو اس پر قیاس کرنا غلط ہے اس عالم کو اس عالم کے ساتھ ایسا تعلق سمجھے جیسا یہاں ذہن اور خارج میں تعلق ہے کہ جو چیز خارج میں ہے وہ ذہن میں بھی ہے مگر خارج میں اس کی خاصیت اور ہے۔ ذہن میں وہ خاصیت نہیں ہے۔

چنانچہ جوہر ذہن میں فی موضوع ہے اور خارج میں لافی موضوع پس جو لوگ عقل کے بہت درپے ہیں وہ پہلے ہمیں اس کی وجہ بتائیں کہ خارج اور ذہن کی خاصیت میں کیوں فرق ہے۔ مگر آج کل عقل تو لوگوں کو ہے نہیں۔ خواہ مخواہ عاقل ہونے کا دعوی کرتے

Maktaba Tul Ishaat.com

ہیں۔بس ان کے یہاں تو بڑی عقل یہ ہے کہ بی اے ایم اے ہو گئے اور اچھا کھانے اچھا پہننے لگے یہی ان کے نزدیک ترقی کا معیار ہے یہی عقل کا میں کہتا ہوں کہ کھانے پینے میں تو حیوانات تم سے اچھے ہیں اور تم سے زیادہ کھاتے پیتے ہیں اور جس چیز میں حیوانات بھی آپ کے شریک بلکہ آپ سے اچھے ہیں وہ کمال نہیں ہوسکتا کمال یہ ہے کہ انسانی کمالات کو حاصل کیا جائے اور اس کمال کی یہ خاصیت ہے کہ صاحب کمال کو کھانے پینے پہننے کی پرواہ نہیں رہتی۔

اے دل آں بہ کہ خراب از مے گلگوں باشی ☆ بے زر و گنج بصد حشمت قارون باشی

اے دل شراب محبت حقیقی سے خراب اور بغیر مال وزر اور خزانوں کے قارون سے بڑا کون۔

بس انسان کا بڑا کمال اقتصاد واعتدال ہے تمام حکماء کا اس پر اتفاق ہے انہی لوگوں کی حق تعالیٰ نے مدح فرمائی ہے یعنی مقتصدین کی چنانچہ ایک مقام پر فرماتے ہیں **فمنهم مقتصد وما يجحد بايٰتنا الا كل ختار كفور** (پس بعضے تو ان میں اعتدال پر رہتے ہیں اور ہماری آیتوں کے بس وہی لوگ منکر ہیں جو بدعہد اور ناشکرے ہیں) اس مقام پر اہل کتاب کے بارہ میں ارشاد ہے۔ **منهم امة مقتصدة و كثير منهم ساء ما يعملون** (ان میں ایک جماعت راہ راست پر چلنے والی ہے اور زیادہ ان میں سے ایسے ہیں کہ ان کے کردار بہت برے ہیں) ایک مقام پر ارشاد ہے **و كذلك جعلنا كم امة وسطا** (اور ہم نے تم کو ایک ہی ایسی جماعت بنادی ہے جو ہر پہلو سے اعتدال پر ہے)۔

بڑا کمال اقتصاد واعتدال

اس سے صاف معلوم ہوا ہے کہ اقتصاد توسط ہی بڑا کمال ہے اور یہی مطلوب ہے پس قرآن وحدیث سے ثابت ہوگیا ہے اقتصاد ہی اعلیٰ درجہ ہے۔اب میں ایک شبہ کا جواب دینا چاہتا ہوں جو قرآن ہی سے پڑ سکتا ہے مگر ان لوگوں کو جو محض ترجمہ دیکھ کر مولانا بن جاتے ہیں اشکال یہ ہے کہ ایک مقام پر حق تعالیٰ فرماتے ہیں **ثم اورثنا الكتب الذين اصطفينا من عبادنا فمنهم ظالم لنفسه ومنهم مقتصد ومنهم سابق بالخيرات باذن الله** (پھر یہ کتاب ہم نے ان لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچائی جن کو ہم نے اپنے تمام دنیا کے

Maktaba Tul Ishaat.com

بندوں میں سے پسند فرمایا پھر بعضے تو ان میں سے اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں اور بعضے ان میں سے متوسط درجہ کے ہیں اور بعضے ان میں سے خدا کی توفیق سے نیکیوں میں ترقی کئے جاتے ہیں)۔ پھر ہم نے وارث کئے کتاب کے وہ لوگ جن کو چن لیا ہم نے اپنے بندوں میں سے پھر کوئی ان میں برا کرتا ہے اپنا اور کوئی ان میں ہے بیچ کی چال پر اور کوئی ان میں آگے بڑھ گیا ہے خوبیاں لیکر اللہ کے حکم سے۔

یہاں امت محمد یہ ﷺ کی تعریف کی گئی ہے کہ امم سابقہ کے بعد ہم نے اپنے ان بندوں کو کتاب الٰہی کا وارث بنایا جن کو ہم نے برگزیدہ کیا ہے پھر ان میں بعض تو اپنی جان پر ظلم کرنے والے ہیں یعنی گناہ گار ہیں اور بعض میانہ رو مقتصد ہیں اور بعض سابقین بالخیرات ہیں۔ یہاں امت محمد یہ ﷺ کے لئے کیسی بشارت ہے کہ ان کے گنہگار بھی برگزیدہ بندوں میں داخل ہیں تو یہاں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اقتصاد اعلیٰ درجہ نہیں بلکہ اس سے بھی آگے ایک درجہ ہے جن کو سابقین سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ذرا اس اشکال کا جواب وہ لوگ بیان تو کریں جو محض لیڈری سے مولانا بن گئے ہیں۔ فہم القرآن آسان نہیں اس کے لئے پورے قرآن کا احاطہ ضروری ہے اور علوم قرآن سے واقف ہونا لازم ہے۔ مگر آجکل جو لوگ لیڈر ہیں اور اس زمانہ میں سب لیڈر مقتدا اور مولانا ہیں ان کی یہ حالت ہے۔

گر بہ میرد سگ وزیر و موش رادیواں کنند ☆ ایں چنیں ارکان دولت ملک را ویراں کنند

شاید تم یہ کہو کہ مولوی کام نہ کریں تو لیڈر کیا کرتے انہوں نے قومی سیاسیات کو اپنے ہاتھ میں لے لیا اس کا جواب یہ ہے کہ یہ غلط ہے کہ مولوی کام نہیں کرتے جو کام مولویوں کا ہے وہ برابر کرتے ہیں اور ہمیشہ کریں گے اور کیونکر نہ کریں آخر کیا وہ گوہ کے ٹوکرے کمائیں گے۔ ہم کو لیڈروں سے یہ شکایت نہیں کہ انہوں نے سیاسیات قومی کو اپنے ہاتھ میں کیوں لیا۔ بلکہ شکایت اس کی ہے کہ اس کام میں بھی دخل دینے لگے جو مولویوں کا تھا اور ان کا کام نہ تھا وہ یہ کہ یہ لوگ احکام شرعیہ کا فیصلہ بھی اپنی رائے سے کرتے ہیں ان کو لازم تھا کہ یہ جو کچھ طریقے ترقی قومی کے سوچیں ان کو پہلے مولویوں کے سامنے پیش کر کے فتوی شرعی حاصل کر لیا کریں کہ یہ جائز ہے یا ناجائز۔ جب علماء فتوی دیں اس کے

Maktaba Tul Ishaat.com

بعد ان سیاسی تدابیر پر عمل کیا جائے۔

علماء کا کام

علماء کا کام صرف یہی ہے کہ وہ قانون شرعی کے موافق آپ کی تدابیر وطریق کا جواز یا عدم جواز بتائیں۔ اس سے زائد علماء کا کچھ کام نہیں اور بتائے اور اس کام سے علماء نے کب پہلو تہی کیا ہے۔ اب اگر تم یہ چاہو کہ وہ اس کام سے آگے بڑھ کر سیاسیات میں عملاً بھی حصہ لیں اور تمہارے سیاسی جلسوں اور مظاہروں میں شریک ہوا کریں تو یہ کام ان کا نہیں ہے اور نہ تم کو اس پر انہیں مجبور کرنے کا کوئی حق ہے تم نے مولویوں کو سمجھا کیا ہے۔ علماء جس کام کو کر رہے ہیں وہ اس قدر اہم اور ضروری ہے کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ جس بستی میں ایک ہی عالم ہو اور جہاد شروع ہو جائے تو اس عالم کو میدان جہاد میں جانا جائز نہیں ہے کیونکہ علماء اگر مرجائیں گے تو علم دین کون سنبھالے گا۔ اس لئے ہمارے حاجی صاحبؒ علماء کو ہجرت سے منع کرتے تھے۔ کہ اگر تم ہندوستان کو چھوڑ دو گے تو ہندوستان میں دین کا کیا حال ہوگا؟

علماء وسیاسیات

اب لوگ اس کو تو دیکھتے نہیں کہ علماء کو سیاسیات میں پڑنے سے خود فقہا اسلام نے منع کیا ہے بس انکو تو الزام دینے سے کام ہے۔ مسلمانوں پر جو مصیبت بھی آئے اس کا الزام سب سے پہلے علماء پر ہے۔ بس ان کا وہ حال ہے جو انوری نے بیان کیا ہے۔

ہر بلائے کز آسماں آید ☆ گرچہ بر دیگر اں روا باشد
برزمیں نارسیدہ می پرسد ☆ خانہ مولوی کجا باشد

(ہر بلا آسمان سے آتی ہے اگرچہ حالات دگرگوں ہوں بطور ناز زمین سوال کرتی ہے کہ مولوی کا گھر کہاں ہے)

میں نے آخری مصرعہ میں انوری کی جگہ مولوی کر دیا ہے۔

دندان شکن جواب

میں کہتا ہوں کہ اگر مولوی قوم کے حق میں ایسے مضر ہیں کہ سارا تنزل انہی کی وجہ

Maktaba Tul Ishaat.com

سے ہے ترقی سے مانع بھی یہی ہیں۔ تو تم ان سب کو ایک جہاز میں بھر کر سمندر میں غرق کردو۔ مگر میں پیشین گوئی کرتا ہوں کہ عادۃ اللہ یہ ہے کہ تم ہی غرق ہو جاؤ گے اور مولوی ساحل پر کھڑے ہوئے ہنسیں گے۔ اور جواب ایسا ہے جیسا جواب سلطان عبدالحمید خانؒ نے جرمنی کے بادشاہ کو دیا تھا اس نے طنز کے طور پر ترکی کی کمزوری ظاہر کرتے ہوئے سلطان سے یہ کہا تھا کہ یورپ میں آپ کی ایسی حالت ہے جیسے بتیس دانتوں میں ایک زبان۔ یعنی چار طرف سے تم گھرے ہوئے ہو کچھ کر نہیں سکتے۔ تو سلطان نے جواب دیا۔ کہ یہ صحیح ہے مگر عادۃ اللہ یہ ہے کہ دانت سب گر جاتے ہیں اور زبان قائم رہتی ہے خوب ہے۔ دندان شکن جواب تھا۔ اس پر شاید کوئی کہے کہ سلطان نے جس عادۃ اللہ کا حوالہ دیا ہے وہ تو مشاہد ہے مگر تم نے جس عادۃ اللہ کا حوالہ دیا ہے اس کی کیا دلیل ہے کیا تمہارے پاس کوئی وحی آئی ہے۔ تو ہم کہیں گے ہاں وحی تو آئی نہیں مگر پہنچی ہے یعنی رسول اللہ ﷺ کے واسطہ سے کیونکہ آپ فرما گئے ہیں۔

لایزال طائفة من امتی منصورین علی الحق لایضرهم من خذلهم حتی یاتی امر اللّٰه. (الصحیح للبخاری ۹:۱۲۵ بلفظ آخر) میری امت میں ایک گروہ ہمیشہ حق پر فائز رہے گا جو کوئی ان کو رسوا کرنا چاہیے ان کا بال بیکا نہ کر سکے گا حتی کہ قیامت آجائے گی۔ اس وجہ سے تم جو چاہو کرو ان شاء اللہ علماء اہل حق دنیا سے ناپید نہیں ہو سکتے بعض لوگ علماء کو یہ رائے دیا کرتے ہیں کہ ان کو لیڈروں کے ساتھ مل کر کام کرنا چاہیے۔ کیونکہ مل کر کام کرنے سے قوت ہوتی ہے میں کہتا ہوں کہ انہوں نے مل کر کام کرنے کا مطلب ہی نہیں سمجھا۔ مل کر کام کرنے کی صورت یہ ہے جیسے بڑھی اور معمار مل کر تعمیر کا کام کرتے ہیں۔ کہ وہ الگ اپنا کام کرتا ہے اور وہ الگ پھر ان کو جمع کر دیا جاتا ہے۔ یہ نہیں کہ معمار اور بڑھی دونوں لکڑی کے کام پر لگ جائیں۔ یا دونوں اینٹ کے کام پر الگ جائیں اسی طرح یہاں ہونا چاہیے۔ کہ علماء الگ اپنا کام کریں اور لیڈر الگ۔ اور پھر دونوں جمع ہو جائیں اور جمع کی صورت یہ ہے کہ لیڈر علماء سے استفتاء کر کے کام کریں یہ نہیں کہ مولوی صاحب بھی لیڈروں کے ساتھ جھنڈا لے کر پہنچ جائیں۔

Maktaba Tul Ishaat.com

ہر قوم کے لئے تقسیم خدمات ضروری ہے

صاحبو! ہر قوم کے لئے تقسیم خدمات ضروری ہے بدون اس کے کام نہیں چل سکتا تمام اہل تمدن اس کی ضرورت پر متفق ہیں۔ چنانچہ جنگ میں فوج جاتی ہے فوجی افسر جاتے ہیں منشی محرر کیلکٹر اور جج۔ وغیرہ نہیں جاتے پھر نہ معلوم مولویوں کے ذمہ سارا کام کیوں رکھا جاتا ہے کہ وہ حدیث وفقہ وتفسیر کا علم بھی حاصل کریں۔ فتوی بھی لکھیں وعظ بھی کہیں درس وتدریس بھی کریں، مدرسے بھی قائم کریں، مدارس کے لئے چندہ بھی کریں، مناظرہ بھی کریں، اور لیڈروں کے ساتھ جھنڈا لیکر سیاسیات میں بھی شریک ہوں یہ طریقہ تقسیم خدمات کے بالکل خلاف ہے میں یہ کہہ رہا تھا کہ علماء کا جو کام ہے وہ اس سے کسی وقت غافل نہیں اس لئے یہ اعتراض لغو ہے کہ جب مولوی علماء کا جو کام نہ کریں تو لیڈر کیا کریں۔ انہوں نے دین کی خدمت کرنا شروع کردی۔ سو میں نے بتادیا ہے کہ جو خدمت مولویوں کے ذمہ ہے یعنی معانی قرآن وحدیث کا حل کرنا احکام شرعیہ بیان کرنا وہ اس خدمت کو بخوبی انجام دے رہے ہیں اس میں لیڈروں کو دخل دار معقول کی کیا ضرورت ہے۔ مطالب قرآن وحدیث اور احکام تو لیڈروں کو علماء سے پوچھنا چاہیے اور ترقی قومی کے اسباب ووسائل لیڈروں کو سوچنا چاہئے اور ہر تدبیر کے جواز وعدم جواز کو اپنی رائے سے طے نہ کیا کریں بلکہ اول علماء سے استفتاء کرلیا کریں ورنہ محض ترجمہ پڑھنے سے قرآن حل نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ اس شبہ کا جواب جو اوپر بیان کیا گیا ہے۔ لیڈر ہرگز نہیں دے سکتے۔ بلکہ یہ شبہ عربی داں علماء ہی سے حل ہوگا۔ ان کے یہاں اس کا جواب بہت سہل کہ قرآن کے محاورہ میں اقتصاد کبھی اعتدال کے معنی میں آتا ہے اور کبھی توسط بین الاعلی والادنی کے معنی میں آتا ہے اور سورۃ فاطر کی آیت مذکورہ میں دوسرے معنی مراد ہیں اس لئے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اقتصاد بالمعنی الاول بھی اعلیٰ درجہ نہ ہو اب میں ختم کرتا ہوں۔

Maktaba Tul Ishaat.com

خلاصہ وعظ

خلاصہ بیان کا یہ ہوا کہ مقصود شریعت اعتدال واقتصاد ہے اور یہ بدون حفظ حدود کے حاصل نہیں ہوسکتا کیونکہ اعتدال کیلئے افراط وتفریط سے احتراز لازم ہے۔ پس ہر شے کو اس کی حد پر رکھنا ضروری ہے۔ اسی کا ذکر ہے والحفظون لحدود اللّٰہ میں اور اسی کا بیان کرنا مجھے مقصود تھا۔ اب دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو فہم سلیم اور توفیق عمل عطا فرمائیں آمین۔

وصلی اللّٰہ تعالی علی خیر خلقه سیدنا

ومولانا محمد و علی آله واصحابه اجمعین

واخر دعوانا ان الحمدللّٰہ رب العلمین

Maktaba Tul Ishaat.com

حرمات الحدود

بمقام جامع مسجد مچھلی شہر ضلع جون پور ۸ شعبان ۱۳۴۱ھ بعد نماز جمعہ ۲ گھنٹہ کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا۔ سامعین کی تعداد تقریباً ۶۰۰ تھی۔ مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی نے قلمبند فرمایا۔

Maktaba Tul Ishaat.com

خطبہ ماثورہ

الحمدللّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونومن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرورانفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلامضل لہ ومن یضللہ فلاھادی لہ ونشھد ان لااللہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالی علیہ والہ واصحابہ وبارک وسلم.

امابعد فَاَعُوذُ بِاللّٰہِ من الشَّیْطَانِ الرَّجِیم. بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم.

یٰاَیُّھَا النبی اذا طلقتم النساء فطلقوھن لعدتھن واحصواالعدۃ واتقوا اللّٰہ ربکم لاتخرجوھن من بیوتھن ولا یخرجن الا ان یاتین بفاحشۃ مبینۃ وتلک حدوداللّٰہ ومن یتعد حدود اللّٰہ فقد ظلم نفسہ لاتدری لعل اللّٰہ یحدث بعدذالک امرا. (الطلاق: ۱)

(اے پیغمبر ﷺ آپ لوگوں سے کہہ دیجئے کہ جب تم عورتوں کو طلاق دینے لگے تو ان کو زمانہ عدت سے پہلے طلاق دو اور عدت کو یاد رکھو اور اللہ سے ڈرتے رہو جو تمہارا رب ہے اور عدت میں ان مطلقہ عورتوں کو انکے رہنے کے گھروں میں سے نہ نکالو اور وہ عورتیں خود نہ نکلیں مگر ہاں کھلی ہوئی بے حیائی کریں تو اور بات ہے یہ سب خدا کے مقرر کئے ہوئے حدود ہیں جو شخص ان حدود خداوندی سے تجاوز کرے گا تو اس نے اپنے نفس پر ظلم کیا تم کو معلوم نہیں شاید اللہ اس کے بعد کوئی نئی بات پیدا کردیں)۔

موضوع وعظ کا تعین

اس وقت جس آیت کی میں نے تلاوت کی ہے اس کے خاص حصہ سے مجھے مقصود کو مستنبط کرنا ہے اس مقصود کی تعین عنقریب ہوجائے گی اس کا ضروری اور مہتم بالشان ہونا بھی معلوم ہوجائے گا جس مضمون کو میں نے اس وقت اختیار کیا ہے اس کا مجھے یہاں آنے سے پہلے خیال نہ تھا بلکہ یہاں آکر بھی ازخود ذہن میں نہیں آیا میرے یہاں آنے

Maktaba Tul Ishaat.com

کے بعد جب بیان کا تذکرہ ہوا تو میں سوچتا تھا کہ کیا بیان کروں کیونکہ عادت یہ ہے کہ بیان کے موافق موقع و مصلحت ہو، کیف ما اتفق (جیسا کہ اتفاق ہو) کسی مضمون سے بیان کر دینے کی عادت نہیں ہے اس لئے مجھ کو پریشانی تھی کہ اتفاقاً آج رات کو بعض احباب کے ساتھ حفاظت حدود احکام کے متعلق تذکرہ ہوا انہوں نے یہ کہا تھا کہ ہم کو مسائل و احکام تو کتابوں سے معلوم ہو جاتے ہیں مگر احکام کی حدود معلوم نہیں ہوتیں اس لئے بعض دفعہ سخت خلجان ہوتا ہے اس کے ساتھ انہوں نے یہ درخواست بھی کی تھی کہ اگر کوئی رسالہ اس بحث پر لکھ دیا جائے جس میں ضروری احکام کے حدود بیان کر دیے جائیں تو بہت اچھا ہو۔ اس وقت میں نے یہ جواب دیدیا تھا کہ احکام تو بہت ہیں جزئیات کا احصاء بہت مشکل ہے اگر کوئی رسالہ لکھا گیا تو اس میں خاص خاص جزئیات ہی سے بحث ہوگی اور ان کی تعیین بھی مجھے خود کرنا پڑیگی اس صورت میں ممکن ہے کہ بعض وہ جزئیات رہ جائیں جن کی حدود معلوم ہونے کی آپ کو ضرورت ہے تو وہ رسالہ بھی ناکافی ہوگا اس کی سہل صورت یہ ہے کہ آپ حضرات کو جن جزئیات کے حدود معلوم کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے آپ ان کو سوال کی صورت میں لکھ کر بھیجتے رہا کریں میں اس کا جواب لکھ دیا کروں گا۔ اسی طرح بعض اور احباب سے کہا جائے کہ ان کو جو مسائل ایسے پیش آئیں جن کی حدود ان کو معلوم نہ ہوں وہ بھی ان کو قلم بند کر کے سوال کی صورت میں تھانہ بھون بھیج دیا کریں کچھ عرصہ میں ان جزئیات کا کافی ذخیرہ جمع ہو جائیگا پھر اس کو رسالہ کی صورت میں جمع کر دیا جائے گا اس رائے کو سب نے پسند کیا اور سوالات بھیجنے کا وعدہ کیا یہ تذکرہ تو ہو چکا۔

مسلمانوں کی علمی و عملی کوتاہیاں

لیکن میرے خیال میں اسی وقت یہ بات آئی ہے کہ مضمون واقعی بہت ضروری اور مہتم بالشان ہے کیونکہ آجکل مسلمانوں کی علمی اور عملی کوتاہیوں کا زیادہ تر سبب یہی ہے کہ ہم حدود کی رعایت نہیں کرتے نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ لوگوں کو اس مضمون کی طرف رغبت بھی ہے اور حدود معلوم کرنے کے منتظر ہیں اس لئے مناسب یہ ہے کہ مختصر طور پر اسی کا بیان آج کے وعظ میں ہو جائے۔ مختصر اس لئے کہا کہ یہ بیان اس وقت کلی ہوگا جزئی نہ ہوگا کیونکہ

Maktaba Tul Ishaat.com

جزئیات کا احصاء ہو نہیں سکتا بالخصوص ایک جلسہ میں لیکن میں نے یہ خیال کیا کہ **مالا یدرک کلہ لا یترک کلہ** جس چیز کو پورا حاصل نہ کیا جا سکے اس کو بالکل چھوڑ دینا بھی مناسب نہیں۔ جب یہ مضمون ضروری ہے تو جتنا ایک جلسہ میں مجھ سے بیان ہو سکتا ہے مجھے بیان کر دینا چاہیے باقی تکمیل خود احباب کے ہاتھ میں ہے اگر وہ واقعات و جزئیات حادثہ سے سوال کریں گے تو اور بھی ذخیرہ تو جمع ہو جائے گا ورنہ یہ بیان ہی ضبط ہو کر اس بحث میں کام دے گا۔ پس ہر چند کہ یہ بیان مختصر ہوگا لیکن پھر بھی ان شاء اللہ کافی ہو جائے گا قواعد کلیہ پر تنبیہ ہو جانے سے بھی کسی درجہ میں کفایت ہو جائے گی ورنہ احصاء تو کتب بینی سے اور صحبت اہل اللہ سے اور جزئیات میں غور کرنے سے ہوگا۔

تفاخر کی نیت سے کھانا کھلانا حرام ہے

اس وقت ہماری یہ حالت ہے کہ جس کام کو ہم نیک سمجھتے ہیں اس میں بڑھتے چلے جاتے ہیں اور جس کو برا سمجھتے ہیں اس کو چھوڑتے چلے جاتے ہیں۔ بس ہمارے ذہن میں یہ دو کلمے جمع ہوئے ہیں کہ نیک کام میں جتنا بڑھ سکیں بڑھنا چاہیے اور برے کام کو جتنا چھوڑ سکیں چھوڑنا چاہیے ہمارے نزدیک یہ نیک کام کرنے کی کوئی حد ہے نہ برے کام کے چھوڑنے کی مثلاً ہم نے یہ سمجھ لیا کہ خرچ کرنا اچھا کام ہے تو اب اس میں بڑھتے چلے جاتے ہیں نہ اسراف کا خیال ہے نہ اس کی فکر ہے کہ اہل و عیال کو اس سے پریشانی لاحق ہوگی نہ اس کا اندیشہ ہے کہ ہم مقروض ہو جائیں گے اور زمین و جائیداد قرضہ میں نیلام ہو جائے گا ہمارے نزدیک صرف رنڈی بھڑوں میں خرچ کرنا ہی گناہ ہے اس کے سوا اور کسی موقع پر خرچ کرنا گناہ ہی نہیں۔ چنانچہ تفاخر کی نیت سے خرچ کرنے کو گناہ نہیں سمجھا جاتا حالانکہ حدیث میں اس کی صاف ممانعت ہے۔

نھی رسول اللہ ﷺ عن طعام المتبارین (سنن ابی دائود ۳۷۵۴، مستدرک حاکم ۴:۱۲۹-سنن ابی دائود ۴۰۹۱، سنن الترمذی ۱۹۹۸) رسول نے بہ نیت تفاخر کھانا کھلانے والوں کے کھانے سے منع فرمایا ہے جیسا کہ آجکل شادیوں کے موقع پر کھانا کھلایا جاتا ہے کہ اس میں اپنی آمدنی اور حیثیت کو بھی نہیں دیکھا جاتا بلکہ یہ

Maktaba Tul Ishaat.com

تحقیق کی جاتی ہے کہ فلاں شخص نے اپنے بیٹے کی شادی میں کتنے کھانے پکائے تھے اور کتنے آدمیوں کو بلایا تھا پھر اس کی کوشش ہوتی ہے کہ اس سے زیادہ کھانے پکائے جائیں اس سے زیادہ مجمع کیا جائے اگر زیادہ نہ ہو تو کم از کم اس کے برابر تو ہوتا کہ وہ ہم سے بڑھا ہوا نہ رہے یہ ہے طعام المتباریں جس سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا۔ افسوس ہے کہ دعوت کھانے والے نہیں دیکھتے کہ داعی کی نیت کیا ہے نہ داعی کو اس کا خیال ہوتا ہے کہ میری نیت درست ہے یا نہیں۔

رہا قرض وغیرہ اس کے لئے تو ہندی مثل مشہور ہے کہ چڑھ جا بیٹے سولی پر خدا بھلی کرے گا۔ بے دھڑک قرض لیتے ہیں اور یہ سوچ لیا ہے کہ اولاد بعد میں خود ادا کر دے گی ہمیں اس کی فکر کی ضرورت نہیں ہے صاحبو اگر آپ کے باپ دادا بھی یہی سمجھ لیتے تو آج آپ کو ان کی متروکہ جائیداد میں یہ کلھڑے اڑانے کا موقع نہ ملتا نہ آپ کو اس ناموری کا وسوسہ آتا ساری جائیداد ان کے قرضہ میں نیلام ہوگئی ہوتی۔ پس افسوس ہے آپ کے باپ دادا نے تو اپنا خون پسینہ ایک کر کے یہ جائیداد آپ کی راحت و آسائش کے لئے چھوڑی تھی اور آپ ایسے ظالم نکلے کہ آپ کو اپنے اہل وعیال کی راحت کا ذرا خیال نہیں کہ وہ آپ کے بعد کیسے پریشان ہوں گے۔ جبکہ ساری زمین و جائیداد قرضہ میں نیلام ہو جائے گی کیا اہل وعیال کا آپ پر کچھ بھی حق نہیں۔

تہائی مال میں وصیت کی اجازت

حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ حضرت سعد بن وقاصؓ کی عیادت کیلئے ایک بار تشریف لے گئے وہ سخت بیمار تھے کہ اپنی زندگی سے مایوس تھے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں اپنے مال میں خدا کے لئے وصیت کرنا چاہتا ہوں کیا سارے مال کی وصیت کر دوں، آپ ﷺ نے فرمایا نہیں کچھ اپنے اہل وعیال کے واسطے بھی تو چھوڑ دو انہوں نے نصف مال کی وصیت کا قصد کیا۔ آپ نے اس سے بھی منع فرمایا پھر انہوں نے تہائی مال کی وصیت کرنا چاہی۔ آپ ﷺ نے تہائی کی وصیت کی اجازت دی اور فرمایا تہائی بھی بہت ہے۔ پھر فرمایا کہ اگر تم اپنے اہل وعیال کو خوش حال چھوڑ کر جاؤ تو یہ اس سے بہتر ہے کہ ان کو خالی ہاتھ چھوڑ کر جاؤ کہ وہ دوسروں کے ہاتھ کو تکتے پھریں۔ دیکھئے آپ ﷺ نے

Maktaba Tul Ishaat.com

اللہ تعالیٰ کے واسطے بھی اس طرح وصیت کرنے سے منع فرمایا۔ جس سے اہل وعیال کو تنگی پیش آئے۔ جب نیک کاموں میں خرچ کر کے بھی اہل وعیال کو تنگ کرنا جائز نہیں تو تفاخر اور ناموری میں خرچ کر کے ان کو پریشان کرنا کیونکر جائز ہوسکتا ہے۔ مگر ہم لوگوں کو اس کا مطلق خیال نہیں بیدھڑک خرچ کرتے ہیں قرض پر قرض چڑھائے چلے جاتے ہیں اور سارا بوجھ اولاد پر ڈال جاتے ہیں۔ کہ بعض دفعہ ان کے پاس رہنے کو مکان بھی نہیں رہتا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ (ہم اللہ ہی کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جائیں گے)۔

نام اور شہرت لاحاصل شئی ہیں

ضلع سہارنپور کے ایک قصبہ میں ایک رئیس نے بڑی بڑھیا دعوت کی تھی جس میں ہزاروں آدمیوں کو مدعو کیا اور بھنگیوں چماروں کو بھی پلاؤ زردہ کھلایا تھا۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے ان کو حکیمانہ طور پر نصیحت کی کہ شیخ صاحب آپ نے ہمت سے بھی زیادہ کام کیا، ظاہر میں تو یہ تعریف تھی مگر حقیقت میں ان کی حماقت ظاہر کی تھی کہ تم نے اسراف سے کام لیا۔ اپنی رقم برباد کی اور پھر یہ فرمایا کہ لیکن اس کا افسوس ہے کہ آپ نے اس کے عوض وہ چیز خریدی ہے کہ اگر کبھی ضرورت ہو تو کانی کوڑی کی بھی نہیں بک سکتی یعنی نام اور شہرت اور یہ بھی لوگوں کا خیال ہی ہے کہ بڑھیا دعوت سے تعریف ہوتی ہے صرف دو تین دن کچھ تذکرہ رہتا ہے اس کے بعد کوئی نام بھی نہیں لیتا بلکہ بعض دفعہ تو شروع میں بھی تعریف نہیں ہوتی کیونکہ آجکل لوگوں میں حسد کا مرض بہت ہے تعریف کون کرتا ہے بلکہ مذمت کے درپے رہتے ہیں ایک شخص ہزاروں لاکھوں روپے پر پانی پھیر کر دعوت کرتا ہے اور کھانے والوں کی یہ حالت ہے کہ جہاں ذرا سی بات میں کسر رہ گئی انہوں نے اس کو زبان پر لانا شروع کیا اس کا نام بھی کوئی نہیں لیتا کہ اس بیچارہ نے کتنی رقم خرچ کی ذرا کسی مہمان کو حقہ ملنے میں دیر ہوگئی ہو یا پان کچھ دیر تک نہ ملا ہو بس وہ اسی کا رونا روتے رہتے ہیں تعریف کبھی نہیں کرتے۔

تفاخر میں خرچ کرنا گناہ ہے

ایک بزرگ سے میں نے حکایت سنی ہے کہ ایک بنئے نے اپنی بیٹی کی شادی میں

Maktaba Tul Ishaat.com

بڑے زور کی دعوت کی تھی علاوہ انواع واقسام کے کھانوں کے اس نے ہر باراتی کو ایک ایک اشرفی بھی تقسیم کی تھی۔ جب بارات رخصت ہوئی تو بنیے کو خیال ہوا کہ آج ضرور سب باراتی میری تعریف کرتے جائیں گے راستہ میں چل کر سننا چاہیے کیا کیا تعریفیں ہوتی ہیں چنانچہ وہ بارات کے راستہ میں جا کر چھپ کر بیٹھ گیا۔ بس یہ مقصود ہوتا ہے اسراف اور فضول خرچی سے کہ چند باتیں سن کر جی خوش کریں۔ آدمی فربہ شود از راہ گوش (آدمی موٹا ہوتا ہے تعریف سننے سے)۔

مگر افسوس ان لوگوں کو یہ بھی نصیب نہیں ہوتا چنانچہ بھلیاں گزرنا شروع ہوئیں تو وہاں سناٹا تھا کسی نے بھی بنئے کی تعریف نہ کی، اسے بڑا غصہ آیا کہ یہ لوگ نرے نمک حرام ہیں۔ میں نے تو اتنا خرچ کیا اور یہ ایک دو بات بھی میری تعریف میں نہیں کہتے۔ خیر خدا خدا کر کے ایک بھلی سے کچھ آواز آئی۔ ایک گاڑی بان دوسرے گاڑی بان سے کہہ رہا تھا کہ بھائی لالہ جی نے بڑے زور کی شادی کی کہ کھانا تو کھلایا ہی تھا ایک ایک اشرفی بھی دی، تو وہ دوسرا کہتا ہے کہ میاں کیا کیا سسرے کے یہاں اشرفیوں کے صندوق بھرے پڑے ہیں دو دو ہی بانٹ دیتا تو اس کے گھر میں کیا کمی آجاتی، سسرے نے ایک ہی اشرفی دی لیجئے یہ تعریف ہوئی لالہ جی کو بھی حقیقت معلوم ہوگئی کہ ایک تو میں نے روپیہ خرچ کیا اوپر سے گاڑی بان بھی میری بیٹی کو سنگوانے لگا غرض اتنا خرچ کرنے پر بھی لوگوں نے عیب ہی نکالا اور کچھ نہ سہی یہی عیب نکال دیا کہ اس سے زیادہ کیوں نہ کیا اور واقعی یہ عیب تو ایسا ہے ہر شخص میں نکل سکتا ہے کہ اتنا ہی کیوں کیا اسے زیادہ کیوں نہ کیا کیونکہ زیادہ کی کہیں حد ہی نہیں۔ پس لوگوں کا محض گمان ہی گمان ہے کہ ان فضول خرچیوں سے ہمارا نام ہوتا ہے۔ چند خوشامدیوں کی باتوں سے وہ سب کو ایسا ہی سمجھتے ہیں تحقیق کے بعد معلوم ہوسکتا ہے کہ تعریف کرنے والے کتنے ہیں اور عیب نکالنے والے کتنے۔ پھر اگر تعریف ہوئی تھی تو تم کو کیا مل گیا۔ تعریف کی حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک ہوا ہے جو منہ سے نکلتی ہے اور بس اس کے لئے روپیہ برباد کرنا سراسر حماقت ہے۔ خصوصاً ایسے لوگوں کو کھلانا جو وقت پر کام بھی نہ آئیں کیونکہ باراتوں میں اکثر ایسے لوگ آتے ہیں جن کی صورت سے بھی آپ آشنا نہیں ہوتے اور پہلے تو کیا آشنا ہوتے بارات

Maktaba Tul Ishaat.com

آنے کے بعد بھی آپ کو خبر نہیں ہوتی کہ کون کون آیا ہے ان میں زیادہ تر ایسے لوگ ہوتے ہیں کہ وقت پر آپ سے آنکھیں چرالیں گے مگر باوجود ان سب باتوں کے آجکل مسلمانوں کا روپیہ اس حماقت میں بہت برباد ہو رہا ہے پھر افسوس یہ ہے کہ گناہ کرتے ہیں اور اس کو گناہ نہیں سمجھتے ان کو اس کا وہم بھی نہیں ہوتا کہ تفاخر میں خرچ کرنا گناہ ہے حالانکہ یہ ایسی کھلی ہوئی بات ہے جس کا گناہ ہونا ظاہر ہے کیونکہ تفاخر کا منشاء تکبر ہے کہ ہمارا نام ہوگا ہم بڑے آدمی سمجھے جائیں گے اور تکبر ایسا گناہ ہے کہ اس سے بڑا کوئی گناہ نہیں تمام گناہوں کی جڑ یہی تکبر ہے مولانا فرماتے ہیں۔

علت ابلیس انا خیر بداست ☆ ایں مرض در نفس ہر مخلوق ہست

ابلیس کی علت یہی انائیت تو تھی اور یہ مرض ہر شخص کے اندر کم وبیش موجود ہے۔

اسراف اور تفاخر کا منشاء

حدیث مسلم میں ہے لایدخل الجنة من کان فی قلبه مثقال حبة من خردل من کبر. (سنن ابی داؤد: ۴۰۹۱، سنن الترمذی: ۱۹۹۸) جس کے دل میں رائی برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔ غرض ہماری حالت یہ ہے کہ ہم نے خرچ کرنے کو اچھا سمجھ لیا ہے تو اب خرچ کرتے چلے جاتے ہیں اسراف کی بھی پرواہ نہیں کرتے حالانکہ خرچ کی شریعت میں ایک حد ہے۔ جس سے آگے بڑھنا اسراف ہے اور اسراف کی سخت ممانعت ہے بلکہ اس پر اتنی سخت وعید ہے کہ مسرف کو شیطان کا بھائی فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے:

ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین و کان الشیطان لربه کفورا۔

تحقیق فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے۔

اور اس میں راز وہی ہے جو میں نے ابھی بتلایا ہے کہ اسراف کا منشا تفاخر ہے اور تفاخر کا منشا کبر ہے اور تکبر علت ابلیس ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

مردودیت شیطان کا سبب

شیطان کے مردود ہونے کا سبب یہی تھا کہ اس نے اپنے کو آدمؑ سے افضل سمجھا اس لئے باوجود حکم خداوندی کے سجدہ آدم سے انکار کیا یہ تو خرچ کرنے میں ہماری حالت ہے اس کے مقابل بعض لوگوں نے کفایت شعاری کا سبق پڑھا ہے، بعض لوگوں نے کسی سے یہ سن لیا تھا کہ کفایت شعاری اچھی چیز ہے۔ بس اب وہ ایسے کفایت شعار بنے کہ بالکل ہی ہاتھ روک لیا۔ بیوی بچوں کو تنگ رکھتے ہیں، ضروریات میں خرچ نہیں کرتے دین کے کاموں میں بھی خرچ نہ کرنے کیلئے بہانے ڈھونڈتے ہیں پیسہ پیسہ پر جان دیتے ہیں یہ بھی حد سے تجاوز ہے۔

انفاق میں ضروریات اعتدال

شریعت کی تعلیم یہ ہے کہ انسان کو جب خدا دے تو خود بھی آرام سے رہے اور اہل وعیال کو بھی آرام سے رکھے مگر ہمارے کاموں کے کوئی اصول نہیں ہم جس کام کو اچھا سمجھتے ہیں اس کے ہر درجہ کو اور ہر موقعہ کو اچھا سمجھتے ہیں حالانکہ یہ غلطی ہے۔ خرچ کرنا مطلقاً اچھا نہیں بلکہ اچھا بھی ہے اور برا بھی اسی طرح خرچ نہ کرنا مطلقاً برا نہیں بلکہ برا بھی اور اچھا بھی اب یہ سمجھنا کہ کس موقع پر خرچ کرنا اچھا نہیں اور کتنا خرچ کرنا چاہیے کتنا نہ چاہیے یہی رعایت حدود ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

ولا تجعل یدک مغلولة الی عنقک ولاتبسطها کل البسط فتقعد ملوما محسورا۔

نہ اپنے ہاتھ کو گردن سے باندھ لو (کچھ خرچ ہی نہ کرو) اور نہ پوری طرح کھول دو پھر تم نشانہ ملامت ہو جاؤ گے (یعنی بخل کی صورت میں) اور مفلس کنگال ہو جاؤ گے (اسراف کی صورت میں) دوسری جگہ فرماتے ہیں۔ **والذین اذا انفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا وکان بین ذلک قواما۔**

اور (وہ نیک بندے) جب خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ تنگی

Maktaba Tul Ishaat.com

کرتے ہیں اور ان کا خرچ کرنا اس کے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ نہ انفاق مطلقاً محمود ہے نہ اقتار بلکہ دونوں میں اعتدال مطلوب ہے جس کی تفصیل فقہاء کے کلام میں ملتی ہے۔ فضول خرچی یہ ہے کہ معصیت میں خرچ کیا جائے اسراف میں صرف رنڈی بھڑوں میں خرچ کرنا ہی داخل نہیں بلکہ تفاخر اور ناموری کیلئے خرچ کرنا بھی معصیت کی فرد ہے اس طرح مباحات میں بلا ضرورت اپنی استطاعت سے زیادہ خرچ کرنا بھی اسراف میں داخل ہے اسی طرح طاعات ضروریہ میں استطاعت سے زیادہ صرف کرنا جس کا انجام اخیر میں بے صبری اور حرص و بدنیتی ہو یہ بھی اسراف ہے کیونکہ حرص و بدنیتی اور بے صبری یہ امور معصیت ہیں اور اس کا سبب ہوا استطاعت سے زیادہ صرف کرنا اور مفضی الی المعصیت) گناہ کی طرف پہنچانے والا) بھی معصیت ہوتا ہے لہٰذا یہ انفاق معصیت ہوا۔ خلاصہ یہ کہ معصیت میں خرچ کرنا تو مطلقاً اسراف ہے اور طاعات ضروریہ میں بالکل خرچ نہ کیا جائے یا حکم شرعی سے کم ادا کیا جائے۔ اسی طرح مستحبات و مباحات میں اتنی تنگی کی جائے جس سے اپنے کو یا اہل و عیال کو تکلیف ہو یہ بھی ناجائز ہے۔

ہر کام میں تعین حدود کا منشاء

حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص حضور ﷺ کی خدمت میں خستہ حالی کے ساتھ آیا آپ کو اس کی حالت دیکھ کر رنج ہوا بعد میں معلوم ہوا کہ یہ تو خوش حال آدمی ہے تو آپ نے فرمایا لیری اثر النعمة علیک (اوکما قال) یعنی خدا کی نعمت کا اثر تمہارے اوپر ظاہر ہونا چاہیے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مباحات میں اتنی تنگی کرنا جس سے دوسروں کو یہ گمان ہو کہ اس کے پاس کچھ نہیں بیچارہ پر فاقے گزرتے ہوں گے ناجائز ہے۔ کیونکہ اس میں نعمت الٰہی کی ناشکری ہے نیز خواہ مخواہ اپنے کو بلاوجہ نظروں سے ذلیل کرنا ہے اور جو کوئی ذلیل بھی نہ سمجھے تو اس کا دل دکھے گا بلاوجہ مسلمانوں کا دل دکھانا بھی برا ہے۔ صاحبو اس تفصیل سے آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ شریعت نے جو ہر کام کی حدود مقرر کی ہیں اس سے مقصود یہ ہے کہ آپ راحت کے ساتھ زندگی بسر کریں تکلیف نہ برداشت کریں اس لئے

Maktaba Tul Ishaat.com

اتنا خرچ کرنے کی بھی ممانعت ہے جس کا انجام کلفت ہو۔ اور اتنی کفایت شعاری کی بھی ممانعت ہے جس سے اپنے کو یا اہل وعیال کو تکلیف ہو۔ افسوس اب بھی لوگ شریعت کی قدر نہیں کرتے غرض خرچ کی بھی ایک حد ہے۔ اور کفایت شعاری کی بھی ایک حد ہے۔ ان حدود سے باہر قدم رکھنا ہمیشہ موجب کلفت ہے اور گناہ ہو اوہ الگ۔ یہ تو خرچ کے متعلق ہماری حالت تھی اب دوسری باتوں کو بھی دیکھ لیا جائے اگر کسی نے بولنے کو اچھا سمجھا ہے تو اس کے بولنے کی کوئی حد نہیں جب باتیں کرنے پر آئیں گے تو گھنٹوں بولتے چلے جائیں گے نہ غیبت کی پروا ہے نہ شکایت کی نہ اس کا خیال ہے کہ ہمارے منہ سے بعض باتیں بے تحقیق نکل رہی ہیں نہ اس کا خیال کہ بعض باتوں میں ہم خود اپنی مدح کر رہے اگر ترک کلام کو اختیار کیا تو بس گم سم بنے بیٹھے ہیں اگر کسی سے بات بھی کریں گے تو ادھوری اس کی پروا ہی نہیں کہ بات گول مول رہ جاتی ہے جس سے دوسرے کو تکلیف ہوگی۔ اگر کسی نے کھانے کو اچھا سمجھا تو وہ ہر وقت کھانے کے ہی میں ہے لذیذ اور عمدہ غذاؤں میں منہمک ہے اس کی پرواہ نہیں کہ یہ حلال ذریعہ سے حاصل ہوا یا حرام طریقہ سے بس جو آیا کھانے سے کام ہے کوئی دو وقت کھاتا ہے تو یہ حضرت چار وقت پر بھی بس نہیں کرتے چاہے ہضم ہو یا نہ ہو ان کا گلا ہر وقت چلنا چاہیے اور اگر تقلیل غذا کو اچھا سمجھا تو اس میں حد سے بڑھ گئے دو وقت کی جگہ ایک وقت کھانے لگے چاہے دماغ خشک ہو جائے بدن ضعیف ہو جائے مگر یہ ایک وقت سے زیادہ کھانا جانتے ہی نہیں پھر اسی پر بس نہیں بلکہ لوگوں کی برائی کرتے ہیں جو اعتدال کے ساتھ دو وقت کھانا کھاتے ہیں جب بیٹھیں گے کم کھانے کے فضائل بیان کریں گے جس میں در پردہ اپنی تعریف مقصود ہوگی بس ہمارا یہ حال ہے

چوں گرسنہ می شوی سگ می شوی ☆ چونکہ خوردی تند و بدرگ می شوی

(جب بھوکا ہوتا ہے تو کتے کی طرح حریص ہوتا ہے اور جب کھانے کو ملتا ہے تو، تو تند و بدرگ ہوتا ہے)۔

غرض ہمارے کسی کام کی بھی حد مقرر نہیں جو کام ہے حد سے باہر ہے صاحبو نماز

Maktaba Tul Ishaat.com

سے بہتر کیا چیز ہے اگر حدود نہ ہوں تو اس کی کوئی حد نہ ہونی چاہیے تھی بس یہ حکم دیدیا جاتا کہ جتنی چاہو نماز پڑھتے رہو اور جب چاہو پڑھ لو حالانکہ ایسا نہیں۔

اوقات مکروہ نماز

چنانچہ طلوع فجر کے بعد فرض ادا ہونے تک دو سنتوں سے زیادہ نفل نماز مکروہ ہے۔ اور فجر و عصر کے فرضوں کے بعد بھی طلوع و غروب تک نفلیں مکروہ ہیں اور عین طلوع و غروب واستواء کے وقت تو کوئی نماز بھی جائز نہیں نہ فرض نہ نفل بجز اسی دن کے عصر کے اور وہ بھی کراہت کے ساتھ پھر ہر نماز فرض کا وقت مقرر ہے یہ نہیں کہ ظہر کی نماز عصر کے وقت پڑھ لو عصر کی مغرب کے وقت۔

روزہ کی حدود

اسی طرح روزہ کیسی عمدہ عبادت ہے مگر اس کے واسطے بھی حدود ہیں یہ نہیں کہ جب چاہو روزہ رکھ لو سال بھر میں بعض ایام ایسے بھی ہیں جن میں روزہ رکھنا حرام ہے یعنی عید کے دن اور بقرعید کے دن اور ایام تشریق میں روزہ مکروہ تحریمی ہے۔

حج کے حدود

حج کیسی اچھی عبادت ہے مگر اس کے واسطے بھی حدود ہیں عرفات میں جانے کا خاص دن مقرر ہے، منی میں آنے کا خاص دن معین ہے ان تاریخوں کے بغیر حج نہیں ہوسکتا اگر یہ حدود نہ ہوتے تو جب چاہتے حج کر لیتے مگر اب اگر عرفات کا دن نکل جائے تو سال بھر تک حج نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح احرام باندھنے کے مہینے مقرر ہیں۔ اشہر حج سے تقدیم احرام مکروہ ہے اشہر حج شوال سے شروع ہوتے ہیں گو ان سب میں حج نہیں ہوتا حج صرف ذی الحجہ کی بعض تاریخوں میں ہوتا ہے لیکن ان مہینوں میں احرام باندھنے کی اجازت ہے ان سے پہلے احرام باندھنا مکروہ ہے۔ پس یہ مہینے چونکہ محل احرام ہیں اور احرام شرط حج ہے۔ اس لئے ان سب کو اشہر حج کہا جاتا ہے۔ غور کیجئے ان اعمال سے بڑھ کر کونسا عمل ہوگا مگر ان سب کی حدود ہیں۔

Maktaba Tul Ishaat.com

حدود معاملات

اسی طرح معاملات کو دیکھ لیا جائے ان میں بھی حدود ہیں نکاح کی بھی ایک حد ہے کہ چار بیبیوں سے زیادہ کی اجازت نہیں۔ اسی طرح ہر عورت سے نکاح جائز نہیں بلکہ بعض حلال ہیں بعض حرام بہت سی عورتیں نسب کی وجہ سے حرام ہیں بعض رضاع کی وجہ سے بعض مصاہرت کی وجہ سے بیع وشراء کے لئے بھی حدود ہیں بعض صورتیں ربوا میں داخل ہیں بعض صورتیں بیوع فاسدہ ہیں بعض صورتیں بیوع باطلہ ہیں۔

حق تعالیٰ نے قرآن مجید میں جابجا احکام کو ذکر فرما کر اکثر موقعہ پر **تلک حدود اللہ** (یہ اللہ کے مقرر کردہ حدود ہیں) فرمایا ہے جس سے معلوم ہوا کہ تمام احکام شرعیہ حدود ہی ہیں چنانچہ ارشاد فرمایا ہے **تلک حدود اللہ فلاتقربوھا** (یہ اللہ کے مقرر کردہ حدود ہیں ان کے پاس بھی نہ جاؤ) طلاق کے مسائل کے بعد فرمایا **تلک حدود اللہ فلاتعتدوھا** (یہ اللہ کے مقرر کردہ حدود ہیں پس ان سے تجاوز نہ کرو)۔

شریعت میں رعایت حدود کا حکم

گویا تمام شریعت میں حدود ہی حدود ہیں ان کو مہمل سمجھنا کتنی بڑی غلطی ہے مگر آجکل اس میں ابتلاء عام ہو رہا ہے لوگ عام طور پر کاموں میں حدود کی رعایت نہیں کرتے اس لئے ضرورت ہے کہ اس مبحث پر قدرے گفتگو کی جائے۔ اور احکام کی حدود سے لوگوں کو مطلع کیا جائے۔ چنانچہ اس آیت میں بھی جس کو میں نے ابھی تلاوت کیا ہے حق تعالیٰ نے بعض احکام بیان فرما کر **تلک حدود اللہ** (یہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ حدود ہیں) فرمایا ہے مجھے اس آیت میں اخیر کا حصہ مقصود ہے۔ پہلا حصہ مقصود نہیں شاید آپ کو پوری آیت سن کر تعجب ہوا ہوگا کہ طلاق کے ذکر کو اس مقام سے کیا مناسبت۔ مگر میں نے پوری آیت کو تبرکاً پڑھ دیا ہے مقصود اخیر کا حصہ ہے۔ کیونکہ اس میں رعایت حدود کی تاکید مخصوص طور پر مذکور ہے جو دوسرے مقام پر نہیں۔

احکام طلاق کے حدود میں حکمت

حق تعالیٰ نے اس جگہ اول طلاق کے احکام بیان فرمائے ہیں اس کے بعد ارشاد

Maktaba Tul Ishaat.com

ہے ۔ تلک حدود اللّٰہ ومن یتعد حدوداللّٰہ فقد ظلم نفسہ۔ یہ اللہ کے مقرر کردہ حدود ہیں اور جو شخص اللہ کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کرے اس نے اپنے نفس پر ظلم کیا۔ ظلم اخروی تو ظاہر ہے کہ تعدی حدود سے گناہ ہوتا ہے۔ جس کا نتیجہ آخرت میں بہت سخت ہے تو یہ شخص اپنے ہاتھوں مصیبت آخرت کو خریدتا ہے مگر تعدی حدود میں اپنے نفس پر ظلم دنیوی بھی ہے کیونکہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ ان حدود کے مقرر کرنے سے یہ بھی مقصود ہے کہ لوگ راحت سے زندگی بسر کریں تو ان سے تعدی کرنے میں دنیوی پریشانی بھی ضرور لاحق ہوتی ہے۔ لہٰذا اس میں اپنے نفس پر ظلم دنیوی بھی ہے۔ آگے فرماتے ہیں لاتدری لعل اللّٰہ یحدث بعدذالک امرا۔ تم نہیں جانتے ممکن ہے حق تعالیٰ اس کے بعد کوئی نئی بات پیدا کر دیں۔ یہ حکمت ہے ان حدود کی جو طلاق کے متعلق اس جگہ ذکر کیے گئے ہیں اور یہی وہ مضمون ہے جو اس مقام میں خاص طور پر مذکور ہے۔ دوسرے مقام پر مذکور نہیں لاتدری (تم نہیں جانتے) میں خطاب بظاہر حضور ﷺ کو ہے لیکن حقیقت میں خطاب امت کو ہے جیسے یاایُّھَا النَّبِیُّ اذا طلقتم النساء ۔ اے نبی جب تم عورتوں کو طلاق دو) میں اول ندا حضور ﷺ کو ہے اور آگے طلقتم صیغہ جمع کا ہے جس کے مخاطب سب ہیں اور نکتہ اس میں یہ ہے کہ بتلا دیا گیا کہ امت اور نبی ﷺ میں ایسا تعلق ہے کہ نبی ﷺ کو ندا کرنا گویا امت کو ندا کرنا ہے۔ اسی طرح لاتدری (تم نہیں جانتے) گو خطاب بظاہر حضور ﷺ کو ہے لیکن واقع میں یہ خطاب عام ہے اور اس میں بھی وہی نکتہ ہے کہ نبی ﷺ اور امت میں ایسا تعلق ہے کہ نبی ﷺ کو خطاب کرنا گویا امت کو خطاب کرنا ہے۔

حق تعالیٰ کے ذمہ علت احکام بیان کرنا نہیں

الغرض لاتدری لعل اللّٰہ یحدث بعدذالک امرا۔ (تم نہیں جانتے ممکن ہے کہ حق تعالیٰ اس کے بعد کوئی نئی بات پیدا کر دیں) میں ایک حکمت کی طرف اشارہ ہے اور گو حق تعالیٰ کے ذمہ حکمت کا بیان کرنا نہیں ہے کیونکہ ہمارے میں اور حق تعالیٰ

Maktaba Tul Ishaat.com

میں حاکم ومحکوم کا علاقہ ہے۔ برابری کا علاقہ نہیں اور حکمت بیان کرنا دوستوں اور بھائیوں میں مناسب ہوتا ہے کیونکہ وہاں حکومت نہیں ہے۔ پس دوستوں اور بھائیوں سے جب کوئی کام لینا ہو وہاں احکام کی حکمت بتلانا ضروری ہے لیکن حکام وقت اپنے احکام میں حکمتیں نہیں بیان کرتے وہ اپنی حکومت کی بناء پر یہ سمجھتے ہیں کہ ہم کو حکمتیں بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ بس جو نہ مانے گا مجرم ہوگا اور سزا بھگتے گا۔

اسی قاعدہ پر حق تعالیٰ کے ذمہ بھی حکمتیں بیان کرنا نہیں ہے۔ لیکن ان کی رحمت نہایت درجہ ہے وہ چاہتے ہیں کہ سامعین کی اصلاح ہو ہی جاوے۔ کیونکہ بعضے ایسے بھی ہیں جو بدون حکمت کے ویسے احکام کو نہ مانیں گے اس لئے کہیں کہیں انہوں نے احکام کی حکمت بھی بیان کردی ہے مگر بعض جگہ نہیں بھی بیان کی تاکہ سامعین کو حکمت معلوم کرنے کی عادت نہ ہو جاوے اور کسی جگہ حکمت غامض ہوتی ہے جس کو ہر شخص نہ سمجھ سکے گا اور عادت پڑ گئی ہے حکمت سن کر عمل کرنے کی تو وہ عمل بھی نہ کرے گا اور گنہگار ہوگا اس لئے خدا تعالیٰ نے نہ تو ہر جگہ حکمت بیان کی نہ یہ کہ کہیں بھی ذکر نہ ہو۔

تفسیر آیت متلوہ

اب پوری آیت کی تفسیر سنئے اس سے حکمت کی حقیقت واضح ہو جائے گی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں **یایھا النبی اذا طلقتم النساء فطلقو ھن لعدتھن** ۔ اے پیغمبر ﷺ آپ لوگوں سے کہہ دیجئے کہ جب تم عورتوں کو طلاق دینے لگو تو ان کو زمانہ عدت سے پہلے طلاق دو یہاں سب کے نزدیک حسب روایت **لعدتھن** کے معنی فی قبل عدتھن (ان کی عدت سے پہلے) ہیں پھر قبل کے معنی میں حنفیہ وشافعیہ کا اختلاف ہے۔ حنفیہ کے نزدیک عدت حیض سے شمار ہوتی ہے تو ان کے نزدیک قبل کے معنی استقبال وآمد کے ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ حیض آنے سے پہلے یعنی طہر میں طلاق دو۔ اور شافعیہ کے نزدیک عدت طہر سے ہے ان کے نزدیک قبل کے معنی ابتداء کے ہیں یعنی زمانہ عدت کے شروع میں طلاق دو۔ اس کا حاصل بھی وہی ہوا کہ طلاق طہر میں ہونی چاہیے لیکن جس طہر میں طلاق دی

Maktaba Tul Ishaat.com

جائے گی حنفیہ کے نزدیک وہ عدت میں شمار نہ ہوگا۔ بلکہ عدت حیض سے شمار ہوگی اور شافعیہ کے نزدیک وہ طہر بھی عدت میں شمار ہوگا۔ کتب اصول میں فریقین کے دلائل مذکور ہیں اس وقت میں ان کو بیان کرنا نہیں چاہتا۔ آگے فرماتے ہیں **واحصوا العدۃ** یعنی طلاق دینے کے بعد تم عدت کو یاد رکھو **واتقوا اللّٰہ ربکم**۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ جو تمہارا رب ہے یعنی طلاق کے متعلق جو خدا کے احکام ہیں ان کے خلاف نہ کرو۔ مثلاً یہ کہ حدیث میں تین طلاق دفعۃ دینے کی ممانعت ہے تو ایسا نہ کرو اور حیض میں طلاق مت دو وغیرہ وغیرہ۔

اور ایک حکم آگے مذکور ہے **لاتخرجوھن من بیوتھن ولا یخرجن الا ان یاتین بفاحشۃ مبینۃ**۔ یعنی عدت میں ان مطلقہ عورتوں کو ان کے رہنے کے گھروں سے مت نکالو اور نہ وہ عورتیں خود نکلیں مگر ہاں کوئی کھلی بے حیائی کریں تو اور بات ہے مثلاً بدکاری یا سرقہ کی مرتکب ہوں اس صورت میں سزا کے لئے گھر سے نکالی جاویں یا بقول بعض علماء کے وہ زبان درازی اور ہر وقت کا رنج و تکرار رکھتی ہوں تو ان کو نکال دینا اور باپ کے گھر بھیج دینا جائز ہے۔

تلک حدود اللّٰہ ومن یتعد حدود اللّٰہ فقد ظلم نفسہ، یہ سب خدا کے مقرر کئے ہوئے حدود ہیں اور جو شخص حدود خداوندی سے تجاوز کرے گا (مثلاً تین طلاقیں دفعۃ دیدیں یا طلاق کے بعد عورت کو گھر سے نکال دیا) تو اس نے اپنے نفس پر ظلم کیا۔ (یعنی گنہگار ہوا آگے طلاق دینے والے کو ترغیب دیتے ہیں کہ طلاق میں رجعی بہتر ہے طلاق مغلظہ نہ دینی چاہیے فرماتے ہیں۔ **لاتدری لعل اللّٰہ یحدث بعد ذلک امرا**۔ اے طلاق دینے والے تجھ کو خبر نہیں شاید اللہ تعالیٰ اس طلاق کے بعد کوئی نئی بات تیرے دل میں پیدا کردے۔ مثلاً طلاق پر ندامت ہو تو رجعی طلاق میں اس کا تدارک تو ہو سکے گا۔

لاتدری کی توجیہ

مفسرین نے **لاتدری** الخ کی توجیہ میں اختلاف کیا ہے بعض نے یہ کہا ہے کہ ایک طلاق دینی چاہیے تین نہ دینی چاہئیں۔ اور ایک توجیہ یہ کہ تین دفعۃ مت دو۔ اگر تین

Maktaba Tul Ishaat.com

ہی دینی ہوں تو ایک طہر میں ایک طلاق پھر دوسرے طہر میں دوسری طلاق متفرقاً دینی چاہئیں۔ مجھے سب توجیہوں کا بیان کرنا مقصود نہیں صرف یہ بتلانا ہے کہ اس جگہ طلاق کی حد مذکور ہے کہ ایک وقت میں ایک دینی چاہیے ایک دم سے تین نہ دینی چاہئیں اور اس کی حکمت یہ بتلائی ہے کہ تم کو کیا معلوم ہے کہ اس کے بعد تمہارے دل میں کیا بات پیدا ہو تو ایک طلاق دینے میں یا تین متفرقاً دینے میں مصالح و منافع کی رعایت ہے اور تین دفعہ دینے میں معاملہ ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔ پھر اگر ندامت ہو تو سوائے حسرت کے کچھ نہیں ہوسکتا۔ آجکل لوگوں کو تین طلاقیں دینے کا بہت شوق ہے بعض لوگ تو یہ سمجھتے ہیں کہ ایک یا دو سے طلاق ہی نہیں ہوتی اس کا منشاء جہل بالاحکام ہے اور بعض جانتے ہیں کہ ایک یا دو سے بھی طلاق ہو جاتی ہے مگر وہ تین اس واسطے دیتے ہیں کہ عورت اس سے مری رہے گی۔

نکاح ایک طلاق سے بھی مرجاتا ہے

صاحبو! نکاح تو ایک طلاق سے بھی مرجاتا ہے ہاں اس صورت میں سسک سسک کر مرتا ہے کہ عدت کے بعد ٹوٹتا ہے اور تین میں اسی وقت مرجاتا ہے تو بعض لوگ عورت کو ستانے کے لئے تین طلاق دیتے ہیں کہ اس کو رجعت کی امید کیوں دلائی جائے اور بعض یہ سمجھتے ہیں کہ شاید ایک طلاق کے بعد کہیں ہماری ہی رائے نہ بدل جاوے اور اس کا رکھنا منظور نہیں اس لئے تین ہی دیدیتے ہیں۔ ان کی حالت بہت افسوس ناک ہے کہ خدا نے ان کو عقل اور سمجھ دی تھی مگر یہ اس سے کام نہیں لیتے ان سے کوئی پوچھے مت دو چنانچہ فقہی مسئلہ ہے۔

ابغض المباحات عندالله الطلاق (تلخیص الحبیر لابن حجر ۳:۲۵)

(مباحات میں مبغوض تر اللہ کے نزدیک طلاق ہے)۔

اور یہ مضمون ایک حدیث کا بھی ہے جس کا مرسل ہونا صحیح ہے اور رفع ضعیف ہے۔

کذا فی المقاصد الحسنہ للسخاوی ۱۲ جامع (جیسا کہ سخاوی کی کتاب مقاصد حسنہ میں مذکور ہے)۔

کہ اگر بعد میں تمہاری رائے بدل گئی اور اس کو اپنے پاس رکھنا چاہا تو اس کی

Maktaba Tul Ishaat.com

گنجائش رکھنے میں تمہارا کیا حرج ہے عقل کی بات تو یہ ہے کہ انسان جب کوئی کام کرے تو اس کے تمام پہلوؤں کی رعایت کرلے خصوصاً اکثر غصہ میں ہوا کرتی ہے اس میں گنجائش رکھنا اور سمجھ کر کام کرنا بہت ہی ضروری ہے کیونکہ بعض دفعہ عورت سے محبت ہوتی ہے لیکن اتفاقاً ناگواری پیش آگئی ایسی حالت میں تین طلاق دینا اپنے کو سخت پریشان کرنا ہے۔ جب دل میں اس کی محبت ہے تو جدائی کی کلفت ہوگی۔ اور اگر ہمت سے کام لیا تو ارتکاب حرام کا بھی اندیشہ ہے۔ بعض دفعہ عورت سے محبت نہیں ہوتی مگر اس سے اولاد ہو چکی ہے تین طلاق دینے کے بعد جب اولاد کی ویرانی اور پریشانی کا خیال ہوتا ہے تو سوائے حسرت وندامت کے کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ اگر اولاد کو اس سے جدا کیا جائے تو مرد سے ان کی تربیت اور دیکھ بھال دشوار ہے اگر جدا نہ کیا جائے اور اس کے پاس رکھا جائے تو اولاد کو ماں سے زیادہ ہمدردی ہوگی، باپ کی خاک بھی وقعت ان کے دلوں میں نہ ہوگی۔ بلکہ اس کو اپنا دشمن سمجھیں گے کہ اس نے ہماری ماں کو گھر سے نکال دیا۔

بعض دفعہ طلاق کے بعد اس شخص کو دوسری بیوی نہیں ملتی اور طلاق دینے والوں کو اکثر نہیں ملتی، خاندان میں بدنام ہو جاتا ہے کہ اس کو کون لڑکی دے یہ تو ظالم ہے طلاق دیدیتا ہے پھر یا تو صبر سے کام لینا پڑتا ہے اور ایسے بہت کم ہیں یا رنڈیوں اور لڑکوں سے خراب خستہ ہوتے ہیں جس میں دنیا کی بھی ذلت آخرت کی بھی بربادی اور گھر تباہ ہوا وہ الگ کیونکہ عورت کے بغیر گھر کا انتظام نہیں ہوسکتا تجربہ کرلیا جائے۔ ان واقعات کی بناء پر شریعت نے طلاق کیلئے بہت حدود مقرر کی ہیں۔ اول تو یہ حکم ہے کہ طلاق کو جہاں تک ٹال سکو ٹالو۔ دوسری تدبیروں سے کام لو۔

عورتوں سے مساویانہ سلوک نہ کرنے کا حکم

نیز حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ الرجال قوامون علی النساء بمافضل اللّٰہ بعضھم علی بعض وبما انفقوا من اموالھم فالصلحت قنتت حفظت للغیب بما حفظ اللّٰہ۔

مرد حاکم ہیں عورتوں پر اس سبب سے کہ اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو بعضوں

Maktaba Tul Ishaat.com

پر (قدرتی) فضیلت دی ہے اور اس سبب سے کہ مردوں نے اپنے مال (عورتوں) پر خرچ کیے ہیں (اس میں بتلا دیا گیا کہ عورتیں تمہارے قبضہ میں ہیں ان کی اصلاح کچھ مشکل نہیں ،طلاق کی کیا ضرورت ہے اول تو خدا نے تم کو قدرتی طور پر عورتوں کا حاکم بنایا ہے، دوسرے تم ان پر مالی احسانات کرتے ہو)۔ تو جو عورتیں نیک اور لائق ہیں مرد کی عدم موجودگی میں بھی بحفاظت وتوفیق الٰہ (اس کی آبرو اور مال کی) نگہداشت کرتی ہیں۔

خلاصہ یہ کہ اگر تم دو باتوں کی رعایت کرو تو شائستہ اور نیک عورتیں تو فوراً تمہاری تابعدار ہو جائیں گی ایک یہ کہ تم حاکم بن کر رہو، برابری اور غلامی کے ساتھ نہ رہو۔ کیونکہ جو شخص ابتداء میں عورتوں کے ساتھ برابری کا برتاؤ کرتا یا ان کی غلامی اختیار کرتا ہے تو پھر وہ ساری عمر اسی برتاؤ کی منتظر رہتی ہیں لہٰذا تم کو اول ہی سے ایسا برتاؤ کرنا چاہیے جیسا کہ حاکم محکوم سے کرتا ہے۔

دوسرے تم ان کے ساتھ مالی احسانات کرو مثلاً مہر کی ادائیگی میں جلدی کرو۔ نفقہ اور کپڑے میں تنگی نہ کرو۔ ان کی دلداری اور دل جوئی کا خیال رکھو اس برتاؤ کی خاصیت ہے کہ شریفوں کے دل کو مسخر کر لیتا ہے۔ ہاں اگر کوئی بہت ہی بدطینت عورت ہو وہ ممکن ہے کہ اس برتاؤ سے مسخر نہ ہو اس کیلئے آگے دوسری تدبیر بتلاتے ہیں کہ اگر کوئی عورت بددماغ ہے تو اس کو بھی طلاق دینے کی ضرورت نہیں بلکہ حکمت اور تدبیر سے کام لو۔

بدطینت عورت کا طریق تنبیہ

والتی تخافون نشوزھن فعظوھن واھجروھن فی المضاجع واضربوھن۔

اور جو عورتیں ایسی ہوں کہ تم کو (قرائن سے) ان کی بددماغی کا احتمال (قوی) ہو (محض گمان اور خیال ہی نہ ہو) تو ان کو (اول) زبانی نصیحت کرو اور (اگر اس سے نہ مانیں تو) ان کو خواب گاہوں میں تنہا چھوڑ دو (یعنی ان کے پاس مت لیٹو اس کا بھی عورت پر بہت اثر ہوتا ہے) اور (اس سے بھی نہ مانیں تو) ان کو (اعتدال سے مارو) حدیث میں اس کی تفسیر آئی ہے ضربا غیر مبرح کہ ایسا مارو جس سے ہڈی پر صدمہ نہ پہنچے، خون نہ نکلے، سبحان اللہ کیسی حدود ہیں) فان اطعنکم فلاتبغوا علیھن سبیلا۔ پھر اگر وہ تمہاری اطاعت

Maktaba Tul Ishaat.com

کرنے لگیں تو ان پر (زیادتی کرنے کیلئے) بہانہ (اور موقعہ) مت ڈھونڈو۔ ان اللہ کان علیا کبیراً۔ کیونکہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑی رفعت وعظمت والے ہیں۔

یہ عجیب مراقبہ بتلایا گیا یعنی اگر تم عورتوں پر زیادتی کرنے کیلئے بہانے ڈھونڈو گے تو یہ سمجھ لو کہ تمہارے اوپر بھی ایک حاکم ہے وہ کون خدا تعالیٰ۔ ان کے حقوق اور علم وقدرت سب سے زیادہ ہیں۔ اگر وہ بھی تمہارے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کرنے لگیں اور تم کو مجرم بنانے کیلئے تو بہانے ڈھونڈھنے کی بھی ضرورت نہیں واقعی جرائم بے انتہا ہیں تو تمہارا کہاں پتہ رہے پس تم کو اپنے محکوموں کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کرنا چاہیے جو حق تعالیٰ تمہارے ساتھ کرتے ہیں کہ باوجود تمہاری نافرمانی کے توبہ واستغفار کے بعد سب معاف کر دیتے ہیں۔ اور پچھلے گناہوں کا کچھ اثر نہیں رکھتے نیز چھوٹی چھوٹی خطاؤں کو ویسے ہی معاف کرتے رہتے ہیں چنانچہ وضو اور نماز اور جماعت وغیرہ سے گناہ صغیرہ معاف ہوتے رہتے ہیں۔

طلاق سے قبل ضرورت پنچ

اگر اس سے بھی کسی عورت کو تنبیہ نہ ہو تو اس کے لئے کیا عجیب بات بیان فرماتے ہیں۔ وان خفتم شقاق بینھما فابعثوا حکما من اھلہ وحکما من اھلھا۔ اس میں خطاب زوجین کو نہیں ہے بلکہ اوپر والے آدمیوں کو خطاب ہے کہ اگر قرائن سے تم کو ان دونوں میاں بیوی میں (ایسی) کشاکش کا اندیشہ ہو (جس کو وہ باہم نہ سلجھا سکیں) تو تم لوگ ایک ایسا آدمی جو تصفیہ کرنے کی لیاقت رکھتا ہو مرد کے خاندان سے اور ایک آدمی ایسا ہی عورت کے خاندان سے (تجویز کر کے اس کشاکش کے رفع کرنے کیلئے انکے پاس بھیجو (کہ وہ جا کر تحقیق حال کریں اور جو بے راہی پر ہو اس کو سمجھا دیں) دیکھئے یہ کیسی اچھی ترکیب ہے کہ جب تک زوجین اپنے معاملہ کو خود سلجھا سکیں اس وقت تک خود سلجھانے کی کوشش کریں۔ اور جب ان سے سلجھ نہ سکے تو کسی کو حکم مقرر کریں کیونکہ اپنا معاملہ فریقین سے طے نہیں ہو سکتا اسلئے پنچ کی ضرورت ہوئی۔

آگے حق تعالیٰ ان پنچوں کی بابت ارشاد فرماتے ہیں۔ ان یرید ااصلاحا

Maktaba Tul Ishaat.com

یوفق اللّٰہ بینھما۔ اگران دونوں پنچوں میں اصلاح معاملہ منظور ہوگی تو اللہ تعالیٰ ان دونوں زن وشوہر کو اصلاح کی توفیق دیدیں گے اس میں اپنی اعانت کا وعدہ ہے کہ اس صورت میں ہم بھی معاملہ کے سلجھنے میں امداد کریں گے۔ مگر اس کے لئے ایک شرط ہے وہ یہ کہ اگران دونوں پنچوں کو سچے دل سے اصلاح معاملہ منظور ہوگی تو اللہ تعالیٰ ان میاں بی بی میں اتفاق پیدا کریں گے (بشرطیکہ وہ ان دونوں کی رائے پر بھی عمل کریں ان اللّٰہ کان علیما خبیرا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے علم اور بڑے خبر والے ہیں یعنی جس طریق سے زوجین میں باہم مصالحت ہوسکتی ہے اس کو وہ خوب جانتے ہیں پس جب حکمین کی نیت ٹھیک دیکھیں گے وہ طریق انکے قلب میں القا فرمادیں گے۔ دیکھئے حق تعالیٰ نے طلاق سے بچنے کی کتنی عمدہ ترکیبیں بتلائی ہیں اگرلوگ ان طریقوں سے کام لیں تو انشاء اللہ تعالیٰ کبھی طلاق کی ضرورت ہی نہ پڑے۔ اوراگر بدون طلاق کے چارہ ہی نہ رہے تو اس کے لئے یہ تعلیم ہے کہ اول ایک طلاق دو اس سے عورت کا ناز ٹوٹ جائے گا اوراگر اس میں کچھ بھی صلاحیت ہوگی تو وہ سنور جائے گی شریعت نے نہ تو طلاق سے ممانعت کی کہ چاہے باہم کیسا ہی اختلاف ہو طلاق دے ہی نہ سکے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو شوہر ہمیشہ اندر ہی اندر گھٹا کرتا۔ اپنے غصہ کا بھڑاس نہ نکال سکتا۔ اس لئے غصہ نکالنے کی اجازت دی کہ ضرورت کے وقت دے سکتے ہو مگر حدود کے ساتھ شریعت میں جذبات کی بہت رعایت کی گئی ہے۔

احکام شرعیہ میں رعایت جذبات

چنانچہ ایک حدیث ہے لایحل لاحدان یھجراخاہ فوق ثلثۃ ایام (الادب المفرد للبخاری ۳۹۹) کسی مسلمان کو یہ جائز نہیں کہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ بول چال وغیرہ موقوف رکھے دیکھئے یہ حکم نہیں دیا گیا کہ چاہے آپس میں کیسا ہی رنج وتکرار ہو بولنا مت چھوڑو حالانکہ شریعت کو یہ بھی اختیار تھا کہ ایسا حکم دیدیتی چنانچہ بعض مشائخ نے طالبین کی اصلاح کیلئے کبھی ایسا حکم دیا ہے مگر ایسی ہمت سالکین کو ہوسکتی ہے۔ ہر شخص کو نہیں ہوسکتی۔ رنج وتکرار کا طبعی تقاضا ہے کہ جس سے تکرار ہو اس سے کلام نہ کیا جاوے۔ چونکہ احکام شرعیہ عام ہیں اس لئے اس جذبہ کی رعایت کرکے حکم دیا گیا کہ

Maktaba Tul Ishaat.com

غصہ اور رنج میں بول چال چھوڑ دینا جائز ہے مگر اس کی حدود مقرر ہیں کہ تین دن سے زیادہ نہ ہونا چاہیے اس میں نکتہ یہ ہے کہ رنج و تکرار کے بعد فوراً سلام و کلام کرنے میں غصہ کو گھونٹنا پڑے گا اور غصہ کے گھونٹنے سے کینہ اور حسد پیدا ہو جاتا ہے اس لئے غصہ نکالنے کی اجازت دی گئی۔ کہ بول چال ترک کر سکتے ہو۔ مشائخ کو بھی ایسے موقع پر غصہ گھونٹنے کا حکم نہ دینا چاہیے بلکہ موقع اور حالت کو دیکھ کر حکم دینا چاہیے اسی لئے شیخ بننا بڑا مشکل ہے غرض عام حکم یہ ہے کہ تین دن تک نہ بولنا جائز ہے اور تین دن سے زیادہ ترک کلام جائز نہیں کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ تھوڑی دیر گزر جانے سے غصہ کم ہو جاتا ہے۔ پھر رات گزر جانے سے اگلے دن طبیعت ہلکی ہو جاتی ہے بوجھ نہیں رہتا۔ پھر تیسرے دن غصہ نکل جاتا رہتا ہے۔ اب شریعت ایسے وقت میں دونوں کو ملانا چاہتی ہے کہ ان کے دلوں پر غصہ کا بوجھ نہیں رہا۔ تجربہ ہے کہ تین دن کے بعد غصہ اور رنج کا طبعی اثر باقی نہیں رہتا ہاں اگر کوئی سوچ سوچ کر خود ہی رنج و غصہ کو تازہ کرنا چاہے تو اور بات ہے مگر یہ رنج و غصہ کسبی ہوگا طبعی اثر نہ ہوگا۔ شریعت نے طبعی تقاضہ کی رعایت کی ہے کیونکہ وہ اختیار سے باہر ہے، کسی امور کی رعایت نہیں کی کیونکہ ان کا وجود و عدم اپنے اختیار میں ہے مگر یہ حدود اس رنج و غصہ میں ہیں جو دنیوی سبب سے ہو اور اگر دینی سبب سے ہو تو تین دن سے زیادہ بھی ترک کلام و سلام جائز ہے جب تک کہ وہ سبب باقی ہے۔ مثلاً نعوذ باللہ کوئی مرتد ہو گیا یا کوئی شخص فاسق و فاجر و زنا کار ہے وغیرہ وغیرہ لیکن اس میں بھی یہ شرط ہے کہ قطع تعلق کا منشاء محض وہ معصیت ہی ہو بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ قطع تعلق تو کرتے ہیں کسی دنیوی سبب سے مثلاً ان کو کسی سے کوئی زک پہنچی ہے اس لئے بول چال قطع کرتے ہیں۔ مگر ان کا نفس مولوی ہے وہ اس کے لئے دینی سبب نکال لیتا ہے کہ میں نے تو اس شخص سے قطع تعلق اس لئے کیا ہے کہ یہ فاسق ہے بدعتی ہے اس مرض میں آج کل مولوی زیادہ مبتلا ہیں کہ وہ دنیا کو دین بنا لیتے ہیں مگر ان کو سمجھ لینا چاہیے کہ وہ ان تاویلوں سے مخلوق کو دھوکہ دے سکتے ہیں مگر خدا کے یہاں یہ ترکیبیں اور حیلے نہیں چل سکتے۔

خلق را گیرم کہ بفریبی تمام ☆ در غلط اندازی تا ہر خاص و عام

Maktaba Tul Ishaat.com

کارہا باخلق آری جملہ راست ☆ باخدا تدبیر وحیلہ کے رواست
کارہا اوراست باید داشتن ☆ رایت اخلاص وصدق افراشتن
کہ گہے اللہ دروغے مے زنی ☆ از برائے مسکہ دوغے میزنی

(میں نے عرض کیا کہ اگر تو نے ساری مخلوق کو دھوکہ دے بھی دیا مگر خدا تعالیٰ کو کہاں دھوکہ دے سکتا ہے۔ مخلوق کے ساتھ تو تیرے سب کام درست ہیں خدا تعالیٰ کے ساتھ مکر وحیلہ کب جائز ہے۔ حق تعالیٰ کے ساتھ سب کام درست رکھنے چاہیں۔ اخلاص اور سچائی کا علم بلند کرنا چاہیے کبھی کبھی جھوٹی اللہ کی ضرب لگاتا ہے مسکہ کیلئے چھاچھ بلوتا ہے)۔

ان مولویوں سے تو عوام ہی اچھے کہ وہ گناہ کر کے اس کو گناہ تو سمجھتے ہیں مگر یہ لوگ تو گناہ کرتے ہیں اور تاویل کر کے اس کو دین میں ٹھونسنا چاہتے ہیں ان پر گناہ معصیت کا بھی ہے اور تحریف دین کا بھی۔

نفرت نفسانی

ایک صاحب مجھ سے کہنے لگے کہ مجھے بے نمازی آدمی سے نفرت آتی ہے، سلام کرنے کو جی نہیں چاہتا، میں نے کہا کہ تم اس وقت اپنے کو اس سے افضل سمجھتے ہو یا نہیں۔ اگر اپنے کو افضل سمجھتے ہو تو یہ نفرت شرعی نہیں بلکہ نفسانی ہے۔ کہنے لگے کہ ہاں میں اپنے کو افضل سمجھتا ہوں۔ میں نے کہا بس یہی کسر ہے اس حالت میں تم اس سے بدتر ہو کیونکہ تکبر اور عجب سے بدتر کوئی گناہ نہیں۔ وہ تو بے نمازی ہی ہے مگر بے نماز اپنے کو حقیر وذلیل سمجھا کرتا ہے اور تم نمازی ہو کر اپنے کو بڑا سمجھتے ہیں اور دوسرے مسلمان کو حقیر سمجھتے ہو تم اس سے بھی زیادہ ایک گناہ میں مبتلا ہو۔ یہاں شاید کسی کو یہ سوال ہو کہ جب باوجود گناہ اور فسق وفجور کے ہم دوسرے کو اپنے سے افضل سمجھیں گے تو پھر حب فی اللہ اور بغض فی اللہ کیا چیز ہے۔ یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ ایک شخص کو بھی اپنے سے افضل بھی سمجھیں اور پھر اسے بغض بھی رکھیں۔ اس پر ہم کو غصہ بھی آوے اس سے ترک تعلق بھی کریں اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کو اپنی اولاد پر بھی کبھی غصہ آتا ہے یا نہیں اس وقت آپ کی کیا حالت ہوتی ہے۔ ہر شخص جانتا

Maktaba Tul Ishaat.com

ہے کہ اولاد پر غصہ کرنے کے وقت ان کے فعل سے نفرت بھی ہوتی ہے ان سے قطع تعلق بھی چند روز کیلئے کرلیا جاتا ہے مگر اس کیساتھ ایک شفقت بھی دل میں ہوتی ہے۔ اور وہ شفقت ہی ان سب افعال کا منشاء ہوتی ہے جس کی علامت یہ ہے کہ اس کی بدحالی پر رنج وافسوس ہو کر رونا آتا ہے اور اس کی کوشش ہوتی ہے کہ خدا کرے کسی طرح جلدی اس کی اصلاح ہو جائے۔ نیز آپ غصے کے وقت اولاد کو حقیر وذلیل بھی نہیں سمجھتے۔ چنانچہ اگر کوئی دوسرا اس کو حقیر وذلیل کرنے لگے تو آپ کو ناگوار ہوتا ہے بس اگر یہی شان عاصی پر غصہ کرنے کی ہو تو وہ بغض فی اللہ ہے ورنہ نفسانی بغض ہے۔ ایک اشکال اس جگہ یہ ہوتا ہے کہ صاحب بے نماز سے اپنے کو بدتر کیسے سمجھ لیں اور اس کو افضل کیسے سمجھیں جب خدا نے ہم کو ایک چیز دی ہے اور دوسرے کو نہیں دی۔ تو لامحالہ ہم دوسرے کو اس سے محروم دیکھ کر اپنے سے کم اور اپنے کو اس سے زیادہ سمجھیں گے۔ مثلاً خدا تعالیٰ نے ایک شخص کو ہزاروں روپے دیئے ہیں اور دوسرے کو ایک بھی نہیں دیا تو اس صورت میں وہ ہزاروں والا اپنے کو مفلس سے کم اور مفلس کو اپنے سے زیادہ کیونکر سمجھ سکتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ اس اشکال کا جواب تو خود اشکال ہی کے اندر آ گیا۔ وہ یہ کہ جب یہ نعمت خدا نے آپ کو دی ہے تو آپ یوں سمجھیں کہ میں تو سب سے بدتر تھا اور اب بھی بدتر ہوں مگر خدا نے محض اپنے فضل سے مجھ کو یہ نعمتیں دیدی ہیں اس میں میرا کچھ کمال نہیں۔ اس مضمون کے استحضار کے بعد آپ میں کبر وعجب پیدا نہ ہوگا۔ باقی یہ میں نے کب کہا ہے کہ آپ اپنے کو بے نماز اور بے نماز کو نمازی سمجھنے لگیں۔ اگر میں یہ کہتا اس وقت یہ اشکال ہوسکتا تھا کہ صاحب امیر آدمی کو اپنے کو مفلس اور مفلس کو امیر کیسے سمجھ لے۔ نہیں امیر اپنے کو امیر ہی سمجھے اور مفلس کو مفلس سمجھے مگر اس سے اپنے کو افضل نہ سمجھے یہ خیال کرلے کہ میں خود امیر نہیں ہوا بلکہ خدا نے مجھے امیر کیا ہے۔ اور وہ اس پر بھی قادر ہے کہ یہ نعمت مجھ سے سلب کر کے دوسرے کو دیدے۔ یہ بات جس کے دل میں جمی ہوئی ہوگی وہ ہرگز اپنے کو دوسرے سے افضل نہ سمجھے گا اور نہ دوسروں کو حقیر سمجھے گا۔ بلکہ انکی حالت پر اس کو رحم آئے گا۔

Maktaba Tul Ishaat.com

اعتبار خاتمہ کا ہے

یہ تو سرسری جواب ہے اور حقیقی جواب یہ ہے کہ اعتبار خاتمہ کا ہے اور خاتمہ کا حال کسی کو معلوم نہیں۔ تو آپ یہ سمجھ لیں کہ اس وقت گو میں بظاہر دوسرے سے اچھی حالت میں ہوں مگر ممکن ہے کہ خاتمہ کے اعتبار سے وہ اچھا ہو۔ نیز باعتبار حال کے بھی ممکن ہے کہ دوسرے میں کوئی ایسی عمدہ فضیلت ہو جو تم میں نہ ہو۔ مثلاً اس کو خدا تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ سے تعلق محبت زیادہ ہو، اس میں تواضع آپ سے زیادہ ہو کیونکہ ہم نے بعض لوگوں کو دیکھا ہے کہ ان میں ظاہری اعمال کم ہوتے ہیں مگر وقت پر معلوم ہوتا ہے کہ انکے دل میں خدا تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی محبت بہت زیادہ ہے۔ تیسرے جو شخص اپنے نفس کے واسطے بغض نہ کرے گا بلکہ بغض فی اللہ کرے گا وہ محض خدا کا حکم سمجھ کر کرے گا اس کو یہ وسوسہ وخیال ہرگز پیش نہ آویں گے کہ میں افضل ہوں یا دوسرا۔ اس کی ایسی مثال ہے کہ ایک بادشاہ عادل اپنے بیٹے کو کسی بات پر سزا دے کہ اس کے دس بید ماری جاویں اس وقت شاہی حکم سے بھنگی شہزادہ کے بید مارتا ہے مگر کیا اس کے دل میں یہ وسوسہ بھی آسکتا ہے کہ میں شہزادے سے افضل ہوں ہرگز نہیں وہ جو کچھ کرے گا محض حکم کی وجہ سے کرے گا اور اپنی فضیلت کا اسے وہم بھی نہ ہوگا، یہی حال بغض فی اللہ میں ہوتا ہے۔ بغض فی اللہ والا دوسرے سے بغض بھی کرتا ہے اس سے قطع تعلق اور ترک سلام وکلام بھی کرتا ہے مگر پھر دوسرے کو اپنے سے افضل سمجھتا ہے جیسے بھنگی بید مارتے ہوئے بھی شہزادہ ہی کو اپنے سے بڑا اور افضل سمجھتا ہے۔

شریعت میں رعایت جذبات کے ساتھ حفاظت حدود

الغرض شریعت میں جذبات کی رعایت کا بہت خیال ہے مگر اس کے ساتھ حدود کی رعایت کا بھی بے انتہا اہتمام ہے پس جذبات کی رعایت کر کے تو طلاق کی اجازت دی گئی۔ مگر مصالح کا لحاظ کر کے اولاً رجعی کی اجازت دی کیونکہ تین طلاقیں دینا فیصلہ کرنا ہے اور غصہ میں فیصلہ کرنا ممنوع ہے حکم یہ ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

لایقضین قاضی بین اثنین وھو غضبان (سنن الدارقطنی ۴:۲۰۶)

غصہ کی حالت میں قاضی کو فیصلہ نہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ غصہ میں فیصلہ صحیح نہ ہوگا اس میں غالب احتمال غلطی کا ہے اسی طرح غصہ میں تین طلاق دینے کا انجام اکثر برا ہوگا بعد میں ندامت وحسرت ہوگی۔ چنانچہ ہم نے بہت واقعات دیکھے اور سنے ہیں کہ تین طلاق دے کر بعد میں لوگ پچھتاتے تھے اور اب نکاح باقی رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے، یہاں تک کہ بعض جگہ شوہر کا کفر ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ شاید اس سے کبھی کلمہ کفر نہ گیا ہو جس سے نکاح ٹوٹ گیا ہو تو اب یہ تین طلاقیں واقع نہ ہونگی انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔ اسی لئے شریعت نے تین طلاق ایک دم سے دینے کی ممانعت کی ہے۔

بچوں کو غصہ میں سزا نہ دینے کا حکم

اسی طرح غصہ میں بچوں کو مارنا نہ چاہیے کیونکہ غصہ میں یہ خیال نہیں رہتا کہ یہ کتنی سزا کا مستحق ہے ضرور حد سے تجاوز ہو جاتا ہے مکتب کے میاں جی اس میں زیادہ مبتلا ہیں ان کی حالت یہ ہے کہ لڑ کر آئے بیوی سے اور فیض عام پہنچا سب لڑکوں کو بس ذرا سی بات پر ایک لڑکے کی چھڑی لگائی تھی کہ ایک طرف سے سبھی کو مارتے چلے گئے خطا کی ایک نے اور سزا دی سب کو بھلا یہ بھی کوئی انسانیت ہے انکو خدا کا خوف نہیں آتا کہ آخرت میں اس کی باز پرس ہوگی یاد رکھو لڑکوں کے معاف کرنے سے یہ ظلم معاف نہیں ہوتا وہ اگر معاف بھی کر دیں تو سرکار مدعی ہوگی اور اول تو ایسے میاں جی آج کل کہاں ہیں جو بچوں سے معافی چاہیں ہم نے صرف ایک ملا کو دیکھا ہے، گنگوہ میں وہ شاگردوں سے معافی چاہا کرتے تھے جس کی صورت یہ تھی کہ اپنی کمر کھول کر بیٹھ جاتے اور جس لڑکے کو مارتے اس کے ہاتھ میں چھڑی دیتے کہ بھائی تو میرے مار لے۔ بعضے شریر لڑکے ایسے بھی ہوتے تھے کہ میاں جی کے سڑاسڑ چھڑیاں لگاتے تھے۔ اس سے بھی خرابی ہوئی کہ لڑکے گستاخ ہو گئے۔ بچوں سے معافی کا طریقہ یہ ہے کہ ان سے ایسا برتاؤ کیا جائے کہ وہ خوش ہو جائیں نہ تو معافی زبانی کافی ہے اور نہ ان سے انتقام لینے کو کہا جائے۔ بس آئندہ ان کو اپنے برتاؤ سے خوش کر

Maktaba Tul Ishaat.com

دینا چاہیے۔ان کو بلاؤ، چمکارو، چوٹ کی جگہ سہلاؤ، دودھ پلادو، پیسہ دے دو، بس اس طرح وہ خوش ہوجائیں گے تو آپ کے اوپر سے حق العبد اتر جائے گا لیکن اس کے بعد توبہ استغفار کی بھی ضرورت ہے کیونکہ حق العبد میں حق اللہ بھی فوت ہوتا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ کا حکم ہے لاتظلموا) ظلم مت کرو۔آپ نے اس حکم کی مخالفت کی یہ خدا تعالیٰ کا حق فوت ہوا پس طریقہ یہ ہے کہ بچوں کو غصہ اترنے کے بعد سزا دی جائے اس وقت جو کچھ سزا دی جائے گی وہ خطا کے موافق ہوگی حد سے تجاوز نہ ہوگا ہاں یہ ضروری ہے کہ غصہ فرو ہوجانے کے بعد مارنے میں مزہ نہیں آئے گا مگر جیسا کہ غصہ میں مارنے سے اس وقت مزہ آتا ہے ایسا ہی کبھی بعد میں بدمزگی بھی ایسی ہوتی ہے کہ آپ سارا مزہ بھول جائیں گے۔

مثلاً آنکھ پھوٹ گئی، کان پھٹ گیا، کہیں بے موقع ضرب آگئی، تو میاں جی کھنچے کھنچے پھریں گے، اور ایسا نہ بھی ہوا، تو آخرت کی بدمزگی تو ضرور ہوگی۔غرض غصہ کے وقت کا فیصلہ ٹھیک نہیں ہوتا۔اس لئے ایک دم سے تین طلاقیں ہرگز نہ دینی چاہئیں۔کیونکہ وہ بھی نکاح کا فیصلہ ہے۔اگر طلاق دو تو ایک دو۔پھر دیکھو عورت کی ندامت ہے یا طلاق سے خوش ہے۔بعض دفعہ عورت طلاق سے خوش بھی ہوا کرتی ہے کہ اچھا ہوا قصہ ختم ہوا۔جس کا سبب کبھی تو شوہر کی زیادتی ہوتی ہے کبھی خود عورت کی شرارت ہوتی ہے، کبھی دونوں طرف سے زیادتی ہوتی ہے تو وہ یہ سمجھ کر خوش ہوتی ہے کہ اچھا ہوا روز روز کا فضیحتا جاتا رہا کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ میاں بی بی دونوں نیک ہوتے ہیں مگر پھر بھی عورت کو طلاق سے مسرت ہوتی ہے کیونکہ طبائع میں مناسبت اور موافقت نہ ہونے کی وجہ سے اجتماع نہیں ہوسکتا۔جیسے سوڈا اور ٹاٹری فی نفسہ عمدہ چیزیں ہیں الگ الگ رہیں تو کچھ آفت برپا نہیں ہوتی۔مگر جہاں اجتماع ہوا شور برپا ہوا۔ایسے ہی بعضے میاں بی بی الگ الگ رہیں تو بہت نیک ہیں مگر اجتماع سے آفت نازل ہوتی ہے اس میں علاوہ اختلاف مزاج کے ایک اور نکتہ بھی ہے وہ یہ کہ حدیث میں ہے۔الارواح جنود مجندة ماتعارف منها ائتلف وما تناكر منها اختلف (صحیح للبخاری ۴:۱۶۲، مشکوۃ المصابیح ۵۰۰۳) روحیں ایک مجمع لشکر کی صورت میں تھیں پس جن میں باہم اس وقت تعارف اور آشنائی ہوچکی ہے ان میں یہاں بھی الفت ومحبت ہوجاتی ہے اور جن میں اسی

Maktaba Tul Ishaat.com

وقت تعارف نہیں ہوا وہ یہاں بھی میل نہیں کھاتے۔ یہ مضمون محض منقول ہے مشاہد نہیں۔ مگر مخبر صادق کی خبر ہے اس لئے ماننا پڑے گا۔ ہاں بعضے عارفین نے جن کو یہ واقعہ یاد رہا بتلایا ہے کہ عہد الست میں جب ارواح کا اجتماع ہوا تھا تو فلاں شخص ہمارے داہنے تھا فلاں بائیں طرف تھا، فلاں سامنے تھا نیز اہل کشف نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس اجتماع کی چار صورتیں ہوئی تھیں بعضی ارواح کا منہ ایک دوسرے کے آمنے سامنے تھا ان میں تو دنیا میں جانبین سے الفت ہو جاتی ہے۔ بعض اس طرح کھڑی تھیں کہ ہر ایک کی پشت دوسرے کی طرف تھی۔ ان میں ہر ایک کو دوسرے سے نفرت ہوتی ہے اور بعض اس طرح جمع تھیں کہ ایک کا منہ دوسری کی پشت کی طرف سوان میں ایک کی طرف سے میلان ہوتا ہے دوسری طرف سے نفرت اس سے معلوم ہوا کہ مزاج کا فطری اتحاد و اختلاف ہوتا ہے ان میں اتحاد نہیں ہو سکتا یہ قدرتی امر ہے۔ بعض دفعہ ایک شخص نیک ہوتا ہے مگر ان کی صورت دیکھ کر طبیعت کو کشش ہوتی ہے۔ پس اس پر تعجب نہ کیا جائے کہ وہ نیک آدمیوں میں اختلاف مزاج کیوں ہوتا ہے اسی طرح بعض دفعہ واقعی میاں بی بی دونوں نیک ہوتے ہیں مگر باہم نباہ نہیں ہوتا۔

ناموافقت مزاج کے ساتھ نباہ مشکل ہے

روایت میں ہے کہ ایک عورت نے وضع ولد سے بیس منٹ پہلے اپنے شوہر سے طلاق مانگی اس کو یہ مسئلہ معلوم تھا کہ بچہ جننے سے فوراً عدت ختم ہو جاتی ہے اگرچہ اس سے پانچ منٹ پہلے ہی طلاق دے دی گئی ہو شوہر کو اس وقت خیال نہ تھا اس نے کہا کہ خدا کی بندی اس وقت تو طلاق لے کر کیا کرے گی آخر کوئی وجہ بھی، کہنے لگی کہ وجہ کچھ بھی نہیں بس میرا دل خوش ہو جائے گا تمہارا حرج ہی کیا ہے۔ ایک طلاق سے نکاح تھوڑا ہی ٹوٹتا ہے تم پھر رجعت کر لینا اس نے طلاق دیدی اور نماز کو چلے گئے تھوڑی دیر بعد بچہ پیدا ہوا اور عدت ختم ہو گئی تو بعض عورتیں بوجہ ناموافقت مزاج کے نباہ نہیں کر سکتیں اس لئے ان کو طلاق سے خوشی ہوتی ہے اسلئے نکاح میں موافقت مزاج اور مناسبت طبائع کا لحاظ بہت ضروری ہے۔ جب مزاج میں موافقت نہیں ہوتی تو نباہ دشوار ہو جاتا ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

پیری ومریدی کا سارا مدار مناسبت پر ہے

اوراس نکاح سے زیادہ اس تناسب کے شرائط میں پیری مریدی کا تعلق ہے اس کا تو سارا مدار مناسبت ہی پر ہے بدون مناسبت کے کچھ نفع ہی نہیں ہوتا۔ اس لئے طالب کو چاہیے کہ جس شیخ سے بیعت ہونا چاہے اس کے پاس کچھ مدت تک قیام کرے جب باہم دونوں میں مناسبت ہوجائے اس وقت بیعت کی درخواست کرے۔ مگر آجکل لوگوں کی حالت یہ ہے کہ آج ایک بزرگ کے پاس گئے اور انکی کوئی بات آگئی بس لگے ان سے بیعت ہونے پھر کل کو کسی دوسرے بزرگ کی کوئی ادا پسند آگئی بس ان سے بیعت ہوگئے۔ ان کی بعنیہ یہ مثال ہے گنگا گئے گنگا داس جمنا گئے جمنا داس۔ یہ لوگ طریق کو کھیل بنانا چاہتے ہیں یادرکھو اس طرح مقصود حاصل نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ ایک نہ ایک دن ان کی قلعی کھل جاتی ہے۔ پھر کسی شیخ کو اس پر اعتماد نہیں ہوتا، ہر جائی مشہور ہوجاتا ہے۔

وفاداری مدار از بلبلاں چشم ☆ کہ ہردم بر گلے دیگر سرایند

(بلبلان چشم سے وفا کی امید نہ رکھو کہ ہردم ایک پھول کو چھوڑ کر دوسرے پر چہچہاتی ہیں)۔

بیعت کا اتنی جلدی فیصلہ کرنا نہ چاہیے کیونکہ یہ حالت جلدی ہی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ اگر غور وفکر کے بعد مناسبت تامہ دیکھ کر بیعت ہوں تو ایک ہی کو لگے لپٹے رہیں گے۔ بعض لوگ کسی کے مریدوں کی تعریف پر اسے بیعت ہوجاتے ہیں۔ یہ بڑی سخت غلطی ہے کیونکہ مریدین تو اپنے شیخ کی تعریف کیا ہی کرتے ہیں۔ اپنی دہی کو کوئی کھٹی نہیں کہا کرتا تم کو خود چکھنا چاہیے اور اپنے ذوق سے اس کے کھٹے میٹھے ہونے کا فیصلہ کرنا چاہیے۔

دنیادار مشائخ کا حال

نیز آجکل ایک یہ بھی آفت ہے کہ بعض دنیادار مشائخ نے اپنے گرگے چھوڑ رکھے ہیں جن کو یہی کام سپرد کیا گیا ہے کہ لوگوں کو بہلا پھسلا کر لاؤ اور ہم سے بیعت کراؤ۔ اور بعض دیندار مشائخ کے یہاں بھی ایسے گرگے موجود ہیں مگر ان مشائخ کو اس کی اطلاع نہیں ورنہ وہ ہرگز اس کو گوارہ نہ کرسکتے اس لئے محض مریدوں کی تعریف وثناء پر کسی سے

Maktaba Tul Ishaat.com

بیعت ہونا بڑی غلطی ہے۔ میں بہ قسم کہتا ہوں کہ یہ وہ تعلق ہے جس پر ایمان کی تکمیل کا فیصلہ موقوف ہے۔ اگر کسی محقق عارف کے ہاتھ میں پہنچ گئے تب تو ایمان مکمل ہو جائے گا اور اگر کسی جاہل کے ہاتھ پہنچ گئے تو وہ تمہارا پہلا سرمایہ ایمان بھی غارت کر دے گا۔ افسوس اتنا بڑا تعلق مگر لوگوں کو اس کے اصول کی خبر نہیں اس میں بڑی اصل دو چیزیں ہیں ایک یہ کہ شیخ عارف محقق ہو دوسرے تم کو اس سے مناسبت تامہ ہو۔ اگر شیخ عارف کامل ہو مگر تم کو اس سے مناسبت نہ ہو تو خاک نفع ہوگا اس لئے بیعت سے پہلے مناسبت کا دیکھنا بہت ضروری ہے ورنہ بعد میں پچھتاؤ گے اور اس کو چھوڑ کر کسی دوسرے کی طرف جاؤ گے اور اس صورت میں مشائخ طریق کے ساتھ گویا تم نے کھیل کیا جس میں وبال کا اندیشہ ہے۔

باہر کہ نشستی ونشد جمع دلت ☆ وزتو نرمید صحبت وگلت

زنہارز صحبتش گریزاں می باش ☆ ورنہ نکند روح عزیزاں بحلت

(جس شخص کی صحبت میں تم کو اطمینان قلب نہ ہو اور اس کی صحبت ترک نہ کرو تو اس کی صحبت مٹی اور پانی کی مثال ہے ضرور اس کی صحبت کو ترک کرو ورنہ روح مردہ ہوگی)۔

شیخ ومرید میں مناسبت کا ہونا ضروری ہے

اسی طرح اگر تم کو ایک شیخ سے نفع نہ ہوا لیکن پھر بھی تم اس کو لگے لپٹے رہے۔ اور دوسرے کی طرف رجوع نہ کیا جب بھی تم نے طریق کا حق ضائع کیا۔ غرض ایسا شخص مصیبت میں گرفتار ہو جاتا ہے نہ اس کو چھوڑے بن پڑی ہے نہ الگ ہوتے۔ اس لئے مناسبت کا دیکھنا ضروری جس کیلئے پاس رہنے کی ضرورت ہے۔ اور گو عدم اعتقاد کے لئے تفتیش کی ضرورت نہیں کیونکہ مشائخ کا معتقد ہونا کچھ فرض وواجب نہیں لیکن دست بدست ہونے کیلئے اس کی بہت ضرورت ہے جیسا کہ اگر تم کسی عورت سے نکاح نہ کرنا چاہو تو اس کیلئے تفتیش کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہاں نکاح کے لئے جھان پھوڑ کی ضرورت ہے کیونکہ نکاح نہ کرنا معیوب نہیں لیکن نکاح کے بعد طلاق دینا برا ہے۔ اس لئے نکاح سے پہلے عورت کے اخلاق وعادات، صورت وسیرت کی خوب تحقیق کر لینی چاہیے۔ لیکن مشائخ کی

Maktaba Tul Ishaat.com

تفتیش خود بلا واسطہ کرے اور نکاح میں اولیاء واقربا کے واسطہ سے تحقیق کرے مگر آجکل نکاح میں تو مناسبت وموافقت کی تحقیق وتفتیش کی کسی قدر ضرورت لوگ سمجھتے ہیں اور بیعت ہونے کے لئے اس کا مطلق اہتمام نہیں حالانکہ نکاح ایک دنیوی کام ہے اور بیعت ہونا دینی کام ہے۔ جس پر ایمان کی تکمیل موقوف ہے دوسرے اس میں امور محسوسہ کی تفتیش ہے اور اس میں امور معنویہ کی اور ظاہر ہے کہ امور معنویہ کی تفتیش کے لئے اہتمام بلیغ کی ضرورت ہے۔ تیسرے اس میں ناقصات العقل سے تعلق ہے اور اس میں کامل العقل سے تعلق ہے اتنی وجوہ ترجیح کے ہوتے ہوئے پھر بھی اس کا اہتمام نہ ہونا جائے تعجب ہے یہ مضمون استطر اداً ذکر ہوگیا ہے۔

شریعت کا کوئی حکم خالی از حکمت نہیں

میں طلاق کو بیان کر رہا تھا کہ اگر ضرورت ہو تو ایک طلاق دے پھر اگر اس سے عورت کو تنبیہ نہ ہوئی ہو تو دوسرے طہر میں دوسری طلاق دے سکتا ہے۔ اس صورت میں ایک مہینہ کم از کم سوچنے کیلئے اس کو ملے گا۔ جس میں تمام مصالح پر نظر کر سکتا ہے۔ دوسری طلاق ایک مہینہ کے بعد وہی دے گا جس کو بہت ضرورت ہوگی اس کے بعد پھر ایک ماہ تک اور سوچتے رہو اگر طلاق سے مصالح فوت ہونے کا اندیشہ ہو تب تو رجعت کر لو اور اگر نباہ دشوار ہی معلوم ہو تو تیسری طلاق تیسرے مہینے میں دے سکتے ہو۔ اگر چہ بہتر یہ ہے کہ تیسری طلاق نہ دے بلکہ عدت ختم ہونے دے وہ خود ہی نکاح سے نکل جائے گی شاید نکاح سے نکلنے کے بعد پھر دونوں کی رائے تجدید نکاح کی ہو تو سہولت رہے گی۔ تین طلاق کے بعد بدون حلالہ کے نکاح نہ ہو سکے گا۔ اسی کو حق تعالیٰ فرماتے ہیں لاتدری لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا۔ یعنی تین طلاق ایک دم سے نہ دو تم کو کیا خبر ہے شاید حق تعالیٰ بعد میں تمہاری رائے بدل دیں پھر تم کو پچھتانا پڑے گا۔ یہ حکمت بظاہر طلاق کے متعلق ہے مگر لاتدری کاتلک حدود اللہ۔ یعنی یہ اللہ کی مقرر کردہ حدود ہیں۔ کے بعد میں لانا اس میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکمت تمام حدود کے متعلق ہے گو کہیں بے تکلف وہ

Maktaba Tul Ishaat.com

حکمت مفہوم ہوجاتی ہے اور کہیں ذرا غور وتامل سے معلوم ہوتی ہے۔ یہاں سے آپ کو معلوم ہوگیا کہ شریعت کا کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں اول تو ہر حکم میں اس کے مناسب جزئی مصالح اور حکمتیں بھی بہت ہوتی ہیں ورنہ کم از کم یہ حکمت تو لاتدری کی مدلول ہے سب کو ہی عام ہے۔ نمونہ کے طور پر سنئے حق تعالیٰ نے خرچ کے متعلق فرمایا ولاتجعل یدک مغلولۃ الی عنقک ولاتبسطھا کل البسط۔ (نہ اپنے ہاتھوں کو گردن سے باندھ لو نہ پوری طرح کھول دو)۔ اس حد میں بھی یہ حکمت ہے لاتدری لعل اللہ یحدث بعدذلک امرا۔ یعنی اسراف مت کرو شاید حق تعالیٰ بعد میں کوئی نئی بات پیدا کردیں جس کے لئے تم کو روپیہ کی ضرورت ہونے لگے۔ بعض دفعہ مال ہوتے ہوئے کوئی ضرورت سمجھ میں نہیں آتی ہم سمجھتے ہیں کہ یہ روپیہ ضرورت سے زیادہ ہے۔ مگر بعد میں دفعۃ ضرورت نکل آتی ہے کوئی بیمار ہوگیا یا کوئی مقدمہ سر پر آپڑا اس لئے سارا روپیہ برباد نہ کرنا چاہیے کچھ اپنے پاس ضرور رکھنا چاہیے۔

مشائخ کاملین کا حال

ہمارے حاجی صاحب باوجود بڑے کامل تارک ہونے کے فرماتے تھے کہ اہل تعلقات کو کچھ ذخیرہ مال کا نفس کے بہلانے کو اپنے پاس ضرور رکھنا چاہیے۔ دیکھئے حکماء یہ حضرات ہیں کہ ہر شخص سے اس کی حالت کے مناسب معاملہ کرتے ہیں اور واقعی وہ شیخ اناڑی ہے جو ساری دنیا کو تارک بنانا چاہے جو شخص سب مریدوں کو ایک ہی لکڑی سے ہانکے وہ اس حکیم کے بیٹے کے مشابہ ہے جو ایک بار اپنے باپ کے ساتھ کسی مریض کو دیکھنے گیا۔ باپ نے نبض دیکھ کر کہا شاید آپ نے نارنگی کھائی ہے مریض نے اقرار کیا۔ حکیم نے آئندہ کو منع کردیا۔ راستہ میں لوٹتے ہوئے لڑکے نے باپ سے پوچھا کہ آپ نے نبض سے کیسے معلوم کرلیا کہ اس نے نارنگی کھائی ہے۔ کہا نبض سے تو برودت وبلغم کا اثر معلوم ہوا تھا پھر وہاں نارنگی کے چھلکے پڑے ہوئے نظر آئے اس قرینہ سے میں سمجھ گیا کہ اس نے آج نارنگی کھائی ہے پس صاحبزادہ کے ہاتھ ایک قاعدہ کلیہ آگیا۔ باپ تو مرگئے آپ ان کی جگہ

Maktaba Tul Ishaat.com

بیٹھے وہی مثل ہوئی ۔

ادمیاں گم شدند ملک خدا خر گرفت ☆ زشتی اعمال ما صورت نادر گرفت

(اہل آدمی گم ہو گئے ملک خدا گدھوں و نااہلوں) کے قبضہ میں آیا ہماری بداعمالی نے نادر صورت اختیار کی)۔

ایک مرتبہ کسی رئیس کے یہاں تشریف لے گئے اس کی نبض دیکھ کر چارپائی کے نیچے دیکھا آپ کہتے ہیں کہ شاید آپ نے نمدہ کھایا ہے۔ اتفاقاً پلنگ کے نیچے نمدہ ہی پڑا تھا لوگ ہنسنے لگے کہ بھلا نمدہ بھی کوئی کھایا کرتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ نبض سے تو یہی معلوم ہوتا ہے لوگوں نے نکال دیا کہ جا تیری دم میں نمدہ۔

اسی طرح بعضے عطائی حکیم ہر شخص کو سنکھیے کا تیل بتلا دیتے ہیں چاہے کسی کے موافق ہو یا نہ ہو، تو جیسے یہ لوگ اناڑی طبیب ہیں ایسے ہی وہ شیخ بھی اناڑی ہے جو سب کو تارک بنانا چاہے۔ یاد رکھو فطری طور پر طبائع مختلف ہیں۔ کسی کو بدوں مال کے جمعیت ہوتی ہے کسی کو مال ہی سے جمعیت ہوتی ہے اور ہر ایک کیلئے توکل کی شان جدا ہے جس کی بدون مال کے جمعیت نہ ہو اس کے کے لئے مال جمع کرنے کے ساتھ بھی توکل جمع ہو سکتا ہے اور جس کو بغیر مال کے جمعیت ہو سکے اس لئے اس طرح بھی توکل صحیح ہو سکتا ہے پس توکل کے یہ معنی نہیں ہیں کہ جو کچھ آئے سب خرچ کر ڈالے کچھ جمع نہ کرے ہاں یہ کہنا چاہیے کہ توکل کی ایک صورت یہ بھی ہے وہ حکیم عطائی ہے جو سب کو تارک بنا کر متوکل بنانا چاہے۔ دیکھئے حضرت صدیق اکبرؓ نے بیت المال سے تنخواہ لی ہے اور حضرت عمرؓ نے اول اول نہیں لی پھر بطور قرض لینے لگے مگر دونوں متوکل تھے۔ کیا حضرت صدیق اکبرؓ پر کوئی شخص یہ گمان کر سکتا ہے کہ وہ متوکل نہ تھے۔ نیز حضرات صحابہؓ میں بہت سے ایسے بھی تھے جن کے پاس ہزاروں لاکھوں روپے جمع تھے اور یقیناً صحابہ سے بڑھ کر کوئی متوکل نہیں ہو سکتا پس یہ خیال غلط ہے کہ توکل کیلئے مال جمع نہ کرنا شرط ہے۔

توکل کی حقیقت

توکل کی حقیقت یہ ہے کہ حق تعالیٰ پر بھروسہ اور اعتماد ہو اسباب پر نظر نہ ہو۔ اس

Maktaba Tul Ishaat.com

کی ایک صورت یہ ہے کہ اسباب کو جمع ہی نہ کرے ایک صورت یہ ہے کہ اسباب کو جمع کر کے پھر ان پر نظر نہ کرے۔ تو شیخ کو چاہیے کہ جس شخص کی طبیعت کمزور دیکھے اس کو مال جمع کرنے سے نہ روکے بلکہ مال جمع کرنے کے ساتھ اس کو توکل کی تعلیم دے اور طبیعت کا کمزور ہونا قوی ہونا یہ فطری امر ہے اگر کوئی شخص فطرۃً کمزور ہو تو اس سے ولایت و مغفرت میں کچھ نقصان نہیں آتا۔

کمزوری طبیعت کا علاج

ایک بزرگ نے حق تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ اے اللہ میرا سارا رزق ایک دم سے دیدیجئے۔ الہام ہوا کیا تم کو ہم پر اعتماد نہیں۔ انہوں نے عرض کیا کہا الٰہی مجھے آپ پر اعتماد کیوں نہ ہوتا۔ لیکن شیطان مجھ سے کہتا ہے کہ کل کو کہاں سے کھائے گا میں کہتا ہوں خدا دے گا کیونکہ اس کا وعدہ ہے وما من دابة فی الارض الا علی اللّٰہ رزقھا۔ (اور کوئی جاندار روئے زمین پر ایسا چلنے والا نہیں کہ اس کی روزی اللہ کے ذمہ نہ ہو) تو وہ کہتا ہے کہ خدا کا وعدہ سچا ہے مگر یہ تو نہیں فرماتا کہ تم کو کل ہی کو رزق مل جائے گا۔ بس یہ وعدہ ہے کہ رزق ہمارے ذمہ ہے تو ممکن ہے کہ تین چار دن کے بعد روزی ملے جبکہ تم فاقے کر کے پریشان ہو چکو گے یہاں آ کر میں خاموش ہو جاتا ہوں اگر [illegible] روزی مجھے ایک دم سے مل جائے تو میں اس کو ایک کوٹھڑی میں بند کر کے رکھ دوں گا، پھر اگر شیطان مجھ سے کہے گا کہ کل کو کہاں سے کھائے گا تو میں اشارہ کر کے بتلا دوں گا کہ اس کوٹھڑی میں سے کھاؤں گا پھر آگے اس کی بات نہ چل سکے گی۔ تو دیکھئے ان بزرگ نے اپنی طبیعت کی کمزوری کا کیسا علاج کیا۔ اب یہاں سے ان واعظوں کی غلطی معلوم ہو گئی جو سارے مسلمانوں کو بے ایمان بتلاتے ہیں کہ ان کو وما من دابة فی الارض الا علی اللّٰہ رزقھا۔ (اور کوئی جاندار روئے زمین پر ایسا چلنے والا نہیں کہ اس کی روزی اللہ کے ذمہ نہ ہو) پر بھروسہ اور یقین نہیں۔ اور اس کی تائید میں یہ دلیل بیان کیا کرتے ہیں کہ دیکھو اگر کوئی شخص ان کی دعوت کر دے تو شام کو میرے یہاں کھانا کھائے گا تو اس کی بات پر ایسا یقین

Maktaba Tul Ishaat.com

ہو جاتا ہے کہ فوراً چولہا ٹھنڈا کر دیتے ہیں اور گھر میں کھانا نہیں پکواتے۔ اور خدا تعالیٰ ان کی دعوت کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ تمہاری روزی ہمارے ذمہ ہے تو اس پر اعتماد کر کے کوئی بھی چولہا ٹھنڈا نہیں کرتا۔

یاد رکھو یہ مضمون غلط ہے اور ہر مسلمان کو حق تعالیٰ کے ارشاد پر یقین ہے مگر پھر یہ فرق اس لئے ہے کہ دعوت کرنے والا تو وقت مقرر کر دیتا ہے کہ شام کو آج ہی دعوت ہے اور حق تعالیٰ نے دن یا وقت مقرر نہیں کیا ان کا وعدہ مطلق ہے اس لئے ابہام سے بعضوں کو پریشانی ہوتی ہے کہ نہ معلوم یہ وعدہ کب پورا ہو۔ اگر حق تعالیٰ کی طرف سے بھی وعدہ معین ہوتا تو خدا کی قسم جو کوئی مسلمان فاسق سے فاسق بھی چولہا تیار نہ کرتا۔

مقدر رزق کا پہنچانا اللہ کے ذمہ ہے

دوسری یہ کہ بعض دفعہ حق تعالیٰ کا وعدہ کسی شرط کے ساتھ مشروط ہوتا ہے جو کلام میں صراحۃً مذکور نہیں ہوتی مثلاً حق تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ تم جس کام کا ارادہ کرو گے ہم اس کو پورا کر دیں گے، مگر اس کے لئے ایک شرط بھی ہے وہ یہ کہ تم اپنی طرف سے کوشش بھی کرو۔ اسی طرح یہاں بھی احتمال ہے کہ ہر شخص کی روزی خدا کے ذمہ ہے یعنی بشرطیکہ ہم اس کیلئے کوشش بھی کریں اس لئے مسلمان کوشش کرتے ہیں اگر حق تعالیٰ کوشش سے بھی منع فرما دیتے تو کوئی شخص بھی اسباب کو اختیار نہ کرتا بعض لوگوں کو اس جگہ ایک اشکال ہوتا ہے وہ یہ کہ **ومامن دابة فی الارض الا علی اللّٰہ رزقھا** (اور کوئی جاندار روئے زمین پر ایسا چلنے والا نہیں کہ اس کی روزی اللہ کے ذمہ نہ ہو)۔ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص کا رزق خدا کے ذمہ ہے حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض لوگ قحط کے زمانہ میں بھوکوں مر جاتے ہیں اس کا جواب یہ ہے **رزقھا** میں اضافت ہے جس سے معلوم ہوا کہ ہر شخص کا رزق مقدر ہے اس کا پہنچانا خدا کے ذمہ ہے، اب جو لوگ بھوکوں مر جاتے ہیں ان کا رزق ہی نہ رہا تھا اس لئے وہ فاقہ سے مر گئے اگر ان کا رزق باقی ہوتا تو کبھی فاقہ سے نہ مرتے لہٰذا اب کچھ اشکال نہیں۔

غرض ان بزرگ نے یہ دعا کی تھی کہ میرا سارا رزق ایک دم سے مل جائے تا کہ

Maktaba Tul Ishaat.com

اگر شیطان مجھ سے کہے کہ کل کو کہاں سے کھائے گا تو میں کہہ دوں گا اس کوٹھڑی سے کھاؤں گا اس سے معلوم ہوا کہ بعضے بزرگ بھی دل کے کچے ہوتے ہیں ان کو رزق جمع کرنے کے بعد اطمینان اور سکون حاصل ہوتا ہے بس سب کو تاریک بنانا یہ عطائی حکیموں کا کام ہے۔ محقق کبھی ایسا نہ کرے گا چند روز سے خود مجھے یہ واقع پیش آرہا ہے۔ کہ مجمع میں مجھ سے پانی نہیں پیا جاتا بس تھوڑا سا پیا اور پیاس جاتی رہی یہ بھی طبیعت کی کمزوری ہے تقدیر میں اس وقت زیادہ پانی نہیں ہوتا مگر صراحی میں ہونے سے تسلی رہتی ہے۔

ضعف قلب منافی ولایت نہیں

ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ وہ ایک بادشاہ سے باتیں کررہے تھے اور بے باکانہ گفتگو کررہے تھے غالباً بادشاہ کو کسی حرکت پر تنبیہ کررہے تھے بادشاہ کو غصہ آگیا اور اس نے پکارا کہ کوئی ہے اور بزرگ صاحب نے آواز دی کہ ہے کوئی بس اس کا پکارنا تھا کہ دفعۃً غیب سے ایک شیر نمودار ہوکر بادشاہ کی طرف لپکا جس کو دیکھ کر بادشاہ تو بھاگا ہی تھا وہ بزرگ خود بھی بھاگے حالانکہ انہی کی کرامت سے وہ آیا تھا مگر آپ خود بھی اس سے ڈر کر بھاگے بات کیا تھی ،بات یہ تھی کہ ان کا دل کمزور تھا تو یہ بزرگی کے منافی نہیں۔ بزرگوں کو ضعف قلب اور اختلاج اور خفقان ہوسکتا ہے کیونکہ یہ بھی ایک قسم کا مرض ہے جس طرح ان کو بخار وغیرہ ہوجاتا ہے ضعف قلب اور اختلاج بھی ہوجاتا ہے اس سے ولایت ومعرفت میں کوئی نقص لازم نہیں آتا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خوف طبعی

دیکھئے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حق تعالیٰ کی گفتگو ہورہی تھی نبوت عطا ہوچکی تھی اس کے بعد حق تعالیٰ نے ان کو ایک معجزہ عطا فرمانا چاہا۔ حکم ہوا کہ اپنے عصا کو زمین پر ڈال دو۔ چنانچہ ڈال دیا اور وہ ہیبت ناک اژدھا بن گیا موسیٰ اس کو دیکھ کر ڈر گئے اور پیٹھ موڑ کر ایسے بھاگے کہ پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا فلما راھا تھتز کانھا جان ولی مدبرا ولم یعقب (سو انہوں نے جب اس کو اس طرح حرکت کرتے دیکھا جیسے سانپ ہو تو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگے اور پیچھے مڑ کر بھی تو نہ دیکھا) بھلا اس سے زیادہ قوت قلبی کے اسباب کیا ہوں گے

Maktaba Tul Ishaat.com

کہ بلاواسطہ حق تعالیٰ سے گفتگو بھی ہو چکی تھی، نبوت عطا ہو چکی تھی، حق تعالیٰ کے ارشاد سے عصا کو ڈالا تھا مگر پھر بھی بشریت کے اقتضاء سے اژدہا کا خوف غالب ہو گیا اور بھاگ گئے معلوم ہوا کہ خوف طبعی نبوت کے بھی منافی نہیں ولایت اور بزرگی کے منافی تو کیا ہوتا بعض لوگ یہ کہا کرتے ہیں کہ علماء کو ایسا ہونا چاہیے **یخشونہ ولا یخشون احدا الا اللہ** (کہ بس خدا ہی سے ڈریں اور کسی سے نہ ڈریں) ان کے نزدیک علماء کو نہ شیر سے ڈرنا چاہیے نہ سانپ بچھو سے نہ توپ سے نہ بندوق سے نہ حکام سے نہ ڈاکوؤں سے حالانکہ یہ بالکل غلط ہے کیونکہ ابھی معلوم ہو چکا ہے کہ موذی چیز سے انبیاءؑ کو بھی خوف طبعی ہوتا ہے اگر یہ خوف طبعی توکل کے خلاف ہے تو کیا معاذ اللہ انبیاءؑ کو غیر متوکل کہو گے ہرگز نہیں کس کا منہ ہے جو اپنے کو موسیٰؑ سے زیادہ متوکل بتائے مگر وہاں یہ حالت تھی کہ نبوت کے بعد ان کے دل میں فرعون سے بھی خوف تھا چنانچہ فرماتے ہیں: **قالا ربنا اننا نخاف ان یفرط علینا او ان یطغی، قال لاتخافا اننی معکما اسمع واری.** موسیٰ وہارونؑ نے عرض کیا کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو فرعون کی طرف سے یہ خوف ہے کہ وہ ہم پر زیادتی کرنے لگے یا حد سے بڑھ جائے فرمایا تم ڈرو نہیں میں تمہارے ساتھ ہوں سنتا ہوں اور دیکھتا ہوں) باوجود یہ کہ حق تعالیٰ کی طرف سے ان کو صریح اور صاف حکم ہو چکا تھا۔ **اذھبا الی فرعون انہ طغی**۔ فرعون کے پاس جاؤ کیونکہ وہ سرکشی پر کمر باندھ رہا ہے مگر باایں ہمہ موسیٰ اور ہارونؑ نے آجکل کے بہادروں کی طرح اپنی بہادری ظاہر نہیں کی کہ ہم کو نہ قتل کا خوف ہے نہ قید خانہ کا اندیشہ ہے ہم بلاخوف وخطر اس خدمت کو انجام دیں گے بلکہ انہوں نے اپنے طبعی خوف کو حق تعالیٰ سے عرض کر دیا کہ ہم کو اس کی زیادتی سے ڈر لگتا ہے اور اس کا بھی اندیشہ ہے کہ کہیں وہ ہم کو قتل نہ کرے اس سے معلوم ہوا کہ طبعی خوف کا ہونا نبوت و ولایت کے بالکل منافی نہیں ورنہ حق تعالیٰ اس خوف پر انکار فرماتے۔ مگر حق تعالیٰ نے اس پر ان کو ذرا ملامت نہیں کی بلکہ تسلی دیکر فرمایا **لاتخافا اننی معکما** تم ڈرو نہیں میں تمہارے ساتھ ہوں اور دوسری جگہ ارشاد ہے **نجعل لکما سلطانا فلا یصلون الیکما بایٰتینا انتما ومن**

Maktaba Tul Ishaat.com

اتبعکما الغالبون۔ کہ ہم تم کو رعب عطا کریں گے جس کی وجہ سے وہ تم تک نہ پہنچ سکیں گے اور تم کو اور تمہارے متبعین ہی کو غلبہ حاصل ہوگا۔ جب موسیٰ نے اپنے طبعی خوف کے ازالہ کا سامان کر لیا اس وقت فرعون کے پاس تشریف لے گئے۔

حضرات انبیاءؑ کو تبلیغ احکام میں خوف عقلی نہیں ہوتا

اس سے معلوم ہوا کہ **یخشونہ ولا یخشون احدا الا اللّٰہ**، وہ اللہ سے ڈرتے ہیں خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔ میں خوف طبعی کی نفی نہیں بلکہ خوف عقلی کی نفی ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ آیت تبلیغ احکام کے متعلق ہے اور مقصود یہ ہے کہ انبیاءؑ تبلیغ احکام میں سوائے خدا کے کسی سے ایسا نہیں ڈرتے کہ وہ تبلیغ سے مانع ہو جائے۔ چنانچہ پوری آیت اس طرح ہے۔ **الذین یبلغون رسالات اللّٰہ ویخشونہ ولایخشون احدا الااللّٰہ، وکفی باللّٰہ حسیبا**۔ انبیاء ایسے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچایا کرتے تھے اور اللہ ہی سے ڈرتے تھے اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرتے تھے اور اللہ تعالیٰ حساب لینے کے لئے کافی ہے۔

اس تبلیغ احکام کے وقت غیر اللہ کے خوف عقلی کی نفی کی گئی ہے۔ رہا یہ کہ ان کو کسی سے خوف طبعی بھی نہیں ہوتا یہ اس آیت کا مفہوم نہیں۔ لوگ قرآن کو ادھورا پڑھتے ہیں اس لئے اشکال ہوتا ہے پورے مضمون پر نظر کرنے کے بعد کچھ اشکال نہیں رہتا۔ غرض تبلیغ احکام کے وقت بھی اس کا مطلب نہیں کہ اس وقت خوف طبعی کسی درجہ کا لاحق نہیں ہوتا کیونکہ موسیٰ کے واقعہ سے معلوم ہو رہا ہے کہ ان کو فرعون سے طبعی خوف تھا اسی لئے انہوں نے حق تعالیٰ سے اپنا خوف ظاہر کر کے اس کا علاج چاہا۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ انبیاء تبلیغ احکام ضرور کرتے ہیں اور تبلیغ کے متعلق خوف عقلی تو ان کو صرف خدا سے ہوتا ہے مخلوق کا خوف عقلی انہیں ذرا نہیں ہوتا جس کے اثر سے خوف طبعی مخلوق کا ان پر ایسا غالب نہیں ہوتا جو تبلیغ سے روک دے بلکہ اگر کسی وقت مخلوق سے ان کو خوف طبعی ہوتا بھی ہے تو وہ خشیت خداوندی سے مغلوب ہو جاتا ہے۔ پس مخلوق کے خوف عقلی کی تو مطلقاً نفی ہے اور خوف طبعی کی مطلقاً نفی نہیں بلکہ اس کے غلبہ کی نفی ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

حضرات انبیاءؑ پر تبلیغ ہر حال میں فرض ہے

اب یہ مضمون ان شاء اللہ تعالیٰ کسی نص سے متعارض نہ ہوگا اس پر شاید کوئی یہ کہے کہ پھر علماء کو بھی ایسا ہی ہونا چاہیے۔ کہ مخلوق سے خوف عقلی ان کو ذرا نہ ہو اور خوف طبعی اگر ہو تو خوف خداوند سے مغلوب ہو اس پر غالب نہ ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس جگہ علماء کے ذمہ تبلیغ فرض ہوتی ہے وہاں بیشک ان پر خوف خداوندی ہی غالب ہوتا ہے مخلوق کا خوف طبعی غالب نہیں ہوتا مگر جہاں ان پر تبلیغ فرض ہی نہ ہو محض مستحب ہو وہاں اگر ان کو مخلوق سے طبعی خوف ہو تو اس میں کیا حرج ہے۔ بخلاف انبیاءؑ کے کہ ان پر تبلیغ ہر حالت میں فرض ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ جن علماء کو تم خائف کہتے ہو وہ اس خوف کی وجہ سے کسی فرض وواجب کو ترک کر رہے ہیں یا مباح ومستحب کو۔ اگر تم انصاف سے دلائل میں غور کرو گے تو تم کو معلوم ہو جائیگا کہ وہ مخلوق کے خوف سے کسی فرض وواجب کو ہرگز ترک نہیں کرتے بلکہ محض بعض مباحات یا بہت سے بہت بعض مستحبات کو ترک کر رہے ہیں۔ سو ایسی حالت میں وہ **یخشونہ ولا یخشون احدا الا اللہ**، اس سے ڈرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے خلاف کیونکر ہوتے بلکہ میں ترقی کر کے کہتا ہوں کہ جن مسائل کی تبلیغ آجکل کے بہادر لوگ کر رہے ہیں علماء بھی ان سب کی تبلیغ کر رہے ہیں صرف عنوان کا فرق ہے۔ بہادر ان قوم کا مقابلہ اور سب وشتم کے ساتھ تبلیغ کرتے ہیں اور جن کو تم خائف کہتے ہو وہ تہذیب اور نرمی کے ساتھ ان مسائل کو بیان کرتے ہیں، اب صرف اس بات کا فیصلہ باقی رہا کہ مخالفین اسلام کے سامنے آیا ہم کو مقابلہ اور سب وشتم کے ساتھ احکام کو ظاہر کرنا چاہیے یا نرمی وتہذیب کے ساتھ سو اس کا فیصلہ خود قرآن مجید نے کر دیا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے نرمی سے بات چیت کرنے کا حکم

حق تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو نبوت عطا فرما کر جب فرعون کے پاس تبلیغ احکام کیلئے جانے کا حکم فرمایا تو اس کے ساتھ یہ بھی ارشاد فرمایا **فقولا لہ قولا لینا لعلہ یتذکر او یخشی**۔ اور فرعون سے نرمی کے ساتھ بات چیت کرنا شاید اس کو نصیحت ہو جائے

Maktaba Tul Ishaat.com

یا خدا کا خوف اس کے دل میں آجائے۔ دیکھ لیجئے موسیٰ سے زیادہ کون متوکل ہوگا اور فرعون سے زیادہ ظالم وسرکش کون مگر بایں ہمہ یہ حکم ہو رہا ہے کہ اس سے نرمی کے ساتھ گفتگو کیجئے گا۔

صاحبو قاعدہ یہی ہے کہ جب کسی مخالف پر اپنا زور اور دباؤ نہ ہو تو وہاں مقابلہ اور سختی نافع نہیں ہوتی بلکہ اکثر مضر ہو جاتی ہے ایسے موقع میں اکثر نرمی ہی سے کچھ منافع ہو جاتا ہے۔ (۱۲ جامع)۔

ہر شخص کو اس کے مناسب حال تعلیم کی جائے

غرض بعض لوگ فطرۃً دل کے کمزور ہوتے ہیں اور بعض قوی القلب ہوتے ہیں تو وہ شیخ اناڑی ہے جو اپنی قوت کو دیکھ کر مریدوں کو بھی اس کی تعلیم دے کہ میری طرح تم بھی تارک بن جاؤ۔ اس کی وہی مثال ہوگی جو چوہے اور اونٹ کی مثال ہے ایک اونٹ سے کسی چوہے کی دوستی ہو گئی تھی، ایک مرتبہ دونوں ساتھ ساتھ جا رہے تھے کہ راستہ میں دریا آیا اونٹ دریا میں گھس گیا چوہا کنارہ ہی پر رہ گیا، اونٹ نے چوہا سے کہا کہ تم کیوں رک گئے، اس نے جواب دیا کہ مجھے ڈوبنے کا خوف ہے اونٹ نے کہا نہیں پانی زیادہ نہیں ہے صرف گھٹنوں تک ہے۔ چوہے نے کہا حضور آپ کے گھٹنوں تک ہے کہ میرے بھی ذرا آپ اپنے گھٹنوں کو تو دیکھیں کہ کتنے اونچے ہیں جب اتنا پانی ہے تو میرا کہاں پتہ رہے گا۔ اسی طرح جو شیخ اپنے گھٹنوں تک پانی دیکھ کر چوہے مرید سے بھی کہے کہ چلے آؤ وہ بیوقوف ہے ہمارے حضرات نے ہمیشہ اس کی رعایت کی ہے کہ ہر شخص کو اس کے مناسب حال تعلیم کی جائے۔

حکایت سید الطائفہ حضرت حاجی صاحبؒ و حضرت ضامن شہیدؒ

چنانچہ ہمارے حضرت حاجی صاحب کے پاس ایک خان صاحب جو کہ اس سے پہلے بھی کئی بار کسی ظلم کی شکایت اور دعا کی درخواست لے کر آچکے تھے ایک دن پھر آئے اور عرض کرنے لگے کہ حضرت وہ شخص برابر میرے اوپر ظلم کر رہا ہے اب تو اس نے میری زمین بالکل ہی دبالی ہے ظلم سے باز نہیں آتا میں کیا کروں۔ حاجی صاحب نے فرمایا بھائی صبر کرو خدا تعالیٰ تم کو اور کہیں سے روزی دیدیں گے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

حضرت حافظ محمد ضامن صاحب نے یہ جواب سن لیا، حجرہ سے باہر تشریف لائے اور خان صاحب سے کہا کہ نہیں خان صاحب جاؤ اس کی نالش کرو ہم دعا کریں گے اور حاجی صاحب سے فرمایا کہ آپ کی نہ بیوی نہ بچے اس لئے ہر چیز سے صبر کر کے بیٹھ گئے۔ تو آپ سبھی کو صبر کی تعلیم کرنے لگے۔ بھلا وہ بیچارہ بیوی بچوں والا آدمی اس سے فاقہ مستی پر کیونکر صبر ہوگا۔ آپ کے صبر کا انجام تو وصول الی اللہ ہے اور اس کے صبر کا انجام وصولی الی السقر (دوزخ) ہے کیونکر وہ صبر کر کے بعض دفعہ پریشان ہوگا۔ اور جب پریشانی کے ضبط کا تحمل نہ رہے گا تو گناہ کرنے لگے گا۔ میں کہتا ہوں کہ یہاں تک بھی غنیمت ہے اگر خدا نخواستہ کسی نے ایسی حالت میں اس کو بہکا دیا تو وہ عیسائی ہو جائے گا۔ ہم نے ایسے واقعات دیکھے ہیں کہ بعض لوگوں سے تنگی اور فقر پر صبر نہ ہو سکا تو انہوں نے دین بدل دیا نعوذ باللہ من ذالک۔ اسی طرح حضرت حاجی صاحب اکثر عوام کو صبر کی تعلیم نہیں فرماتے تھے بلکہ ان کو اختیار اسباب کا امر فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک مسماۃ نے حضرت سے عرض کیا کہ میں اپنی زمین کو وقف کرنا چاہتی ہوں، حضرت نے منع فرمایا کہ زمین کو وقف نہ کرو اپنی ملکیت ہی میں رکھو اس سے نفس کو سہارا رہتا ہے۔

دو احادیث میں عجیب تطبیق

یہ مضمون حدیث میں بھی ہے حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص زمین کو فروخت کرے تو اس روپے سے جلدی کوئی زمین ہی خرید لے کیونکہ نقد میں برکت نہیں ہوتی ادھر ادھر خرچ ہو جاتا ہے۔ اور ایک دوسری حدیث شریف میں یہ ارشاد بھی ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا اے عائشہؓ تم زمین و جائیداد نہ خریدنا بظاہر ان دونوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے مگر وجہ تطبیق یہ کہ جس کے پاس پہلے سے زمین ہو وہ تو اس کو ضائع نہ کرے کیونکہ وہ اس سبب معاش کا پہلے سے خوگر ہے اگر زمین نہ رہی تو پریشان ہوگا۔ اور جس کے پاس نہ ہو وہ خواہ مخواہ اپنے سر پر یہ بلا نہ خریدے کیونکہ زمین جائیداد میں مشغولی زیادہ ہوتی ہے۔ سبحان اللہ ہر شخص کی حالت کی جداگانہ رعایت ہے سب کو ایک لکڑی نہیں ہانکا گیا۔

Maktaba Tul Ishaat.com

حضرت حاجی صاحبؒ کا نواب رئیس چھتاری کو ناصحانہ مکتوب

حضرت حاجی صاحبؒ نے نواب صاحب رئیس چھتاری کو ایک حکیمانہ خط لکھا تھا جس میں نواب صاحب کی حالت کی بہت زیادہ رعایت تھی نواب صاحب کا ارادہ یہ ہوا تھا کہ ہجرت کر کے حرم شریف میں قیام فرمائیں۔ اول تو حضرت حاجی صاحب اکثر عازمین ہجرت کو فرمایا کرتے کہ ہندوستان میں اس حالت میں رہنا کہ جسم یہاں ہو اور دل مکہ مکرمہ میں یہ اس سے بہتر ہے کہ جسم مکہ مکرمہ میں ہو اور دل ہندوستان میں اس لئے جب تک شوق کا غلبہ بیحد نہ ہو اس وقت تک ہجرت کا ارادہ نہ کرے مگر نواب صاحب کا غلبہ شوق حضرت کو معلوم تھا اس لئے منع تو نہیں فرمایا مگر ان کو یہ لکھا کہ جب یہاں آنے کا ارادہ کریں تو ریاست کا معقول انتظام کر کے آئیں تا کہ ریاست کی طرف سے کسی قسم کا فکر دل پر نہ ہو۔ ایک بات یہ بھی لکھی تھی کہ جب ریاست کا انتظام آپ دوسروں کے سپرد کریں تو اس کا خیال رکھا جائے کہ ملازمین کی تنخواہیں بڑی بڑی ہوں کیونکہ جب تنخواہ معقول ہوتی ہے تو انسان رشوت اور خیانت کا قصد نہیں کرتا اور تھوڑی تنخواہ میں اس وقت تو آپ کو کفایت معلوم ہوتی ہے مگر بعد میں ملازمین خیانت اور غبن کر کے زیادہ نقصان پہنچاتے ہیں۔ سبحان اللہ دنیا کی سمجھ بھی ان ہی حضرات کو زیادہ ہے۔ اس خط میں یہ بھی لکھا تھا کہ مکہ معظمہ میں رہ کر آپ ریاست سے جو کچھ صدقات و خیرت کرنا چاہیں وہ رقم اپنے پاس نہ منگاویں جو کچھ سخاوت کرنی ہو سب وہیں کسی کے سپرد کر دیں جو آپ کی مرضی منشاء کے موافق تقسیم کر دے بلکہ مناسب تو یہ تھا کہ آپ اپنی تنخواہ کا بھی وہیں سے انتظام نہ کرتے بلکہ قاعدہ ہے کہ جب کوئی کسی کریم کے یہاں جایا کرتا ہے تو اپنے ساتھ توشہ باندھ کر نہیں لے جاتا۔ اس پر مجھے ایک حکایت یاد آئی۔

ایک صاحب الحال نوجوان کی حکایت

روض الریاحین میں لکھا ہے کہ ایک نوجوان لڑکا قافلہ حجاج کے ساتھ تھا مگر اس کے ساتھ کچھ توشہ نہ تھا کسی نے اس سے دریافت کیا کہ میاں تم کہاں جا رہے ہو کہا بیت اللہ کا ارادہ

Maktaba Tul Ishaat.com

ہے، لوگوں نے پوچھا کہ تمہارے ساتھ نہ کچھ توشہ ہے نہ سامان آخر یوں بے سروسامان کس طرح پہنچو گے اس پر نوجوان زاہد کو جوش ہوا اور اس نے بزبان قال یا حال یہ جواب دیا۔

وفدت علی الکریم بغیرزاد ☆ من الحسنات والقلب السلیم

وان الزاد اقبح کل شی ☆ اذا کان الوفود علی الکریم

میں بغیر توشہ کے نیکیوں اور قلب سلیم سے کریم کے پاس جارہا ہوں اس لئے توشہ ہر شے قبیح تر ہے جبکہ کریم کے پاس جانا ہو۔

حاصل یہ ہے کہ میں کریم کے پاس جارہا ہوں تو یہ بڑی بے شرمی ہے کہ اپنی ساتھ توشہ باندھ کر لیجاویں۔ تو حقیقت میں اہل حال اس کو بے شرمی سمجھتے ہیں۔ مگر حاجی صاحبؒ نے نواب صاحب کو لکھا کہ اگرچہ مناسب تو یہ تھا کہ آپ اپنی تنخواہ کا ابھی انتظام ہندوستان سے نہ کرتے لیکن چونکہ آپ ہمیشہ سے اسباب کے عادی ہیں اس لئے اپنی تنخواہ مقرر نہ کرنے میں آپ کو پریشانی ہوگی جس سے جمعیت قلب فوت ہو جائے گی اس لئے اپنی تنخواہ کا انتظام تو کر لیجئے مگر اس کے علاوہ اور کوئی جھگڑا تقسیم وغیرہ کا ساتھ نہ لائیے۔ اور یہ لکھا کہ گو یہ سخاوت ہے مگر۔

نان دادن خود سخائے صادق است ☆ جان داد خود سخائے عاشق است

روٹی دینا خود سخاوت صادق ہے جان دینا عاشق کی سخاوت ہے۔

اہل اللہ جامع اضداد ہوتے ہیں

سبحان اللہ کیسی شان ہوتی ہے اہل اللہ کی واقعی محقق جامع اضداد ہوتا ہے وہ متضاد امور کو اس طرح جمع کرتا ہے کہ غیر محقق اس کی حقیقت نہ سمجھنے کے سبب پریشان ہو کر پکار اٹھتا ہے۔

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہ ☆ باز می گوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

(تختہ سے باندھ کر قعر دریا میں ڈال دیا ہے پھر کہتے ہو کہ دیکھ ہوشیار رہ کہ دامن تر نہ ہو)

جس کسی کا یہ شعر ہے وہ محقق نہیں معلوم ہوتا۔ ورنہ محقق کبھی ایسا نہیں کہہ سکتا وہ

Maktaba Tul Ishaat.com

اضداد کو جمع کر کے دکھلاتا ہے چنانچہ حاجی صاحب نے اس خط میں ایسا کر کے دکھلا دیا کہ تدبیر بھی توکل بھی۔

عادل سلطان کی دعا قبول ہوتی ہے

حاجی صاحب کی ایک اور حکایت جمع بین الاضداد کی یاد آئی۔ ایک مرتبہ مولانا رحمت اللہ صاحب نے آپ سے عرض کیا کہ میں سلطان کے پاس جا رہا ہوں اگر آپ فرمادیں تو سلطان سے آپ کا تذکرہ کردوں۔ فرمایا کیا فائدہ ہوگا بیش برین نسبت (اس سے زیادہ نہیں) کہ میرے معتقد ہو جائیں گے پھر اس اعتقاد کا کیا نتیجہ ہوگا بس یہ نتیجہ ہوگا کہ وہ مجھ کو بلالیں گے جس کی حقیقت یہ ہوگی کہ بیت السلطان سے قرب اور بیت اللہ سے بعد ہوگا سو مجھ کو یہ منظور نہیں اس میں تو حضرت نے اپنی استغناء کو بیان فرمادیا۔ مگر اس میں بڑائی کا شبہ ہوسکتا تھا اس کا یہ علاج کیا کہ فرمایا لیکن میں نے سنا ہے کہ سلطان بہت عادل ہیں اور روایات میں آیا ہے کہ سلطان عادل کی دعا قبول ہوتی ہے تو آپ ان سے میرے واسطے دعا کرا دیجئے گا۔ سبحان اللہ اس درخواست میں اپنے نفس کو کیسا مل دیا کہ حقیقت ظاہر کردی کہ دنیوی حوائج سے تو غنا ظاہر کردی اور دینی امور میں احتیاج ظاہر کی۔ عارف کو ایسا ہی ہونا چاہیے کہ دنیوی امور میں مخلوق سے مستغنی ہو اور دینی امور میں ہر ایک کی دعا کا محتاج ہو ظاہر میں استغنا اور تواضع کا جمع ہونا دشوار معلوم ہوتا ہے مگر حاجی صاحب نے دونوں کو جمع کر کے دکھلا دیا۔ مگر اس درخواست میں ناتجربہ کاری کا شبہ ہوتا تھا کیونکہ سلاطین سے دعا کرانا خلاف آداب شاہی ہے میں آپ کو اس کی ایک ترکیب بتلاتا ہوں۔ وہ یہ کہ آپ ان کو میری طرف سے سلام پہنچا دیجئے گا اس کے جواب میں وہ وعلیکم السلام فرماویں گے بس دعا ہو جائے گی اور یہ بات حضرت حاجی صاحب ہی کے قول سے ثابت نہیں کہ سلام دعا ہے اور واقعی اب معلوم ہوتا ہے کہ بڑی جامع دعا ہے کیونکہ اس میں سلامتی کی دعا ہے جو کہ عام ہے ظاہری باطنی ہر قسم کی سلامتی کو اس میں تمام مقاصد داخل ہیں مگر افسوس ہے کہ آجکل لوگوں نے اس جامع دعا کو چھوڑ کر دوسرے الفاظ آداب عرض وغیرہ اختیار کر لئے ہیں۔

Maktaba Tul Ishaat.com

ایک جگہ شیخ زادوں کے مجمع میں کسی حجام نے جا کر السلام علیکم کہا، ایک شیخ صاحب نے اٹھ کر پانچ جوتے مارے۔ حجام نے کہا کہ حضور پھر کیا کہا کروں۔ شیخ صاحب بولے کہ حضرت سلامت کہا کرو۔ اس کے بعد نماز جمعہ کا وقت آیا جب امام نے السلام علیکم کہا تو وہ حجام پکار کر کہتا ہے حضرت سلامت حضرت سلامت۔ لوگوں نے پھر اس کو مارنا چاہا تو اس نے کہا کہ پہلے میرا عذر سن لو پھر جو چاہے کر لینا۔ بات یہ کہ میں نے آج شیخ صاحبوں کے مجمع میں السلام علیکم کہا تھا تو وہ بڑے خفا ہوئے اور میرے پانچ جوتے مارے اور کہا حضرت سلامت کہا کرو۔ میں ڈرا کہ اگر کہیں فرشتے بھی السلام علیکم سے ناراض ہو گئے تو وہ تو مجھے جیتا بھی نہ چھوڑیں گے کیونکہ ان میں ایک فرشتہ عزرائیلؑ بھی ہیں اس لئے میں نے نماز میں بھی حضرت سلامت کہا۔ یہ جواب سن کر شیخ زادے شرمندہ ہو کر اپنا سا منہ لے کر رہ گئے سو بعض جگہ تو یہ غضب ہے کہ السلام علیکم سے ناراض ہوتے ہیں مگر غریب قوم کے لوگوں کو بھی اتنی رعایت چاہیے السلام علیکم تان کر نہ کہا کریں جس سے سننے والوں کو یہ شبہ ہو کہ یہ اپنے کو ان کی برابر سمجھتے ہیں۔

تان کر سلام کرنے کی مذمت

ایک بار میں کاندھلہ گیا بیٹھا تھا تو ایک نائی صاحب آئے اور بڑے تان کر سلام کیا یعنی سخت لہجہ میں السلام علیکم کہا مجھے اس کے لہجہ سے مساوات کا دعوی معلوم ہوتا تھا، میں نے جواب دے دیا اس کے بعد اس نے سوال کیا کہ حضرت جو سلام سے برا مانے وہ کیسا ہے۔ میں نے کہا جو سلام سے برا مانے وہ بہت برا اور جو تان کر سلام کرے جس سے مساوات کا دعوی ٹپکتا ہو وہ اس سے بھی برا وہاں جتنے رئیس بیٹھے تھے سب ہنس پڑے اور کہنے لگے کہ اس مرض کو تم نے سمجھا سلام سے بھلا کون برا مانتا ہے مگر اس کے طرز سے لوگوں کو ناگواری ہوتی ہے اور فی الواقع چھوٹوں کا دعوی مساوات تو ناگوار ہوتا ہی ہے بیٹا چاہے کیسے ہی بڑے درجہ پر ہو باپ سے تو ادنیٰ ہی ہے پھر اگر وہ باپ کی برابری کرنے لگے تو یقیناً برا معلوم ہوگا بیٹا ظاہر میں تو باپ سے کم ہی ہے گو باپ کافر ہو اس کا بھی ادب ضروری ہے ورنہ سلام سے مسلمانوں کو کیوں ناگواری ہونے لگے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

حدیث میں آتا ہے کہ جنت میں حق تعالیٰ مسلمانوں کو سلام فرمائیں گے یعنی اہل جنت سے فرمائیں السلام علیکم قرآن شریف میں ہے سلام قولا من رب الرحیم ان کو پروردگار مہربان کی طرف سے سلام فرمایا جائیگا نیز تشہد میں حضور ﷺ کو بھی السلام علیک ایھاالنبی ورحمة اللہ وبرکاتہ، سلام تم پر اے نبی ﷺ اور اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور اس کی برکتیں کہا جاتا ہے تو ہر مسلمان روزانہ حضور ﷺ کو سلام کرتا ہے پھر یہ کیوں برا ہونے لگا۔ یہ تو بیچ میں کچھ جملے معترضہ آ گئے تھے۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ جو شیخ سب کو تارک بنانا چاہے وہ اناڑی ہے۔ چنانچہ حضرت حاجی صاحبؒ نے ان بی بی کو جائیداد وقف کرنے سے منع فرمایا۔

وقف مال میں سخت احتیاط کی ضرورت

امام سفیان ثوریؒ باوجود یہ کہ بہت بڑے تارک تھے حتیٰ کہ خلیفہ ہارون الرشید جو خلافت سے پہلے ان کا بڑا دوست تھا خلیفہ ہونے کے بعد انہوں نے ہارون رشید سے ملنا چھوڑ دیا تھا کیونکہ وہ بیت المال میں ان کے مذاق کے موافق احتیاط نہ کرتا تھا۔ ایک مرتبہ ہارون رشید کا خط ان کے پاس آیا تو اس کو ہاتھ سے نہیں کھولا بلکہ ایک لکڑی سے کھولا۔ خط میں ہارون رشید نے ایک شکایت کی تھی کہ آپ نے مجھ سے ملنا چھوڑ دیا امام سفیان ثوریؒ نے سخت جواب دیا اور لکھا کہ تم بیت المال میں بیجا تصرف کرتے ہو قیامت میں تم سے اس کی باز پرس ہوگی اسلئے میں تم سے نہیں ملنا چاہتا مبادا کہیں میں بھی غضب میں گرفتار نہ ہو جاؤں وقف کا مال بہت احتیاط کے قابل ہے۔

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ چراغ جلا کر کچھ کام کر رہے تھے۔ کہ اتنے میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ تشریف لائے۔ حضرت عمرؓ نے چراغ فوراً گل کر دیا۔ حضرت علیؓ نے پوچھا کہ میرے آتے ہی آپ نے چراغ کیوں بجھا دیا فرمایا کہ اس میں بیت المال کا تیل ہے اب تک تو میں بیت المال کا کام کر رہا تھا اس لئے میرے واسطے مباح تھا اور اب ہم دونوں باتیں کریں گے اس لئے بیت المال کا تیل جلانا جائز نہیں۔ اس لئے میں نے چراغ گل کر دیا۔

Maktaba Tul Ishaat.com

سبحان اللہ حضرات صحابہ میں کیسی احتیاط تھی اگر آجکل کوئی شخص ایسی احتیاط کرنے لگے تو عوام تو کیا خواص بھی اسے وہمی کہنے لگیں۔

حضرات سلف کا مذاق

میرے ایک دوست کا قصہ ہے کہ وہ ایک اسلامی مدرسہ میں مہمان ہوئے مغرب کے بعد مہتمم صاحب نے کسی خادم کو حکم دیا کہ ان کے کمرے میں لالٹین روشن کردے انہوں نے فوراً ہی کہا کہ اگر مہتمم صاحب کا تیل ہو تو لانا اور اگر مدرسہ کا ہو تو مت لانا۔ وہاں ایک بزرگ خان صاحب تشریف فرما تھے جو ہمارے حضرات کے صحبت یافتہ ہیں وہ کہنے لگے کہ یہ شخص اشرف علی کا تعلیم یافتہ معلوم ہوتا ہے کیونکہ ایسی احتیاط اسی کے یہاں ہے۔ ان باتوں پر لوگ مجھے وہمی کہتے ہیں مگر ایسا وہم بھی مبارک ہے جو حضرات سلف کے مذاق سے مطابق ہو تو امام سفیان ثوریؒ اتنے بڑے تو تارک تھے مگر وہ فرماتے ہیں کہ وہ زمانہ گزر گیا جبکہ روپیہ رکھنا مضر تھا آجکل روپیہ جمع کرنا مفید ہے کیونکہ اجکل افلاس کا سب سے پہلا اثر دین پر ہوتا ہے کہ مفلسی میں انسان کو حرام وحلال کی کچھ تمیز نہیں رہتی پھر فرمایا کہ ہمارے پاس یہ دینار نہ ہوتے تو یہ امراء ہم کو دست مال بنا دیتے۔ مگر مال کی بدولت یہ ہم کو کچھ نہیں کہہ سکتے۔ اللہ اکبر یہ وہ زمانہ ہے جو خیر القرون میں داخل ہے جو صحابہ کے زمانہ سے بہت قریب ہے امام سفیان ثوریؒ اس زمانہ کے بابت فرما رہے ہیں کہ اس وقت مال جمع کرنا مفید ہے اس سے قیاس کرلیا جائے کہ آجکل مال جمع کرنا کتنا ضروری ہے پس جس مسلمان کے پاس کچھ ذخیرہ ہو اسے چاہیے کہ احتیاط سے خرچ کرے اسراف نہ کرے لعل اللہ یحدث بعدذلک امرا (شاید اس کے بعد اللہ تعالیٰ کوئی نئی بات پیدا کردیں)۔

شاید کسی وقت ضرورت ہو جائے تو پریشان نہ ہونا پڑے۔ اسی طرح بخل بھی نہ کرو اس کی علت بھی وہی ہے۔ لعل اللہ یحدث بعدذلک امرا۔ (شاید اللہ تعالیٰ اس کے بعد کوئی بات پیدا کردیں) کیونکہ بخل سے بعض دفعہ ضرورت کے موقعہ میں بھی تنگی کی جاتی ہے اور اتنی تنگی کے بعد پھر ندامت ہوتی ہے کہ ہائے ہم نے اس موقع میں کیوں نہ

Maktaba Tul Ishaat.com

خرچ کیا۔ مثلاً کسی نیک کام کے لئے چندہ ہو رہا ہے جس میں بہت کچھ ثواب ملنے کی امید ہے بخیل آدمی ایسے موقعہ پر بھی تنگی کرتا ہے پھر بعد میں اسے افسوس ہوتا ہے **لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا** (شاید اللہ تعالیٰ اس کے بعد کوئی بات پیدا کر دیں) یہاں بھی صادق ہے۔

اسراف کی حد

اب میں اسراف کے متعلق ایک بات بتلاتا ہوں جو شاید آج تک نہ سنی ہوگی وہ یہ کہ اسراف کی حقیقت مشہور یہ ہے کہ معصیت میں خرچ کرنا اسراف ہے اس سے بعض لوگوں کو یہ خیال ہوا ہوگا کہ قیمتی کپڑے پہننا اور گھر کے لئے زینت و آرائش کا سامان خریدنا اسراف میں داخل نہیں کیونکہ یہ انفاق امور محرمہ میں نہیں ہے اور بعض لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ بلا ضرورت خرچ کرنا اسراف ہے گو مباح ہی میں صرف کیا جائے ان کے نزدیک زیادہ قیمتی لباس بھی اسراف میں داخل ہے کیونکہ وہ ان کے نزدیک بلا ضرورت ہے مگر یہ دونوں باتیں غلط ہیں بلکہ اسراف کے لئے دو حد ہیں اور واقع میں وہ ایک ہی حد ہے لیکن میں تفصیل کر کے ان کو دو قرار دیتا ہوں۔ وہ یہ کہ اسراف کے معنی تو وہی ہیں جو پہلے بیان کئے گئے یعنی انفاق فی المعصیت (گناہ میں خرچ کرنا) لیکن معاصی کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو فی نفسہ معاصی ہیں جیسے زنا اور تفاخر وغیرہ ان میں خرچ کرنا تو ہر شخص کیلئے اسراف ہے اور حرام ہے اور بعض معاصی وہ ہیں جو فی نفسہ معاصی نہیں بلکہ مفضی الی المعصیت (گناہ کی طرف پہنچانے والا) ہونے کی وجہ سے معاصی بن گئے۔ ایسے مواقع میں خرچ کرنا مطلقاً حرام نہیں بلکہ جس کے لئے وہ فعل سبب معصیت بن جائے اس کے لئے حرام اور جس کیلئے سبب معصیت نہ ہو اس کے لئے جائز ہے تو اسراف کی ایک قسم ایسی نکلی جو ہر ایک کیلئے اسراف نہیں بلکہ بعض کے لئے اسراف ہے اور بعض کے لئے مباح ہے مثلاً چار روپیہ کا حلوہ کھانا یہ ہر ایک کیلئے اسراف نہیں بلکہ جس شخص کے پاس روپیہ حاجت سے زیادہ ہو اور چار روپیہ کا حلوہ کھانے سے اس پر قرض بھی نہ ہو یا قرض ہو مگر اس کا ادا کرنا اسے آسان ہو اور کسی قسم کی پریشانی اس کو نہ ہو اس کو چار روپیہ کا حلوہ کھانا یا عمدہ غذائیں کھانا جائز ہے اور جس شخص

Maktaba Tul Ishaat.com

پر حلوہ کھانے یا عمدہ عمدہ غذائیں پکوانے سے سودی قرض ہوتا ہے اس کیلئے یہ اسراف ہے کیونکہ اس کے حق میں یہ مفضی الی المعصیت (گناہ کی طرف پہنچانے والا) ہے اور دوسرے کے لئے اسراف اسی طرح مکان بنانا ایک تو ضرورت کے موافق ہے یہ تو سب کو جائز ہے اور ایک ضرورت سے زیادہ ہے یہ بعض کے لئے جائز ہے بعض کے لئے اسراف ہے۔ جو شخص مرجع خلائق ہو کہ اس کے یہاں مہمان بکثرت آتے ہوں وہ لوگوں کو ٹھہرانے کیلئے اپنی حاجت سے زیادہ مکان بنادے تو جائز ہے بلکہ طاعت ہے اور جس کے یہاں مہمانداری زائد نہیں ہے اس کو ضرورت سے زیادہ مکان بنانا اسراف ہے۔ ہاں اگر یہ نیت ہو کہ ایک مکان میں خود رہیں گے اور دوسرے مکانات کرایہ پر دے کر ان سے روپیہ وصول کریں گے اس صورت میں بھی زیادہ مکان بنانا اسراف میں داخل نہیں۔

مہمان کی دعوت میں کس صورت میں اسراف ہے

اسی طرح مہمان کو عمدہ کھانا کھلانا اگر اس میں عجب و ریاء و تفاخر نہ ہو احسان جتلانے کی نیت نہ ہو نہ اس سے مقروض ہونے کا اندیشہ ہو محض تطییب خاطر ضیف کی نیت سے اپنی وسعت کا لحاظ کر کے عمدہ کھانے پکائے جائیں تو اس حالت میں یہ فعل اسراف نہیں اور جو شخص زیادہ سامان کرنے سے ان بلاؤں میں مبتلا ہو جائے اس کو زیادہ سامان کرنا حرام اور اسراف ہے۔ اس کو چاہیے کہ جو موجود ہو مہمان کے سامنے رکھ دے اور اگر کچھ نہ ہو تو فاقہ کرے اور مہمان کو بھی فاقہ کی اطلاع کر دے۔

حضرت شاہ ابوالمعالی کے پیر ایک مرتبہ ان کے گھر پر تشریف لائے شاہ صاحب کہیں گئے ہوئے تھے اور اس دن ان کے گھر پر فاقہ تھا ان کی بیوی کو جب معلوم ہوا کہ پیر صاحب تشریف لائے ہیں تو ان کو فکر ہوئی کہ پیر صاحب کب تشریف لاتے ہیں اگر آج ان کو بھی فاقہ کرایا تو بڑی بیجا بات ہے ماما کو محلہ میں بھیجا کہ کسی سے آٹا دال قرض لے آئے مگر غریبوں کو قرض بھی کوئی نہیں دیا کرتا کہیں سے آٹا دال نہ ملا۔ پھر دوسری مرتبہ بھیجا کہ پیسے ہی قرض مل جائیں تو بازار سے جنس منگا لیں گے مگر کہیں سے دام بھی ادھار نہ ملے

Maktaba Tul Ishaat.com

پیر صاحب نے جو بار بار ماما کو آتے جاتے دیکھا تو کچھ کھٹکے اس سے دریافت کیا کہ تو کس فکر میں بار بار آتی جاتی ہے۔ اس نے کہا حضور بات تو کہنے کی نہیں مگر مرشد سے کیا پردہ۔ بات یہ ہے کہ آج شاہ صاحب کے یہاں فاقہ ہے۔ میں اس فکر میں ہوں کہ کہیں سے آٹا دال یا پیسے ادھار مل جائیں تو آپ کے لئے کھانا تیار ہو جائے۔ مگر کہیں سے کچھ بھی نہیں ملا حضرت شیخ کو یہ حال سن کر رنج ہوا اپنے پاس سے انہوں نے ایک روپیہ نکال کر دیا کہ جاؤ اس کا غلہ منگاؤ اور کھانا تیار کراؤ۔ اور جب غلہ آجائے تو ہمارے پاس لے آنا چنانچہ غلہ لایا گیا آپ نے ایک تعویذ لکھ کر غلہ میں رکھ دیا۔ اس کی ایسی برکت ہوئی کہ غلہ کسی طرح ختم ہی نہ ہوا اور عرصہ تک فاقہ کی نوبت نہ آئی۔

حضرت شاہ ابوالمعالی صاحبؒ کی جامعیت

حضرت شاہ ابوالمعالی صاحبؒ جب سفر سے واپس آئے تو انہوں نے دیکھا کہ بہت دنوں سے روزانہ بلا تکلف کھانا پک رہا ہے فاقہ ہی نہیں ہوتا ان کو تعجب ہوا کہ میرے پیچھے اتنا غلہ کہاں سے آگیا آخر دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ پیر صاحب تعویذ دے گئے ہیں، وہ بڑے پریشان ہوئے کیونکہ وہ فاقہ کے مشتاق تھے ان حضرات کا فاقہ اختیاری تھا اب ایسے وقت میں اگر کوئی غیر عارف ہوتا تو یوں کہتا

در میان قعر دریا تختہ بندم کردہ ☆ باز می گوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

قعر دریا میں مجھ کو تختہ سے باندھ کر ڈال دیا پھر کہتے ہو دیکھ ہوشیار رہ دامن تر نہ ہو۔

کیونکہ یہاں دو چیزوں میں تعارض ہو رہا ہے اگر پیر کا تعویذ غلہ سے نکال کر الگ کرتے ہیں تو اس میں بظاہر پیر سے اپنے بڑے ہونے کا دعویٰ ہے اور اگر الگ نہیں کرتے تو اپنے مذاق توحید کے خلاف ہے۔ مگر شاہ صاحب عارف تھے انہوں نے دونوں کو خوب جمع کیا فرمایا کہ پیر صاحب کے تعویذ کی برکت کا ہمارا سر زیادہ مستحق ہے غلہ میں رکھنے سے اس کی بے ادبی ہوتی ہے لاؤ اس تعویذ کو ہم اپنے سر سے باندھیں گے چنانچہ وہ نکال کر لیا گیا اور شاہ صاحب نے اس کو اپنے سر سے باندھ لیا۔ دو تین روز میں غلہ ختم ہو گیا اور پھر وہی حالت ہو گئی

Maktaba Tul Ishaat.com

جو پہلے تھی۔ کبھی فاقہ تھا کبھی کھانے پکتے تھے۔ شاید کوئی منطقی یہ کہے کہ اگر شاہ صاحب کو فاقہ کا ایسا ہی شوق تھا تو اس کی ایک صورت یہ بھی تھی کہ تعویذ کو غلہ ہی میں رہنے دیتے تا کہ اس میں بھی برکت رہتی اور خود فاقہ کر لیا کرتے تو یاد رکھو یہاں منطق نہیں چل سکتی یہ معرفت کا طریقہ ہے جس کا فتوی یہ ہے کہ موجود ہوتے ہوئے فاقہ کرنا خلاف ادب ہے۔ مگر بیماری میں فاقہ کرنا خلاف ادب نہیں گو گھر میں سب کچھ موجود ہو تو دیکھئے یہ حضرات کیسے بے تکلف تھے کہ ان کی تعلیم یافتہ ماما نے پیر کو بھی فاقہ کی اطلاع کر دی۔

مہمان کو زیادہ بے تکلف بننا نا مناسب ہے

اسی طرح ہمارے استادؒ کے صاحبزادے کے یہاں ایک بار مولانا گنگوہیؒ مہمان ہوئے۔ اس دن ان کے یہاں فاقہ تھا انہوں نے بے تکلف مولانا سے عرض کر دیا کہ آج میرے یہاں فاقہ ہے اور قرض کو جی نہیں مانتا اگر آپ فرمائیں تو بعض لوگ آپ کی دعوت کرنے کے مشتاق یہاں موجود ہیں میں ان سے کسی کو دعوت کی اجازت دے دوں، مولانا نے فرمایا کہ ہرگز نہیں میں تو تیرا مہمان ہوں اگر تیرے یہاں فاقہ ہے تو میں بھی فاقہ کروں گا، چنانچہ شام تک مولانا کا بھی فاقہ رہا۔ مغرب کے قریب ایک آدمی گاؤں سے آیا اور حکیم صاحب کو گیارہ روپے دے گیا کیونکہ اس کا کوئی عزیز حکیم صاحب کے علاج سے اچھا ہوا تھا حکیم صاحب وہ روپے لے کر مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ حضرت آپ کی برکت سے خدا تعالیٰ نے یہ روپے بھیج دیئے ہیں اب میں عمدہ کھانا پکواؤں گا حضرت نے منع فرمایا کہ بھائی تکلف مت کرو، مگر وہ نہ مانے اور کہنے لگے کہ حضرت دن بھر فاقہ رہا اب بھی عمدہ کھانا نہ کھاویں۔ غرض عشاء کے وقت تک پلاؤ وغیرہ بہت عمدہ تیار کرا دیا۔ تو میزبان کو ایسا ہی بے تکلف ہونا چاہیے مگر مہمان کو زیادہ بے تکلف نہ بننا چاہیے کہ لگیں طرح طرح کی فرمائشیں کرنے دوسرے یہ کہ میزبان اگر تکلف ہی میں رہے تو کب تک رہے گا۔ تم نے آج دو آدمیوں کے واسطے ادھار قرض کر لیا روز روز کس کس کے لئے ادھار کرتے پھرو گے کیونکہ آنے والوں کی یہ عادت ہے کہ جس شخص کو زیادہ مہمان نواز دیکھتے ہیں اس کے یہاں

Maktaba Tul Ishaat.com

بار بار آمد و رفت رکھتے ہیں حتیٰ کہ وہ غریب تنگ آجاتا ہے مہمان بننے والوں کو اس کی ذرا فکر نہیں ہوتی کہ میزبان غریب پر کیا گزر رہی ہے اس لئے مجھے ایسے شخص پر بہت رحم آیا کرتا ہے جو مہمان نوازی میں مشہور ہو۔ اس کے یہاں بعض لوگ محض کھانے ہی کے واسطے پڑے رہتے ہیں۔ دنیا میں ایسے بے حیا بھی بہت ہیں۔

تھانہ بھون میں ایک ملا تھا اس بے چارہ کے یہاں مہمانوں کی کثرت رہتی حتیٰ کہ اسے ادھار قرض کرنا پڑتا تھا، اس نے مجھ سے شکایت کی۔ میں نے کہا کہ تم مہمانوں کے لئے نہ کچھ اہتمام اور انتظام کیا کرو اور نہ ان کو جواب دیا کرو۔ بس جتنی روٹیاں تمہارے پاس ہوا کریں وہی سب کے سامنے رکھ دیا کرو چاہے کسی کا پیٹ بھرے یا نہ بھرے ادھار قرض کر کے ہرگز نہ کرو جب لوگ بھوکے رہیں گے خود ہی آنا چھوڑ دیں گے۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا تب اس کا پیچھا چھوٹا تو یہ آنے والے مہمان اس کی کچھ پروا نہیں کرتے کہ جس کے یہاں ہم جا رہے ہیں اس پر کیا گزر رہی ہے ان کو تو اپنے کھانے سے کام دوسرے کی کیا فکر بلکہ بعض لوگ تو سفر ہی اسی واسطے کرتے ہیں تاکہ چند روز عمدہ عمدہ کھانے ملیں گے۔

جیسا کانپور میں ایک طالب علم تھے وہ کہا کرتے تھے کہ جو لوگ فارغ ہو کر دستار بندی کرا لیتے ہیں بڑے بے وقوف ہیں کیونکہ پھر مدرسہ کی روٹیاں نہیں ملتیں اسی لئے ہم تو اتنے عرصہ سے مدرسہ میں پڑے ہیں مگر نورالانوار سے آگے نہیں بڑھتے تاکہ فراغت کے بعد روٹیاں بند نہ ہو جائیں تو اس بندہ خدا کو پڑھنے سے بھی روٹیاں ہی مقصود تھیں۔

مثل مشہور ہے کہ کسی طالب سے کسی نے پوچھا دو اور دو کتنے ہوتے ہیں کہا چار روٹیاں وہ بھی کوئی ایسا ہی بندہ شکم ہوگا جس کو پڑھنے پڑھانے سے روٹیاں ہی مقصود ہوں گی۔

میزبان کو بے تکلف بننے کی ضرورت

اسی طرح ایک بسیار خوار سے کسی نے پوچھا کہ تم کو قرآن کا کونسا مضمون یاد ہے۔ کہنے لگا دو آیتیں ایک احکام کی ایک دعا کی۔ کلوا واشربوا کھاؤ اور پیو۔ دعا میں ربنا انزل علینا مائدۃ من السماء۔ اے پروردگار ہم پر آسمان سے خوان نازل فرما۔

Maktaba Tul Ishaat.com

سو بعضے مہمان بھی ایسے ہوتے ہیں۔ اس لئے میں کہہ رہا تھا کہ میزبان کو بے تکلف ہونا چاہیے کہ جو موجود ہو سامنے رکھ دے اور اگر کچھ نہ ہو تو مہمان کو فاقہ کی اطلاع کر دے خواہ مخواہ دوسروں کے لئے قرض نہ کرے۔ قرض سے بڑی پریشانی ہوتی ہے۔ قرض لینا جائز ہے اگر بضرورت ہو اور پریشانی نہ ہو مگر پریشانی میں طبائع مختلف ہیں۔ بعض لوگوں کو قرض سے پریشانی نہیں ہوتی اور بعض کو بہت پریشانی ہوتی ہے۔

حضرت مولانا گنگوہیؒ اپنی وصیت میں تحریر فرماتے ہیں کہ بندہ پر کبھی قرض نہیں ہوتا۔ وہ تو قرض سے اتنا بچتے تھے کہ وصیت میں بے تکلف لکھ گئے کہ میرے قرض ادا کرنے کی کوئی فکر نہ کرے مجھ پر قرض ہوتا ہی نہیں۔

اور مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحبؒ پر قرض ہوتا تھا یہاں تک کہ وصال کے وقت مولانا کے ذمہ کئی ہزار روپے قرض تھے جو ایک ہی خادم نے تنہا ادا کر دیئے تو بزرگوں کے رنگ مختلف ہوتے ہیں۔ خوب کہا ہے

بگوش گل چہ سخن گفتہ کہ خنداں است ☆ بعندلیب چہ فرمودہ کہ نالاں است

گل کے کان میں کیا کہہ دیا ہے کہ خنداں ہے۔ بلبل سے کیا فرما دیا کہ نالاں ہے۔

مولانا فرماتے ہیں

گر بعلم آیم ما ایوان اوست ☆ وز بجل آیم ما زندان اوست

گر بخواب آئیم مستان ویم ☆ ور بہ بیداری بہ دستان ویم

در تردد ہر کہ او آشفتہ است ☆ ہر بگوش او معما گفتہ است

(اگر علم تک ہماری رسائی ہو جائے تو یہ ان کا ایوان ہے کہ تصرف حق سے علم کا درجہ حاصل ہو اور جہل میں مبتلا رہیں تو ان کا زندان ہے کہ حق تعالیٰ کا تصرف ہے کہ مجلس جہل سے نہیں نکلے اگر سو رہیں تو انہیں کے بے ہوش کئے ہوئے ہیں اور اگر جاگ اٹھیں تو بھی ان ہی کی گفتگو میں ہیں۔ جو شخص کسی تردد میں گرفتار ہو رہا ہے گویا حق تعالیٰ نے اس کے کان میں کوئی معمہ کہہ دیا ہے)۔

Maktaba Tul Ishaat.com

حضرت احمد شیخ خضرویہؒ کی حکایت

اور وہ جو حدیث میں آیا ہے کہ مدیون کی روح دین کی وجہ سے معلق رہتی ہے جنت میں داخل نہیں ہونے پاتی وہ اس پر محمول ہے کہ قرض بلاضرورت ہو اور ادا کا قصد نہ ہو اور گر بضرورت ہو اور ادا کا پختہ قصد ہو تو اس کیلئے وعدہ ہے کہ حق تعالیٰ یا تو اس کا قرض دنیا ہی میں ادا کر دیں گے ورنہ آخرت میں دائن سے معاف کرا دیں گے۔ اسی لئے بعض اہل اللہ قرض پر بہت جری ہوتے تھے حضرت شیخ احمد خضرویہؒ بہت مقروض تھے مگر ایسے ہی آمدنی بھی بہت تھی لوگ معتقد تھے نذرانے بہت آتے تھے اس لئے کوئی شخص قرض دینے سے انکا رنہ کرتا تھا جب وہ مرنے لگے سب لوگوں کو اپنے اپنے روپیہ کی فکر ہوئی اور انہوں نے گھر پر آکر تقاضا شروع کیا کہ آپ تو مر رہے ہیں ہماری رقم کہاں ہے آپ خاموش ہو کر منہ ڈھانک کر لیٹ گئے فرمایا، خدا پر نظر رکھو۔ اتنے میں ایک حلوائی کا لڑکا حلوا بیچتا ہوا سامنے سے گزرا آپ نے اسے بلایا اور سارا حلوہ خرید کر لوگوں کو کھلا دیا۔ لڑکے نے دام مانگے تو آپ نے فرمایا کہ بھائی یہ لوگ بھی اپنے دام ہی مانگ رہے تو بھی ان کے ساتھ بیٹھ جا۔ یہ سن کر لڑکے نے رونا شروع کیا کہ ہائے مجھے تو میرا باپ مار ڈالے گا۔ لڑکے کے رونے کو دیکھ کر سب لوگوں کو شیخ پر غصہ آیا کہ بھلا ان بزرگ کو مرتے مرتے بھی قرض کرنے کی کیا ضرورت تھی مگر ان کو کیا خبر تھی کہ انہوں نے قرض خواہوں کی ضرورت کیلئے یہ کام کیا تھا۔ تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ کسی امیر کا ایک خادم ایک سینی میں اشرفیاں لے کر حاضر خدامت ہوا اور حضرت شیخ سے عرض کیا کہ فلاں امیر نے یہ ہدیہ خدمت والا میں ارسال کیا ہے آپ نے اسے قبول فرمایا دیکھا تو بالکل قرض کے برابر تھا اسی وقت آپ نے سب قرضہ ادا فرما دیا۔ اب تو لوگ بڑے معتقد ہوئے کہ واقعی مقبول بندے ہیں۔

کسی خادم نے عرض کیا کہ حضرت آپ نے حلوائی کے لڑکے کا حلوہ بلاضرورت کیوں خرید فرمایا تھا۔ اس سے تو بڑی ذلت ہو رہی تھی فرمایا کہ یہ سارے قرض خواہ جب یہاں آکر بیٹھے میں نے دعا کی ارشاد ہوا کہ ہمارے یہاں کچھ کمی نہیں مگر اس وقت کوئی رونے والا

Maktaba Tul Ishaat.com

ہونا چاہیے اوران میں کوئی رونے والا ہے نہیں میں نے یہ رونے کی ترکیب کی تھی۔

اسی کو مولانا فرماتے ہیں

تا نہ گرید کود کے حلوہ فروش ☆ بحر بخشائیش نمی آید بجوش

تا نگرید طفل کے جوشد لبن ☆ تا نہ گرید ابر کے خندد چمن

گر تو خواہی کربلا جان وآخری ☆ جان خودرا درتضرع آوری

درتضرع باش تا شادان شوی ☆ گریہ کن تا بے وہاں خنداں شوی

جب تک حلوہ فروش لڑکا نہ رویا بخشش کا دریا جوش میں نہ آیا جب تک بچہ نہیں روتا ماں کی چھاتیوں میں دودھ نہیں جوش مارتا۔ جب تک ابر نہ برسے چمن سرسبز نہیں ہوتا۔ اگر تم چاہتے ہو کہ بلا سے جان تمہاری چھوٹ جائے تو جان سے گریہ وزاری کرو تا کہ تم کو خوشی حاصل ہو گریہ کرو تا کہ بے دہان ہنسنے والے ہو۔

پھر فرماتے ہیں:

درپس ہر گریہ آخر خندہ ایست ☆ مرد آخر بیں مبارک بندہ ایست

(ہر گریہ وزاری کے بعد خوشی ہے مرد آخر بیں مبارک بندہ ہے)

اس شعر میں اکبر حسین جج مرحوم نے لطیفہ کیا وہ کہتے ہیں۔

درپس ہر لکچر آخر چندہ ایست ☆ مرد آخر بیں مبارک بندہ ایست

(ہر لکچر کے بعد چندہ ہے انجام سوچنے والا مبارک بندہ ہے)۔

وہ کہتے تھے کہ مولویوں کے وعظ تو سینکڑوں ایسے سنے ہوں گے جو چندہ کے ذکر سے خالی ہوں گے مگر لکچر ایک بھی ایسا نہ ہوگا خیر یہ تو ایک لطیفہ ہے۔

رئیس بھوپال کی حکایت

میں یہ کہہ رہا تھا کہ قرض سے پریشانی ہونے میں طبائع مختلف ہیں بعض لوگوں کو اس سے پریشانی نہیں ہوتی۔ لہٰذا ایسے لوگوں کو قرض کرنا جائز ہے غرض اسراف کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ مصرف تو جائز ہے مگر اس میں خرچ کرنے سے گناہ پیدا ہو سکتے ہیں

Maktaba Tul Ishaat.com

تو جہاں مصرف جائز سے بھی گناہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو اس کو بھی اسراف کہا جائے گا اور جس کو یہ اندیشہ نہ ہو اس کیلئے وہ اسراف نہیں۔ اس پر ایک حکایت اور یاد آئی۔ حافظ محمد یوسف صاحب تھانوی نے بیان فرمایا کہ بھوپال میں ایک مرتبہ سنتیں پڑھتے ہوئے سخت بارش آگئی سب لوگ نماز توڑ توڑ کر کوئی جلدی جلدی پوری کر کے اندر بھاگ گئے مگر ایک شخص جو نہایت عمدہ قیمتی لباس پہنے ہوئے تھے اطمینان سے نماز پڑھتے رہے یہاں تک کہ ان کا قیمتی لباس سب بھیگ گیا مگر انہوں نے اس کی ذرا پرواہ نہیں کی۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ نے اپنے کپڑے خراب کر لئے نماز مختصر کر کے اندر کیوں نہ آگئے۔ کہا مجھے خدا نے کپڑے بہت دیئے ہیں میں گھر جا کر دوسرا جوڑا بدل لوں گا لیکن دل نے یہ گوارا نہ کیا کہ محض کپڑوں کی خاطر میں نماز کو مختصر کر لوں۔ اس شخص کو قیمتی کپڑا پہننا جائز تھا کہ اس کی وجہ سے نماز میں قلب ذرا مشغول نہ ہوا اور ایسے لوگوں کو اجازت نہیں جن کی یہ حالت ہے کہ جب عمدہ کپڑا پہنتے ہیں تو خدا تعالیٰ کے حکم کا خیال نہیں رہتا کپڑوں کی وجہ سے نماز برباد کر دیتے ہیں بعض لوگ عمدہ لباس پہن کر ایسے تکلف سے نماز پڑھتے ہیں کہ جب تک ان کے پاس والا آدمی کھڑا نہ ہو جائے اس وقت تک وہ نہیں اٹھتے۔ یہ سوچتے ہیں کہ ایسا نہ ہو ہمارا کپڑا دوسرے آدمی کے نیچے دب جائے اور اٹھتے ہوئے جھر جھر ہو جائے اس لئے وہ بعد میں اٹھتے ہیں تو ان کی ساری نماز کپڑوں کے سنبھالنے میں ختم ہو جاتی ہے۔ ان لوگوں کو قیمتی کپڑا پہننا مکروہ ہے۔

حضرت علیؓ کی نگہداشت نفس

ایک مرتبہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جمعہ کے دن ایک نیا کرتہ پہنا جو ان کو اچھا معلوم ہوا، آپ نے قینچی منگا کر اس کی دونوں آستین کاٹ ڈالیں لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ میں یہ کرتہ پہن کر اپنے کو اچھا لگا اور جس وقت انسان اپنی نگاہ میں اچھا لگے اس وقت وہ خدا کی نظر میں برا ہوتا ہے اس لئے میں نے کرتہ کو معیوب کر دیا تھا تاکہ اس پر نظر نہ رہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

سبحان اللہ ان حضرات کو اپنے نفس کی کیسی نگہداشت تھی ان کو قیمتی کپڑا پہننا بالکل جائز تھا کیونکہ ان کو قیمتی لباس سے اپنے اوپر نظر نہ ہوتی تھی اور اگر کبھی اس کا شبہ ہوتا تو فوراً ہی اسکا علاج کر لیتے تھے۔

حضرت گیلانیؒ کی آئینہ چینی ٹوٹنے کی حکایت

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے یہاں کسی جگہ سے ایک آئینہ بہت قیمتی ہدیہ میں آیا۔ حضرت شیخ کنگھی کرتے ہوئے اسے سامنے رکھ لیتے تھے۔ ایک مرتبہ خادم ہاتھ میں آئینہ لئے آتا تھا اتفاق سے گر کر ٹوٹ گیا خادم کو خوف ہوا کہ دیکھئے آج خفگی نہ ہو اس نے آکر عرض کیا۔

از قضا آئینہ چینی شکست (قضاء الٰہی سے چینی آئینہ ٹوٹ گیا)۔

آپ نے فوراً جواب دیا۔

خوب شد اسباب خود بینی شکست (اچھا ہوا کہ اسباب بینی ٹوٹ گیا)۔

معلوم ہو گیا کہ شیخ کے دل کو اس سے ذرا بھی لگاؤ نہ تھا جب تک موجود رہا خدا کی نعمت سمجھ کر استعمال کرتے رہے، جب ٹوٹ گیا تو دل پر ذرا بھی گرانی نہ تھی۔ اس حالت میں آپ کو قیمتی سے قیمتی سامان رکھنا بھی جائز تھا اسے اسراف نہ کہا جائے گا اور جس کو قیمتی سامان سے تعلق اور لگاؤ ہو جائے اس کیلئے ایسا سامان اسراف میں داخل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مشائخ بعض دفعہ ایک مرید کو خوش پوشا کی پر زجر فرماتے ہیں اور دوسرے کو کچھ نہیں کہتے۔ اس کا منشاء یہی ہے وہ دیکھتے ہیں کہ اس کے قلب کو اس سے لگاؤ ہوتا ہے اور دوسرے کے قلب کو لگاؤ نہیں ہوتا۔ یہ مضمون بہت طویل ہو گیا مگر کچھ مضائقہ نہیں بہت سے کارآمد مضامین بحمداللہ بیان ہو گئے۔

میں یہ بتلا رہا تھا کہ لعل اللہ یحدث بعدذلک امرا (شاید کہ اللہ تعالیٰ اس کے بعد کوئی بات پیدا کر دیں) ایسی عام حکمت ہے جو طلاق کے علاوہ تمام احکام میں جاری ہے۔ چنانچہ اسراف اور بخل میں بھی حکمت جاری ہے۔ اسی طرح ایک اور مثال بیان کرتا ہوں۔

Maktaba Tul Ishaat.com

دشمنی اور دوستی کا اعتدال

دشمنی اور دوستی کیلئے بھی شریعت نے ایک حد مقرر کی ہے اور اس میں بھی اس حکمت کا جریان بہت واضح ہے بلکہ خود حضور ﷺ نے اس کی طرف ارشاد فرمایا۔ چنانچہ حضور ﷺ کی تعلیم ہے **احبب حبیبک هونا ماعسی ان یکون بغیضک یوما ما وابغض بغیضک هونا ماعسی ان یکون حبیبک یوما** (سنن الترمذی ۱۹۹۷، کنز العمال ۲۴۷۴۲)، یعنی دوستوں کے ساتھ دوستی اعتدال کے ساتھ کرو شاید وہ کسی وقت تمہارا دشمن ہو جائے تو تمہارے سارے راز معلوم ہونے کے سبب تم کو ضرر پہنچاوے۔ اور دشمن کے ساتھ دشمنی بھی اعتدال سے کرو شاید وہ کسی وقت دوست ہو جائے تو آنکھیں سامنے کرتے ہوئے حجاب نہ ہو۔ میں بقسم کہتا ہوں کہ اگر ساری دنیا کے عقلاء جمع ہو جاویں تو اس ذات پاک ﷺ حضور کے برابر ہرگز حکمتوں کو نہیں سمجھ سکتے۔ آپ نے دوستی اور دشمنی کی کیسی حد بتلادی کہ دوستی ایسی کرو کہ وہ کسی وقت دشمن ہو جائے تو تم کو پریشانی نہ ہو۔ اور دشمنی بھی ایسی کرو کہ اگر کسی وقت دوست ہو جائے تو آنکھیں سامنے کرتے ہوئے ندامت نہ ہو۔ یہ وہی حکمت ہے **لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا** (شاید کہ اللہ تعالیٰ اس کے بعد کوئی بات پیدا کردیں)۔ کہ دوستی اور دشمنی کرتے ہوئے یہ سوچ لیا کرو کہ شاید حق تعالیٰ بعد میں کوئی نئی بات پیدا کردیں۔ پھر نادم ہونا پڑے تو اسی وقت اس کی رعایت کر لینی چاہیے کیا کوئی حکیم ہے جس کی باتوں میں ایسی حکمتیں ہوں ہرگز نہیں۔ اب ہماری حالت یہ ہے کہ نہ ہماری دوستی کی کوئی حد ہے نہ دشمنی کی۔ دوستی کریں گے تو ایسی کہ دوست کو بھائی اور اولاد سے بڑھا دیں گے۔ بھائی سے تو روپے پیسے کا بھی حساب ہوتا ہوگا اور دوست سے کسی چیز کا حساب نہیں وہ جو چاہے کرے پورا خود مختار ہے۔ اس کے سامنے اپنے سارے راز بیان کر دیتے ہیں حتیٰ کہ خاندانی جھگڑے بھی سب اس کے سامنے کھول دیتے ہیں۔ عزیزوں سے تو کچھ پردہ بھی ہوتا ہے مگر دوستوں سے کسی بات کا پردہ ہی نہیں ہوتا جس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ اگر کسی وقت وہ دشمنی پر آمادہ ہو گیا تو ان حضرت کے سارے راز ظاہر کر دے گا میں کہتا ہوں کہ دوستوں سے اپنے خاص راز ہرگز ظاہر نہ کرو پیر سے زیادہ کوئی دوست نہیں ہوتا۔

Maktaba Tul Ishaat.com

پیر سے کونسا افشاں راز مناسب ہے

مگر میں کہتا ہوں کہ پیر سے بھی وہی راز ظاہر کرے جن سے اصلاح کا تعلق ہو۔ باقی راز مت ظاہر کرو شاید کوئی یہ کہے کہ کیا پیر بھی دشمن ہوسکتا ہے۔ اگر اس میں ایسا احتمال ہو تو پھر وہ پیر بننے کے لائق ہی نہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اگر وہ دشمن نہ ہوا تو شاید تم دشمن ہو جاؤ۔ اور اس کا آجکل مشاہدہ ہو رہا ہے کہ بعض لوگ ایک عرصہ تک کسی کے معتقد تھے مگر پھر کسی بات پر پیر کے دشمن ہو گئے کیونکہ وہ بات ان کے مزاج کے خلاف تھی۔

افسوس یہ ایک تعلق ایسا تھا جس کو تمام تعلقات سے قوی سمجھا جاتا تھا مگر اس زمانہ میں اس کے لئے بھی بقاء نہیں۔ بس جب تک پیر سے کوئی بات اپنی طبیعت کے خلاف صادر نہ ہو اس وقت تک تو وہ پیر ہے قطب ہے اور بڑا ولی ہے اور جس دن مرید کی طبیعت کے خلاف کوئی بات اس سے ظاہر ہوئی گو وہ شریعت کے بالکل مطابق ہو مثلاً اس نے زجر وتنبیہ کے طور پر مرید کو اپنے یہاں سے نکال دیا یا مجمع عام میں اس کو برا بھلا کہہ دیا۔ اب یہ حضرت پیر کے بھی دشمن ہو گئے اور اس کے خاندان کے بھی تو میں کہتا ہوں کہ پیر کا دشمن ہو جانا اگر بعید معلوم ہوتا ہے تو آپ کا دشمن ہو جانا کچھ بھی بعید نہیں تو اسی خیال سے آپ سارے راز اس کے سامنے ظاہر نہ کیجئے کہ نہ معلوم ہم آج ان کے معتقد ہیں کل کو ہم کیسے ہوں گے اس وقت افسوس کرنا پڑیگا ہم نے بے ضرورت اپنے اسرار پر کسی کو کیوں مطلع کر دیا۔ دوسرے پیر بھی آخر بشر ہے اگر وہی دشمن ہو جائے تو کیا محال ہے۔

راحت کا راز

حضرت مولانا گنگوہیؒ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ ہمارے استاد الاستاد فرماتے تھے کہ راحت اگر چاہتے ہو تو کسی سے توقع نہ رکھو۔ کیونکہ اکثر رنج وغم کا سبب یہی ہوتا ہے کہ ہم کو کسی سے امید تو اور کچھ اور اس سے برتاؤ اور کچھ ظاہر ہوا۔ پھر مولانا گنگوہیؒ نے فرمایا کہ بھائی میں کہتا ہوں کہ تم مجھ سے بھی امید نہ رکھو اللہ اکبر یہی تو اہل اللہ کی علامت ہے کہ وہ معاملات میں اپنے کو بھی دوسروں کے برابر سمجھتے ہیں۔

Maktaba Tul Ishaat.com

استیذان کا حکم

چنانچہ ہمارے حضور ﷺ کا برتاؤ صحابہؓ کے ساتھ ایسا ہی تھا کہ کوئی خاص امتیازی شان آپ نے اپنے واسطے نہیں رکھی تھی۔ حدیث میں ہے کہ ایک بار حضور ﷺ حضرت سعد بن عبادہؓ کے مکان پر تشریف لے گئے تو آپ نے تین بار السلام علیکم ادخل (اتحاف السادۃ المتقین ۹: ۲۸۰) میں اندر آؤں فرمایا۔ یہ استیذان تھا یعنی آپ نے بعد سلام کے اجازت طلب کی کہ میں اندر آؤں۔ حضرت سعد بن عبادہ خاموش رہے یہ خیال کیا کہ اچھا ہے حضور ﷺ بار بار سلام فرمائیں جو کہ دعا ہے تو ہم کو برکت دعا کی زیادہ حاصل ہو۔ جب تین بار کے بعد بھی جواب نہ آیا تو آپ واپس ہو گئے۔ سبحان اللہ کیسی شان تھی بھلا آجکل تو کوئی ایسا کر کے دیکھے اپنے پیر کے ساتھ جو اسی وقت بیعت قطع نہ کریں کہ ہم نے تین بار آواز دی اور جواب بھی نہ دیا مگر حضور ﷺ کو ذرا بھی ناگواری نہ ہوئی کیونکہ ہر شخص کو اختیار ہے کہ اپنے گھر میں تو ہے ہی مردانہ مکان میں بھی یہی قاعدہ ہے۔ کہ بدون اجازت کے اندر مت جاؤ۔ مگر افسوس آجکل مسلمانوں نے اس طریقہ کو چھوڑ دیا اور شرم کی جگہ ہے کہ اس پر غیر قومیں عمل کرتی ہیں انہوں نے اسلام ہی سے یہ قاعدہ سیکھا ہے مگر افسوس کہ مسلمانوں کو اسلامی اصول کی قدر نہیں البتہ مردانہ مکان میں ایک تفصیل بھی ہے وہ یہ کہ مردانہ مکان دو قسم کے ہیں ایک وہ جس میں اسی واسطے بیٹھے ہوں تا کہ لوگ آ کر ملیں وہاں استیذان کی ضرورت نہیں۔ مثلاً مردانہ مکان کے صحن میں جانے کیلئے استیذان کی ضرورت نہیں اور ایک مردانہ مکان وہ ہے جہاں ملاقات کے لئے بیٹھتے مثلاً مردانہ مکان میں کوئی کمرہ ہے جس پر پردے پڑے ہوئے ہیں گویا کواڑ بند ہیں تو اس میں بدون استیذان کے داخل نہ ہونا چاہیے۔ خوب سمجھ لو اس میں لوگ غلطی کرتے ہیں۔ غرض جب واپس تشریف لے چلے اور حضرت سعدؓ نے پھر آواز نہ سنی تو باہر نکلے اور آپ ﷺ کے پیچھے دوڑے اور واپس تشریف لیجانے کے متعلق دریافت کیا آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تیسری بار میں جواب نہیں ملا ہم واپس ہو گئے۔ کیونکہ شرعی قانون اسی سے متعلق یہی ہے تو دیکھئے آپ نے اس قانون کو اپنی ذات مبارک کیلئے بھی جاری فرمایا۔

Maktaba Tul Ishaat.com

مشورہ کی شرعی حیثیت

اسی طرح حدیث میں ایک اور واقعہ حضرت بریرہ کا ہے جب وہ آزاد ہو گئیں اور شرعی قاعدہ سے ان کو اختیار دیا گیا کہ اپنے پہلے شوہر کے ساتھ (جس سے غلامی کی حالت میں نکاح ہوا تھا) نکاح باقی رکھیں یا فسخ کر دیں اور انہوں نے اس اختیار کی بناء پر فسخ نکاح کو اختیار کیا تو ان کے پہلے شوہر کو بہت رنج ہوا کیونکہ ان کو بریرہ سے محبت تھی اور حضرت بریرہ کو ان سے نفرت تھی۔ حضور ﷺ نے ان کے شوہر کی حالت کو دیکھ کر بریرہ سے فرمایا کہ اگر تم مغیث سے نکاح کر لو تو اچھا ہے۔ حضرت بریرہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ آپ کا حکم ہے یا مشورہ، حضور ﷺ نے فرمایا کہ حکم نہیں محض مشورہ ہے۔ تو انہوں نے صاف عرض کر دیا کہ میں اس مشورہ کو قبول نہیں کرتی۔ حضور ﷺ کو حضرت بریرہ کے اس جواب سے مطلق ناگواری نہیں ہوئی۔ کیونکہ مشورہ کا قانون یہی ہے کہ دوسرے شخص کو اس پر عمل کرنے یا نہ کرنے کا پورا اختیار ہوتا ہے۔ لیکن آجکل تو اس قاعدہ پر کوئی عمل کر کے دیکھے کہ پیر صاحب کوئی مشورہ دیں یا کسی کی سفارش کریں اور مرید نہ مانے تو پھر دیکھئے کیا حال ہو۔ لیکن شرعاً اس پر کوئی ملامت نہیں۔ کیونکہ جب حضور ﷺ کے مشورہ پر عمل کرنا واجب نہیں تھا تو پیر صاحب کے مشورہ پر عمل کرنا کہاں سے واجب ہو گیا۔ تو حضرت مولاناؒ کا اتباع سنت ملاحظہ ہو کہ اس قاعدہ کلیہ میں اپنے کو بھی داخل فرمایا۔ خلاصہ یہ کے احبب حبیبک الخ دوست سے اعتدال کے ساتھ دوستی رکھو سے بزرگوں نے اپنے کو بھی مستثنیٰ نہیں فرمایا پس اس بناء پر بجز خاص اسرار کے جن کو اصلاح حال میں دخل ہو باقی اسرار پیر سے بھی نہ کہو۔

عداوت میں تجاوز حدود کا انجام

پس یہ قاعدہ سب کو عام ہے۔ احبب حبیبک هونا وعسی ان یکون بغیضک یوما ماوابغض بغیضک هوناماعسی ان یکون حبیبک یوما (سنن الترمذی :۱۹۹۷، کنز العمال ۲۴۷۴۲) دوست سے اعتدال کے ساتھ دوستی اعتدال سے کرو شاید کہ وہ کسی وقت تمہارا دشمن ہو جائے اور دشمن کے ساتھ دشمنی اعتدال سے

Maktaba Tul Ishaat.com

کرو شاید وہ کسی وقت تمہارا دوست ہو جائے۔ یہ تو دوستی کی حالت کا بیان تھا کہ حد سے بڑھ جاتے ہیں اسی طرح ہماری حالت دشمنی میں یہ ہے کہ اس میں بھی حد سے نکل جاتے ہیں کہ بس جس سے عداوت ہوگئی اس کی ایذا رسانی میں کسر نہیں رکھتے ہر ممکن طریقہ سے اس کو ضرر پہنچاتے ہیں خواہ وہ شریعت کے موافق ہو یا خلاف حلال وحرام کی بھی ذرا تمیز نہیں رہتی۔ لہٰذا اس حدیث میں دشمنی کی بھی حد بتلادی۔ کیا ٹھکانا ہے انتظام کا کہ حق تعالیٰ نے کفار تک کے ساتھ عداوت کرنے کیلئے بھی قوانین مقرر فرمائے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ **ولا یجرمنکم شنان قوم ان صدوکم عن المسجد الحرام ان تعتدوا وتعاونوا علی البروالتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان . واتقواالله ان الله شدیدا لعقاب**۔ ترجمہ۔ اور تم کو کسی قوم کی عداوت جو اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے تم کو مسجد حرام سے روک دیا ہے اس بات پر برانگیختہ نہ کرے کہ تم حد سے تجاوز کرنے لگو اور (ہمیشہ) نیکی اور تقویٰ کے کام میں ایک دوسرے کا ساتھ دو اور گناہ اور ظلم میں کسی کا ساتھ نہ دو اور (ہمیشہ) خدا تعالیٰ (کی نافرمانی) سے بچتے رہو۔ بیشک حق تعالیٰ کا عذاب بہت سخت ہے۔ دیکھئے صحابہ کی عداوت دینی تھی اور اس کا منشاء بھی دین تھا کہ کفار نے مسجد حرام پر ناحق قبضہ کر رکھا تھا اور اس کے اندر نماز اور طواف کرنے سے مسلمانوں کو روک دیا تھا مگر اس میں بھی حکم ہوتا ہے کہ حدود سے مت نکلو گناہ اور ظلم نہ کرو نہ ان کاموں میں کسی کا ساتھ دو۔ اب اس ارشاد کو سن کر مسلمان اپنی حالت پر غور کریں تو ان کو معلوم ہوگا کہ وہ دوستی اور دشمنی میں حدود سے کتنا تجاوز کرتے ہیں آجکل ایسے لوگ بہت ہی کم ہیں جو دین کے لئے کسی سے دوستی اور دشمنی کرتے ہوں ہماری دوستی اور دشمنی سب دنیا کے واسطے ہے پھر اگر شاذونادر کسی کو کسی سے دین کے واسطے بھی دشمنی ہو تو اس میں حالت یہ کہ دشمنی میں حدود سے اتنا تجاوز کرتے ہیں کہ دین بھی برباد ہو جاتا ہے پرائے شگون کو اپنی ناک کٹانا اسی کا نام ہے کہ دوسروں کی دنیا برباد کرنے کیلئے اپنا دین خراب کرتے ہیں۔

جذبات نفسانیہ کی ضرورت اصلاح

آجکل دشمنی میں صرف یہ مقصود ہوتا ہے کہ دوسرے کو ضرر پہنچ جائے چاہے اپنے

Maktaba Tul Ishaat.com

کو کچھ نفع ہی نہ ہو بلکہ خواہ اپنے کو اس سے بڑھ کر ضرر پہنچ جائے اور اس میں راز یہ ہے کہ ہم لوگ اپنے جذبات نفسانیہ کو عقل و شرع کے تابع نہیں کرتے بلکہ خود عقل و شرع کو جذبات کے تابع بنانا چاہتے ہیں اور شریعت کا حکم یہ ہے کہ جذبات نفسانیہ کو احکام الٰہی کا تابع بناؤ۔ چنانچہ ہجرت کے قبل جہاد مشروع نہ ہونے کا نکتہ محققین نے یہی فرمایا کہ مکہ مکرمہ میں رہتے ہوئے مسلمانوں کو جہاد کی اس لئے اجازت نہ ہوگی کہ اس وقت تک مسلمانوں کے جذبات نفسانیہ کی کامل اصلاح نہ ہوئی تھی۔ مسلمانوں کی اصلاح تدریجاً ہوئی ہے۔ دفعۃً نہیں ہوئی اور یہ ایسی بات ہے جس کا انکار وہی کر سکتا ہے جس نے احادیث و آیات میں تامل نہ کیا ہو ورنہ نصوص میں غور کرنے کے بعد یہ حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے۔

حضرات صحابہؓ کی تکمیل اصلاح تدریجاً ہوئی

چنانچہ ایک حدیث میں ہے **من قال والات والعزی فلیقل لاالہ الا اللہ ومن قال تعالی اقامرک فلیتصدق** (سنن الترمذی: ۱۵۴۵)، یعنی جس شخص کی زبان سے لات و عزی کی قسم نکل جائے اس کو لا الہ الا اللہ کہہ لینا چاہیے۔ اور جس کی زبان سے یہ کلمہ نکل جائے کہ آؤ جوا کھیلیں اس کو صدقہ کرنا چاہیے دیکھئے آجکل اگر کوئی لات و عزی کی قسم کھالیوے تو اس پر کفر کا اندیشہ ہے مگر اس وقت چونکہ صحابہ نومسلم تھے جو چند روز پیشتر ان کلمات کے عادی تھے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر عادت سابق کے موافق ایسے کلمات زبان سے نکل جائیں تو کلمہ توحید پڑھ لینا چاہیے۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ ابتدائے اسلام میں جاہلیت کا کچھ اثر باقی رہ جانا مستبعد نہیں چنانچہ اسی بناء پر یہ تعلیم فرمائی گئی تھی۔ پس یہ بات ثابت ہوگئی کہ حضرات صحابہؓ کی اصلاح کی تکمیل تدریجاً ہوئی ہے۔ اس لئے ان کو مکہ مکرمہ میں جہاد کی اجازت نہ دی گئی کیونکہ اس وقت جہاد میں نفس کی آمیزش ہوتی اخلاص نہ ہوتا۔ اور بدون اخلاص کے دینی کامیابی کا نہ ہونا تو ظاہر ہی ہے مگر مسلمان کو دنیوی کامیابی بھی بدون اس کے نہیں ہوتی اخلاص کے باب میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں **وما امروا الالیعبدوا اللہ مخلصین لہ الدین** (ان لوگوں کو یہی حکم ہوا تھا کہ اللہ کی اس طرح عبادت کریں کہ عبادت کو اسی کیلئے خالص رکھیں) اور حدیث میں ہے **یوتی**

Maktaba Tul Ishaat.com

بالشهید یوم القیمة (المعجم الکبیر للطبرانی ۱۲ : ۱۸۲)۔ کہ قیامت کے دن شہید کو بلایا جاویگا اور اپنی نعمتیں یاد دلا کر اسے پوچھا جائے گا کہ ہمارے واسطے تو نے کیا کیا۔ وہ عرض کرے گا میں نے آپ کے راستہ میں اپنی جان دی اور کفار سے جہاد کیا۔ حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ تو جھوٹ بولتا ہے تو نے ہمارے واسطے جان نہیں دی، بل لیقال انک لجری ، بلکہ اس لئے سب کچھ کیا تا کہ لوگ تجھے بہادر کہیں کہ بڑا جوانمرد ہے کسی سے نہیں ڈرتا حاکم کے سامنے بڑی جرأت سے اظہار دیئے فقد قیل ،یعنی دنیا میں تیری بہت تعریف ہو چکی اور تیرا مدعا حاصل ہو گیا یہاں تیرے واسطے صرف جہنم ہے۔ چنانچہ فرشتوں کو حکم ہوگا کہ اسے جہنم میں کھینچ کر لے جاؤ تو حق تعالیٰ نے حضرات صحابہؓ کو اس بلا سے بچالیا کہ جب تک ان کے جذبات نفسانیہ کی کامل اصلاح نہ ہوگئی اس وقت تک جہاد کی اجازت نہ دی اگر ابتداء اسلام ہی میں اجازت ہو جاتی تو بہت سے ناموری یا شفاء غیظ کے لئے جہاد کرتے اخلاص کے ساتھ محض رضائے حق کے لئے کام نہ ہوتا۔

مدینہ منورہ میں اجازت جہاد ملنے کا راز

جب صحابہ کی تکمیل ہوگئی اور کفار کی ایذائیں سہتے سہتے ان میں جذبات نفسانیہ کے دبانے کا ملکہ پیدا ہو گیا اس وقت آپ کو ہجرت کا حکم ہوا اور مدینہ منورہ پہنچ کر جہاد کی اجازت ہوئی مکہ مکرمہ میں جہاد کی ممانعت کا سبب یہ نہ تھا کہ جماعت اہل اسلام کم تھی اگر یہ سبب ہوتا تو مدینہ منورہ پہنچ کر بھی اجازت نہ ہوتی کیونکہ وہاں پہنچ کر بھی مسلمانوں کا مجمع کفار سے بہت ہی کم تھا اگر کم نہ ہوتا تو ملائکہ کا جوڑ نہ لگایا جاتا۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ غزوات میں اکثر ملائکہ کا لشکر آیا کرتا تھا جن کی برکت سے مسلمانوں کو غلبہ ہوتا تھا اور قلت و کثرت عدد پر مدار ہوتا تو جنگ حنین مین جس میں مسلمان زیادہ تھے مغلوب نہ ہوتے اور زیادتی بھی معمولی نہ تھی بلکہ کفار سے تین حصہ زیادہ تھے چنانچہ کفار چار ہزار تھے اور مسلمان بارہ ہزار اور زیادتی عدد کے ساتھ ایک اور خصوصیت بھی تھی وہ یہ کہ بارہ ہزار کے عدد میں ایک خاصیت نص میں وارد ہے کہ لن یغلب اثنا عشر الفا من قلة (جمع المسانید ۲ : ۲۶۴) یعنی بارہ ہزار مسلمان قلت عدد سے ہرگز مغلوب نہ ہوں گے تو تمام

Maktaba Tul Ishaat.com

مقتضیات غلبہ کے موجود تھے مگر پھر بھی مغلوب ہو گئے معلوم ہوا کہ قلت عدد عدم مشروعیت جہاد کا سبب نہ تھا اگر اس پر شبہ ہو کہ مسلمان تو اس سے زیادہ مغلوب ہوتے ہیں چنانچہ حنین ہی میں مغلوب ہوئے اور کیا اس میں کوئی قید نہیں یعنی اگر مقابل لاکھوں ہوں تب بھی یہ وعدہ ہے جواب خود اس حدیث ہی کی ایک قید سے نکلتا ہے وہ قید من قلۃ کی ہے یعنی قلت سبب مغلوبیت کا نہ ہوگا کوئی اور علت سبب ہو جائے۔ چنانچہ حنین میں عجب سبب ہوا اس مغلوبیت کا۔ اور ظاہر اس میں اور کوئی قید نہیں۔ اب یہاں ایک شبہ ہے وہ یہ کہ بعد اذن بالقتال کے بھی تو بعضے مجاہدین نومسلم تھے اور ان میں تمہارے بیان کے موافق غلبہ جذبات کا ہوگا تو ان کو جہاد میں کیوں شریک کیا گیا۔ جواب یہ ہے کہ تجربہ ہے مخلوط جماعت میں اثر غالب عدد غالب کا ہوتا ہے اور جب جہاد مشروع ہوا اس وقت زیادہ تر جماعت کاملین کی تھی گو ان میں بعضے نومسلم بھی ہوتے تھے مگر غلبہ کاملین کو تھا اور فلاح و کامیابی کے لئے اتنا کافی ہے کہ زیادہ تر کام کرنے والے مخلص ہوں۔ اگر تھوڑے سے غیر مخلص بھی ہوں تو مغلوبیت کی وجہ سے کام خراب نہیں ہوتا دوسرے جب غلبہ مخلصین کو ہوتا ہے تو ناقصین پر بھی ان کا اثر پڑتا ہے کہ ان میں بھی اخلاص پیدا ہو جاتا ہے اور اگر غلبہ غیر مخلصین کو ہوا اور مخلص قلیل ہوں تو اس وقت معاملہ برعکس ہوتا ہے۔

کہ ان غیر مخلصین کی کثرت کا اثر مخلصین پر پڑتا ہے کہ ان کا اخلاص بھی ناقص اور کمزور ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آجکل مسلمانوں کے اکثر کام پورے نہیں ہوتے کیونکہ غلبہ غیر مخلصین کو ہے اگر مخلصین کو غلبہ ہو تو پھر ناکامی کبھی نہ ہو۔ اور صحابہ کے جذبات نفسانیہ کی یہاں تک اصلاح ہو گئی تھی کہ جب کفار نے ان کو مکہ مکرمہ میں جانے سے روکا اس وقت وہ آپے سے باہر نہیں ہوئے بلکہ رسول اللہ ﷺ کے حکم پر جمے رہے اگر ہم لوگوں کو کبھی ایسا واقعہ پیش آئے تو نہ معلوم جوش غضب میں کیا کچھ کر بیٹھیں غرض اصل مقصود اتباع احکام ہے اور دوستی اور دشمنی وہی قابل اعتبار ہے جو احکام شریعت کے موافق ہو بخدا اتباع احکام کے بغیر نہ سلطنت مقصود ہے نہ ترقی اگر خالی سلطنت مقصود ہو تو فرعون سب سے زیادہ کامیاب سمجھا جانا چاہیے نعوذ باللہ منہ، بس مسلمان کا اصل مقصود یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کو راضی رکھے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

مصلحت، ودید من آنست کہ یاراں ہمہ کار ☆ بگزار ند وخم طرہ یارے گیرند

مصلحت یہی ہے کہ تمام مصلحتوں پر خاک ڈال کر تمام دوست ایک ہی محبوب کی طرف متوجہ ہو جائیں۔

اگر دلیل شرعی سے خدا تعالیٰ کی مرضی یہ ثابت ہو کہ گوہ کا ٹوکرا اٹھاویں اور خاموش رہیں تو ہماری فلاح اسی میں ہے جیسا کہ مکہ مکرمہ میں حضرات صحابہ کفار کے ہاتھوں ایذائیں برداشت کرتے رہے اور اسی میں خوش رہے۔ اور اگر اتباع احکام کے ساتھ ہم کو سلطنت بھی مل جائے تو نور علی نور ہے پس ہم کو نہ ترقی مقصود بالذات ہے نہ تنزل۔

فراق ووصل چہ باشد رضائے دوست طلب ☆ کہ حیف باشد از و غیر او تمنائے

فراق ووصل کیا ہووے رضائے الٰہی طلب کرو اسلئے افسوس ہے سوائے اس کے تمنا کرنا۔

خدا کو راضی رکھ کر اگر دنیا میں مل جائے تو مبارک ہے ورنہ ایسی تیسی اس دنیا کی جس میں چند روز گل چھرے اڑا کر ہم جہنم کے کندے بن جاوے حیرت ہے کہ مسلمان ہو کر رضائے الٰہی کے سوا کسی اور چیز کو مقصود سمجھے یہ تو دوستی اور دشمنی کے حدود تھے جو میں نے بیان کر دیئے۔

باطنی احوال ومقامات کی حدود

اب میں ترقی کر کے یہ کہتا ہوں کہ معاملات خلق سے متجاوز ہو کر باطنی احوال ومقامات تک کیلئے بھی حدود ہیں یعنی خوف الٰہی اور شوق خداوندی اور تواضع وغیرہ جو کہ اخلاق باطنی ہیں جن کو صوفیہ کی اصطلاح میں مقامات کہا جاتا ہے جو بظاہر علی الاطلاق ہر درجہ میں مطلوب معلوم ہوتے ہیں، ان کے لئے بھی حدود ہیں یہ نہیں کہ ان کا ہر درجہ مطلوب ہو یہ مضمون شاید آپ نے کبھی نہ سنا ہوگا کیونکہ اخلاق حمیدہ باطنیہ کے بارے میں لوگوں کا عام خیال ہے کہ ان میں جتنی ترقی ہو اچھی بات ہے ان کا کوئی درجہ مذموم نہیں اور قیاس ظاہری بھی اسی کو چاہتا ہے کیونکہ یہ امور مطلوبہ ہیں اور مطلوب کا ہر درجہ مطلوب ہوا کرتا ہے مگر اس قیاس میں اتنی غلطی ہے کہ امور مطلوبہ کو عام رکھا گیا ہے حالانکہ یہ قاعدہ

Maktaba Tul Ishaat.com

مطلوب بالذات کیلئے ہے کہ اس کا ہر درجہ مطلوب ہوا کرتا ہے اور یہ امور مطلوب بالعرض ہیں اصل مطلوب رضائے الٰہی ہے جس کا ہر درجہ مطلوب ہے اس تمہید کے بعد اب میں اخلاق و معاملات باطنیہ میں نمونہ کے طور پر بتلانا چاہتا ہوں کہ حدود سے وہ بھی خالی نہیں اور نمونہ اس واسطے کہا کہ سب احکام کا بیان کرنا دشوار ہے۔

قلم بشکن سیاہی ریز و کاغذ سوز و دم درکش ☆ کہ حسن ایں قصہ عشق در دفتر نمی گنجد

قلم توڑ روشنائی بکھیر کاغذ پھاڑ اور خاموش رہ اس لئے حسن یہ قصہ عشق کا ہے، دفتر میں نہیں سما سکتا۔

حق تعالیٰ فرماتے ہیں قل لو کان البحر مداد الکلمات ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی ولو جئنا بمثلہ مددا۔ آپ کہہ دیجئے کہ میرے رب کی باتیں لکھنے کیلئے سمندر روشنائی ہو تو سمندر ختم ہو جائے اگرچہ اس کی مدد کیلئے ہم ایک دوسرا سمندر لے آئیں احکام الٰہی کی انتہا نہیں۔

شوق کی حد

اس لئے نمونہ کے طور پر بیان کرتا ہوں کہ مثلاً شوق اور خوف کے لئے بھی حدود ہیں دیکھئے حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: اللھم انی اسئلک شوقا الی لقائک فی غیر ضراء مضرۃ ولا فتنۃ مضلۃ ،اگر شوق کے لئے حد نہیں ہے تو حضور ﷺ نے یہ قید کیوں بڑھائی فی غیر ضراء مضرۃ ولا فتنۃ ،یعنی آپ دعا فرماتے ہیں کہ اے اللہ مجھے اپنے لقاء کا ایسا شوق عطا فرما جس میں نہ کوئی ضرر ہو اور نہ کوئی فتنہ مضلہ ہو ضراء کا مقابلہ اضلال کے ساتھ مقتضی ہے کہ یہ کوئی دنیوی ضرر ہے یعنی بیماری وغیرہ پس معنی یہ ہوئے کہ اس شوق میں مجھ کو نہ کوئی بیماری لگے اور نہ کسی گمراہ کرنے والے فتنہ میں ابتلاء ہو۔

غلبہ شوق کے دو اثر

بات یہ ہے کہ غلبہ شوق کے دو اثر ہوتے ہیں ایک جسمانی، ایک روحانی جسمانی اثر تو یہ ہے کہ کثرت شوق سے حرارت جسمانیہ بڑھ جاتی ہے اور جب بدن میں خشکی کا غلبہ

Maktaba Tul Ishaat.com

ہو جاتا ہے جس کیلئے ضعف لازم ہے تو غلبہ شوق سے بدن میں ضعف واضمحلال بڑھ جاتا ہے۔ بعض دفعہ ہڈیاں تک گھل جاتی ہیں تو پہلے نماز کھڑے ہو کر پڑھ سکتے تھے اب قعود ہی رہ گیا۔ چند دونوں کے بعد قعود بھی دشوار ہو گیا پہلے روزے بہت رکھ سکتے تھے اب نہیں رکھ سکتے۔ وعلی ہذا القیاس نیز شوق کے غلبہ میں کھانا پینا بھی چھوٹ جاتا ہے۔ دیکھئے بعض دفعہ جب کسی عزیز کے آنے کا انتظار ہوتا ہے تو عین کھانے کے وقت خبر آمد سن کر بھوک جاتی رہی ہے کھانا نہیں کھایا جاتا یہی حالت غلبہ شوق لقاء میں ہو جاتی ہے اہل شوق کو ایسے وقعات پیش آئے ہیں تو غلبہ حرارت کے ساتھ جب غذا بھی کم ہو جائے اب جتنا بھی ضعف ہو ظاہر ہے۔ تو آپ نے فی غیر ضراء مضرۃ۔ میں ایسے غلبہ شوق کی نفی کر دی کہ اے اللہ شوق کی وجہ سے میری صحت خراب نہ ہو کیونکہ بعض اوقات حد قدرت کے اندر بھی عمل میں سستی ہونے لگتی ہے۔ جس سے معصیت بھی ہوتی ہے یہ ضرر ہوا حد سے زیادہ غلبہ شوق کا۔

غلبہ شوق کی روحانی خرابی

دوسری خرابی روحانی یہ ہے کہ شوق سے ناز بڑھ جاتا ہے کیونکہ غلبہ، شوق میں انبساط زیادہ ہوتا ہے اور زیادت انبساط سے ناز پیدا ہوتا ہے تو یہ شخص ناز میں آ کر کچھ سے کچھ بکنے لگتا ہے۔ مجذوبین میں یہی تو نقص ہے گو اس وقت اس شخص کو گناہ نہ ہو کیونکہ غلبہ حال سے وہ بے خبر ہوتا ہے مگر تاہم یہ حال کمال کے منافی ہے۔ کمال یہی ہے کہ ادب سے تجاوز نہ ہو۔ پھر یہ شخص تو بے خبر ہوتا ہے لیکن بعض دفعہ اس کی باتیں دوسرے لوگ سن لیتے ہیں وہ ان سے گمراہ ہو جاتے ہیں اہل شوق کو چاہیے کہ مجمع عام میں اپنی باتیں نہ کیا کریں مولانا اسی کی شکایت فرماتے ہیں۔

ظالم آں قومے کہ چشماں دوختند ☆ از سخنہا عالمے را سوختند

یعنی وہ لوگ بڑے ظالم ہیں جنہوں نے آنکھوں پر پٹی باندھ کر دنیا کو اپنی باتیں سنائیں اور مخلوق کو گمراہ کیا نیز بعض دفعہ غلبہ حال رفع ہو جانے کے بعد بھی اس شخص کی زبان سے حسب عادت کلمات شطحیہ نکل جاتے ہیں اس وقت گناہ بھی ہوتا ہے حضور ﷺ نے ولا فتنة

Maktaba Tul Ishaat.com

مضلۃ۔ میں اس کی بھی نفی فرمادی کہ غلبہ شوق سے میں گمراہی کے فتنہ میں مبتلا نہ ہو جاؤں۔

خوف الٰہی کے حدود

اسی طرح خوف کیلئے بھی آپ نے ایک حد بتلائی ہے حدیث شریف میں ہے۔ واسئلک من خشیتک ماتحول به بیننا وبین معاصیک (موارد الظمآن للهیثمی: ۵۰۹ بلفظ آخر) اوراے اللہ میں آپ کا اتنا خوف چاہتا ہوں جس سے گناہوں کے درمیان اور میرے درمیان رکاوٹ ہو جائے اوراس قید کی وجہ یہ ہے کہ بعض دفعہ غلبہ خوف سے مایوسی پیدا ہو جاتی ہے صفات جلال کے مشاہدہ سے صفات جمال یعنی رحمت ورافت خداوندی کی طرف بالکل ذہن نہیں جاتا جس سے مایوسی کا پیدا ہونا لازمی ہے۔ جب رحمت خداوندی سے مایوسی ہوگئی تو کفر تک پہنچ گیا فانه لاییئس من روح الله الا القوم الکافرون۔ (اس لئے بجز کافر لوگوں کے اللہ کی رحمت سے کوئی مایوس نہیں ہوتا) ۔اوراگر مایوسی بھی نہ ہوئی تو تعطل کی نوبت آجاتی ہے۔ سمجھتا ہے کہ جب ان اعمال سے کچھ کام نہیں چل سکتا تو یہ سب بیکار ہیں۔ اب نماز روزہ سب کو بالائے طاق رکھ دیتا ہے اس ورطہ میں بہت لوگ تباہ ہو گئے ہیں۔ جو اولیاء مستہلکین کہلاتے ہیں حضور ﷺ نے ماتحول به بینی وبین معاصیک، اتنا خوف جو میرے اور میرے گناہوں کی رکاوٹ ہو جائے) فرما کر بتلادیا کہ خوف کا ہر درجہ مطلوب نہیں۔

صاحبو! جب شوق خداوندی اور خوف الٰہی کیلئے بھی حدود ہیں تو اب باقی امور کو خود ہی سمجھ لیجئے کہ انکے لئے حدود کیوں نہ ہوں گے شوق اور خوف میں لعل الله یحدث بعد ذلک امرا۔ (شاید اس سے اللہ تعالیٰ کوئی بات پیدا کردیں) کا اجراء اس طرح ہوگا کہ زیادہ غلبہ شوق کی تمنا نہ کرو کیونکہ شاید اس سے طاعات میں کمی ہو جائے پھر تم پچھتاؤ گے یا ناز پیدا ہو گیا اور حد ادب سے نکل گئے تو پشیمانی ہوگی اور اگر شوق کے بعد انس عطا ہو گیا تو اس وقت تم ادب کرنا چاہو گے مگر عادت کی وجہ سے کلمات ناز زبان سے نکل

Maktaba Tul Ishaat.com

جایا کریں گے تو گناہ بھی ہوگا پھر پچھتاؤ گے کہ ہائے میں نے اتنا شوق کیوں مانگا تھا۔

باطنی امور میں حدود غیر اختیاری ہیں

اسی طرح خوف میں سمجھ لیجئے غرض باطنی امور میں بھی حدود ہیں لیکن ظاہری امور میں تو حدود اختیاری ہیں ان سے خود بچنا چاہیے اور باطنی امور میں حدود غیر اختیاری ہیں ان کے لئے حق تعالیٰ سے دعا کرنا چاہیے اسی لئے حضور ﷺ نے بطور دعا کی فرمایا ہے۔ **اللھم انی اسئلک شوقا الی لقائک فی غیر ضراء مضرۃ ولا فتنۃ مضلۃ** (اے اللہ مجھے اپنی لقا کا اس قدر شوق عطا فرما جس میں نہ کوئی ضرر ہو اور نہ کوئی فتنہ مضلہ ہو)۔

البتہ باطنی امور میں اتنی بات اختیاری ہے کہ اپنی طرف سے کوئی درجہ اپنے لئے تجویز کر کے اس کی تمنا نہ کرے بلکہ حق تعالیٰ پر تفویض کر دے امید ہے کہ یہ نمونہ تمام حدود کے لئے کافی ہو جائے گا۔ اب دعا کیجئے گا حق تعالیٰ توفیق عطا فرما دیں۔

نوٹ: وعظ ختم ہونے کے بعد موذن نے فوراً وقت سے پہلے ہی اذان کہہ دی تا کہ سارا مجمع اسی مسجد میں نماز پڑھ کر جائے۔ مولانا نے فرمایا کہ یہ بھی وہی بات ہے کہ ہم لوگوں میں حدود کی رعایت نہیں۔ موذن صاحب نے کثرت جماعت کا تو خیال کیا مگر یہ نہ دیکھا کہ ابھی عصر کا وقت نہیں ہوا۔

وصلی اللّٰہ علی سیدنا ومولانا محمد وعلی الہ واصحابہ
اجمعین واخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

Maktaba Tul Ishaat.com

التزاحم فی التراحم

Maktaba Tul Ishaat.com

خطبہ ماثورہ

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونومن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرورانفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلامضل لہ ومن یضللہ فلاھادی لہ ونشھد ان لااللہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالی علیہ والہ واصحابہ وبارک وسلم امابعد.

فقد قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ فِیْ دُعَاءِہٖ اللھم بعلمک الغیب وقدرتک علی الخلق احینی ماعلمت الحیوٰۃ خیرًا وتوفنی اذا علمت الوفاۃ خیرًا اللھم اذا اردت بقومٍ فتنۃً فتوفنی غیر مفتونٍ. الی روایہ النسائی وایضا قال رواہ الترمذی. (سنن النسائی ۳:۵۵ مشکوۃ المصابیح: ۲۴۹۷)

ترجمہ: یہ دوحدیثوں کے ٹکڑے ہیں جنکا حاصل دعا ہے ترجمہ۔ پہلے جزو کا یہ ہے کہ اے اللہ آپ کے علم غیب اور قدرت پر مخلوقات کا واسطہ دیکر میں یہ درخواست کرتا ہوں کہ مجھے اس وقت تک زندہ رکھئے جب تک آپ کے علم میں زندگی میرے واسطے بہتر ہو اور اس وقت مجھے اٹھا لیجئے جب وفات میرے واسطے آپ کے علم میں بہتر ہو۔ اس کو نسائی نے روایت کیا ہے اور دوسرے جزو کا ترجمہ یہ ہے کہ اے اللہ جب آپ کسی جماعت کو فتنہ میں مبتلا کرنا چاہیں تو مجھے ایسی حالت میں اٹھا لیجئے کہ میں فتنہ سے مامون رہوں۔

امراض قلب کی طرف توجہ کی ضرورت

اب مجھے اس سے ایک مسئلہ مستنبط کرنا مقصود ہے اور وہ مسئلہ ان احادیث کی تلاوت کے وقت ذہن میں آیا تھا کیونکہ مناجات مقبول میں (جس کے ورد کا معمول ہے) یہ دونوں دعائیں ایک ہی حزب میں قدرے فصل سے آئی ہیں یہ مسئلہ پہلے بھی ذہن میں آیا تھا مگر اس عنوان سے نہیں جس عنوان سے ان دعاؤں کی تلاوت کے وقت آیا اور جی چاہا کرتا ہے کہ جو مسئلہ نیا ذہن میں آئے اس کو احباب کے سامنے بیان کر دیا جائے اور اس

Maktaba Tul Ishaat.com

کا ماخذ بھی برکت کیلئے پڑھ دیا جائے اور اس میں اس کا تو انتظار نہیں ہوتا کہ اس کا فہم ماخذ کی دلالت مقصود پر قریب ہے گو کسی اور کے نزدیک دوسرا ماخذ دلالت میں قریب ہو اور یہ مسئلہ دوسری نصوص سے بھی مستنبط ہو سکتا ہے مگر مجھے جس ماخذ سے اس کی طرف انتقال ذہن ہوا ہے میں نے اسی کو اس وقت پڑھ دیا ہے۔ حاصل اس مسئلہ کا یہ ہے کہ ایک مرض پر اس وقت متنبہ کرنا مقصود ہے۔

اشد مرض

کیونکہ امراض قلب پر لوگوں کو بہت کم توجہ ہے تو ان پر تنبیہ کی ضرورت ہے خصوصاً جبکہ اس کو مرض ہی نہ سمجھا جائے کیونکہ بعض امراض ایسے بھی ہیں جن کو لوگ مرض نہیں سمجھتے امراض تین قسم کے ہیں ایک وہ جن کو مرض سمجھا جائے دوسرے وہ جن کو مرض نہ سمجھا جائے یہ سب سے اشد ہے اور جس مرض پر میں اس وقت متنبہ کرنا چاہتا ہوں وہ تیسری ہی قسم کا ہے کہ لوگ اس کو عین صحت سمجھتے ہیں اور اس میں خواص زیادہ مبتلا ہیں۔ میں نے ایک بیان میں پہلے بھی کہا کہ ان امراض قلب میں عوام کم مبتلا ہیں خواص زیادہ مبتلا ہیں اور خواص میں بھی سب سے زیادہ مشائخ مبتلا ہیں اس لیے مناسب یہ تھا کہ یہ بیان عوام کے مجمع میں نہ ہوتا کیونکہ ان کے سامنے اس کا بیان ایک امر زائد سا معلوم ہوتا ہے مگر عوام کے سامنے اس خیال سے بیان کر رہا ہوں کہ اول تو خواص کا خالص مجمع کہاں سے لائیں جب بیان کی اطلاع ہوتی ہے تو سبھی لوگ جمع ہو جاتے ہیں۔ دوسرے عوام بھی کبھی خواص ہو سکتے ہیں بلکہ ہو جاتے ہیں پس عوام کے سامنے ایسے مسائل کو بیان نہ کرنا ایک قسم کا کبر ہے کہ گویا اپنے کو خواص سمجھتے ہیں اور ان کو اپنے سے کم سمجھتے ہیں کہ کسی کو کیا خبر کہ عند اللہ کون خاص ہے کون عام ہے پھر عوام کے سامنے یہ مسائل تصوف کیسے نہ بیان کیے جائیں ان کو اللہ تعالیٰ کی عطا سے کیوں مایوس کیا جائے کہ تم خواص نہیں بن سکتے حضرت فاقہ زدہ لوگوں کو رئیس اور امیر بنتے ہوئے ہم نے خود دیکھا ہے اور ایک دفعہ میں نے ایک مجمع میں یہ کہا کہ بعض دفعہ فاقہ زدہ آدمی بادشاہ ہو گئے ہیں تو ایک صاحب نے اس کی تائید میں کہا کہ آج کل

Maktaba Tul Ishaat.com

ایران کا بادشاہ ایک سائیس ہے تیمور لنگ ایک معمولی آدمی تھا مگر رفتہ رفتہ بادشاہ ہوگیا۔

جاہل کا ولی اللہ بننا

یہ تو دنیوی عروج کا حال ہے اور دینی عروج کی بھی یہ حالت ہے کہ بہت سے عامی چند روز میں بڑے ولی اور عالم بن گئے ہیں حضرت مولانا گنگوہی کے یہاں ایک شخص مسلمان ہوئے اور مسلمان ہونے کے بعد ان کو پڑھنے کا شوق ہوا تو جس وقت وہ قاعدہ پڑھنے بیٹھے اس وقت الف کو الپ کہتے تھے کون سمجھتا تھا کہ یہ الف کو الپ کہنے والا کسی وقت عالم بھی ہوجائے گا مگر خدا کی قدرت دیکھئے کہ بعد میں وہ ایسے کامل ہوئے کہ حضرت مولانا گنگوہیؒ کے سامنے حدیث کا دورہ پڑھاتے تھے خیر جاہل کا عالم ہوجانا تو نادر ہے مگر جاہل کا ولی ہوجانا کثیر الوقوع ہے اس قسم کے بہت سے واقعات ہیں۔ خلاصہ یہ کہ اول تو خواص کا مجمع کرنا دشوار ہے دوسرے اس کی ضرورت ہی نہیں کہ عوام سے ان مسائل کو مخفی رکھا جائے کیونکہ ان کی سمجھ سے بعید ہیں مگر یہ مسئلہ دقیق نہیں ہے اور اگر اسکے ضمن میں کوئی بات دقیق آجائے تو عوام اس میں غور نہ کریں کیونکہ بعض دفعہ سہل بات کے بیان کرنے میں بھی کسی مناسبت سے دقیق مضمون آجاتا ہے تو ایسے مضمون میں جو کہ سمجھ میں نہ آئے۔ عوام خود ہی غور فکر کریں اور اس کی ضرورت ان کو ہے جو سمجھنے اور غور کرنے کیلئے بیان میں شریک ہوتے ہیں۔

مجمع صلحاء کی برکت

بعض عوام تو سننے کیلئے آتے بھی نہیں ویسے ہی دل بہلانے کو بیٹھ جاتے ہیں انہیں نہ دقیق مضمون سے بحث ہے نہ سہل سے مگر محروم یہ بھی نہیں بلکہ ان کو بھی مجمع صلحاء کی برکت حاصل ہوجاتی ہے جب حق تعالیٰ کے پاس فرشتے جاکر اس مجمع کا ذکر تذکرہ کرینگے کہ الٰہی آپ کے بندے ایک جگہ جمع ہوکر آپ کا اور آپ کے احکام کا تذکرہ کررہے ہیں تو حق تعالیٰ فرماتے ہیں اشھد وانی قدغفرت لھم۔ گواہ رہنا میں نے سب کو بخش دیا اس پر بعض ملائکہ عرض کرتے ہیں کہ الٰہی فلاں شخص تو ذکر کی نیت سے نہ آیا تھا ویسے ہی آکر بیٹھ

Maktaba Tul Ishaat.com

گیا تھا۔ ارشاد ہوگا میں نے اس کو بھی بخش دیا **اولالئک قوم لایشقی جلیسھم** ۔ یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کے پاس بیٹھنے والا محروم نہیں جاتا۔

افراط فی الشفقت مذموم ہے

اس مسئلہ کو سننا چاہیے سو وہ مسئلہ یہ ہے کہ آجکل مشائخ میں ایک مرض افراط شفقت ہے آپ کو سنتے ہی معلوم ہوگیا کہ اس کو کون مرض سمجھتا ہے۔ شفقت کی کمی تو سمجھا جاتا ہی نہیں اور یہ تفریط شفقت عوام میں زیادہ ہے۔ کیونکہ عوام میں خودغرضی زیادہ ہے ان کو اپنی غرض مطلوب ہوتی ہے اس لیے دوسروں پر شفقت نہیں ہوتی یا کم ہوتی ہے۔ مثلاً کوئی شخص سو رہا ہو اور یہ نماز کا وقت ہے تو عوام اس کو جگاتے نہیں اور یہ کہتے ہیں کہ نماز پڑھے گا تو اپنے واسطے نہیں پڑھے گا تو اپنا نقصان کریگا اور خواص میں شفقت کا مادہ زیادہ ہوتا ہے جو صفت محمودہ ہے مگر بعض کی شفقت افراط کے درجہ کو پہنچ جاتی ہے اور یہ مرض ہے مگر عام طور پر اس کو مرض نہیں سمجھا جاتا بلکہ لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ صفات محمودہ میں جس قدر بھی زیادت ہو محمود ہی ہے حالانکہ یہ غلط ہے شریعت نے صفات محمودہ کے لئے بھی حدود مقرر کی ہیں ان حدود سے تجاوز محمود نہیں بلکہ مذموم ہے چنانچہ افراط شفقت کا مذموم ہونا آپ کو ایک واقعہ سے معلوم ہوگا۔

امر بالمعروف میں سیاست وتدبیر کی ضرورت

کانپور میں ایک مولوی صاحب ایک رئیس کے یہاں مہمان ہوئے وہ رئیس نماز ایسی ہی گنڈے دار پڑھتے تھے اور جماعت ووقت کے تو بہت کم پابند تھے صبح کو نماز اکثر طلوع شمس کے قریب یا اس کے بعد پڑھتے تھے۔ ان مہمان مولوی صاحب نے یہ حالت دیکھ کر ان کو نصیحت اور تنبیہ شروع کی ہر وقت نماز کیلئے ان کو ٹوکتے اور صبح کی نماز کیلئے اول ہی وقت سے جگا دیتے اور جب وہ اٹھنے میں سستی کرتے تو سخت سخت الفاظ کہتے کہ گدھے سے پڑے سو رہے ہیں اتنی لمبی رات میں بھی نیند نہیں بھرتی پس کھالیا پک لیا اور سو رہے اس کے سوا کچھ کام نہیں ایک روز تو رئیس نے صبر کیا کیونکہ نماز کیلئے نصیحت

Maktaba Tul Ishaat.com

کرنا ہر مسلمان کو گوارا ہے جس سے نماز کیلئے کہو گے کبھی انکار نہ کریگا مگر سختی بعض دفعہ گراں گزرتی ہے چنانچہ ایک دن جو مولوی صاحب نے سخت الفاظ استعمال کیئے تو رئیس کو غصہ آ گیا اور کہا جاؤ ہم نماز نہیں پڑھتے تمہاری نماز تم کو بخشوائے گی ہماری ہم کو بخشوائے گی چلو ہم جہنم میں ہی سہی اور اس کے بعد نوکروں سے کہا کہ اس مولوی کو باہر نکال دو (گو اس رئیس نے بہت سخت الفاظ کہے مگر وہ اس سے کافر نہیں ہوا کیونکہ مقصود فرضیت صلوٰۃ سے انکار نہ تھا بلکہ مقصد یہ تھا کہ تمہارے کہنے سے نماز نہیں پڑھوں گا اور یہ سخت الفاظ ان کی زبان سے مولوی صاحب کی سخت کلامی کی وجہ سے نکلے تو جیسے رئیس کو گناہ ہوا اسی طرح مولوی صاحب کو بھی گناہ ہوا کہ انہوں نے امر بالمعروف میں سیاست وتدبیر کا لحاظ نہیں کیا۔ حالانکہ امر بالمعروف میں اس کی بہت ضرورت ہے یونہی ڈھیلا سا مار دینا جائز نہیں اور اس شخص کو بھی امر بالمعروف زیبا نہیں جو نصیحت کے وقت اپنے کو مخاطب سے افضل سمجھتا ہو اور ایسے ہی شخص کی نصیحت مخاطب پر گراں ہوتی ہے اور جو ناصح اپنے کو سب سے کمتر سمجھتا ہو اسکی نصیحت ناگوار نہیں ہوتی کیونکہ وہ سختی کے ساتھ نصیحت نہیں کرتا اور اگر سختی کرتا بھی ہے تو موقع اور حال کا لحاظ کر کے سختی کرتا ہے۔ بعد میں وہ رئیس اپنے احباب سے کہتے تھے کہ اس منحوس کلمہ کا (کہ جاؤ ہم نماز نہیں پڑھتے) یہ اثر ہوا کہ اس کے بعد سے اب تک مجھے نماز کی توفیق نہیں ہوئی حالانکہ اس سے پہلے ادا یا قضا جماعت سے یا بے جماعت پڑھ لیا کرتا تھا۔ تو ان مولوی صاحب میں یہی مرض تھا یعنی افراط شفقت جس کا یہ انجام ہوا کہ کتنے سال تک دوسرے شخص کو نماز سے محروم کر دیا۔ اس لئے میں کہتا ہوں کہ افراط شفقت بھی مرض ہے اور یہ مرض بعض مشائخ میں زیادہ ہے کیونکہ مشائخ تین قسم کے ہیں ایک وہ جن کی طبیعت میں اعتدال ہے افراط شفقت ہے نہ آزادی ہے یہ تو اعلیٰ درجہ ہے اور بہت محمود ہے۔ دوسرے جن میں آزادی غالب ہے تیسرے وہ جن میں شفقت غالب ہے۔ یہ دونوں درجے بھی محمود ہیں اگر غلبہ حد سے تجاوز نہ ہو۔ مثلاً آزادی کا غلبہ اس درجہ نہ ہو کہ دوسروں کے نقصان کا سبب بن جائے۔ اس طرح شفقت کا غلبہ اس قدر نہ ہو کہ اپنا نقصان کر لے اگر غلبہ شفقت سے اپنا نقصان نہ ہو تو مضر نہیں اور نہ یہ مرض ہے ہاں اگر اپنا نقصان ہونے

Maktaba Tul Ishaat.com

لگے تو مضر ہے اور اب اس کو مرض کہا جائیگا میں اس وقت اسی پر متنبہ کرنا چاہتا ہوں۔

مشائخ وعلماء کو شفقت میں اعتدال کی ضرورت

بعض مشائخ وعلماء کی حالت یہ ہے کہ غلبہ شفقت میں ہر شخص کے کام میں گھس جاتے ہیں پھر معاملہ میں مشورہ بھی دیتے ہیں اور ہر شخص کی خدمت کو تیار ہو جاتے ہیں اور اس سے وہ اپنا نقصان کر لیتے ہیں کہ نہ معمولات کا انضباط رہتا ہے نہ کسی وقت یکسوئی حاصل ہوتی ہے نہ کوئی وقت تنہائی کا ان کو ملتا ہے۔ ہر وقت مجلس جمائے بیٹھے رہتے ہیں اور دوسروں کی دنیا سنوارنے میں اپنا دین برباد کر دیتے ہیں یہ حالت قابل اصلاح ہے مگر آجکل مشائخ اس کو عین طاعت سمجھتے ہیں۔ ہمارے ماموں صاحب جن پر آزادی غالب تھی مگر باتیں حکیمانہ فرماتے تھے تو ان کی کوئی بات حکمت کی ہو تو اس کے بیان کرنے میں کیا حرج ہے وہ مجھے فرماتے تھے کہ دوسروں کے جوتیوں کی حفاظت میں اپنی پونجی کو برباد نہ کر دینا جیسے بنارس کی حکایت سنی ہے کہ وہاں نہان کے موقع پر ایک رئیس نے اپنے ملازم کو سامان کے پاس بٹھا دیا اور خود نہانے چلا گیا سامان بہت قیمتی تھا اور نقد روپیہ بھی ساتھ تھا چوروں نے دیکھ لیا اور کوشش کی کہ کسی طرح ملازم یہاں سے اٹھے تو سامان پر قبضہ کریں تو انہوں نے یہ تدبیر کی کہ پیتل کی اشرفیاں جیب میں بھر کر اس ملازم کے سامنے سے زمین پر گراتے ہوئے گزرے ملازم یہ سمجھا کہ سونے کی اشرفیاں ہیں اور بے خبری میں جیب کے پھٹ جانے سے گر رہی ہیں وہ حرص میں سامان کے پاس سے اٹھا کہ قریب تو ہوں ہی اور اشرفیاں جمع کرنے لگا چوروں کی ایک جماعت جو اسی انتظار میں تھی آئی اور رئیس کا سامان اٹھا کر چلتی ہوئی تو جیسے اس شخص نے پیتل کی اشرفیوں کے لئے قیمتی سامان کو برباد کیا اسی طرح بعض مشائخ غلطی کرتے ہیں۔

بہر حال ہمارے ماموں صاحب کا یہ ارشاد تھا اور واقعی سچی بات تھی۔

ایثار فی القرب جائز ہے

مشائخ آجکل اس مرض میں زیادہ مبتلا ہیں اور اس کا نام ایثار رکھا ہے اور ایثار کی

Maktaba Tul Ishaat.com

اسلام میں بہت تعلیم کی گئی ہے اور اس کی صفت محمود ہونے میں کچھ شک نہیں مگر گفتگو تو اسی میں ہے کہ آپ کا یہ فعل ایثار میں داخل ہے یا نہیں اور داخل ہے تو حدود سے تو باہر نہیں۔ ایثار کے متعلق علماء ظاہر کا قول تو یہ ہے کہ قربات میں ایثار جائز نہیں مگر صوفیہ نے ایثار فی القرب کو بھی جائز کہا ہے جیسے صف اول میں کسی عالم یا شیخ کو اپنی جگہ بڑھا دینا اور خود پیچھے ہٹ آنا صوفیہ کے نزدیک جائز ہے اور وہ کہتے ہیں کہ اس میں ترک قربت نہیں ہے بلکہ قربت ادنیٰ کو قربت اعلیٰ کے طلب میں ترک کرنا ہے کیونکہ احترام مسلم متقی فی الصف الاول سے اعلیٰ قربت ہے اور دراصل یہ ایثار نہیں کیونکہ اس نے دوسرے کیلئے اپنے نفع کو فوت نہیں کیا بلکہ اپنے نفع کو حاصل کیا۔ اور منشاء اس مرض کا جو آجکل مشائخ میں پایا جاتا ہے ایک مسئلہ ہے جو علماء و مشائخ میں مشہور ہے کہ نفع متعدی مطلقاً نفع لازمی سے افضل ہے مگر یہ مسئلہ ہی علی الاطلاق غلط ہے یعنی لوگوں نے اس کی حقیقت غلط سمجھی ہے دراصل نفع لازمی ہی افضل ہے۔ اور نفع متعدی میں فضیلت اس لئے ہے کہ اس میں نفع لازمی بھی ہے اور متعدی بھی دونوں کا مجموعہ مل کر نفع لازم مجرد سے افضل ہو گیا جیسے ایک چیستان کے فقہی نے کہا ہے کہ ای سنة افضل من الواجب جب کہ وہ سنت کونسی ہے جو واجب سے افضل ہے اس کے جواب میں چند صورتیں بیان کی جاتی ہیں منجملہ ان کے بدایۃ بالسلام ہے کہ ابتداء سلام کرنا سنت ہے اور سلام کا جواب دینا فرض ہے مگر بدائت بالسلام افضل ہے تو اس کی بھی یہی وجہ ہے کہ واجب میں یعنی جواب سلام میں تو ایک ہی عبادت ہے۔ یعنی تطییب قلب مسلم (اور جواب فرض) اس لئے ہے کہ جواب نہ دینے میں مسلمان کی دلشکنی ہے اور عداوت پیدا ہونے کا اندیشہ ہے)۔

سلام میں پہل کرنا

بدائت بالسلام میں دو عبادتیں ہیں تطییب قلب مسلم بھی اور تقدم فی الخیر بھی ہے اس مجموعہ کی وجہ سے وہ افضل ہو گیا دوسرے یہ کہ نفع متعدی کی فضیلت جو کچھ ہے وہ اعمال لازمہ ہی کی بدولت تو ہے کہ دوسرے لوگ اس کے کہنے سے عمل نیک کریں گے۔ اگر دوسرے کے لئے وہ نیک ہے تو کچھ فضیلت نہیں ہاں اگر وہ عمل اس کے لئے نیک ہو تو

Maktaba Tul Ishaat.com

فضیلت ہے دوسرے نفع متعدی اسی وقت کامل نافع ہے جبکہ یہ خود بھی اس کے مقتضی پر عمل کرے۔ پس واعظ خود عامل ہوا تو وہاں دو امر مجتمع ہوئے ایک وعظ ایک نفع لازم اور اگر واعظ خود عامل نہ ہو تو اس کی فضیلت سامعین عاملین پر کسی دلیل سے ثابت نہیں بلکہ حدیث میں ایسے واعظ پر وعید ہے حدیث میں ہے کہ ایک شخص جہنم میں اپنی آنتیں گھسیٹتا ہوا گھومے گا اور اس کی بدبو سے جہنم والے تنگ آجائیں گے تو وہ کہیں گے ارے فلانے تیرا یہ کیا حال ہے تو ہم کو امر و نہی کیا کرتا تھا وہ کہے گا ہاں لیکن میں تم کو نیک کام کا امر کرتا تھا اور خود عمل نہیں کرتا تھا اور تم کو گناہوں سے منع کرتا تھا اور خود نہیں بچتا تھا۔ پس معلوم ہوا کہ نفع لازم ہی اصل ہے ورنہ اگر کوئی شخص نماز کی ترغیب دیتا ہو اور خود نہ پڑھتا ہو اس کی فضیلت کافی نہیں بلکہ محل وعید سے یوں خلاف قاعدہ مغفرت ہو جائے تو اور بات ہے باقی قانون نہیں ہے۔ میں کہہ رہا تھا کہ علماء ظاہر نے ایثار فی القرب کو منع کیا ہے مگر صوفیہ نے اس کو جائز کیا ہے اور انہوں نے اس کی حقیقت سمجھی ہے کہ اس میں ترک قربت نہیں بلکہ ایک اعلیٰ قربت حاصل کرنے کیلئے ادنیٰ کو ترک کیا جاتا ہے مگر علماء ظاہر نے حقیقت تو سمجھی نہیں خواہ مخواہ صوفیہ پر اعتراض کرتے ہیں بات یہ ہے کہ حضرات حقائق کو اہل ظاہر سے زیادہ سمجھتے ہیں۔

مشائخ کاملین کا طرز تربیت

چنانچہ ایک حدیث میں ہے ان احدکم فی الصلوٰۃ ماانتظر الصلوٰۃ (الصحیح للبخاری ۴: ۳۹ بلفظ آخر) کہ جو شخص ایک نماز پڑھ کر دوسری نماز کے انتظار میں مصلیٰ پر بیٹھا رہے یا مسجد میں سویرے سے نماز کیلئے آجائے تو وہ جب تک بیٹھا رہیگا اس وقت تک اس کے نامہ اعمال میں نماز کا ثواب لکھا جائیگا۔ اب اگر کوئی شیخ اس کو دوسرے کام میں لگا دے اور یہ کہے کہ تم نماز کے بعد بجائے مصلیٰ پر بیٹھنے کے گوشہ میں جا کر ذکر و شغل کیا کرو تو وہ محل ملامت نہیں گو اہل ظاہر اعتراض کریں گے کہ شیخ نے افضل کو چھڑا کر مفضول میں لگایا اور سنت کے خلاف عمل بتلایا مگر صوفیہ کہتے ہیں کہ اس شخص کو عمل افضل کا ثواب تو جب ہی حاصل ہوگا جب اس کو انتظار صلوۃ بھی حاصل ہو اور جب ہم دیکھتے ہیں کہ

Maktaba Tul Ishaat.com

اس کو انتظار صلوٰۃ کی حقیقت حاصل نہیں بلکہ اس پر ایک جگہ بیٹھا رہنا گراں ہے اور یہ اس حالت میں یا تو دنیا کی باتیں کرتا ہے یا گندے وساوس میں مبتلا رہتا ہے تو اسکے لئے اس وقت انتظار صلوٰۃ افضل نہیں بلکہ اس کو پہلے انتظار صلوٰۃ کی حقیقت حاصل کرنا چاہیے۔ اسی طرح ایک شخص نماز کی کثرت کرتا ہے اس کو شیخ نے بجائے تکثیر صلوٰۃ کے تکثیر ذکر میں مشغول کر دیا وہ بھی محل ملامت نہیں گو نماز سے افضل کوئی عبادت نہیں اس پر اگر کوئی عامی اعتراض کرے اور جو کامل پر اعتراض کرے وہ عامی ہی ہے تو یہ اس کی غلطی ہے کیونکہ جس کیلئے تکثیر ذکر شیخ نے تجویز کیا ہے وہ ابھی تکثیر صلوۃ کے قابل نہیں اور اگر پڑھے گا بھی تو اس کی نماز بدون یکسوئی کے کامل نہیں ہوتی اور یکسوئی تکثیر نوافل سے آجکل حاصل نہیں ہوتی کیونکہ نماز میں متفرق افعال ہیں جن سے مبتدی کو تشتت ہوتا ہے اور ذکر میں ایک ہی چیز ہے اس میں مبتدی کو جلدی یکسوئی حاصل ہو جاتی ہے پھر بعد میں خود اس کے لئے بھی تکثیر نوافل ہی بجائے تکثیر ذکر تجویز کیا جائیگا۔

(ایک مصرعہ یاد نہیں آتا)

خلوت و چلہ برو لازم نماند

پس صوفیہ تکثیر ذکر کی تعلیم کر کے اس شخص کو تکثیر صلوۃ کے قابل بنانا چاہتے ہیں۔ مگر تکثیر ذکر کچھ عرصہ تک کر کے خود اپنی رائے سے تکثیر نوافل اختیار کر لینا بلکہ اس کو بھی شیخ سے پوچھو گو تم کیسے ہی یکسوئی والے اور کیسے ہی صاحب نسبت ہو گئے ہو کیونکہ جس کا باپ زندہ ہو اسے اپنے کو بیٹا ہی سمجھنا چاہیے گو وہ دوسروں کا باپ بھی ہو جائے۔ سعادت مند ہے وہ شخص جو داڑھی مونچھ والا ہو کر بھی عید کے دن باپ سے عیدی مانگتا ہے خصوصاً طریق باطن میں اس کی ضرورت زیادہ ہے کیونکہ اس طریق میں اگر کوئی شیخ سے مستغنی بن جائے تو اس کی عمر گھٹنا شروع نہیں ہوتی کہ وہ بجائے چالیس سال کے بیس سال کا ہو جائے بلکہ جتنی عمر ہوگی وہ رہے گا اور طریق باطن میں جس دن مرید نے اپنے کو شیخ سے مستغنی سمجھنا شروع کیا اسی وقت سے گھٹنا شروع ہو جاتا ہے غرض تم کو اگر تکثیر ذکر بتلایا گیا ہو تو یکسوئی حاصل ہو جانے کے بعد خود تکثیر صلوۃ اپنے لئے تجویز نہ کرو بلکہ شیخ سے پوچھو مگر مسئلہ یہی ہے

Maktaba Tul Ishaat.com

کہ انتہاء میں بجائے ذکر و شغل کے تکثیر نوافل و کثرت تلاوت ہی رہ جاتا ہے جبکہ یہ شخص کامل نماز کا اہل ہو جائے اور کمال نماز کا مدار جمعیت قلب پر ہے صوفیہ کرام اصل میں اسی کو دیکھتے ہیں چنانچہ کہتے ہیں۔

چو ہر ساعت از تو بجائے رود دل ☆ بہ تنہائی اندر صفائے نہ بینی

ورت مال و زرہست و زرع و تجارت ☆ چو دل باخدا یست خلوت نشینی

صاحب جب دل میں تشتت ہے تو خلوت و اجتماع وقت کافی نہیں اور اگر ظاہر میں باغ اور کھیت میں لگا ہوا ہے مگر دل خدا سے لگا ہوا ہے تو یہ شخص ہر کام میں صاحب خلوت ہے۔

گر باہمہ چو باہمی بے ہمہ ☆ ور بے ہمہ چو بے منی باہمہ

جمعیت قلب کے اہتمام کی ضرورت

حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہ کو جمعیت قلب کا بڑا اہتمام تھا بعض لوگ حضرت سے بارہ تسبیح کی نشست دریافت کرتے کیونکہ اس میں ایک خاص نشست بزرگوں نے لکھی ہے مگر نسخہ کتابی اور ہے اور عملدرآمد اور ہے تو حضرت فرماتے کہ کس طرح یکسوئی حاصل ہو اسی طرح بیٹھ جایا کرو اور کوئی ذکر خفی و ذکر جہر کو پوچھتا تو فرماتے جس میں زیادہ جی لگے وہ اختیار کرو۔ صاحبو! آپ صوفیہ پر کیا اعتراض کرتے ہیں کہ انہوں نے یہ یکسوئی کی قید کہاں سے نکالی کبھی اپنے اطباء پر اعتراض نہ کیا کہ وہ مسہل میں صحبت نیک اور اچھی باتیں کرنے سے بھی منع کرتے ہیں اور دستوں کے تصور کو لازم کہتے ہیں جب دست بدون یکسوئی نہیں ہوتا تو پا یعنی قدمالی الطریق بدون اسے کیسے حاصل ہوگا جیسے اطباء نے تجربہ کیا ہے کہ مسہل بدون یکسوئی کے مؤثر نہیں ہوتا ایسے ہی حضرات صوفیہ نے بھی تجربہ کیا ہے کہ اصلاح قلب بدون تمام علائق قطع کرنے کے نہیں ہو سکتی اور قطع تعلقات سے مراد تعلقات کی تقلیل ہے اور وہ بھی غیر ضروری تعلقات کی ضروری تعلقات کی تقلیل مراد نہیں۔ اور ضروری وہ ہے جس کے ضرر ہو خواہ دین میں یا دنیا میں یہ رحمت ہے حق تعالیٰ کی کہ ضروریات میں تقلیل نہیں کی گئی اور اس سے بڑھ کر رحمت یہ ہے کہ ضروریات کی تکثیر مضر بھی

Maktaba Tul Ishaat.com

نہیں اس کو صوفیہ نے سمجھا ہے۔ اور مشاہدہ بھی کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ اگر ایک کنجڑا صبح سے شام تک لے لو امرود کی صدا لگاتا پھرے تو رائی برابر بھی ضرر نہ ہوگا نہ نور قلب میں کمی آئیگی کیونکہ یہ ضرورت کی وجہ سے ہے اور اگر ایک دفعہ بھی بے ضرورت کلام کیا تو سارا نور قلب برباد ہو جائیگا۔ چنانچہ ایک بزرگ اپنے دوست کے مکان پر گئے اور آواز دی تو اندر سے جواب آیا کہ ہیں نہیں اس پر ان بزرگ کی زبان سے یہ نکل گیا کہ کہاں ہیں اور معلوم نہ ہوا پھر تیس برس تک اس پر روئے کہ میں نے یہ سوال کیوں کیا مولانا فرماتے ہیں۔

بر دل سالک ہزاران غم بود ☆ گر ز باغ دل خلالے کم بود

(سالک کے دل پر ہزاروں غم وارد ہوتے ہیں اگر ذرہ برابر بھی اس کی باطنی حالت میں کمی ہوتی ہے)۔

غیر ضروری تعلقات مضر ہیں

پس معلوم ہوا کہ غیر ضروری تعلقات مضر ہیں ضروری تعلقات مضر نہیں رہا یہ کہ پھر یوں کیوں کہا جاتا ہے کہ تمام علائق کو قطع کرو اس کا جواب یہ ہے کہ غیر ضروری میں تقلیل سے مجموعہ میں تقلیل ہو جاتی ہے تو گویا تمام ہی تعلقات میں تقلیل ہوگئی اور یہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ قطع اور ترک تعلقات سے مراد تقلیل ہے حقیقی قطع مراد نہیں۔ اب میں مقصود کو بیان کرتا ہوں کہ جب یہ معلوم ہوگیا کہ اس طریق میں بڑی دولت یکسوئی ہے۔ اور یکسوئی بدون تقلیل تعلقات کے حاصل نہیں ہوتی بلکہ تکثیر تعلقات سے یکسوئی برباد ہو جاتی ہے تو اب جو لوگ غلبہ شفقت کی وجہ سے مخلوق کے ہر کام میں گھس جاتے ہیں اور اپنی یکسوئی اور جمعیت قلب کو برباد کرتے ہیں۔ وہ مریض ہیں ان کو اپنی اصلاح کرنا چاہیے اور یہ تو وہ لوگ ہیں جو غلبہ شفقت کی وجہ سے دوسروں کے کاموں میں گھستے ہیں مگر ایسے بہت کم ہیں زیادہ حالت تو یہ ہے کہ بعض لوگ تعلقات غیر ضروریہ کو اسلئے اختیار کرتے ہیں کہ ان کو اس میں حظ آتا ہے ان کا جی چاہتا ہے کہ یہ کام بھی کرلیں وہ بھی کرلیں اگر اس کا نام ایثار و خدمت خلق رکھ لیا ہے ان کے نفس نے یہ عنوان تجویز کر کے اپنی خواہش پورا کرنے کے لئے بہانہ ڈھونڈھ لیا ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

اتباع سنت کی حقیقت

میں نے پہلے بھی ایک بیان میں کہا ہے اور اب بھی کہتا ہوں کہ بعض لوگ عمل تو اختیار کرتے ہیں اپنی ہوائے نفس سے پھر اس کی تائید میں کوئی حدیث یا قرآن کی آیت تلاش کر لیتے ہیں سو اس کا نام اتباع سنت نہیں۔ بلکہ اتباع سنت اس کا نام ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عمل غالب کا اتباع کیا جائے پھر عمل غالب کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو وقوعاً کثیر ہو دوسرے وہ جو مقصوداً کثیر ہو گو عملاً قلیل ہو جیسے تراویح کی نماز کہ گو عملاً سوائے چند راتوں کے حضور ﷺ کا جماعت کے ساتھ تراویح پڑھنا ثابت نہیں مگر احادیث کے اندر غور کرنے سے یہ بات ثابت ہے کہ آپ نے عذر کی وجہ سے اس پر مواظبت نہیں فرمائی لیکن مواظبت آپ کو مطلوب ضرور تھی چنانچہ صحابہ نے آپ کے مطلوب کو سمجھا اور بعد میں سب نے اس پر مواظبت کی۔ اور اس بات کو فقیہہ سمجھ سکتا ہے کہ کہاں وقوعاً عمل غالب ہے اور کہاں مقصوداً اور صوفیہ بھی فقیہہ ہیں بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ صوفیہ ہی فقیہہ ہیں بشرطیکہ علوم باطنہ کے ساتھ علوم ظاہرہ کے بھی جامع ہوں۔ مگر آجکل عام طور سے علماء و مشائخ نے یہ طرز اختیار کیا ہے کہ عمل تو اختیار کرتے ہیں اپنی طبیعت کے تقاضے سے اور نفس کی خواہش سے پھر اپنے فعل کے استحسان کیلئے کوئی حدیث کتابوں میں سے تلاش کر کے یاد کر لیتے ہیں ایسے ہی لوگوں کے متعلق سعدیؒ فرماتے ہیں۔

زسنت نہ بینی درایشان اثر ☆ مگر خواب پیشیں ونان سحر

(سوائے قیلولہ اور سحر کی روٹیوں کے ان میں کوئی سنت کا اثر نہ پائے)۔

کہ یہ لوگ سحری تو کھاتے ہیں جی چاہنے کی وجہ سے اور فضیلت سحور کی حدیث یاد کر کے اس کو بہانہ بنا لیا ہے۔ اس اتباع سنت کی ایسی مثال ہے جیسے مولانا دیوبندیؒ نے ایک شخص کی حکایت بیان فرمائی تھی کہ اس نے کسی عورت سے زنا کیا اور اس کو حمل رہ گیا تو کسی نے ملامت کے طور پر کہا کہ کم بخت تو نے عزل ہی کر لیا ہوتا جو یہ بدنامی تو نہ ہوتی کہاں خیال تو ہوا تھا کہ عزل کر لوں مگر میں نے فقہاء سے سنا تھا کہ عزل کرنا مکروہ ہے

Maktaba Tul Ishaat.com

اسلئے نہ کیا۔ کوئی اس سے پوچھے کہ کیا فقہاء نے زنا کو تیرے واسطے جائز کر دیا تھا؟ حرام کا ارتکاب اور مکروہ سے اجتناب یہ تو وہی مثل ہوئی گڑ کھائیں اور گلگوں سے پرہیز۔

منتہی کو بھی یکسوئی کی ضرورت ہے

غرض تعلقات ضروریہ کی تقلیل لازم ہے بدون اس کے اس طریق میں نفع نہیں ہوتا مبتدی کو تو اس کی ضرورت ہے ہی منتہی کو بھی ضرورت ہے کہ اس کا کوئی وقت خلوت و یکسوئی کا ضرور ہو اور دل تعلقات سے خالی ہو۔ مگر بعض لوگ تعلقات غیر ضروریہ کو خواہ وہ اپنے ہوں یا دوسروں کے اسلئے اختیار کرتے ہیں کہ اس میں ان کو حظ نفس ہے خود اس میں مزا آتا ہے مگر ایثار و خدمت خلق کا بہانہ ڈھونڈ لیا ہے کہ اس میں دوسروں کو نفع پہنچانا ہی ایثار ہے اور خدمت خلق ہے وغیرہ وغیرہ اور اس کے متعلق کچھ واقعات نبویہ اور کچھ واقعات صحابہ اور واقعات اولیاء بھی یاد کر لئے ہیں اور دل میں خوش ہیں کہ ہم بھی اتباع سنت و اتباع سلف کر رہے ہیں۔

حظ نفس میں بجائے ثواب کے گناہ

مگر اس کو مبصر شیخ ہی ادراک کرتا ہے کہ تمہارے اس فعل کا منشاء کیا ہے وہ تمہاری صورت سے پہچان لیتا ہے کہ تم جلسوں میں اس لئے شریک ہوتے ہو کہ حظ نفس ہے وعظ اس لئے کہتے ہو کہ اس سے دل خوش ہوتا ہے تمہارا دل تعلقات ماسوی اللہ میں پھنسا ہوا ہے۔ یکسوئی سے کورا ہے۔ خدا کے ساتھ تعلق بہت کم ہے اسی لئے ایسے شخص کو نماز پڑھنے میں حظ نہیں آتا ہاں وعظ جتنا چاہو کہہ لو اس میں بہت حظ آتا ہے جلسوں میں جتنا چاہو بلا لو فوراً تیار ہو جائیں گے اور اس کے متعلق کچھ احادیث یاد کر کے اپنے جی میں خوش ہیں اور وعظ کہتے ہوئے یہ سمجھتے ہیں کہ میرے سامنے سب جاہل ہیں اور دل دل میں کہہ رہے ہیں کہ آج بڑا اچھا بیان ہوا یہ حالت دل کے تباہ ہونے کی علامت ہے مولانا فرماتے ہیں۔

منصب تعلیم نوع شہوتیست ☆ ہر خیالے شہوتے در رہ تے است

(منصب تعلیم تیری ایک قسم کی شہوت ہے ہر خیال تیرے اس راہ میں شہوت ہے)

پھر بعض دفعہ یہ لوگوں کو اپنی تعظیم سے بھی منع کرتے ہیں مگر اس میں بھی نفس کا ایک

Maktaba Tul Ishaat.com

کید ہوتا ہے جس کا کبھی مجھے اپنے اوپر بھی شبہ ہو جاتا ہے مگر میں اپنے کو متہم نہیں کرتا صرف شبہ ہی ہوتا ہے کہ یہ انکار عن الخدمت آیا اس لئے ہے کہ اپنے کو نا قابل خدمت سمجھتے ہیں یا اس لئے ہے کہ دوسرے کو اتنا حقیر سمجھا جاتا ہے کہ اس کو اپنی خدمت کے قابل نہیں سمجھتے۔ اور جس کام میں حظ نفس ہو وہ اخلاص سے خالی ہے اور بجائے ثواب کے اس میں گناہ کا اندیشہ ہے بزرگوں نے اس حظ نفس کا معالجہ مجاہدات سے کیا ہے۔ چنانچہ ایک بزرگ کسی شہر میں وارد ہوئے اور وہاں ان کی بہت تعظیم ہوئی تو دیکھا کہ نفس میں کچھ عجب قسم کے آثار نظر آنے لگے ہیں انہوں نے اس کا یوں علاج کیا کہ ایک روز ناشتا سا حمام میں گئے اور ایک شہزادے کا قبا چرا لیا اور چرا کر وہیں ایک طرف کھڑے ہو گئے۔ (کیونکہ سرقہ کا تو قصد تھا ہی نہیں بلکہ نفس کی بڑائی توڑنے کا قصد تھا)۔ جب شہزادے نے قبا کو غائب پایا تلاش کرنے کا حکم دیا ان بزرگ کے پاس سے ملا تو ان کی خوب درگت ہوئی۔ اسی طرح مولانا فیض الحسن صاحب سہارنپوری نے ایک بار وعظ فرمایا وعظ کے بعد یہ اندیشہ ہوا کہ لوگ ہاتھ چومیں گے تو آپ نے فوراً ہی ایک ساتھی سے کہا کہ بھائی اس وقت فلانی جگہ مجرا ہے آؤ وہاں چلیں سب لوگ یہ کلمہ سن کر لاحول پڑھتے ہوئے چل دیئے۔ کسی نے ان کے ہاتھ نہیں چومے۔ مگر آپ بزرگوں کے ان افعال کی تقلید نہ کرنے لگیں کیونکہ تمہارے اس فعل میں بھی حظ نفس ہوگا۔

تو صاحب غرضی اے غافل میاں خاک وخوں میخور
کہ صاحب دل اگر زہری خورد آں انگبیں باشد

مولانا فرماتے ہیں ؎

لقمہ ونکتہ است کامل را حلال ☆ تو نہ کامل مخوری باش لال

اسی لئے مشائخ نے مبتدی کو وعظ کہنے سے منع کیا ہے کیونکہ وہ حظ نفس کے لئے وعظ کہے گا اس کا نفس پابندی معمولات اور تنہائی سے بھاگتا ہے مجمع میں باتیں بنانے کو دل چاہتا ہے۔ اس لئے وعظ میں اس کو مزا آتا ہے دوسرے ایک وجہ میرے نزدیک اور بھی ہے وہ یہ کہ ابتداء میں احوال کا طریاں زیادہ ہوتا ہے اس وقت اگر یہ شخص وعظ کہے گا تو اپنے حالات ہی کا بیان کرے گا کیونکہ ایسا ضبط مبتدی کو کہاں کہ دل پر آرہ چلے اور زبان پر نہ

Maktaba Tul Ishaat.com

آئے یہ ظرف کاملین کو عطا ہوتا ہے چنانچہ شیخ عبدالحق ردولویؒ کا ارشاد ہے کہ منصور بچہ بود کہ از یک قطرہ بفریاد آمد اینجا نرداند کہ دریاہا فرو برندو آروغ نزنند (منصور بچہ تھا کہ ایک قطرہ پی کر اچھل پڑا یہاں ایسے مرد ہیں کہ دریا نگل گئے اور ڈکار تک نہ لی) پھر جب وہ احوال بیان کرتا ہے تو سامعین پر اس کا اثر ہوتا ہے کیونکہ احوال صادقہ ہیں گو کمزور ہیں پھر عوام اس کے معتقد ہوتے ہیں اور اعتقاد عوام میں مبتدی کی ہلاکت ہے۔ غرض اس طریق میں بعض امور ایسے ہیں جن کو مبتدی نہیں سمجھ سکتا بلکہ منتہی سمجھتا ہے مبتدی جس بات کو ایثار اور خدمت خلق سمجھتا ہے مبصر شیخ اس کو حظ نفس اور حب شہرت سمجھتا ہے اور بعض امور ایسے دقیق ہوتے ہیں جن میں کامل بھی متردد ہو جاتا ہے اور بعض امور میں اس کو چھوٹوں سے مشورہ کرنا پڑتا ہے گو وہ اس کے اشکال کو رفع نہ کر سکیں مگر مشورہ میں خاصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ مدد فرماتے ہیں **یداللہ علی الجماعۃ وماخاب من استخار ومااندم من استشار اوکمال** قال صلی ﷺ (المستدرک للحاکم ۱:۱۱۵، کنز العمال :۱۰۳۱)، حق تعالیٰ مشورہ کے وقت چھوٹوں کے منہ سے بلا فہم کے ایسی بات نکلوا دیتے ہیں جس سے کامل اپنا مطلب نکال لیتا ہے۔ گویا اس کا حق وہاں ودیعت ہے جس کو وہ اضطراراً ادا کر دیتے ہیں گو ان کو خبر بھی نہ ہو۔ بہر حال آج کل یہ مرض بہت عام ہے کہ دوسروں کے کاموں میں اور فضول قصوں میں پڑ جاتے اور اس کو ثواب سمجھتے ہیں۔ میں اس کو مطلقاً مذموم نہیں کہتا بلکہ یہ کہتا ہوں کہ وہ ان تعلقات میں شرکت کرتے ہوئے یہ دیکھیں کہ ان کے دین پر تو اس کا اثر نہیں ہوتا اگر ذرہ برابر بھی ضرر نہ ہو تو مضائقہ نہیں اور اگر ضرر ہو تو ہرگز ان میں شرکت نہ کریں بلکہ اپنے کام میں لگیں اور خدمت خلق کو الگ کریں اور نفع وضرر تشخیص میں اپنی رائے سے کام نہ لیں۔ بلکہ شیخ محقق سے دریافت کریں۔ اور محض قواعد کلیہ دریافت کرنا کافی نہیں کیونکہ قواعد کلیہ تو میں نے اسی وقت بیان کر دیئے مگر اس کے بعد بھی میں شیخ سے دریافت کرنے کی ضرورت بتلا رہا ہوں۔ پس مطلب یہ ہے کہ اپنی حالت کی تفصیل اور کچا چٹھا لکھ کر احکام جزئیہ معلوم کریں ہمارے ایک دوست ہیں ان کو اس کا بہت شوق ہے کہ ہر کام میں حصہ لیں ہر جلسہ میں شرکت کریں اور اس کے ساتھ ہی ان

Maktaba Tul Ishaat.com

کوطریق باطن میں مشغول ہونے کا بھی بہت شوق ہے میں نے ان سے صاف کہہ دیا ہے تم کو یہ طریق حاصل نہ ہوگا کیونکہ اس میں یکسوئی کی ضرورت ہے اور تم کو ان تعلقات کے ساتھ یکسوئی حاصل نہیں ہوسکتی کہنے لگے کہ میں یہ صورت اختیار کرونگا کہ ہر تین چار مہینے کے بعد پندرہ بیس دن یہاں (خانقاہ میں) قیام کرلیا کرونگا یہ ایام یکسوئی سے گزریں گے میں نے کہا کہ اس سے بھی یکسوئی حاصل نہ ہوگی کیونکہ ان ایام میں یہ عزم تو ہوگا کہ بیس دن کے بعد پھر قومی خدمات میں مشغول ہوں گا اور عزم تعلق مع الغیر بھی اس طریق میں مضر ہے۔ مولانا گنگوہیؒ سے میں نے ایک حکایت سنی ہے کہ ایک بزرگ نے ایک مرید کو ذکر و شغل تعلیم فرمایا وہ کام کرتا رہا مگر طریق مفتوح نہ ہوا اس نے شیخ سے کئی دفعہ اس کی شکایت کی شیخ نے بہت تدبیریں بتلائیں مگر اس کو نفع نہ ہوا چونکہ شیخ مبصر تھا سمجھ گیا کہ اس کی نیت میں فتور ہے۔ پوچھا میاں یہ تو بتلاؤ کہ تمہاری نیت ذکر و شغل میں کیا ہے۔ کہا حضور یہ نیت ہے کہ اللہ تعالیٰ میری اصلاح فرمادیں تو پھر میں دوسروں کی اصلاح کرونگا فرمایا توبہ کرو شرک ہی ہے ابھی سے بڑا بننے کی فکر ہے اس خیال کو دل سے نکالو بس مرید کا اس خیال سے توبہ کرنا تھا کہ طریق مفتوح ہوگیا۔

اس پر وہ دوست کہنے لگے کہ پھر میں کیا کروں اب تو ان کاموں سے چھٹکارا مشکل ہے۔ میں بری طرح پھنس گیا ہوں۔ میں نے کہا طرق الوصول الی اللہ بعد دانفاس الخلائق۔ کہ اصل مقصود تو رضائے حق ہے اور اسی کا حصول طریق صوفیہ ہی میں منحصر نہیں اس کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ ذوقیات و کیفیات و نسبت ذوقیہ کی طلب نہ کرو صرف مقصود کو مضبوطی سے پکڑے رہو کہ کوئی کام خلاف شریعت و خلاف سنت صادر نہ ہو۔ اس پر وہ خاموش ہوگئے۔ ظاہر میں تو میں نے ان کو سہل طریقہ بتلادیا مگر حقیقت میں یہ آجکل بہت دشوار ہے۔ محال تو نہیں مگر ایسا ہی جیسے بدون باپ کے بیٹا ہوجانا۔ کیونکہ تعلقات غیر میں پھنس کر کوئی کام خلاف شریعت نہ ہو قدم ذرا آگے نہ بڑھے بہت مشکل ہے۔

جملہ صحابہؓ کے حالات ایک سے نہ تھے

ہر شخص میں وہ قوت کہاں جو حضرت صدیق اکبر و حضرت فاروق اعظم رضی اللہ

Maktaba Tul Ishaat.com

عنہ میں تھی کہ ہفت اقلیم کا انتظام ہاتھ میں ہے اور اپنے کام سے بھی ذرہ برابر غافل نہیں قدم قدم پر دین ملحوظ ہے اور ہر ساعت میں قلب کی حالت پر نظر ہے۔ اور تو اور صحابہ میں بھی سب میں یہ قوت نہ تھی آخر کچھ تو وجہ ہے کہ رسول ﷺ نے حضرات شیخین کیلئے تو خلاف تجویز فرمائی اور حضرت ابوذر غفاریؓ کیلئے ان قصوں سے علیحدگی تجویز فرمائی چنانچہ حدیث میں ہے۔ **یاابا ذرانی ارائک ضعیفا وانی احب لنفسک مااحب لنفسی لاتقضین بین اثنین ولاتلین مال یتیم (الصحیح لمسلم الامارہ :۱۷' سنن ابی دائود: ۲۸۶۸)** (اوکمال قال) کہ اے ابوذرؓ میں تم کو کمزور دیکھتا ہوں اور میں تمہارے لئے وہ بات پسند کرتا ہوں جو اپنے واسطے پسند کرتا ہوں دیکھو دو آدمیوں کے درمیان کبھی حکم یا ثالث بن کر فیصلہ نہ کرنا اور نہ یتیم کے مال کے متولی بننا (یعنی اگر میں بھی تم جیسا ضعیف ہوتا تو اپنے لئے اس حالت میں یہی تجویز کرتا یا یہ کہ مجھے طبعاً تو علیحدگی اور یکسوئی ہی محبوب ہے، مگر ضرورت کی وجہ سے تعلقات میں مشغول ہوں اور خدا نے مجھے قوت بھی دی ہے۔ عصمت سے بھی ممتاز فرمایا ہے اس لئے ان تعلقات کو گوارا کرتا ہوں) غرض صحابہ میں بھی سب یکساں نہ تھے بلکہ کوئی تعلقات کا متحمل تھا کوئی متحمل نہ تھا۔

جملہ انبیاءؑ کامل ہیں

مگر اس تفصیل کو انبیاءؑ میں جاری نہ کرنا انبیاءؑ سب کامل ہیں، ان میں ضعیف کوئی نہیں۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ بعد میں محمدی بن کر بادشاہت کرینگے (یعنی زمام خلافت اپنے ہاتھ میں لیں گے اور شریعت کی اصطلاح میں خلافت سے مراد سلطنت ہی ہے جبکہ شریعت کے اصول وقواعد کے موافق ہو اور اس سے مقصود بھی دین کی ترویج ہو (اور پہلے جو حضرت عیسیٰ نے بادشاہت نہیں کی تو اس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت آپ کو اس سے دلچسپی نہ تھی دوسرے ضرورت بھی داعی نہ تھی۔ کیونکہ آپ پر ایمان لانیوالی مختصر جماعت حواریین کی تھی اور حواریین کی تبلیغ سے دیگر ممالک میں آپ کا مذہب بعد میں رائج ہوا آپ کے سامنے ایمان لانیوالوں کی جماعت نہ تھی جن کے لئے مستقل سلطنت قائم کرنے کی ضرورت ہوتی

Maktaba Tul Ishaat.com

ورنہ قابلیت واہلیت واستعداد آپ میں اس وقت بھی موجود تھی اوراب بھی موجود ہے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کسی قوت میں ناقص نہیں ہوتے (پس جس شخص نے یہ کہا ہے کہ نعوذ باللہ عیسیٰؑ میں سیاست وسلطنت کی استعداد نہ تھی اس نے سخت گستاخی کی ہے) غرض سب کے سب ایک شان کے نہیں ہوتے ورنہ حضور ﷺ حضرت ابوذرؓ کو منصب قضا واولیت سے منع نہ فرماتے۔

شیخ ومرید میں باہمی مناسبت شرط ہے

ایک سیاسی اکھاڑے والے مولوی یہاں تشریف لائے اوراپنے ساتھ دو پہلوانوں کو بھی لائے وہ ان دونوں کو میرے سر چپکانا چاہتے تھے کہ تو ان کو بیعت کرلے میں نے ان کے سر چپکا دیا۔ وہ اپنے کو نا قابل کہتے تھے میں اپنے کو نااہل بتلاتا تھا کچھ دیر تو تواضع میں نزاع ہوتا رہا پھر میں نے کہا کہ آپ بھی غلطی کرتے ہیں کہ سب کمالات کی نفی کرتے ہیں اور میں بھی غلطی پر ہوں کہ اپنے سے اہلیت کی مطلقاً نفی کررہا ہوں کہ اس میں ناشکری ہے۔ بات یہ ہے کہ جتنی اہلیت کی ان صاحبوں کی خدمت کیلئے ضرورت ہے وہ آپ میں بھی ہے اور مجھ میں بھی ہے مگر اس میں ضرورت اس کی ہے کہ مرید وشیخ میں مناسبت ہو اس کا لحاظ بہت ضروری ہے۔ آجکل بہت مشائخ اس کی پروا نہیں کرتے مگر بعد میں اس کا وہ حشر ہوتا ہے جو ایک دفعہ دیوبند میں کتابوں کا حشر ہوا۔ قصہ یہ ہوا کہ دیوبند میں علوم فلسفیہ وریاضت کیلئے مولانا سید احمد صاحب دہلوی منتخب تھے۔ اور علوم حدیث وتفسیر کیلئے مولانا محمد یعقوب صاحب مشہور تھے ایک سال مولانا سید احمد صاحبؒ فرمانے لگے کہ ان خرافات کیلئے میں رہ گیا میرے پاس حدیث وقرآن کبھی نہیں آتا میں شمس بازغہ نہ پڑھاؤں گا مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کو خبر ہوئی تو فرمایا کہ لاؤ شمس بازغہ ہمارے یہاں بھیج دو ترمذی تم لے لو اب انجام یہ ہوا کہ مولانا محمد یعقوب صاحب کے یہاں شمس بازغہ کی بڑی درگت ہوئی بس عبارت کا ترجمہ ہوا اور مولانا نے اس کا ورد شروع کیا کہ غلط بکتا ہے جھک مارتا ہے۔ اس دلیل کا جواب یہ ہے اور دوسری دلیل کا جواب یہ ہے۔ کتاب کا حل تو کچھ نہ ہوتا اس کی تردید خوب ہوتی ادھر ترمذی کی مولانا سید احمد صاحب کے یہاں یہ گت ہوئی کہ تمام شروح ولغات

Maktaba Tul Ishaat.com

واسماء الرجال فرماتے تھے جس سے طلبہ کی تنگی ہوتی تھی۔ غرض دونوں کی جماعت بددل تھی بالآخر مولانا سید احمد صاحب نے خود ہی ترمذی مولانا کے یہاں بھیج دی اور شمس بازغہ خود لے لیا تو طلبہ خوش ہوئے یہی حال اس مرید کا ہوتا ہے جس کو شیخ سے مناسبت نہ ہو پہلے مشائخ کو اس بات کا بہت اہتمام تھا بعض تو شروع ہی سے کہہ دیتے تھے کہ ہمارے یہاں تمہارا حصہ نہیں فلاں بزرگ کے پاس جاؤ (یہ اہل کشف تھے) اور بعض حضرات بعد میں تجربہ کر کے فرمادیتے تھے کہ ہم تم کو فلاں بزرگ کے یہاں بھیجے دیتے ہیں تم کو ان سے فیض جلدی ہوگا۔

جملہ مشائخ وعلماء کو سیاست میں آنا مناسب نہیں

نہ معلوم آج کل مشائخ نے یہ طرز کہاں سے سیکھا ہے کہ سب کو اپنے ہی سے وابستہ کرنا چاہتے ہیں تو میں نے ان بزرگ سے عرض کیا کہ آپ ان کو میرے حوالے کر کے ان کا راہ کیوں مارتے ہیں ان کو آپ سے زیادہ مناسبت ہے آپ ہی ان کو بیعت کرلیں اور اس کی میرے پاس ایک دلیل ہے وہ یہ کہ یہ حضرات بھی خادم قوم ہیں اور آپ بھی خدمت قومی میں لگے ہوئے ہیں اور میں اس خدمت سے محروم ہوں اس لئے بجائے خادم قوم ہونے کے نادم قوم ہوں نیز میرے یہاں ترک تعلقات کی ضرورت ہے بلکہ تعلقات کو آگ لگادینے کی ضرورت ہے اور یہ ان صاحبوں سے نہ ہوسکے گا۔ اس دلیل کو سن کر ایک صاحب تو خاموش رہے۔ جو انگریزی کے عالم تھے کیونکہ یہ انگریزی کے علماء عربی کے علماء کے سامنے چل نہیں سکتے وہ ان کے سامنے بالکل عوام ہیں بلکہ کالعدم ہیں مولوی خواہ مخواہ ان سے ڈرتے ہیں تم کو اپنی قوت کا اندازہ نہیں تم تو حقیقت میں شیر ہو مگر ایک اڑنگے کی ضرورت ہے پھر انگریزی کے علماء ذرا سی دیر میں چاروں شانے چت ہیں (بات یہ ہے کہ اہل علم انگریزی دانوں سے گفتگو کرتے ہوئے اپنے علم سے کام نہیں لیتے بلکہ ان کو عامی سمجھ کر عامیانہ گفتگو کرتے ہیں اس لئے وہ ان کے سر چڑھتے ہیں اور اگر علمی گفتگو کریں تو پھر وہ بول نہیں سکتے کیونکہ آدمی اسی بات میں بول سکتا ہے جس کے سب پہلو اس کے سامنے ہوں اور ان کے ایک پہلو بھی سامنے نہیں۔ دوسرے صاحب عربی کے مولوی تھے وہ کچھ بولے میری تقریر سن کر کہنے لگے کہ حضرت ایک صورت یہ ہوسکتی ہے کہ ہم کچھ دن آپ کی خدمت

Maktaba Tul Ishaat.com

میں رہیں اور اس عرصہ میں خدمت قوم کو ترک کر دیں گے۔ پھر یہاں سے فارغ ہو کر دوسرے مولانا کی طرح خدمت قوم میں مشغول ہو جائیں گے۔ میں نے کہا کہ جب تک آپ یہاں رہیں گے اس وقت ظاہر میں تو آپ خدمت قوم ترک کر دیں گے۔ مگر عزم تو یہ رہے گا کہ یہاں سے فارغ ہو کر خدمت قوم میں مشغول ہوں گے سو میرے طریق میں یہ عزم بھی مضر ہے اسی لئے میں نے کہا تھا کہ تعلقات کو آگ لگانے کی ضرورت ہے۔ دل سے حال و مستقبل سب کے متعلق پوری یکسوئی ہو اور اپنے کو اس طرح سپرد کر دیجئے کہ بعد میں جو کچھ چاہوں تجویز کروں خواہ خدمت یا ترک خدمت آپ کو تجویز کا کوئی حق نہ ہوگا اس کے بعد وہ بھی خاموش تھے۔ (کیونکہ علماء باطن کے سامنے عربی کے علماء ظاہر بھی نہیں چل سکتے) غرض آجکل یہ بڑی غلطی ہے کہ لوگ سب کو ایک ہی اکھاڑے میں اتارنا چاہتے ہیں حالانکہ سب کا ایک کام نہیں ہیں۔ فقہاء نے یہاں تک تصریح کی ہے کہ جہاد کے وقت اس فقیہہ کو شرکت جہاد جائز نہیں جس کی بستی میں اس کے سوا کوئی دین کا راستہ بتلانے والا نہیں ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ شریعت اس کو گوارا نہیں کرتی کہ سب ایک ہی کام کو لپٹ جائیں۔

سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ نے اپنے خلفاء کو مختلف امور پر مامور فرمایا

ہمارے حاجی صاحبؒ بھی سب کو ایک کام میں نہ لگاتے تھے بلکہ بعض کو تو درس و تدریس میں مشغول رہنے کا امر فرمایا (جیسے مولانا گنگوہیؒ) بعض کیلئے وعظ و تسبیح کو پسند کیا (جیسے کانپوری کو فرمایا کہ سب مشاغل درس و تدریس ترک کر کے یہاں آجاؤ۔ اسی طرح حضرت نے اپنے خلفاء میں ہر کام کیلئے ایک ایک کو مقرر فرمایا تھا چنانچہ ایک دفعہ فرمایا کہ جس کو تعویذ گنڈے لینے ہوں وہ حاجی عابد حسین صاحب کے پاس جائے اور جس کو پڑھنا لکھنا ہو وہ مولوی قاسم صاحبؒ اور مولوی یعقوب صاحب کے پاس جائے اور جس کو فتوی لینا ہو وہ گنگوہی مولانا رشید احمد صاحبؒ کے پاس جائے اور جس کو نامراد بننا ہو وہ میرے پاس آئے۔ مجمع میں تو شاید کسی نے بھی اس کا مطلب نہ سمجھا ہوگا۔ جب مجمع منتشر ہو گیا تو

Maktaba Tul Ishaat.com

حضرت نے فرمایا کہ میاں سمجھے بھی نامرادی سے کیا مطلب ہے نامرادی سے مراد عشق ہے۔ کیونکہ عاشق ہر وقت نامراد ہے (کیونکہ اس کی طلب کم نہیں ہوتی وہ ہر درجہ پر پہنچ کر اس سے آگے کا طالب ہے اس لئے وہ ہمیشہ نامراد رہتا ہے)۔ مگر جنت میں پہنچ کر البتہ مراد حاصل ہو جائیگی اور اس میں جو بعض صوفیاء نے کہہ دیا ہے کہ جنت میں بھی طلب ختم نہ ہوگی ان کو دھوکہ ہوا ہے کشف میں بھی غلطی ہوئی ہے (معلوم ہوتا ہے کہ دخول جنت سے پہلے حالت منکشف ہوئی اور غلط واشتباہ کی وجہ سے اس کو حالت بعد الدخول سمجھ لیا گیا) ورنہ یہ نص صریح کے خلاف ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

وقالوا الحمدلله الذی اذهب عناالحزن ان ربنا لغفور شکور

(اور انہوں نے کہا سب تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی نے ہمارا حزن دور کر دیا بلاشبہ ہمارا پروردگار بڑا بخشنے والا قدردان ہے)

اگر دخول جنت کے بعد بھی مراد حاصل نہ ہوئی تو حزن باقی رہے گا۔ یہ تو مسئلہ مقصودہ کا بیان تھا۔

ہدایت غیر کا حد سے زیادہ اہتمام مطلوب نہیں

اب میں اس کو حدیث سے مستنبط کرتا ہوں وجہ استنباط اس حدیث سے یہ ہے کہ حضور ﷺ نے یہ دعا فرمائی ہے کہ اے اللہ جب آپ کسی قوم کو فتنہ میں ڈالنا چاہیں تو مجھے ایسی حالت میں اٹھا لیجئے کہ میں فتنہ میں مبتلا نہ ہوں بلکہ اس سے بچا رہوں آپ نے یہ دعا نہیں فرمائی کہ مجھے اس فتنہ کے رفع کرنے کی ہمت دیجئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہدایت غیر کا حد سے زیادہ اہتمام مطلوب نہیں ہے بلکہ اپنا بچاؤ مقدم ہے اپنے بچنے کا سامان کرنا چاہیے کیونکہ بعض فتنے ایسے ہوتے ہیں کہ ان کا دفع کرنا قدرت سے باہر ہوتا ہے اس وقت طلب مدافعت مناسب نہیں بلکہ اپنا بچاؤ کرنا چاہیے۔ رہا یہ کہ اس حدیث سے یہ کیوں کر معلوم ہوا کہ مراد ایسا فتنہ ہے جس کا دفع قدرت سے باہر ہو حدیث میں اس قید پر کیا قرینہ ہے سو قرینہ اس کا **اذا اردت بقوم فتنة** ہے۔ کہ جب آپ کسی قوم کو فتنہ

Maktaba Tul Ishaat.com

میں مبتلا کرنے کا فیصلہ کر چکیں اور ظاہر ہے کہ ارادہ کا تخلف محال ہے تو اس فتنہ کا رفع بھی محال ہے اس لئے ایسے وقت کے متعلق حضور ﷺ نے یہ دعا کی کہ مجھے ہی اس سے پہلے اٹھا لیجئے اور مجھے ہی فتنہ سے بچا لیجئے پھر یہ بات معلوم کرنا کہ فتنہ کا رفع دفع کرنا قدرت سے باہر ہے یا نہیں۔ یا تو دلیل قطعی سے معلوم ہوگا۔ جیسا کہ حضرات انبیاءؑ کو وحی سے معلوم ہو جاتا ہے یا دلیل ظنی سے اس طرح معلوم ہو کہ اسکے ظن غالب میں اس کا رفع قدرت سے باہر ہو جیسا کہ آجکل فتن کی حالت ہے کہ فتنوں کی گھٹائیں آرہی ہیں ایک فتنہ ختم نہیں ہوتا کہ دوسرا فتنہ نکل کھڑا ہوتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا کہ اخیر زمانہ میں فتنے ایسے پے در پے آئیں گے جیسے موتیوں کی لڑی ٹوٹ جائے کہ ایک کے بعد دوسرا گرتا چلا جاتا ہے۔ آجکل یہی حالت ہے جس کو دیکھ کر اہل دردیوں کہتے ہیں۔

یک تن و خیل آرزو دل بچہ مدعا دہم ☆ تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا کنم

ایک جسم ہے اور دل کی بہت آرزوئیں ہیں کس کس کو مدعا دوں سارا بدن داغ داغ ہے۔ پھایہ کہاں کہاں رکھوں۔

اور یہ بیان آجکل ہی کے واسطے کر رہا ہوں تو صاحبو! اس وقت جن کی اصلاح کی تم کو فکر ہے اور اس کیلئے تم جلسوں میں مارے مارے پھرتے ہو مجھے اندیشہ ہے کہیں تم بھی ویسے ہی نہ ہو جاؤ۔

مناظرہ کا ہر شخص اہل نہیں

دہلی میں ایک شخص عیسائیوں سے مناظرہ کرتا تھا پھر خود عیسائی ہو گیا مولانا شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے زمانہ میں ایک بدعتی پیر فدا حسین نامی جو نہایت ہی بددین تھا۔ شراب وغیرہ کو حلال کہتا تھا مولانا نے اس سے مناظرہ کرنے کو ایک ولایتی عالم کو بھیجا فدا حسین کو معلوم ہوا تو اس نے مولوی صاحب کا استقبال کیا اور بہت خاطر مدارات کی اور یہ کہا کہ مولانا آپ گرمی میں تشریف لائے ہیں ذرا آرام فرمایئے لیٹ جایئے ظہر کے بعد مناظرہ کریں گے دو چار خادموں کو حکم دیا کہ مولوی صاحب کے پیر دباؤ مولوی صاحب لیٹ گئے اور سو گئے ان کا سونا تھا کہ خبیث نے ان کے متخیلہ پر تصرف کرنا شروع کیا جس

Maktaba Tul Ishaat.com

سے نہ معلوم خواب میں ان کو کیا کیا نظر آیا ہوگا انجام یہ ہوا کہ فدا حسین نے ان کے جاگنے سے پہلے کہہ دیا کہ حلوا انڈا تیار کرو (یہ مرید کرنے کی اصطلاح تھی)۔ کسی نے کہا کہ کون مرید ہونے کو آیا ہے۔ کہا یہ مولوی صاحب! خادم نے کہا یہ تو تم سے لڑنے آئے ہیں۔ کہا بس یہ ہم کو شکار کرنے آئے تھے خود ہی شکار ہو گئے۔ اب جاگتے مرید ہونگے۔ چنانچہ جاتے ہی جو پہلی بات مولوی صاحب کی زبان سے نکلی وہ یہ تھی کہ میں اب تک گمراہ تھا اب مجھے حق واضح ہوا مجھے بیعت کر لیجئے خبیث نے اس کو بیعت کیا اور حلوا تقسیم کیا پھر ان سے پوچھا کہ حلوا پچ گیا ہے اتنی ہمت ہے کہ اپنے استاد کو (یعنی شاہ عبدالعزیز صاحبؒ) دے آؤ کہا ہاں چاہو بھیج دو شوق سے جاؤں گا۔ چنانچہ ڈاڑھی مونچھ کا صفایا کر کے حلوا سر پر رکھے ہوئے شاہ صاحبؒ کے پاس آیا اور کہا مجھے تو حق نصیب ہو گیا تو تم بھی گمراہی سے توبہ کر لو یہ حلوا لایا ہوں شاہ صاحب نے کہا جا مردود نکل یہاں سے۔ اور اب شاہ صاحب بڑے پچھتائے کہ اس کا کام فدا حسین کے پاس جانے کا نہ تھا۔ ہاں یہ کام مولانا شاہ اسماعیل صاحب کا تھا۔ امیر شاہ خان صاحبؒ نے ایک حکایت لکھوائی ہے کہ دہلی میں ایک مجذوب تھا بڑا مضبوط قوی اور بہت فوں فاں کیا کرتا تھا کسی کو اس کے سامنے جانے کی ہمت نہ تھی لوگ کہنے لگے کہ شاہ اسماعیل صاحب سب کو نمازی بناتے ہیں اس مجذوب کو نمازی بنائیں تو ہم جانیں۔ ایک دفعہ شاہ صاحب کا اس کا سامنا ہو گیا تو شاہ صاحب نے اس کو نماز کیلئے پکارا اس نے بڑی فوں فاں کی شاہ صاحب اس کے حجرہ میں گھس گئے اور دونوں میں کشتی ہونے لگی اور تھوڑی دیر میں مجذوب کی فوں فاں سب ختم ہو گئی اور شاہ صاحب کے ساتھ سیدھا سیدھا نماز کو آ گیا۔ پھر سب جذب ختم ہو گیا۔

فدا حسین مولانا شاہ اسمعیل صاحب سے بہت ڈرتا تھا۔ اس کے مریدوں نے ایک دفعہ کہا کہ آپ سب پر اثر ڈالتے ہیں تصرف کرتے ہیں۔ مولوی اسمعیل صاحب پر کچھ تصرف نہیں کرتے۔ یہ تو ہماری جماعت کو سب سے زیادہ ذلیل وخوار کرتے ہیں تو اس نے یہ بات بتائی کہ بات یہ ہے کہ مولوی اسمعیل صاحب خدائی کوتوال ہیں جو کام یہ کر رہے ہیں وہ ان کا منصبی کام ہے۔ اور ہم گو شہزادے ہیں بقول بارگاہ ہیں لیکن شہزادے

Maktaba Tul Ishaat.com

پر لازم ہے کہ اگر شاہی کوتوال اس پر کوئی الزام قائم کر کے اس کو حوالات میں بھیج دے تو اس وقت اس سے مزاحمت نہ کرے بلکہ حوالات میں چلا جائے جب مقدمہ بادشاہ کے سامنے جائیگا۔ یہ بوجہ مقبولیت ومحبوبیت کے فوراً رہا ہو جائیگا لیکن اسنے کوتوال سے مزاحمت کی تو پھر معتوب شاہی بھی ہو جائے گا۔ یہ اس نے بات بنائی ورنہ وہ جانتا تھا کہ شاہ اسمٰعیل صاحب کے سامنے میرا تصرف سب ملیامیٹ ہو جائیگا (کیونکہ شاہ صاحب نرے ملا نہ تھے بلکہ صاحب تصرف بھی تھے وہ ان ملحدوں کا تصرف سب کر سکتے تھے) ان کا کام تھا بددینوں کی اصلاح کرنا ان کا کام تھا طوائفوں کی اصلاح کرنا اس کا قصہ بھی امیر شاہ خاں صاحب نے لکھوایا جو امیر الروایات میں قابل دید ہے۔ اور ہر ایک کا کام نہیں یہ وہی کر سکتا ہے جو فنا ہو چکا ہو نفس کو مار چکا ہو ورنہ طوائفوں کی تو کیا اصلاح کریگا خود ان کا طواف کرنے لگے گا۔

ہر فتنہ کی مدافعت کے درپے ہونا ضروری نہیں

صاحبو! حضور ﷺ نے جہاں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا حکم دیا ہے۔ وہاں یہ بھی فرمایا ہے **من سمع منکم بالدجال فلینا فر عنه** (المستدرک للحاکم ۴: ۵۳۱) (اوکما قال) کہ جو شخص دجال کے ظاہر ہونے کی خبر سنے اس کو چاہیے کہ اس سے دور بھاگے یہ نہیں فرمایا کہ اس سے مناظرہ کرو معلوم ہوا کہ ہر فتنہ کی مدافعت کے درپے نہ ہونا چاہیے جو فتنہ اپنی قدرت سے باہر ہو اس سے دوری ہی اچھی اس سے الگ ہی رہو۔ اب مولانا! اکھاڑے میں کود تے ہیں دیکھ لیں کہ ان میں قوت ہے یا نہیں اول تو باطنی قوت دیکھ لو کہ تمہارا اثر کتنا ہے۔ ظاہری قوت کو تو بڑا دخل ہے کہ عوام میں مشہور ہے کہ سلاطین وحکام پر سحر نہیں چلتا۔ مراد یہ کہ جو صرف حاکم ہی ہو اور جو سلطان ہونے کے ساتھ نبی بھی ہو اس پر سحر چل سکتا ہے چنانچہ رسول ﷺ پر سحر کا اثر ہوا ہے۔ (اگر اثر نہ ہوتا تو عوام کو شبہ ہوتا کہ آپ نرے بادشاہ ہی ہیں) مگر آپ پر کچھ زیادہ اثر نہیں ہوا سحر تو قتل کے واسطے کیا گیا تھا اور آپ پر صرف اتنا اثر ہوا کہ حضور ﷺ کو بھول ہو جاتی تھی۔ غرض ظاہری قوت کو بھی بڑا دخل ہے۔ علماء اس کو بھی اول دیکھ لیں کہ کتنے آدمی ان کے ساتھ ہیں اور کتنا مال ان کے پاس ہے اس کے بعد کام شروع کر دیں۔ اگر بدون مال کے کام شروع کر دیا

Maktaba Tul Ishaat.com

اور پانچ سو روپے قرض ہو گئے تو اب مولانا مجبور ہو کر چندہ کریں گے۔ جس میں ایسے لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلائیں گے جن کی جبہ سائی بھی اپنے دروازہ پر گوارہ نہ تھی۔ اب اگر یہ قرض ادا ہو گیا اور اس کے بعد ہمت کا وضو ٹوٹ گیا تو خیر ورنہ ساری عمر اسی گھس گھس میں رہے گا کہ آج قرض کر لیا کل چندہ کر لیا پھر قرض کر لیا۔

دعاؤں میں تطبیق

بہر حال حضور ﷺ نے ایک جگہ تو رفع فتنہ کی دعا فرمائی نعوذ باللہ من الفتن ماظھر منھا ومابطن (فتح الباری لابن حجر ۱۳: ۲۷۰ بلفظ آخر) (اور اس کی جگہ صرف لفظ عن الفتنہ کی دعا فرمائی ہے کہ اے اللہ مجھے فتنہ سے بچائے دونوں میں تطبیق یہی ہے کہ پہلی دعا اس مقام کیلئے ہے جہاں فتنہ واقع ہونے کا یقین نہ ہوا ہو اور دوسری دعا ایسے موقعہ کیلئے جہاں فتنہ واقع ہونے کا یقین ہو چکا ہو اور جب یقین ہو جائے اس کے خلاف دعا بھی جائز نہیں۔ اور رسول اللہ ﷺ نے جو ابو جہل کیلئے کسی وقت دعا کی ہے وہ نزول نص اور حصول یقین سے پہلے دعا فرمائی ہے ہاں جہاں جہاں یقین نہ ہو وہاں دعا جائز ہے۔ پس تم کو آجکل ان فتنوں کے دفعیہ کیلئے دعا جائز ہے کیونکہ تم کو یقین حاصل نہیں اور اہل اللہ کو جو کسی واقعہ کے متعلق کشف سے معلوم ہو جاتا ہے کہ فلاں وقت فلاں قوم یا فلاں شخص پر عذاب نازل ہونے والا ہے۔

اہل اللہ کا مختلف مذاق

اہل اللہ کا مذاق مختلف ہے بعض تو کشف کو (صاحب کشف پر) حجت سمجھتے ہیں اور کشف کے خلاف دعا کو ناجائز سمجھتے ہیں انہیں کی نسبت مولانا کا ارشاد ہے۔

کفر باشد نزد شان کردن دعا ☆ کاے خدا از ما بگردان ایں قضا

ان کے نزدیک دعا کرنا کفر ہے کہ اے خدا ہم سے اس حکم قضا کو پھیر دے۔

اور حجت کشف کا قول ابن عربیؒ کی طرف منسوب ہے مگر میں نے شیخ کا اصل قول دیکھا ہے۔ اس سے استدلال صحیح نہیں۔ البتہ تنبیہ الطربی میں اس کی پوری تحقیق موجود ہے ان کا قول صرف اس قدر ہے کہ کبھی کشف بھی تلبیس سے محفوظ ہوتا ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب

Maktaba Tul Ishaat.com

کہاں ہوا کہ قطعی ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کشف محفوظ سے کشف غیر محفوظ اقرب الی الصحت ہے سو اتنی بات کی صحت میں کس کو کلام ہے مگر اسے کشف کا شرعی حجت ہونا لازم نہیں آتا نہ صاحب کشف پر نہ دوسروں پر اور بعض اس کے متعلق بھی دعا کو جائز کہتے ہیں اور یہی حق ہے وہ یوں کہتے ہیں کہ

چوں خدا ازخود سوال وگدکند ☆ پس سوال خویشتن چوں ردکند

جب اللہ تعالیٰ خود سوال کرنے کا حکم فرمائیں پس پھر اپنے رسول ﷺ کو کیسے رد فرمائیں گے۔

ہم دعا ازتو اجابت ہم زتو ☆ ایمنی ازتو مہابت ہم زتو

وہ کہتے ہیں کہ جب ہمارے دل میں کشف کے بھی دعا کا تقاضا ہوا ہے تو یہ دعا بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور قبول بھی وہی فرمائیں گے۔ پس دعا تو کرو مگر عجز کے وقت تدبیر کے درپے نہ ہو اور تدبیر بھی کرو تو اپنی اصلاح کو مقدم کرو کہ تمہاری اصلاح میں ان تدابیر سے خلل نہ آئے۔ ورنہ رسول ﷺ دجال سے بھاگنے کا امر نہ فرماتے۔ حالانکہ اسی دجال کے متعلق حضور ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ ایک شخص اس سے مناظرہ بھی کریگا جس میں بتلا دیا گیا کہ اس سے مناظرہ فی نفسہ مذموم نہیں مگر تم کو اس واسطے منع کیا جاتا ہے کہ تم اسکے متحمل نہیں تمہارے دین کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے۔ پس دوسروں کی اصلاح کے درپے اس وقت ہو جب کہ اپنی حفاظت کا پورا سامان ہو اس کے متعلق میرا واعظ التصدی للغیر۔ (بہت ہی مفصل ہے اس کا بھی مطالعہ کرنا چاہیے)۔

خلاصہ وعظ

خلاصہ یہ کہ جس کی اصلاح اپنے قبضہ میں ہو وہاں تو دعا بھی کرو تدبیر بھی کرو اور جہاں اصلاح قبضہ میں نہ ہو وہاں دعا تو مطلقاً جائز ہے مگر تدبیر اس شرط سے جائز ہے کہ اپنا ضرر نہ ہو پس اب میں ختم کرتا ہوں۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقه سیدنا ومولانا محمد وعلی اله واصحابه اجمعین. والحمد للہ رب العلمین۔

Maktaba Tul Ishaat.com

تتمہ وعظ

بعد بیان کے فرمایا کہ ایک حدیث اور یاد آئی جس سے اس مضمون کی تائید ہوتی ہے کہ دوسروں کی نفع رسائی کا اس وقت اہتمام کیا جائے جبکہ اپنا ضرر نہ ہو حضور ﷺ سے کسی نے سوال کیا یا رسول اللہ ﷺ میرے پاس ایک دینار ہے اس کو کیا کروں۔

قال انفقه علی نفسک (مشکوۃ المصابیح: ۱۹۴۰) (فرمایا اس کو اپنی ذات پر خرچ کرو۔ قال آخر قال انفقه علی اهلک (مسند الحمیدی ۱۱۷۶)۔ (اس نے کہا میرے پاس ایک دینار اور بھی ہے فرمایا اس کو اپنے گھر والوں پر خرچ کرو۔ قال و آخر قال انفقه علی ولدک (شرح السنۃ ۱۹۳:۶) (اس نے کہا میرے پاس ایک اور بھی ہے۔ فرمایا اس کو اپنی اولاد پر خرچ کرو، المراد به البالغون من الاولاد فان الصغار قددخلوا فی الاهل لکو نهم فی عیاله واهل الرجل اهل بیته الذین بعدقال و آخر انفقه علی خادمه، کہا میرے پاس ایک اور بھی ہے۔ فرمایا اس کو اپنے خادم پر خرچ کرو۔ قال و آخر وقال فانت اعلک علیه۔ (کہا میرے پاس ایک اور بھی ہے۔ فرمایا اب تم کو اختیار ہے (جہاں چاہو خرچ کرو)۔ صوفیہ کا مذاق تو یہ ہے کہ خود بھوکے رہو اور دوسروں کو دے دو اور اسی کا نام ایثار ہے مگر حضور ﷺ نے اول اپنے اوپر پھر اپنے متعلقین پر انفاق کا امر فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ نفع لازمی نفع متعدی سے مقدم ہے۔ اس طرح ایک آیت یاد آئی۔ ولا تجعل یدک مغلولة الی عنقک ولاتبسطها کل البسط فتقعد ملوما محسورا۔ حضور ﷺ میں شفقت بیحد تھی۔ حق تعالیٰ نے اس آیت میں اس کی تعدیل فرمائی ہے کہ آپ نہ تو اپنے ہاتھ کو بالکل بند کریں نہ پوری طرح کھول دیں جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آپ ملامت زدہ اور عاجز ہو کر بیٹھ جائیں گے (کیونکہ جب آدمی دوسروں پر سخاوت کر کے خود پریشان ہوتا ہے تو لوگ اسی کو ملامت کرتے ہیں کہ ایسی سخاوت سے کیا نفع کہ خود بھیک مانگنے کے قابل ہو گئے۔ یہ تو امر ہوا آگے حضور ﷺ کے جذبات کا جواب ہے کہ آپ تو ہر ایک کو دینا ہی چاہتے تھے اور کسی کی پریشانی کو دیکھ نہ سکتے تھے تو فرماتے ہیں ان ربک یبسط الرزق لمن یشاء ویقدر۔ کہ رزق کا فراخ و تنگ کرنا خدا کے قبضہ میں ہے وہ

Maktaba Tul Ishaat.com

جس پر چاہتے ہیں رزق کو فراخ کر دیتے ہیں اور جس پر چاہتے ہیں تنگ کر دیتے ہیں آپ کی سخاوت سے دوسروں کی تنگی رفع نہیں ہو سکتی اگر خدا کو اس کی تنگی کا رفع کرنا منظور نہیں ہے (کیونکہ ممکن ہے کہ جس کو آپ نے ہزار روپے دیئے ہیں رات ہی کو اس کے پاس سے چوری ہو جائیں مثلاً اس کے بعد کسی کے دل میں یہ بات آسکتی ہے کہ بیشک ہم کسی کا افلاس رفع نہیں کر سکتے۔ مگر اللہ تعالیٰ تو رفع کر سکتے ہیں۔ پھر وہی مفلسوں کا افلاس رفع فرما دیں تا کہ ان کی پریشانی سے ہمارا دل نہ دکھے۔ اس کا جواب آگے دیتے ہیں انه کان بعباده خبیرا بصیرا۔ کہ ہم خوب جانتے ہیں کہ کون دینے کے قابل ہے اور کون نہیں۔ آپ ہم کو مشورہ نہ دیجئے۔ اللہ تعالیٰ ہی کو یہ بات معلوم ہے کہ کس کیلئے غنا مناسب ہے اور کس کیلئے افلاس اس تعلیم سے شفقت کی تعدیل کر دی گئی۔

اصلاح غیر کے درپے ہونا مطلوب نہیں

وعظ اداب التبلیغ بھی اس مضمون میں قابل مطالعہ ہے اس میں بھی تعدیل شفقت کے متعلق مفید مضامین ملیں گے شاید وہ اس بیان کے لئے مکمل ہو جائیں۔ اب میں ختم کر چکا البتہ ایک بات پر تنبیہ کرتا ہوں وہ یہ کہ حضور ﷺ کو جو تخفیف شفقت کے لئے ارشادات ہوئے ہیں اس کا منشاء یہ تھا کہ نعوذ باللہ حضور ﷺ میں افراط کا درجہ تھا۔ جس کی تفسیر یہ کی گئی ہے کہ اپنے دین کو ضرر ہونے لگے بلکہ ان ارشادات کا منشا یہ ہے کہ زیادہ شفقت کی وجہ سے حزن وغم کا آپ کے جسم پر مرض وغیرہ کا اثر ہونے کا مظنہ تھا۔ چنانچہ لعلک باخع نفسک وما انزلنا علیک القرآن لتشقی۔ سے یہی مفہوم ہوتا ہے کہ آپ پر شفقت کی وجہ سے جسمانی امراض کا اندیشہ تھا اسلئے اللہ تعالیٰ نے اس کی تعدیل فرمائی کیونکہ امراض جسمانی بھی بعض دفعہ خلل دین کی طرف مفضی ہو جاتے ہیں۔ باقی اس کا ہرگز احتمال نہ تھا کہ شفقت کی وجہ سے آپ اپنا دین کا نقصان کر لیتے ہوں۔ انبیاءؑ اس سے معصوم ہیں اور حضور تو سب سے اکمل ہیں اب ایک شبہ اور رہا وہ یہ کہ نص میں ہے۔ ویؤثرون علی انفسهم ولو کان بهم خصاصة۔ جس میں صحابہ کی مدح فرمائی گئی ہے کہ وہ دوسروں پر ایثار کرتے ہیں ان کو اپنے نفس پر ترجیح دیتے ہیں اگر چہ خود اپنے کو بھی احتیاج ہو اور مدح فعل محمود ہی پر ہوتی ہے۔ تو معلوم ہوا کہ اپنی ذاتی احتیاج پر دوسروں کے

Maktaba Tul Ishaat.com

نفع کو مقدم کرنا محمود ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں محمود ہے بشرطیکہ اپنے دین میں نقصان نہ آئے۔ اور اپنا دین ضرر سے محفوظ رہے حضرات صحابہؓ کو اپنے نفس پر دوسروں کو مقدم کرنے کی اجازت تھی اور ان کا یہ فعل محمود تھا۔ کیونکہ اس سے ان کے دین کو ضرر پہنچنے کا احتمال نہ تھا جس کی دلیل خود ہی اوصاف ہیں جو اسی آیت میں اس جملے سے پہلے مذکور ہیں۔

والذین تبوؤا الدار والایمان من قبلهم یحبون من هاجر الیهم ولا یجدون فی صدورهم حاجة مما اوتوا، یعنی ان کے دل میں ایمان راسخ وثابت تھا اور ان کے قلوب حرص سے پاک تھے اور محبت اسلام و مسلمین سے لبریز تھے اور اس حالت میں ایثار سے منع نہیں کیا بلکہ میں نے بار بار یہ کہا ہے کہ پہلے اپنی ظاہری و باطنی قوت کو دیکھ لو اسکے بعد ایثار کرو اور دوسروں کے کاموں میں پڑو مگر اپنا نقصان کر کے اور دین کو برباد کر کے دوسروں کے کاموں میں لگنا اور اصلاح غیر کے درپے ہونا یہ حضرات صحابہ سے کہاں ثابت ہے اور اس پر کہاں مدح کی گئی ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرات صحابہ کی اول تعریف اس پر کی ہے کہ وہ اپنے نفس کی تکمیل کر چکے ہیں اور ایمان کو اپنے دلوں میں جما چکے اور نفس کو حرص وغیرہ سے پاک کر چکے ہیں۔ اس کے بعد ایثار پر مدح کی گئی ہے اس سے خود میرے بیان کی تائید ہو رہی ہے کہ اصلاح نفس اصلاح غیر سے مقدم ہے اور یہ کہ ایثار کی اسی کو اجازت ہے جو اپنی اصلاح سے فراغت کر چکا ہو۔

اب وہ مولانا صاحبان غور کر لیں جو اصلاح غیر کے درپے ہیں کیا وہ اپنی اصلاح و تکمیل سے فارغ ہو گئے ہیں۔ اگر وہ سچ بولیں گے تو ضرور یہ کہیں گے کہ فراغت تو کہاں ابھی تو اپنی اصلاح کی ابتداء بھی نہیں ہوئی میں اسی حالت کو مرض کہہ رہا ہوں اور اسی سے منع کر رہا ہوں۔

اب دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو حفظ حدود کی توفیق دیں اور فہم سلیم عطا فرمائیں۔

وصلی اللّٰہ تعالیٰ علی خیر خلقه

سیدنا ومولانا محمد وعلی اله واصحابه اجمعین

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العلمین

Maktaba Tul Ishaat.com

الباب لاولی الالباب

بمقام سرائے میر عیدگاہ ضلع اعظم گڑھ یکم شعبان ۱۳۴۰ھ بروز جمعہ ۲ گھنٹہ کھڑے ہو کر یہ وعظ ارشاد فرمایا۔ سامعین کی تعداد تقریباً ۵۰۰ تھی۔ مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی نے قلمبند کیا۔

Maktaba Tul Ishaat.com

Maktaba Tul Ishaat.com

خطبہ ماثورہ

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

الحمدللّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونومن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرورانفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلامضل لہ ومن یضللہ فلاھادی لہ ونشھد ان لااللہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالی علیہ والہ واصحابہ وبارک وسلّم امابعد فاعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم. بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم.

ولیس البربان تاتوا البیوت من ظھورھا ولکن البرمن اتقی وأتوا البیوت من ابوابھا واتقواللّٰہ لعلکم تفلحون. (البقرہ: ۱۸۹)

یہ کوئی نیک کام نہیں کہ تم گھروں کے پچھواڑے آیا کرو لیکن نیک کام یہ ہے کہ آدمی تقویٰ اختیار کرے اور گھروں میں ان کے دروازوں سے آیا کرو اور خدا سے ڈرتے رہو کہ تم کامیاب ہو۔

شان نزول

یہ ایک طویل آیت کا ٹکڑا ہے اس میں ایک خاص واقعہ کے متعلق حق تعالیٰ نے خاص حکم ارشاد فرمایا ہے۔ اس سے مجھ کو ایک ضروری مضمون مستنبط کرنا ہے جس کی ضرورت عنقریب واضح ہو جائے گی وہ مضمون (ایک تفسیر پر تو آیت کا مدلول بھی ہے۔ بوجہ عموم الفاظ کے اور ایک تفسیر پر مستنبط ہے۔ پہلے واقعہ سن لیجئے تا کہ فہم مطلب میں سہولت ہو جائے۔ واقعہ یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں بعض لوگوں کی عادت تھی کہ وہ حالت احرام میں اپنے گھروں کے اندر دروازہ سے نہیں داخل ہوتے تھے بلکہ دیوار پھاند کر یا دیوار میں سوراخ کر کے آتے تھے۔ انکا گمان یہ تھا کہ احرام تمعات سے مانع ہے چنانچہ شریعت اسلامیہ نے بھی بعض تمعات سے حالت احرام میں منع کر دیا ہے کہ خوشبو لگانا، سلے ہوئے کپڑے پہننا، سر ڈھانکنا، بال مونڈنا خط بنانا، بیوی کے پاس جانا محرم کو نا جائز ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

اہل جاہلیت کا غلو

اہل جاہلیت نے بطور غلو کے یہ سمجھا کہ جب احرام تمتعات سے مانع ہے تو اس کا مقتضا یہ ہے کہ گھر میں بھی نہ جائے بلکہ کھلے میدان میں رہے۔ کیونکہ گھر میں جانا اور محفوظ جگہ رہنا بھی ایک تمتع ہے۔ اور اگر کسی کو بہت ہی ضرورت گھر میں جانے کی ہو تو عادت کے خلاف کسی اور طریقہ سے جائے خواہ دیوار پھاند کر یا دیوار میں نقب دے کر۔ تاکہ اگر ترک کامل نہ ہو تو ہیت معتادہ کا تو ترک ہو جائے کہ یہ بھی فی الجملہ ترک تمتع ہے۔ جاہلیت کے افعال کی وجہ بیان کرنے کی مجھے ضرورت نہیں۔ اگر ان کے افعال کے لئے وجہ معلوم ہو جائے جو ان کے ذہن میں وجہ تھی گو واقعہ میں وجہ بننے کے قابل نہ ہو تو اس کا بیان کر دینا مناسب ہے۔ کیونکہ وجہ بتلا دینے سے اس کا جاہلیت ہونا زیادہ واضح ہو جاتا ہے۔ بعض دفعہ وجہ نہ بیان کرنے سے مخاطب کے ذہن میں اس فعل کی وقعت رہ سکتی ہے کہ نہ معلوم اس فعل کی کیا وجہ ہوگی شاید کوئی معقول وجہ ہو اور بیان کر دینے کے بعد وہ وقعت زائل ہو جاتی ہے۔ اور ہر شخص کو وجہ نامعقول ہو جانے کے بعد اس کا جاہلیت ہونا واضح ہو جاتا ہے۔ بہرحال ان کا خیال یہ تھا کہ دروازہ سے گھر میں آنا حالت احرام میں خلاف بر اور خلاف تعبد و تقرب ہے اور جب یہ صورت خلاف بر ہے تو اس کی خلاف صورت داخل بر ہوئی اور بر نہ ہو تو احتمال بر تو ہے۔ پس اس مسئلہ میں ان لوگوں نے دو غلطیوں کا ارتکاب کیا۔ ایک یہ کہ بحالت احرام دروازہ سے گھر میں آنا جائز تھا اس کو حرام سمجھا۔ دوسرے یہ کہ دیوار پھاند کر یا نقب دیکر آنا باعث ثواب نہ تھا۔ اس کو ان لوگوں نے باعث ثواب سمجھا۔ اسلئے حق تعالیٰ نے اس کی نفی اس آیت میں فرمائی۔ ولیس البربان تاتوا البیوت من ظھورھا ولکن البر من اتقی۔ یعنی یہ کوئی نیک کام نہیں کہ تم گھروں میں پچھواڑے سے آیا کرو۔ ہاں لیکن نیک کام یہ ہے کہ آدمی ناجائز امور سے تقویٰ اختیار کرے (اور دروازہ سے آنا ناجائز نہیں تو اس سے بچنا تقویٰ میں داخل نہیں)۔

ولکن البر من اتقی۔ لیکن نیک کام یہ ہے کہ آدمی تقویٰ اختیار کرے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

دوتوجیہیں ہوسکتی ہیں ایک یہ کہ جانب خبر میں مضاف مقدر مانا جائے یعنی و لکن البر من اتقی۔ کہ نیکی اس شخص کی نیکی کو کہہ سکتے ہیں جو تقویٰ اختیار کرے دوسرے یہ کہ جانب اسم میں مضاف مقدر ہو یعنی ولکن البر من اتقی۔ اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا لیکن نیک کام کرنے والا وہ ہے جو مضاف میں اس جگہ نکتہ یہ ہے کہ بطور مبالغہ کے یہ بتلانا ہے کہ بر اور متقی گویا متحد ہیں جیسے زید عدل اور یہ محاورہ ہماری زبان میں بھی ہے چنانچہ بولتے ہیں کہ فلاں شخص سراپا اخلاق ہے، سراپا کرم ہے۔ اسی طرح محاورہ عرب میں بھی اطلاق مصدر کا ذات پر مبالغہ ہوتا ہے جیسے اس آیت میں ہے۔ ولکن البر من اتقی۔ یعنی سراپا برو ہے جو متقی ہو۔ آگے بطور تفریع کے فرماتے ہیں۔ کہ جب تقویٰ بر ہے تو اس کا مقتضا یہ ہے کہ بدعات جاہلیت سے بچا جائے اور اہل جاہلیت کی طرح اپنی طرف سے کسی کام کو طاعت یا معصیت نہ قرار دیا جائے۔ واتوا البیوت من ابوابھا۔ اور گھروں میں انکے دروازوں سے آیا کرو۔ واتقوا اللہ لعلکم تفلحون۔ اور خدا سے ڈرتے رہو۔ (یعنی تقوی اختیار کرو) تا کہ تم کامیاب ہوجاؤ۔ واتقوا اللہ ۔ (اور خدا سے ڈرتے رہو) میں تقویٰ عملی واعتقادی دونوں کا امر ہے۔ یعنی نہ اپنے عمل سے کسی جائز کام کو ناجائز اور مباح کو طاعت ظاہر کرو نہ اعتقاداً ایسا سمجھو بلکہ عمل اور اعتقاد دونوں کو حکم الٰہی کا تابع بناؤ۔ کہ حرام اسی کو سمجھو جس کو خدا نے حرام کیا ہے اور طاعت بھی اسی کو سمجھو جس کو خدا نے طاعت کہا ہے اپنی طرف سے طاعات ومحرمات ایجاد نہ کرو۔ اس آیت سے ایک بات کام کی معلوم ہوئی وہ یہ کہ گو گھر میں دروازہ سے جانا پشت کی طرف سے آنا عبادات میں سے نہیں ہے بلکہ گھر میں دروازہ سے آنا محض عادات میں سے ہے اور پشت کی طرف سے آنا عادت کے خلاف ہے۔ لیکن اس آیت میں حق تعالیٰ نے اس عادت سے بھی تعرض فرمایا ہے کیونکہ لوگوں نے حالت احرام میں عادت قدیمہ کو ناجائز اور اس کی مخالفت کو ثواب سمجھ لیا تھا حق تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا جس کا حاصل یہ کہ تم بلا دلیل شرعی کے کسی عادت کو حرام اور اس کے مخالفت کو ثواب کا کام نہ سمجھو اس سے معلوم ہوا کہ دین کا تعلق عادات وعبادات دونوں سے ہے اور شریعت دونوں میں تصرف کرتی ہے خواہ یہی حکم دیدے کہ یہ عادت جائز ہے کیونکہ مباح

Maktaba Tul Ishaat.com

کا مباح ہونا یہ بھی ایک حکم شرعی ہے اور کسی امر کو مباح کرنا بھی ایک قسم کا تصرف ہے۔

چنانچہ جو لوگ کسی سلطنت کی رعایا بن کر رہتے ہیں وہ اس راز کو خوب سمجھتے ہیں کہ سلطنت بعض امور سے منع کرتی ہے اور بعض امور کی اجازت دیتی ہے۔ جس طرح کسی امر سے منع کرنا تصرف ہے۔ اسی طرح یہ بھی تصرف اور دست اندازی ہے کہ اس نے بعض چیزوں کی اجازت دی ہے اب اگر کوئی شخص قانون میں ایک دفعہ زیادہ کر کے ان امور مباحہ کو ممنوع قرار دے دے تو خود سلطنت اس سے مواخذہ کرتی ہے۔ کہ جس چیز کی ہم نے اجازت دی ہے تم نے اس کو ممنوع کیوں قرار دیا۔

بعض دفعہ پولیس کسی کی تلاشی لیتی ہے تو بعض کو تو سزا ہو جاتی ہے اور بعض کو چھوڑ دیتی ہے تو جس طرح سزا کرنا ایک تصرف ہے اسی طرح چھوڑ دینا بھی تصرف ہے۔ جب دنیوی سلطنت کا یہ حال ہے کہ اس کو تصرف اباحت کا بھی حق ہے تو حق تعالیٰ کو تصرف اباحت کا کیوں حق نہ ہوگا ضرور ہونا چاہیے۔

دین کا تعلق عبادات اور عادات دونوں سے ہے

پس دین کا تعلق عبادات و عادات دونوں سے ہے اب چاہے وہ بعض عادات کو مباح ہی کر دے یہ بھی اس کا ایک تصرف ہے۔ بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ شریعت کو امور دنیوی سے اور عادات الناس سے کیا تعلق، شریعت کو محض عبادات سے بحث کرنی چاہیے مگر یہ خیال غلط ہے کیونکہ اس میں در پردہ حق تعالیٰ کے وسعت اختیارات پر اعتراض ہے کہ خدا تعالیٰ کے اختیارات اتنے وسیع نہ ہونے چاہئیں کہ ہماری عادات میں بھی دخل دیں اور اس کا زندقہ ہونا بدیہی ہے۔

انتم اعلم بامور دنیاکم کا مفہوم

انتم اعلم بامور دنیاکم (الصحیح لمسلم، الفضائل: ۱۴۱، کنز العمال ۳۲۱۸۲)۔ ان لوگوں نے ایک حدیث یاد کر رکھی ہے۔ (یعنی حضور ﷺ نے ایک مرتبہ صحابہؓ سے فرمایا کہ دنیوی امور کو تم خود زیادہ جانتے ہو)۔ اس سے معلوم ہوا کہ دنیوی کاموں سے رسول ﷺ کو کچھ واسطہ نہیں ہم ان کو خود زیادہ جانتے ہیں۔ میں اس دلیل کا بھی جواب

Maktaba Tul Ishaat.com

دینا چاہتا ہوں اور وہ جواب خود اسی حدیث کے اندر موجود ہے مگر لوگ حدیث کے الفاظ میں غور نہیں کرتے اس لئے اشکال پڑ جاتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ حضور ﷺ نے اس جگہ یہی تو فرمایا ہے کہ تم دنیا کے کاموں کو زیادہ جانتے ہو۔ یہ تو نہیں فرمایا کہ تم دنیاوی امور میں خود مختار ہو کہ جو چاہو کرو۔ پس ثبوت علم سے ثبوت اختیار کیونکر لازم آ گیا ذرا اس کی دلیل تو بیان کیجئے۔

دیکھئے اگر کوئی حاکم کسی کاریگر لوہار سے یہ کہے کہ بھائی ہتھیار بنانا تم ہم سے زیادہ جانتے ہو تو کیا اس کا یہ مطلب ہوا کرتا ہے کہ تم ہتھیاروں کے بارہ میں بالکل آزاد ہو کہ جس کو چاہو ہتھیار بنا کر دے دیا کرو۔ خواہ اس کے پاس لائسنس ہو یا نہ ہو یا جو ہتھیار چاہو بنا لیا کرو۔ چاہے قانوناً اس کی اجازت ہو یا نہ ہو۔ ہر عاقل سمجھ سکتا ہے کہ حاکم کے اس ا قول کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا اسی طرح اس حدیث میں صرف اتنی بات ہے کہ دنیوی کاموں کا طریقہ اور ان کے آثار و خواص لوگوں کو زیادہ معلوم ہیں اور یہ بات اور اس حدیث میں کہاں ہے کہ دنیوی کاموں میں لوگ بالکل آزاد ہیں کہ جو چاہیں کریں کسی کام سے ان کو نہ روکا جائے گا کہاں اعلمیت اور کہاں تخییر علم سے اختیار کیونکر نکل آیا بلکہ اختیار کی نفی دوسری نصوص میں صراحۃً مذکور ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بندوں کو یہ اختیار نہیں دیا گیا کہ وہ جو چاہیں کیا کریں۔

صفت اختیار میں حق تعالیٰ شانہ کا کوئی شریک نہیں

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے (وربک یخلق مایشاء ویختار ،اور آپ کا پروردگار جو کچھ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جس چیز کو چاہتا ہے اختیار کرتا ہے)۔ یعنی جس طرح صفت خلق میں کوئی اس کا شریک نہیں اسی طرح صفت اختیار میں بھی کوئی اس کا شریک نہیں۔ شاید کسی کو یہ شبہ ہو کہ یہاں اختیار تکوینی مراد ہے مگر یہ صحیح نہیں کیونکہ یخلق مایشاء۔ (جو کچھ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے) سے اختیار تکوینی خود ظاہر ہے۔ اگر یختار سے بھی اختیار تکوینی مراد ہوتا تو یخلق مایشاء۔ کے بعد اس کی ضرورت ہی کیا تھی معلوم ہوا کہ اختیار تشریعی مراد ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں ماکان لھم الخیرہ بندوں کے لئے کچھ اختیار نہیں۔ کیونکہ

Maktaba Tul Ishaat.com

اوپر مختار میں اختیار شرعی کا مراد ہونا متعین ہو چکا ہے اس لیے ماکان لھم الخیرۃ۔ ان کو کچھ اختیار نہیں ہے۔ میں اسی کی نفی مراد ہونی چاہیے۔ اس صورت میں لام تعریف عہد کے لئے ہوگا۔ اور اگر لام جنس کے لئے مانا جائے تو عموم کی وجہ سے ہرگز اختیار کی نفی ہو جائے گی۔ معنی یہ ہوں گے کہ اختیار تکوینی اور تشریعی دونوں خدا کے لئے مخصوص ہیں کسی کو کوئی اختیار حاصل نہیں نہ تشریعی نہ تکوینی۔ آگے فرماتے ہیں۔ سبحانہ و تعالیٰ عما یشرکون ۔ یعنی اللہ تعالیٰ شرک تکوینی اور تشریعی دونوں سے پاک ہے۔ ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہے۔ الا لہ الخلق و الامر۔ یعنی خدا تعالیٰ ہی کیلئے ہے خالقیت و آمریت۔ یہ آیت تو بہت زیادہ صریح ہے کیونکہ اس میں اختیار تکوینی کا احتمال بھی نہیں کیونکہ امر کا اطلاق جبکہ خلق کے مقابلہ میں ہے شریعت میں امر تشریعی ہی پر ہوا کرتا ہے۔ امر کے معنی حکم کرنے کے ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ خدا تعالیٰ کے سوا حکم کرنے والا اور احکام مقرر کرنے والا کوئی نہیں خلق سے اختیار تکوینی اور امر سے اختیار تشریعی مراد ہے اور ان دونوں کو بصورت حصر خدا کے لئے ثابت کیا گیا ہے جس سے دونوں کی نفی ماسوا سے لازم آ گئی۔

عالم مجردات کی دلیل

اور یہاں میں ایک اور نکتہ بیان کرتا ہوں وہ یہ کہ بعض لوگوں نے اس آیت سے عالم مجردات کے وجود پر دلیل قائم کی ہے۔ عالم مجردات کو صوفیہ کی اصطلاح میں عالم امر بھی کہا جاتا ہے۔ اس لئے الا لہ الخلق و الامر۔ یعنی خدا تعالیٰ ہی کیلئے ہے خالقیت و آمریت۔ سے لوگوں کو دھوکہ ہوا اور انہوں نے اسکا یہ مطلب سمجھا کہ خدا ہی کیلئے ہے عالم خلق و عالم امر۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے کیونکہ قرآن کے مخاطب اول اہل عرب تھے اور وہ عالم امر کو جانتے بھی نہ تھے یہ اصطلاح بعد میں حادث ہوئی۔ نزول قرآن کے وقت عالم امر کو کوئی جانتا بھی نہ تھا مگر لوگوں کی عادت ہے کہ اصطلاحات علمیہ کو یاد کر کے ہر جگہ انہی کو چلایا کرتے ہیں۔

علوم قرآنیہ ابتدا و انتہا میں پڑھنے کی ضرورت

اسی لیے میں کہا کرتا ہوں کہ علوم قرآنیہ کو علوم درسیہ سے مقدم کرنا چاہیے بلکہ

Maktaba Tul Ishaat.com

پہلے بھی علوم قرآنیہ کو پڑھیں اور خاتمہ بھی انہی پر کریں۔ نہ تو یہ کریں کہ علوم درسیہ کو سب سے پہلے پڑھیں نہ یہ کریں کہ علوم دینیہ سے بالکل فارغ ہو کر پھر علوم درسیہ میں مشغول ہوں کیونکہ پہلی صورت میں یہ اصطلاحات ذہن میں رچ جائیں گی۔ پھر ہر جگہ قرآن وحدیث میں وہی سوجھیں گی۔ حالانکہ قرآن وحدیث میں یہ اصطلاحات اور علوم درسیہ کا کام نہیں دیتے۔ اور دوسری صورت میں یہ خرابی ہے کہ جو علم اخیر میں پڑھا جاتا ہے دل پر اسی کا اثر رہ جاتا ہے پس معقول وفلسفہ کو سب سے اخیر میں پڑھنا بھی برا ہے بلکہ ان علوم کو وسط میں رکھنا چاہیے ورنہ کم از کم دوش بدوش تو ضرور ہوں۔ اصطلاحات کے رچ جانے کا ایک واقعہ میں آپ کو سناتا ہوں۔

اصلاحات رچ جانے کی ضرورت

دیوبند میں جب پڑھتا تھا تو حضرت استاد (مولانا محمد یعقوب صاحبؒ) نے مجھے مسئلہ تصور شیخ لکھ کر نقل کیلئے دیا، میں اس کو نقل کر رہا تھا کہ ایک نووارد طالب علم آئے جواب تک معقول ہی میں منہمک رہے تھے مجھ سے پوچھنے لگے کیا لکھ رہے ہو میں نے کہا مسئلہ تصور شیخ وہ بولے کہا شیخ بوعلی سینا بس ان کے نزدیک بوعلی سینا ہی ایک شیخ تھا۔ کیونکہ معقول پڑھنے کی وجہ سے وہی دل میں رچ گیا تھا پس ایسے ہی لوگوں نے جن کے قلوب پر اصطلاحات علمیہ رچی ہوئی ہیں۔ **الا له الخلق والامر**۔ یعنی خدا تعالیٰ ہی کیلئے ہے خالقیت وآمریت۔ سے عالم امر وعالم مجردات کو ثابت کیا ہے مگر یہ بالکل غلط ہے۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ میں عالم مجردات کا منکر ہوں بلکہ میرا مقصود یہ ہے کہ اس آیت کی تفسیر میں اس کو بیان کرنا غلط ہے باقی ویسے میں اس کا منکر نہیں میں اس کو مانتا ہوں۔

عالم مجردات کی دلیل نصوص قرآنی میں نہیں

کہ عالم مجردات موجود ہے لیکن اس کی دلیل نصوص قرآنیہ میں کہیں نہیں بلکہ مکاشفہ اس کی دلیل ہے یہ کوئی مسئلہ شرعیہ نہیں ہے جس کیلئے نصوص کی ضرورت ہو بلکہ اس کا تعلق مکاشفہ سے ہے جیسے امریکہ کا وجود شرعی مسئلہ نہیں ہے اسی طرح اس کو سمجھنا چاہیے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

پس جن لوگوں کی آنکھیں ہیں انہوں نے عالم مجردات کو دیکھا ہے چنانچہ صوفیہ کرام میں بعضے اصحاب کشف ہیں ان کو عالم مجردات منکشف ہوا ہے اور چونکہ ہم ان کو سچا سمجھتے ہیں اس لئے ہم ان کی تصدیق کرتے ہیں باقی جو چیز مشاہدہ کے متعلق ہو اس کے لئے دلائل بیان کرنا غلطی ہے بس اس کی سب سے بڑی دلیل یہی ہے کہ اگر کسی کے آنکھیں ہوں وہ خود دیکھ لے۔ رہا یہ کہ فلاسفہ نے تو اس پر دلائل قائم کئے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ وہ دلائل محض لچر ہیں۔ بناء الفاسد علی الفاسد ، فاسد کی بنا فاسد پر۔

تمام چیزیں مخلوق ہیں

چنانچہ طلبہ خوب جانتے ہیں مگر وہ مجردات قدیم نہیں بلکہ حادث ہیں اور حادث بھی بالزمان جس کی دلیل الاله الخلق۔ اس کے لئے خالقیت ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام چیزیں مخلوق ہیں اس میں مثال بھی داخل ہے۔ اگر کوئی اس استدلال پر یہ شبہ کرے کہ اس آیت میں تو خلق مقابل امر کا ہے اس لئے یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ عالم کی دو قسمیں ہیں ایک حادث بالزماں جو عالم خلق ہے ایک غیر حادث بالزماں جس کا نام عالم امر ہے تو یہ احتمال اگرچہ غلط ہے مگر میں اس سے قطع نظر کر کے دوسری دلیل بیان کرتا ہوں حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔

اللّٰہ خالق کل شئی۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز کے خالق ہیں۔ دیکھو کل شے میں مجردات بھی آ گئے۔ اگر کہا جائے کہ خلق ایجاد بین العدم کے ساتھ خاص نہیں تو دوسری آیت لیجئے بدیع السموات والارض۔ آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے والا ہے۔ ابداع اخراج من العدم ہی کے ساتھ خاص ہے اور فلسفہ عالم مجردات و افلاک دونوں کو غیر حادث بالزمان کہتے ہیں اور فرق کا کوئی قائل نہیں۔ پس ایک کے ابداع سے دوسرے کے ابداع کا بھی قائل ہونا پڑے گا۔

صوفیاء مجردات کو حادث بالزماں مانتے ہیں

پس فلسفہ اور صوفیہ کے قول میں اتحاد نہیں۔ فلاسفہ عالم مجردات کو قدیم مانتے ہیں

Maktaba Tul Ishaat.com

کیونکہ ان کے نزدیک کوئی مجرد حادث نہیں اور صوفیہ مجردات کے قائل ہیں مگر ان کو حادث بالزماں مانتے ہیں البتہ متکلمین تجرد کو اخص صفات باری تعالیٰ قرار دے کر ان کو یہ معلوم ہو چکا ہے کہ خدا تعالیٰ کے سوا تمام چیزیں حادث ہیں اس کے قائل ہیں کہ خدا تعالیٰ کے سوا مجرد ہی کوئی نہیں لہٰذا وہ عالم مجردات کے منکر ہو گئے مگر صوفیہ نے چونکہ عالم مجردات کو دیکھا ہے اس لئے وہ اس کے وجود کے قائل ہو گئے لیکن وہ اس کو حادث مانتے ہیں۔ فلاسفہ کی طرح قدیم نہیں مانتے۔ پس ان کے نزدیک تجرد حق تعالیٰ کے لئے اخص صفات سے نہیں بلکہ وجوب قدیم اس کے اخص صفات سے ہے پس مجرد تو غیر تعالیٰ بھی ہو سکتا ہے۔ مگر مجرد قدیم خدا کے سوا کوئی نہیں۔ اور یہاں سے بعض لوگ یہ سمجھ گئے کہ صوفیہ فلسفی ہیں حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔

عالم مجردات کا مسئلہ کشفی ہے

صوفیہ فلسفہ کی کچھ بھی وقعت نہیں سمجھتے وہ تو ہمہ تن شریعت کے متبع ہیں۔ البتہ جن امور سے شریعت نے سکوت کیا ہے ان کے متعلق بعض دفعہ وہ اپنے مکاشفات بیان کر دیتے ہیں چنانچہ عالم مجردات کا مسئلہ بھی محض کشفی ہے جو اتفاقاً فلاسفہ کے قول سے من وجہ موافق ہو گیا لیکن ہر عاقل جانتا ہے کہ توافق اور چیز ہے اخذ اور چیز ہے۔ صوفیہ نے اس مسئلہ کو فلسفہ سے نہیں لیا بلکہ خود اپنے کشف سے معلوم کیا ہے جو لوگ اس حقیقت سے ناواقف ہیں وہ صوفیہ پر فلسفی ہونے کا گمان کرنے لگے۔

توافق اور اخذ میں فرق

جیسا کہ بعض لوگوں نے قرآن میں بعض باتیں تورات و انجیل کے موافق دیکھ کر یہ گمان کر لیا ہے کہ قرآن تورات و انجیل سے ماخوذ ہے حالانکہ توافق اور چیز ہے اور اخذ اور چیز ہے تو افق سے اخذ کیونکر لازم آ گیا۔ حضور ﷺ نے تورات و انجیل کو کبھی دیکھا بھی نہیں نہ آپ عبرانی اور سریانی زبان کو جانتے تھے۔ نہ اہل کتاب سے اختلاط کی آپ کو نوبت آئی پھر قرآن تورات و انجیل سے ماخوذ کیونکر ہو گیا۔ علاوہ ازیں بعض واقعات میں اہل

Maktaba Tul Ishaat.com

کتاب نے تحریف وتبدیل بھی کر دی تھی جن کو قرآن میں صحیح طریقہ سے بیان کیا گیا ہے۔ اگر قرآن ان کتابوں سے ماخوذ ہوتا تو یہ واقعات قرآن میں بھی اسی طرح ہوتے جس طرح انجیل وتورات میں تھے حالانکہ عیسیٰ اور داؤدؑ اور یوسفؑ کے واقعات قرآن میں ایسے طرز پر مذکور ہیں جن سے ان حضرات کی عصمت ونزاہت ثابت نہیں ہوتی۔ پس جس طرح قرآن مجید کی نسبت یہ خیال غلط ہے اسی طرح صوفیہ پر بھی فلسفی ہونے کا گمان بالکل غلط ہے۔ غرض عالم مجردات کا وجود فی نفسہ صحیح ہے جس کے قائل بعض صوفیہ ہوئے ہیں اور متکلمین اس کے بالکل منکر ہیں مگر کچھ مضائقہ نہیں کیونکہ اس کا قائل ہونا شرعاً لازم نہیں جیسے امریکہ کا قائل ہونا ضروری نہیں۔ اور متکلمین کے منکر ہونے سے یہ بات واضح ہوگئی کہ الا لہ الخلق والامر۔ اسی کیلئے ہے خالقیت وآمریت۔ سے عالم امر مراد ہونا ثابت نہیں ورنہ وہ ہرگز انکار نہ کرتے۔ نص قرآنی کے ہوتے ہوئے متکلمین کبھی کسی مسئلہ کا انکار نہیں کر سکتے۔ خیر یہ تو بیچ میں ایک جملہ معترضہ تھا۔

اختیار تشریعی اور اختیار تکوینی دونوں اللہ تعالیٰ کیلئے مخصوص ہیں

میں یہ کہہ رہا تھا کہ الا لہ الخلق والامر (خدا تعالیٰ ہی کیلئے (خاص) ہے خالقیت اور آمریت) سے خالقیت وآمریت۔ دونوں کا خدا کیلئے مخصوص ہونا معلوم ہوگیا۔ پس مخلوق کو نہ اختیار تکوینی حاصل ہے نہ اختیار تشریعی۔ بلکہ یہ دونوں اختیارات خدا تعالیٰ کے لئے مخصوص ہیں اور اسی کی فرع یہ بھی ہے کہ مباحات میں بھی تصرف شرعی کا اجرا ہوتا ہے۔

اباحت بھی شریعت پر موقوف ہے

اگر کوئی یہ کہے کہ یہ قاعدہ فقہیہ ہے الاصل فی الاشیاء الاباحۃ۔ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ قبل شریعت کے بھی اباحت موجود تھی پس اباحت کا وجود شریعت پر موقوف نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ الاصل فی الاشیاء الاباحۃ۔ اشیاء میں اصل اباحت ہے۔ یہ قاعدہ بھی شریعت ہی سے معلوم ہوا۔ تو اباحت اصلیہ کا ظہور بھی شریعت کے بتلانے پر موقوف ہوا۔ اگر شریعت یہ قاعدہ نہ بتلاتی تو اباحت اصلیہ کا ظہور بھی

Maktaba Tul Ishaat.com

نہ ہوتا۔ تو گویا قبل ورود شرع کے اباحت کا وجود اشیاء میں تھا مگر ظہور نہ تھا۔ شریعت نے اس کو ظاہر کیا۔ اور اس میں کچھ شک نہیں کہ ظہور کے بغیر وجود بمنزلہ عدم کے ہے۔ پس یہ کہنا صحیح ہے کہ اباحت بھی شریعت ہی پر موقوف ہے۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی کہے کہ اس دوا کو طبیب سے پوچھ کر استعمال کرنا چاہیے نہ معلوم مضر ہے یا نافع ظاہر ہے کہ نفع یا ضرر جو کچھ بھی ہے دوا میں پہلے سے موجود ہے طبیب اس میں ضرر یا نفع پیدا نہ کرے گا مگر پھر بھی اس کا استعمال طبیب کی رائے پر موقوف ہے کیونکہ وہ مظہر نفع وضرر ہے۔ اور یہاں تو خالق ومظہر دونوں حق تعالیٰ ہی ہیں پہلے خدا تعالیٰ نے اشیاء میں اباحت وحرمت پیدا کی پھر اس کو ظاہر کیا چنانچہ اس ظاہر کرنے ہی کا نام ورود شرع ہے۔

حلال وحرام کرنا بھی حق تعالیٰ کا کام ہے

پس یہ مسئلہ ثابت ہوگیا کہ حلال وحرام کرنا حق تعالیٰ ہی کا کام ہے۔ چنانچہ ایک جگہ نہایت تصریح کے ساتھ حق تعالیٰ فرماتے ہیں **ولا تقولوا لما تصف السنتکم الکذب هذا حلال وهذا حرام لتفتروا علی اللّٰه الکذب** ۔یعنی کسی چیز کے بارہ میں بدون علم کے یہ نہ کہو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام کیونکہ اس میں خدا تعالیٰ پر افترا باندھنا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح کسی چیز کو حرام کرنا خدا کا کام ہے جب ہی تو بلا دلیل حرام کہنا افتراء ہوا۔ اسی طرح حلال کرنا بھی خدا ہی کا کام ہے۔ پس وہ دعوی بخوبی ثابت ہوگیا جس کو میں نے شروع میں بیان کیا تھا کہ مباح کو مباح کرنا بھی ایک تصرف ہے اور دین کا تصرف جس طرح فرائض وواجبات ومحرمات میں ہوتا ہے اسی طرح مباحات میں بھی ہوتا ہے۔

حلال وحرام کہنے کا مطلب

اور **لتفتروا علی اللّٰه الکذب** (تاکہ کذب کا اللہ تعالیٰ پر افترا کرو) سے معلوم ہوا کہ کسی چیز کو بدون علم کے حرام وحلال کہنا خدا پر افترا کرنا ہے۔ اس کی دو صورتیں ہیں اگر حلال وحرام کہنے کا مطلب یہ ہے کہ عنداللہ حلال یا حرام ہے حالانکہ حکم شرعی ہم

Maktaba Tul Ishaat.com

کو معلوم نہیں تب تو افتراء ہونا ظاہر ہے اور اگر یہ مطلب ہے کہ یہ چیزیں خود بخود حلال وحرام ہیں بدون خدا کے حلال وحرام کئے تب بھی جھوٹ ہے کیونکہ خود بخود کوئی چیز حلال وحرام نہیں ہوسکتی چنانچہ یہ ایسی بدیہی بات ہے کہ کفار بھی اس خیال کے قائل نہ تھے وہ بھی جن چیزوں کو حلال وحرام کہتے تھے ان کے متعلق یوں کہا کرتے تھے واللہ امرنا بھا۔ (کہ خدا نے ہم کو اس کا حکم دیا ہے) تو اتنی بات وہ بھی جانتے تھے کہ بدون خدا کے حکم کے حلت وحرمت کا ثبوت نہیں ہوسکتا۔

مسلمان دنیوی امور میں بھی خود مختار نہیں

مگر افسوس آجکل بعض مسلمان اس خیال کے ہوگئے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کو دنیوی کاموں سے کیا تعلق ان میں ہم خود مختار ہیں جو چاہیں کریں گویا وہ امور دنیویہ کو خود بخود حلال سمجھتے ہیں۔ اس عقیدہ میں یہ لوگ کفار سے بھی دو قدم آگے بڑھ گئے۔ جیسے بعض کفار کی یہ حالت قرآن میں بیان کی گئی ہے کہ دریا میں سوار ہوکر جب طوفان میں مبتلا ہوتے ہیں تو خدا ہی کو پکارتے ہیں خدا تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں پکارتے اپنے سب معبودوں کو اس وقت بھول جاتے ہیں مگر ہم نے بعض مسلمانوں کو جہاز میں دیکھا ہے کہ وہ طوفان کے وقت یا غوث اعظم یا علی وغیرہ کہتے ہیں۔ ان ظالموں کا شرک اس وقت بھی دور نہ ہوا جبکہ مشرکین کا شرک زائل ہوجاتا ہے۔ تو یہ ان سے بھی بڑھ گئے۔ اسی طرح جو لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ بعض چیزیں خود بخود حرام وحلال ہیں یا اپنی طرف سے ان کو حلال وحرام کہتے ہیں تو یہ خدا پر افتراء وکذب کرتے ہیں کیونکہ قاعدہ ہے الشی اذا ثبت ثبت بلوازمہ (کوئی چیز جب ثابت ہوتی ہے تو اپنے لوازم کے ساتھ ثابت ہوتی ہے)۔ اور کسی چیز کو حلال وحرام ہونے کیلئے لازم ہے کہ خدا تعالیٰ اس کو حلال وحرام کریں اس لئے کہ حلت وحرمت حق تعالیٰ کا حق ہے تو جب اس نے خود کسی چیز کو بدون حکم خداوندی کے حلال وحرام کہا تو یہ شخص اس حق کو اپنے واسطے ثابت کرنا چاہتا ہے اور یہ بہت بڑا افتراء ہے کہ اپنے کو خدا کا شریک بنا رہا ہے اس میں جھوٹ کے ساتھ بے حیائی اور بے شرمی بھی ہے جیسے ایک شخص کسی نواب یا رئیس کا مال چرا لائے اور یہ کہے کہ فلاں نواب صاحب نے یہ مجھ کو عطا کیا ہے اس نے جھوٹ تو بولا مگر

Maktaba Tul Ishaat.com

نمک حرامی نہیں کی اس چیز کو نواب صاحب ہی کی طرف منسوب کیا کہ یہ ان کی ہے مگر انہوں نے مجھے دے دی، اور ایک شخص چرا کر یہ کہے کہ یہ چیز میری ہے۔ یہ چور بھی ہے اور نمک حرام بھی پس آجکل جو مسلمان خود بخود بعض چیزوں کو حلال وحرام کرتے رہتے ہیں وہ دوسری صورت میں داخل ہیں جس سے پہلے زمانہ کے کافر بھی بچتے تھے وہ کسی چیز کو از خود حلال وحرام نہ کہتے تھے۔ بلکہ تحلیل وتحریم کا حق خدا ہی کیلئے مانتے تھے، ہاں ایک دعوی جھوٹا کیا کرتے تھے کہ **اللہ امرنا بھا** خدا نے ہم کو اس کا حکم دیا ہے۔ **قل ان اللہ لایامر بالفحشاء**، کہ خدا تعالیٰ فحش و بے حیائی کا امر نہیں کیا کرتا اور جو کام تم کرتے ہو یہ فحش اور بے حیائی کے کام ہیں۔ یہ ہرگز خدا کی طرف سے مامور ماذوں بہا نہیں ہو سکتے۔

تحلیل وتحریم صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے

غرض یہ بات ثابت ہوگئی کہ تحلیل وتحریم خدا کا کام ہے بدون خدا کے بتلائے ہم کسی مباح کو مباح بھی نہیں کہہ سکتے خواہ وہ عبادات میں سے ہو یا عادات میں سے۔ پس لوگوں کو یہ کہنا کہ آجکل مولویوں کا داڑھی رکھنے کو فرض کہنا تجارات ومعاملات میں دخل دینا کہ ناجائز اور حرام یہ جائز اور مباح ہے صحیح نہیں بالکل غلط ہے کیونکہ دین کا تعلق محض عبادات ہی سے نہیں ہے بلکہ وہ عادات میں بھی تصرف کرتا ہے اور "**انتم اعلم بامور دنیاکم**" تم اپنی دنیا کے کاموں کو مجھ سے زیادہ جانتے ہو۔ سے استدلال کا جواب ہو چکا ہے کہ علم اور تخییر میں فرق ہے اور تفسیر حدیث کی آگے آتی ہے سو اس حدیث میں یہ کہاں کہا گیا ہے کہ امور دنیا میں تم خود مختار ہو۔ بلکہ اس کے خلاف دلائل صحیحہ سے ثابت ہے کہ امور دنیا میں بھی ہم لوگ خود مختار نہیں ہیں بلکہ حکم شرعی کے پابند ہیں۔

امور دنیوی میں خود مختار نہ ہونے سے متعلق نص قرآنی

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن حارث کا پیغام نکاح زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے بھیجا۔ چونکہ حضرت زیدؓ لوگوں کی زبانوں پر غلام مشہور تھے واقع میں وہ غلام نہ تھے بلکہ شریف الاصل آزاد تھے لیکن بدوں نے ان کو کسی قافلہ سے پکڑ کر زبردستی غلام

Maktaba Tul Ishaat.com

بنالیا اور بیع کر دیا تھا اس لئے وہ غلام کے لقب کے ساتھ بدنام ہو گئے۔ جیسے بعض قصبات میں بعض شریف قوموں کے کچھ القاب مشہور ہو جاتے ہیں پھر لوگ ان کو حقیر سمجھنے لگتے ہیں۔ اسی طرح حضرت زید بھی بدنام ہو گئے تھے اس لئے حضرت زینب نے اور ان کے بھائی نے اس پیغام کی منظوری میں تامل کیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی **وما کان لمؤمن ولامؤمنة اذا قضی اللّٰہ ورسولہ امرا ان یکون لھم الخیرہ من امرھم**۔ اور کسی مسلمان مرد یا عورت کو یہ اختیار نہیں کہ جب خدا اور رسول اللہ ﷺ کسی بات کا فیصلہ فرما چکیں تو پھر ان کو اپنے معاملہ میں کوئی اختیار رہے۔ صاحبو! ظاہر ہے کہ پیغام نکاح کا منظور کرنا یا نہ کرنا عبادات میں سے نہیں ہے بلکہ یہ ضروریات زندگی میں سے ایک امر ہے جیسا کھانا پینا۔ پھر اس میں عورت اور اس کے اولیاء کی رضامندی بھی شرعاً و عرفاً ضروری ہے چنانچہ کفایت کا اعتبار خود شریعت نے کیا ہے لیکن باایں ہمہ اس واقعہ میں عتاب نازل ہوا کہ حضور ﷺ کی قطعی مرضی معلوم ہو جانے کے بعد مسلمانوں کو کچھ اختیار نہیں کہ وہ دنیوی امور میں بھی حضور ﷺ کی رائے کی مخالفت کریں۔ اگر دنیوی امور میں تخییر ہے تو یہ عتاب کیوں ہوا۔ اس پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ جب شریعت نے کفائت کا لحاظ خود ضروری سمجھا ہے تو حضرت زینب اور ان کے بھائی پر اس لحاظ سے عتاب کیوں ہوا جواب یہ ہے کہ حضرت زیدؓ واقع میں کفو تھے لیکن انہوں نے محض ظاہری شہرت کی بناء پر ان کو کفو نہیں سمجھا۔

نیز یہ بھی شبہ نہ کیا جائے کہ حضرت بریرہؓ کے واقعہ میں تو حضور ﷺ نے ان پر کچھ عتاب نہیں کیا حالانکہ انہوں نے مشورہ نبوی کی مخالفت کی تھی۔ یہاں حضور ﷺ کے مشورہ کے خلاف کرنے پر حضرت زینب اور ان کے بھائی پر کیوں عتاب ہوا۔ بات یہ ہے کہ واقعہ بریرہؓ میں حضور ﷺ نے کچھ فیصلہ نہیں فرمایا تھا محض مشورہ کا درجہ تھا۔ اور یہاں حضور ﷺ اپنے دل میں یہ بات طے فرما چکے تھے کہ زید کا نکاح زینب سے ہو جائے اور ان صحابیوں کو بھی قرائن سے اس کا علم ہو گیا تھا لہٰذا بعد معاملہ طے فرما دینے ان کو مخالفت کا حق نہ تھا اور اس کی دلیل خود قرآن کے الفاظ میں موجود ہے۔ **اذا قضی اللہ ورسولہ امرا**۔ جب رسول اللہ ﷺ کسی بات کا فیصلہ کر دیں۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ

Maktaba Tul Ishaat.com

حضور ﷺ اپنی طرف سے اس معاملہ کو طے فرما چکے تھے۔ بہر حال اس واقعہ سے معلوم ہو گیا کہ دنیوی امور میں بھی شریعت کا تصرف جاری ہے اور مسلمانوں کو اس کی مخالفت کا حق نہیں۔ اسی لئے تو کہا جاتا ہے کہ ناتمام علم کافی نہیں۔ محض دو چار کتابیں پڑھنے سے انسان عالم نہیں ہو جاتا۔ آپ نے اس ناقص علم کی حالت دیکھ بھی لی کہ یہ لوگ انتم اعلم بامور دنیاکم (الصحیح لمسلم' الفضائل ۱۴۱' کنز العمال ۳۲۱۸۲)۔ تم دنیا کے کاموں کو زیادہ جانتے ہو۔ سے دنیوی امور میں تخیر کے قائل ہو گئے یہ نہ دیکھا کہ نصوص سے اس کی نفی ہو رہی ہے اس لئے یہ مطلب صحیح نہیں۔ آجکل ہر شخص اپنے کو عالم اور مجتہد سمجھتا ہے مگر جب محقق کے سامنے وہ جاتے ہیں اس وقت ان کو معلوم ہو جاتا ہے کہ ہمارا علم سراسر جہل تھا اس لئے اپنے علم کو کسی محقق کے سامنے پیش کرو اگر وہ تصدیق کر دے تب اس کو صحیح سمجھو ورنہ وہ محض جہل ہے۔ صائب کہتے ہیں

بنمائے بصاحب نظرے گوہر خود را ☆ عیسی نتواں گشت بتصدیق خرے چند

اپنے جوہر کسی صاحب نظر کو دکھلاؤ چند گدھوں کی تصدیق سے کوئی عیسی نہیں بن سکتا۔

صاحب نظر کون لوگ ہیں

چند احمقوں کے مولانا کہنے سے کوئی عالم اور مولانا نہیں ہو جاتا اس کے لئے کسی صاحب نظر کے پاس رہنے کی اور تصدیق کی ضرورت ہے۔ صاحب نظر کون لوگ ہیں یہ وہ کاملین ہیں جو شریعت و طریقت کے جامع ہیں ان کے پاس رہ کر دین سے ایک خاص ذوق حاصل ہوتا ہے۔ یہ ذوق محض کتابوں کے ترجمہ سے نہیں حاصل ہوتا بلکہ اس کا طریقہ صحبت کاملین ہی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں

قال بگذار و مرد حال شو ☆ پیش مرد کاملے پامال شو

قال کو چھوڑ کر حال پیدا کرو یہ اس وقت ہوگا جب کسی اہل اللہ کے قدموں میں جا کر پڑ جاؤ۔

صاحبو! علماء کے اندر بھی سب محقق نہیں ہوتے بلکہ ان میں سے کوئی محقق ہوتا ہے ورنہ اکثر محض کتابی عالم ہوتے ہیں جن کو عبارتوں کا ترجمہ کرنا آتا ہے اور اب تو یہ حالت ہو گئی ہے کہ میزان پڑھنے والے کو بھی مولوی سمجھتے ہیں اور جو درسیات سے فارغ ہو جائے وہ تو گویا

Maktaba Tul Ishaat.com

رجسٹری شدہ مولوی ہے حالانکہ علم صرف اسی کا نام نہیں بلکہ اس کے بعد ایک علم اور ہے اس کے بعد آدمی محقق ہوتا ہے علم اور دین کا ذوق اسی کو عطا ہوتا ہے۔ عارف فرماتے ہیں ؎

نہ ہر کہ چہرہ برافروخت دلبری داند ☆ نہ ہر کہ آئینہ دارد سکندری داند

ہزار نکتہ باریک تر ز مو اینجاست ☆ نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

دلبری ہر وہ شخص نہیں جانتا جو چہرہ کو چمکا لے نہ ہر وہ شخص سکندری جانتا ہے جو اپنے پاس آئینہ رکھتا ہو یہاں بال سے بھی زیادہ باریک ہزاروں نکتے ہیں قلندری ہر وہ شخص نہیں جانتا جو اپنا سر منڈا لے۔

علم دین میں بھی تجربہ کی ضرورت مسلم ہے

تعجب ہے کہ ہر فن میں تجربہ کی ضرورت مسلم ہے ہر علم میں نو تعلیم یافتہ اور تجربہ کار میں فرق کیا جاتا ہے مثلاً نجار اور معمار اور طبیب وغیرہ جتنے پرانے تجربہ کار ہوں اسی قدر ان کی قدر زیادہ ہوتی ہے اور نو تعلیم یافتہ کو ان کے برابر ہرگز نہیں سمجھا جاتا حالانکہ کتابیں جتنی نئے طبیب نے پڑھی ہیں اتنی ہی پرانے طبیب نے پڑھی ہیں اور جو مسائل نجاری کے نئے نجار نے سیکھے ہیں وہی پرانے نے سیکھے ہیں مگر اس میں ایک بات زیادہ ہے یعنی تجربہ اس لئے اس کی قدر و منزلت زیادہ ہے مگر علم دین میں جو لوگ تجربہ کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے سب کو ایک ہی لکڑی ہانکتے ہیں۔ تو کیا ان کے نزدیک علوم خسیسہ کے مسائل تو باریک باریک ہیں اور شریعت ہی کے مسئلے موٹے موٹے ہیں افسوس ان لوگوں کو شریعت کی حقیقت معلوم نہیں۔ دیکھئے طب کی کتابوں میں ہر مرض کی دوا لکھی ہوئی ہے جن کو دیکھ کر ہر شخص بتلا سکتا ہے کہ اس مرض کی یہ دوا ہے مگر طبیب کی ضرورت پھر بھی ہے کیونکہ یہ تشخیص کون کرے گا کہ اس شخص کو فلاں مرض ہے فلاں مرض نہیں اس کی تشخیص کیلئے اطباء کی خوشامد کی جاتی ہے ورنہ علاج کر دینا کیا مشکل ہے اسی طرح شریعت میں بھی تمام امراض روحانیہ کا علاج موجود ہے مگر طبیب روحانی کی ضرورت اس لئے ہے تاکہ یہ تشخیص ہو کہ آپ کے اندر مرض کیا ہے نیز جس طرح اطباء کو پہلے زمانہ کے نسخوں میں اجتہاد کرنا پڑتا ہے کیونکہ وہ آجکل

Maktaba Tul Ishaat.com

کے مزاجوں کے موافق نہیں ہیں اسی طرح اطباء روحانی کو بھی اس کی ضرورت پیش آتی ہے تو یہ کام ہر عالم تو نہیں کرسکتا یہ تو بڑا ہی تجربہ کار کرسکتا ہے۔ اگر ناتجربہ کار یہ کام کرنے لگے تو وہ ضرور مخلوق کو تباہ کرے گا۔

قانون الٰہی کو سمجھنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں

چنانچہ ہماری طرف ایک طبیب ہیں جو باقاعدہ طب پڑھے ہوئے نہیں ہیں نہ کسی کے پاس رہ کر مطب کیا ہے لیکن وہ علاج کرتے ہیں اور علاج کا طریقہ یہ ہے کہ مریض سے کہہ دیتے ہیں کہ پہلے کسی ہوشیار طبیب سے مرض کی تشخیص کرالاؤ علاج میں کردوں گا۔ جب مریض کسی حکیم سے تشخیص کرالاتا ہے تو وہ کتاب دیکھ کر علاج کر دیتے ہیں اگر کہیں مریض کو نقصان ہوا تو وہ یہ کہہ کر الگ ہوجاتے ہیں کہ صاحب فلاں حکیم نے تشخیص میں غلطی کی ہوگی باقی میں نے تو اسی مرض کا علاج باقاعدہ کیا ہے جو انہوں نے تشخیص کیا تھا۔ بھلا یہ بھی کوئی جواب ہے جو شخص مرض کی تشخیص نہیں کرسکتا وہ علاج کیسے کرسکتا ہے۔ دوسرے کی تشخیص سے آپ کو مزاج کا درجہ اور تغیر اخلاط کی کیفیت کیسے معلوم ہوجائے گی اور جب یہ معلوم نہیں تو آپ نسخہ میں اس کی رعایت کیسے کریں گے جب اس کی رعایت نہ ہوگی تو مریض کو نفع کیسے ہوگا مگر آجکل ہر شخص مجتہد بنا ہوا ہے جو جی میں آتا ہے کرتے ہیں ذرا وہ صاحب مجھ سے ملیں تو میں ان کی خبر لوں گا کیونکہ وہ مجھ سے محبت کرتے ہیں اور محبت تو بلا ہے جو اس کا دعویٰ کرے گا اس کے ساتھ تو ایسا ہی برتاؤ کیا جائے گا۔ ہاں کوئی محبت کا دعویٰ نہ کرے تو میں اس سے خاص خطاب نہیں کرتا عام خطاب میں سب کچھ کہہ دیتا ہوں۔ غرض آجکل ہر شخص مفسر و مترجم ہے اور ہر ایک شریعت میں رائے دیتا ہے۔ گویا شریعت کا سمجھنا تمام فنون سے آسان ہے حالانکہ یہ تو قانون الٰہی ہے جب دنیوی سلاطین کے قوانین کو ہر شخص نہیں سمجھ سکتا بلکہ خاص وکلاء اور بیرسٹر اور ہائی کورٹ کے جج ہی اس کو سمجھتے ہیں تو خدائی قانون کو ایسا کیا آسان سمجھ لیا ہے۔

دین کا رزق پیدا کرنے کی ضرورت

بہاولپور میں ایک شخص نے قرآن کا ترجمہ یاد کر رکھا تھا اور اس کو بڑا ناز تھا ترجمہ

Maktaba Tul Ishaat.com

قرآن کوخوب جانتا ہوں ایک مرتبہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے اس سے پوچھا کہ مدھامتن۔ کا کیا ترجمہ ہے، کہنے لگے بہت سیاہ، مولانا نے پوچھا بہت کا ہے کے معنی اور سیاہ کا ہے کے معنی تو آپ فرماتے ہیں مدہام کے معنی بہت اور متان کے معانی سیاہ پس کتابیں پڑھنا اور ہے اور علم سے مناسبت اور ہے چنانچہ انتم اعلم بامور دنیاکم (الصحیح لمسلم' الفضائل: ۱۴۱' کنز العمال: ۳۲۱۸۲)، تم دنیا کے کاموں کوزیادہ جانتے ہو۔ کے معنی میں بھی غلطی اسی وجہ سے کی گئی کہ محض ترجمہ حدیث کا یادکررکھا ہے فن سے مناسبت اوردین کا ذوق نہیں پیدا ہوا۔ دیکھئے خزانچی کوخزانہ کا حال بادشاہ سے زیادہ معلوم ہوتا ہے کیونکہ سلاطین خزانہ کا حساب کتاب خودنہیں کیا کرتے پس اگر بادشاہ خزانچی سے کسی وقت یہ کہہ دے کہ بھائی خزانہ کا حال تم کومجھ سے زیادہ معلوم ہے تو کیا اس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ تم اس میں خودمختار بھی ہو کہ جس کوچاہو بانٹ دو، ہرگزنہیں۔ زیادہ جاننے سے خودمختار ہونا کیسے لازم آیا پس جس طرح خزانچی کوخزانہ کا حال بادشاہ سے زیادہ معلوم ہے مگراسے خرچ کرنے کا اختیارنہیں وہ بدون اجازت شاہی کے کسی کوایک حبہ بھی نہیں دے سکتا اسی طرح دنیا کے کاموں کوہم انبیاء سے زیادہ جانتے ہیں کہ زراعت کیونکر ہوا کرتی ہے باغبانی کس طرح کیا کرتے ہیں کپڑے کیسے بنا کرتے ہیں مگران کاموں میں خودمختارنہیں ہیں کہ جس طرح چاہیں کرلیں۔ بلکہ جس کام کوانبیاء جائز کریں گے ہم اس کوکرسکتے ہیں اور جس سے منع کردیں اس کوچھوڑ دینا واجب ہے۔

دنیوی امور کے احکام شرعی حضور ﷺ سب سے زیادہ جانتے تھے

اگر یہ شبہ کیا جائے کہ اس حدیث میں تو لفظ اعلم مطلق ہے جس کے یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں انتم اعلم باحکام امور دنیاکم ۔تم دنیوی کاموں کے احکام کوزیادہ جانتے ہو۔ اور یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں انتم اعلم بتدابیر امور دنیاکم. تم دنیوی کاموں کے طریقے خوب جانتے ہو۔ پس تم نے دوسرے معنی کوکس دلیل سے ترجیح دی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ میں نے دوسرے معنی کواس لئے ترجیح دی ہے کہ دوسری احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ لوگ دنیوی کاموں کے احکام کوحضور ﷺ سے زیادہ نہیں جانتے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

چنانچہ حضرت زینبؓ کے نکاح کا واقعہ اوپر گزر چکا ہے اس کے علاوہ اور بھی بہت احادیث اس قسم کی ملیں گی۔ دوسرے خود اس حدیث کے واقعہ سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو مطلب میں بیان کیا ہے وہی صحیح ہے آپ نے فقط انہی الفاظ کو دیکھا ہے اس لئے اشکال پیدا ہوا اگر پوری حدیث کو دیکھتے تو شبہ نہ ہوتا۔ اور اکثر آیات واحادیث میں جہاں کسی کو اشکال ہوتا ہے اس کا سبب زیادہ تر یہی ہوتا ہے کہ اسکے سیاق وسباق میں غور نہیں کیا گیا اس لئے طلبہ کو چاہیئے کہ ہر آیت کو منفرداً نہ دیکھا کریں بلکہ اس کے ساتھ اس کے سیاق وسباق میں بھی غور کیا کریں تب انشاء اللہ تعالیٰ کوئی اشکال نہ ہوگا۔

بروز قیامت غلبہ حق

چنانچہ اس وقت مجھ کو ایک آیت یاد آئی اسمیں اکثر طلبہ کو اشکال ہوا کرتا ہے لیکن اسکا منشاء بھی سیاق میں نظر نہ کرنا ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔ **ولن یجعل اللہ للکافرین علی المؤمنین سبیلا**، ترجمہ، آیت کا یہ ہے کہ اور حق تعالیٰ کافروں کو ہرگز مسلمانوں پر راہ نہ دے گا یعنی غالب نہ کرے گا۔

اس پر اشکال ہوتا ہے کہ ہم تو دیکھتے ہیں بعض دفعہ کفار کو مسلمانوں پر غلبہ ہو جاتا ہے مگر ان صاحبوں نے اس سے پہلے جملے کو نہیں دیکھا، پوری آیت اس طرح ہے، **فاللہ یحکم بینھم یوم القیمۃ ولن یجعل اللہ للکافرین علی المؤمنین سبیلا**. ترجمہ، پس خدا مسلمانوں میں اور کافروں میں قیامت کے دن فیصلہ فرمادیں گے۔ اور خدا تعالیٰ کافروں کو ہرگز مسلمانوں پر راہ نہ دے گا یعنی قیامت کے فیصلہ میں ہرگز ان کو غلبہ نہ ہوگا کیونکہ وہ ظہور حقائق کا وقت ہے اس وقت حق وباطل میں پورا امتیاز ہو جائے گا اس لئے وہاں حق ہی کو غلبہ ہوگا۔ باطل کو ہرگز غلبہ نہ ہوگا اور دنیا دار العمل ہے یہاں بطور امتحان کے کبھی باطل کو حق پر غلبہ ظاہر میں ہوسکتا ہے تو یہاں دنیوی سلطنت وحکومت سے کیا بحث جو یہ اشکال وارد ہو۔ دنیا میں کفار کے غلبہ کی نفی اس آیت سے کہاں مفہوم ہوتی ہے۔ پس قرآن وحدیث کو جب دیکھو پورے مضمون کو دیکھو ادھورا مضمون مت دیکھو۔ اشکال اسی سے وارد ہوتا ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

تابیر کا مفہوم

پس سب سے پہلے اس حدیث کا واقعہ دیکھنا چاہیے وہ یہ ہے کہ حضور ﷺ جب مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو اہل مدینہ کو آپ نے دیکھا کہ وہ کھجوروں کی تابیر کرتے ہیں۔ تابیر اسے کہتے ہیں کہ نر کھجور کے پھولوں کو مادہ سے چھوا دیا جائے۔ خدا تعالیٰ کی قدرت ہے کہ کھجور میں ایک نر ہوتا ہے اور ایک مادہ نر کے اوپر صرف پھول آتے ہیں پھل نہیں آتا، مادہ پر پھل بھی آتا ہے تو نر کے پھولوں کو مادہ کے اوپر سے چھوا کر گرا دیا جاتا ہے اس سے مادہ پر بہت پھل آتا ہے اگر ایسا نہ کیا جائے تو پھل کم آتا ہے، عجیب خدا کی قدرت ہے۔

نفخ جبرئیلؑ سے حضرت مریمؑ کا حمل

جب ایک مس گل میں یہ خاصیت ہے کہ اس سے مادہ بارآور ہو جاتی ہے تو اگر نفخ جبرئیل سے حضرت مریمؑ کو حمل رہ گیا تو کیا تعجب کی بات ہے ملحدوں کی عقل میں یہ بات نہیں آتی، اسلئے وہ اس واقعہ کے منکر ہیں اور انہوں نے یوسف نجار کو حضرت مریمؑ کا شوہر نکالا خیر ملحدوں پر تو تعجب نہیں کیونکہ وہ قدرت خداوندی کے قائل نہیں مگر افسوس یہ ہے بعض مسلمانان مدعی مفسریت نے جن کو مفسر کہنا ہرگز جائز نہیں اس واقعہ نفخ جبرئیل کا انکار کیا ہے اور یوسف نجار کو حضرت مریم کا شوہر مانا ہے جو نصوص قرآنیہ کے صریح خلاف ہے۔ ان لوگوں کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ جبرئیلؑ کی پھونک سے حمل کیونکر رہ گیا ان لوگوں کو تابیر سے سبق لینا چاہیے کہ نر کے پھول چھوانے سے مادہ کھجور کیونکر بارآور ہو جاتی ہے۔

غرض حضور ﷺ نے صحابہ کو تابیر سے نرم عنوان سے منع فرمایا کہ اگر تم یہ کام نہ کرو تو بہتر ہے۔ غالباً آپ کو ٹوٹکہ اور شگون کا احتمال ہوا کہ کہیں یہ عمل بطور شگون کے نہ کیا جاتا ہو۔ آپ کو یہ نہ معلوم تھا کہ اس میں یہ خاصیت فطرۃً رکھی ہوئی ہے اور کھجور پر زیادہ پھل آنے کا یہی طریقہ ہے۔ شاید کوئی یہاں یہ شبہ کرے کہ حضور ﷺ کو اتنی بات معلوم نہ تھی میں کہتا ہوں کہ ہاں ہم فخر کے ساتھ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کو تابیر کی خاصیت معلوم نہ تھی کیونکہ آپ سائنس دان نہ تھے کہ جڑی بوٹیوں کی خاصیتیں اور باغبانی کا فن بھی

Maktaba Tul Ishaat.com

جانتے ۔آپ محض رسول و نبی ﷺ تھے آپ کے لئے یہی فخر ہے کہ آپ احکام الٰہی اور طرق وصول الی اللہ کے جاننے والے تھے اور دنیا کی صنعتوں کو نہ جانتے تھے۔

علوم شرعیہ کے سامنے سائنس کی حقیقت

سائنس کی حقیقت علوم شرعیہ کے سامنے ایسی ہے جیسے پاخانہ کمانے کا فن کسی فن شریف کے سامنے ہے اب اگر ایک شخص کسی نواب کی تعریف میں یہ کہے کہ فلاں رئیس پاخانہ کمانے کے فن سے بھی ماہر ہیں اور دوسرا یہ کہے کہ وہ اس کام کو جانتے بھی نہیں ان کو اس سے مس بھی نہیں تو بتلایئے ان دونوں میں ادب والا کون ہے۔ پس جو لوگ حضور ﷺ کی تعریف میں یہ کہتے ہیں کہ آپ بڑے سائنس دان تھے وہ ایسے ہی گستاخ ہیں جیسے وہ شخص سائنس کو آپ سے ایسی ہی نسبت ہے جیسے اس فن کو کسی نواب سے پس حقیقت میں آپ کا ادب اور آپ کی تعظیم اسی میں ہے کہ ہم صاف صاف کہہ دیں کہ ہمارے رسول اللہ ﷺ محض رسول و نبی ﷺ تھے سائنس دان نہ تھے انبیاء تو ان کاموں سے منع کرتے ہیں کہ بلاضرورت حقائق وخواص اشیاء عالم کے دریافت کرنے میں مشغول ہوں بلکہ اپنی آخرت کی اصلاح میں مشغول ہونا چاہیے۔

حدیث مطرب ومے گوراز دہر کمتر جو ☆ کہ کس نکشود ونکشاید بحکمت ایں معمارا

عشق ومحبت الٰہی کی باتیں کرو زمانہ کے اسرار کی جستجو ترک کرو کہ کسی نے بھی اس معمہ کو حکمت سے حل نہیں کیا نہ آئندہ کر سکے گا۔

اشرف العلوم اور ادنیٰ علم

راز دہر سے مراد زمانہ کے واقعات اور فنون طبعیہ ہیں جن میں خواص اشیاء وحقائق اجزاء عالم سے بحث کی جاتی ہے۔فلاسفہ یونان خود اقرار کرتے ہیں کہ علوم طبعیہ تمام علوم میں ادنیٰ ہیں اور اشرف العلوم علم الٰہی ہے۔ پس انبیاء اشرف العلوم میں مشغول ہوتے ہیں ادنیٰ علم کے پیچھے نہیں پڑتے جس کو اصلاح آخرت میں کچھ بھی دخل نہیں۔غور کیجئے ایک شخص محبوب سے ملنے گیا اسکے محبوب نے اپنی ملاقات کے لئے ایک خاص میعاد

Maktaba Tul Ishaat.com

مقرر کر رکھی ہے کہ جو شخص اسی میعاد میں میرے پاس آئے گا میں اسے ملوں گا اور جو میعاد کے بعد آئے گا اس سے نہ ملوں گا۔ راستہ میں محبوب کا شہر اور قلعہ پڑا اس نے نہ شہر کے بازاروں کی سیر کی نہ قلعہ کے محلات کی سیدھا محبوب کے پاس چلا گیا اور دوسرا شخص بھی اسی کی ملاقات میں پہنچا تو بازاروں کا بھاؤ تاؤ معلوم کرنے اور قلعہ کے پتھروں کی قیمت دریافت کرنے لگا کہ یہ کہاں سے آئے ہیں، کیونکر آئے ہیں کس نے تراشے ہیں پورے مکان کی کیا لاگت ہے یہاں تک کہ اسی حساب و کتاب میں ملاقات محبوب کی میعاد نکل گئی جب وقت گزر گیا تو آپ محبوب کے سامنے پہنچے اس نے فوراً کان پکڑوا کر دربار سے باہر نکال دیا بتلایئے ان دونوں میں آپ کسے عاقل کہیں گے یقیناً اسی شخص کو عاقل کہیں گے جس نے کسی چیز کی طرف لقاء محبوب سے پہلے توجہ نہیں کی۔

انبیاءؑ حقائق اشیاء عالم کے درپے نہیں ہوتے

اے صاحبو! اسی طرح حق تعالیٰ نے آپ کے لئے ایک میعاد مقرر کی ہے یعنی عمر عزیز پس جو شخص موت کے وقت تک حق تعالیٰ کی معرفت حاصل کر لے اسے تو وہ ملتے ہیں اور جو ساری عمر خرافات میں گزار دے اس سے وہ کبھی نہ ملیں گے پس جو عاشق ہوگا وہ خرافات میں ہرگز نہ پڑے گا اسی لئے انبیاءؑ کبھی حقائق اشیاء عالم کے درپے نہیں ہوئے نہ انہوں نے اپنی امت کو اس کی تعلیم دی ہے بلکہ اس میں انہماک سے منع فرمایا ہے پس حضور ﷺ کا طریقہ تابیر کو نہ جاننا کوئی نقص نہیں ہے غرض آپ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ اگر تم یہ نہ کرو تو اچھا ہے۔

حضرات صحابہؓ کا عشق رسول اللہ ﷺ

صحابہؓ تو حضور ﷺ کے عاشق تھے فوراً چھوڑ دیا۔ صحابہؓ ایسے جاں نثار تھے کہ جب حضور ﷺ کی مرضی کسی امر کے متعلق ان کو معلوم ہو جاتی فوراً اس کی تعمیل کرتے تھے نفع ونقصان کی ذرا پرواہ نہ کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ ایک صحابی کے مکان کی طرف گزرے حدیث میں آتا ہے فرای قبة مشرفة، کہ حضور ﷺ نے وہاں کوئی قبہ بلند دیکھا، دریافت فرمایا کہ یہ مکان کس کا ہے صحابہؓ نے بتلا دیا کہ فلاں صحابی کا ہے بس

Maktaba Tul Ishaat.com

اتنی بات ہوئی تھوڑی دیر میں وہ صحابی حاضر خدمت ہوئے تو حضور ﷺ نے منہ پھیر لیا، انہیں یہ کہاں گوارہ تھا کہ حضور ﷺ کا رخ پھرا ہوا دیکھیں بس بے تاب ہو گئے کسی نے خوب کہا ہے

از فراق تلخ مے گوئی سخن ہر چہ خواہی کن ولیکن ایں مکن

فراق کی باتیں کرتے ہو اور جو چاہو سو کرو مگر یہ نہ کرو۔

صحابہ سے دریافت کیا کہ آج حضور ﷺ کا رخ مجھ سے پھرا ہوا کیوں ہے کہ ہم کو اور تو کچھ معلوم نہیں البتہ آج حضور ﷺ تمہارے مکان کی طرف گزرے تھے بلند قبہ دیکھ کر دریافت فرمایا تھا کہ یہ کس کا گھر ہے۔ بس اگر حضور ﷺ کو وہ بلند قبہ ناگوار ہوا ہو تو ممکن ہے۔ باقی اور کوئی بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی وہ بھی ایسے عاشق تھے کہ یہ بھی تحقیق نہ کیا کہ یہ سبب واقعی ہے یا محض احتمال ہی احتمال ہے اس وہم پر کہ اس قبہ ہی سے شاید آپ کو ناگواری ہوئی ہو فوراً جا کر اسے ڈھا دیا۔

بہر چہ از دوست دامانی چہ کفر آں حرف و چہ ایماں
بہر چہ از یار دور افتی چہ زشت آں نقش و چہ زیبا

یعنی جس چیز کی وجہ سے محبوب سے دوری ہو وہ قابل ترک ہے خواہ وہ کچھ ہی ہو۔

اس کے چند روز بعد پھر آپ کا گزر اس مکان کی طرف ہوا تو آپ نے وہ قبہ نہ دیکھا دریافت فرمایا کہ یہاں ایک بلند قبہ تھا اب کیا ہوا صحابہؓ نے عرض کیا کہ اس کے مالک کو آپ ﷺ کی ناگواری کا احتمال ہوا اس لئے ڈھا دیا۔

حضرات صحابہؓ کا خلوص

سبحان اللہ خلوص اس کا نام ہے کہ مکان کو ڈھا کر حضور ﷺ کو اطلاع بھی نہیں کی کہ میں نے آپ کی رضا کیلئے یہ کام کیا ہے آجکل لوگوں کی یہ حالت ہے کہ اگر شیخ ان کو کسی ایسی بات کا حکم کرے جس میں بظاہر ان کا دنیوی ضرر ہوتا ہو گو آخرت کا نفع ہی نفع ہو تو اول تو دنیوی ضرر کو گوارا کرنے والے ہی کم ہیں اور جو ہیں بھی وہ دس مرتبہ شیخ کو آ کر سناتے ہیں کہ ہم نے آپ کے ارشاد کی تعمیل کر دی جس میں در پردہ شیخ پر احسان رکھنا ہوتا ہے۔ غرض

Maktaba Tul Ishaat.com

صحابہ نے تابیر کو اس سال چھوڑ دیا تو اس مرتبہ پھل کم آئے۔ حضور ﷺ نے پوچھا کہ اس سال پھل کم کیوں آئے معلوم ہوا کہ تابیر نہ کرنے سے ایسا ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا تابیر کرلیا کرو اس وقت آپ نے یہ بھی فرمایا **انتم اعلم بامور دنیاکم** (**الصحیح لمسلم**، **الفضائل**: ۱۴۱، **کنز العمال** ۳۲۱۸۲)، تم دنیا کے کاموں کو زیادہ جانتے ہو۔ اس کا صاف مطلب یہی ہے کہ دنیوی کاموں کا طریقہ اور اسباب کے خواص تم زیادہ جانتے ہو یعنی مجھے اس خاصیت کی اطلاع نہ تھی۔ اور یہ مطلب ہرگز نہ تھا کہ دنیوی کاموں کے احکام میں تم خودمختار ہو۔ اگر یہ مطلب ہوتا تو آپ پہلے ہی سے منع کیوں فرماتے آپ نے ممانعت اسلئے کی ٹوٹکہ اور شگون کا آپ کو شبہ ہوا تھا جب یہ احتمال رفع ہوگیا اور معلوم ہوا کہ تابیر میں یہ خاصیت فطری ہے اس وقت آپ نے اجازت دے دی۔

تابیر کی خاصیت فطری امور دنیوی سے بے خبری نقص نبوت نہیں

باقی اس ارشاد کی حکمت کیا ہے سو میرے دل میں یہ بات القا ہوئی ہے کہ اس خاصیت کے معلوم نہ ہونے سے شاید کسی کو نبوت میں شبہ ہوجاتا کہ آپ کو اتنی بھی خبر نہیں اس لئے حضور ﷺ نے یہ بتلا دیا کہ یہ نہ جاننا کوئی نقص نہیں ہے کیونکہ ہم دین کے واسطے آئے ہیں، دنیا کے کاموں کا طریقہ جاننا نبوت کیلئے ضروری نہیں۔ اور ان کا نہ جاننا نبوت میں نقص نہیں۔ آجکل تو پیری کے واسطے بھی لوگ علم محیط کو لازم سمجھتے ہیں اور بعض لوگ حضور ﷺ کے واسطے علم محیط کے قائل ہوگئے ہیں اب وہ لوگ دیکھیں کہ یہ حدیث کیا بتلا رہی ہے اس سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ نبوت کیلئے علم محیط ضروری نہیں۔ البتہ جو علوم لوازم نبوت سے ہیں یعنی علوم ضروریہ دینیہ ان کا حصول لازم ہے۔

مباحات میں شریعت کو تصرف کا پورا اختیار ہے

غرض یہ ثابت ہوگیا کہ مباحات میں بھی شریعت کو تصرف کا اختیار ہے چنانچہ اسی بنا پر ارشاد ہے **واتوا البیوت من ابوابھا**، کہ گھروں میں دروازہ سے آیا کرو۔ ظاہر ہے کہ یہ امر عبادات کے متعلق نہیں بلکہ عادات کے متعلق ہے اور اس میں یہ تصرف کیا کہ

Maktaba Tul Ishaat.com

بدون حکم شرعی کے کسی عادت کو ناجائز اور کسی کو باعث ثواب نہ سمجھو۔ اس آیت میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ انتظام بھی مطلوب شرعی ہے ہر کام میں خواہ دینی کام میں ہو یا دنیوی۔ چنانچہ گھر میں پیچھے سے آنا خلاف انتظام ہے۔ اس سے منع کیا گیا ہے اور دروازہ سے آنے کا امر فرمایا گیا۔ اس میں رعایت انتظام کی تاکید ہے مگر ایک تاویل پر تو قاعدہ کلیہ کے طور پر یہ تعلیم کی گئی ہے وہ تاویل یہ کہ واتوا البیوت من ابوابھا کہ گھروں میں دروازہ سے آیا کرو۔ میں بیوت عام ہو مقاصد کو اور ابواب عام ہو ان طرق کو جو ہر کام کیلئے مقرر ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ سب کاموں کو ان کے طریقوں سے کیا کرو۔ اس میں گھروں میں دروازوں سے آنا بھی داخل ہے۔ اور ایک تاویل پر بطور قیاس کے اس پر دلالت ہوگی کہ جس طرح بیت میں باب سے داخل ہونا ایک انتظام ہے اسی طرح ہر مقصود میں اس کے طریق سے داخل ہونا ایک انتظام ہے۔

ایک بزرگ نے اس مضمون کو وقدر فی السرد، (کڑیوں کے جوڑنے میں اندازے کا لحاظ رکھا کرو) سے اخذ کیا ہے۔

ہر امر میں انتظام مطلوب ہے

حق تعالیٰ نے حضرت داؤدؑ کو حکم فرمایا تھا کہ تم زرہ بنایا کرو مگر اس کے ساتھ یہ بھی تعلیم فرمائی، وقدر فی السرد۔ کڑیوں کے جوڑنے میں اندازے کا لحاظ رکھا کرو کہ سب متناسب اور متناسق ہوں یہ نہ ہو کہ ایک بڑی اور ایک چھوٹی ہو جائے اس سے معلوم ہوا کہ انتظام مطلوب ہے ہر امر میں حتیٰ کہ دنیا کے کاموں میں بھی مگر اتنا فرق کہ دنیا کے کاموں میں انتظام مطلوب بالذات نہیں ہے کہیں آپ دنیا ہی کو قبلہ و کعبہ بنالیں بلکہ مقصود بالذات دین کے کاموں میں انتظام ہے۔ لیکن جب تک ہر کام میں انتظام کی عادت نہیں ہوتی اس وقت تک دنیا کے کاموں میں بھی انتظام نہیں ہوتا اس لئے دنیا کے کاموں میں اس واسطہ سے انتظام مطلوب ہو گیا۔ بعض لوگ تو فطرتاً منتظم ہوتے ہیں وہ دنیا اور دین دونوں کے کام انتظام اور اصول کے ساتھ کرتے ہیں۔ اور بعض لوگ فطرۃً غیر منتظم ہوتے ہیں ان کو بتکلف

Maktaba Tul Ishaat.com

انتظام کا عادی بننا چاہیے ہر کام کیلئے وقت مقرر کر لینا چاہیے اور وقت پر ایک کام سے فارغ ہو کر دوسرا کام کرنا چاہیے۔ جب آدمی اعتدال سے ہر کام کرتا ہے تو شدہ شدہ انتظام پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر اس کا دین بھی منتظم ہوتا ہے۔ پس دنیا کے کاموں میں اس کی ضرورت ہے جس کی طبیعت میں انتظام نہیں ہوتا وہ دین کے کاموں میں بھی بے ڈھنگا ہوتا ہے۔

اولیاء اللہ کی طبیعتوں میں بڑا انتظام ہے

حضرات صوفیہ کو اس کا بڑا انتظام ہے حضرت سلطان نظام الدینؒ کے یہاں دو شخص بیعت کے واسطے آئے آپس میں کہنے لگے کہ ہمارے یہاں کا حوض اس مسجد کے حوض سے بہت بڑا ہے۔ سلطان جی نے سن لیا پوچھا کتنا بڑا ہے کہنے لگے یہ تو معلوم نہیں سلطان جی نے فرمایا کہ جاؤ ناپ کر آؤ۔ بے چارے مرتے کھپتے گئے اور جا کر ناپا تو ایک بالشت بڑا نکلا۔ بڑے خوش ہوئے کہ ہماری بات سچی رہی۔ مہینہ بھر کے بعد حاضر خدمت ہوئے تو سلطان جی نے پوچھا کہ حوض کو ناپ آئے کہا حضور ہاں، فرمایا کتنا بڑا ہے بتلایا ایک بالشت بڑا ہے۔ سلطان جی نے فرمایا کہ تم تو یوں کہتے تھے کہ ہمارا حوض بہت بڑا ہے۔ ایک بالشت بڑے کو بہت بڑا نہیں کہہ سکتے تم میں تحقیق و انتظام کا مادہ نہیں ہے جاؤ تمہاری ہم سے موافقت نہ ہوگی ہم بیعت نہ کریں گے۔ اسی طرح ایک بزرگ کا معمول تھا کہ جب کوئی طالب انکے یہاں آتا تو روٹی اور سالن معمولی خوراک سے مگر باہمی تناسب کی رعایت سے اس کے آگے بھیجتے کھانا بچنے کے بعد پھر دیکھتے سو اگر وہ مناسب انداز سے روٹی سالن چھوڑتا تب تو بیعت کر لیتے اور اگر سالن ختم کر دیا روٹی چھوڑ دی یا روٹی ختم کر گیا اور سالن چھوڑ دیا یا دونوں چیزیں چھوڑیں مگر مناسب انداز سے نہیں بلکہ روٹیاں دو ہیں تو سالن ایک ہی روٹی کا ہے یا برعکس تو اسے بیعت نہ فرماتے تھے اور کہہ دیتے کہ تمہارے اندر سلیقہ اور انتظام نہیں ہمارا تمہارا نباہ نہ ہوگا۔ اگر آج کل کوئی شیخ ایسا برتاؤ کرے تو اس کو بدمزاج کہتے ہیں بھلا ان ناقدروں سے کیا توقع کی جائے۔

اسم اعظم کی نگہداشت اور اس کے حقوق

ایک بزرگ سے ایک شخص نے اسم اعظم کی درخواست کی تھی، انہوں نے کہا کہ

Maktaba Tul Ishaat.com

تمہارے اندر چھچھورا پن ہے تم سے ضبط نہ ہوگا ظاہر کر دو گے اس لئے تم اس کے قابل نہیں وہ کہنے لگا کہ حضور اب سے میں ضبط سے کام لیا کروں گا اور چھچھورا پن چھوڑ دوں گا۔ خاموش ہو گئے ایک دن انہوں نے ایک پیالہ سرپوش سے ڈھک کر دیا کہ فلاں بزرگ کو دے آؤ مگر کھول کر مت دیکھنا وہ لے کر چلا تھوڑی دیر تو اپنے نفس کو دبایا بہت ضبط کیا مگر پھر یہ خیال غالب ہوا کہ ایک نظر سے دیکھ لینے میں کیا حرج ہے معلوم تو کرنا چاہیے اس میں کیا ہے آخر نہ رہا گیا اور سرپوش کھول کر دیکھا پیالہ میں سے ایک چوہا پھدک کر نکلا اور بھاگ گیا۔ اب یہ بڑے پریشان کہ اب کیا جواب دوں گا مگر ساتھ ہی یہ حیرت کہ یہ معاملہ کیا ہے کیا شیخ نے میری ساتھ ہنسی کی ہے یا ان بزرگ کے ساتھ مذاق کیا ہے۔ آخر کار خالی پیالہ لیکر بزرگ صاحب کے پاس پہنچے کہ مجھے فلاں صاحب نے یہ پیالہ دیکر بھیجا تھا اور سارا واقعہ بیان کیا کہ مجھے حضرت نے منع کر دیا تھا کہ پیالہ کو کھولنا مت۔ میں نے اسے راستہ میں کھول کر دیکھ لیا مجھ سے رہا نہ گیا تو اس میں سے ایک چوہا نکل کر بھاگ گیا، اب میں شرمندہ بھی ہوں اور متحیر بھی۔ ان بزرگ نے پوچھا کہ کیا تم نے اپنے شیخ سے کوئی درخواست کی تھی، کہا ہاں میں نے اسم اعظم کی درخواست کی تھی، مگر انہوں نے یہ فرمایا تھا کہ تمہارے اندر چھچھورا پن ہے میں نے وعدہ کیا تھا کہ اب ضبط سے کام لیا کروں گا۔ ان بزرگ نے فرمایا کہ یہ واقعہ تمہارے اسی دعوی کا جواب ہے کہ تم سے ایک چوہے کی نگہبانی تو ہو نہ سکی تم اسم اعظم کی نگہداشت اور اس کے حقوق کی رعایت کیسے کرو گے۔ وہ بیچارہ اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔

اہل اللہ کے واقعات نازک مزاجی

صاحبو! یہ حضرات اہل اللہ بڑے سمجھ دار ہوتے ہیں اور نازک مزاج بھی بہت ہوتے ہیں لوگوں نے بعض سلاطین کو نازک مزاج سمجھ رکھا ہے مگر وہ اہل اللہ کے سامنے کیا چیز ہیں ہم نے بزرگوں کا مشاہدہ کیا ہے تم نے مشاہدہ نہ کیا ہو تو تکذیب کر سکتے ہو۔ اہل اللہ میں ذکر کی وجہ سے بہت لطافت آجاتی ہے۔ اس لئے ان کا مزاج بہت لطیف و نازک ہو جاتا ہے۔ حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ ایک مرتبہ صبح کو سو کر اٹھے۔ تو آنکھوں میں سرخی

Maktaba Tul Ishaat.com

تھی لوگوں نے وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ رات سردی لگی اس لیے نیند نہ آئی، ایک مریدنی ضعیفہ حاضر تھی حاضرین سے کہا کہ کوئی صاحب فکر نہ کریں اس کا اہتمام میں کروں گی، چنانچہ اٹھ کر گئی اور دن بھر میں ایک دولائی تیار کر کے رات کو لائی آپ اس وقت لیٹ گئے تھے، فرمایا میرے اوپر ڈال دو وہ ڈال کر چلی گئی۔ صبح کو پھر آنکھیں سرخ تھیں۔ لوگوں نے وجہ پوچھی، فرمایا رات سردی تو نہیں لگی مگر نیند پھر بھی نہ آئی کیونکہ دولائی میں نگندے ٹیڑھے پڑے ہوئے تھے، اس سے طبیعت کو بار بار الجھن ہوئی تھی، بھلا ایسا ادراک کہیں سلاطین کا بھی ہوا ہے کہ دولائی اوڑھ کر اندھیرے میں نگندوں کا ٹیڑھا ہونا معلوم ہو جائے

ہمارے استاد (مولانا محمد یعقوب صاحبؒ) کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ نانوتہ سے کہیں جانے والے تھے۔ مولانا کی سواری کیلئے چھکڑا لایا گیا یہ تو سادگی تھی یہ حضرات لطیف المزاج ہونے کے ساتھ سادے بھی ہوتے ہیں۔ تصنع اور تکلف کا نام لطافت نہیں ہے یہ حضرات سادے تو غریبوں سے زیادہ تھے اور لطیف المزاج بادشاہوں سے زیادہ۔ چنانچہ یہ تو سادگی تھی کہ سواری کیلئے چھکڑا آیا اس کے بعد جو مولانا کا اسباب آیا تو رزائی اس طرح تہ کی ہوئی تھی کہ ابرہ اوپر اور استر اندر کسی نے یہ سمجھ کر کہ غلطی سے اس طرح طے ہو گئی استر اوپر کر دیا اور ابرہ اندر۔ کیونکہ عموماً ابرہ کی حفاظت زیادہ کی جاتی ہے کہیں میلا نہ ہو جائے۔ مولانا نے جو آ کر دیکھا فرمایا یہ کون عقلمند ہیں جنہوں نے استر اوپر کر دیا، ان متصرف صاحب نے عرض کیا حضرت طریقہ اس کا یہی ہے تاکہ ابرہ گرد آلود نہ ہو جائے۔ فرمایا خوب سمجھے جب سارا گرد و غبار استر پر پڑیگا تو رات کو اوڑھتے وقت وہ ہمارے دماغ میں نہ پہنچے گا ابرہ کو اوپر کرو۔ اس پر اگر گرد پڑے گی تو بہت سے بہت دیکھنے میں برا معلوم ہوگا مگر ہمارا دماغ تو گرد سے محفوظ رہے گا تم نے ہمارے دماغ سے زیادہ ابرہ کی حفاظت کی۔ اس وقت معلوم ہوا کہ حقیقت میں حکماء یہ لوگ ہیں اور لطافت ان کے اندر ہے رؤساء اور نوابوں کو تو محض دعویٰ ہی دعویٰ ہے۔ اس وقت معلوم ہوا کہ اہل اللہ سے زیادہ سلیقہ دنیا والوں کو بھی نہیں ہوتا گو ان حضرات کو تجربہ نہ ہو تجربہ اور چیز ہے سلیقہ اور چیز ہے۔ میں نے یہ اس واسطے کہہ دیا کہ کہیں آپ چارپائی بننے کے لئے ان کو نہ دیدیں کہ ہم نے

Maktaba Tul Ishaat.com

سنا تھا اہل اللہ کو دنیا والوں سے زیادہ سلیقہ ہر کام کا ہوتا ہے پس چارپائی خوب بنیں گے۔ تو صاحبو! اہل اللہ کو سلیقہ ہر کام کا ہوتا ہے مگر تجربہ نہیں ہوتا اور بعض کاموں کے لئے سلیقہ کافی نہیں ہوتا بلکہ تجربہ کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔

بجنور میں ایک شخص نے ایک عالم کا رد لکھا لوگوں نے اسے کہا کہ تم تو جاہل ہو تم نے مولوی صاحب کا رد کیا خوب لکھا ہوگا وہ کہنے لگا کہ میں نے فارسی پڑھی ہے اور اس سے سب کچھ آجاتا ہے۔ تو اس شخص نے چارپائی اس کے حوالہ کی کہ ذرا اس کو بھی بن دو اس نے کہا کہ یہ کام تو مجھے نہیں آتا، وہ بولا کہ بس اس برتہ پر دعوی کرتے ہو کہ فارسی سے سب کچھ آجاتا ہے۔ تو مجھے ڈر ہے کہ میرے کلام کے بھی کہیں یہی معانی نہ سمجھے جائیں اس لئے میں نے بتلا دیا کہ تجربہ اور چیز ہے سلیقہ اور ہے۔ علماء طلبہ کو واقعی تجربہ دنیا کے کاموں کا نہیں ہوتا جس کی وجہ ظاہر ہے کہ ان کو کاموں کی نوبت کم آتی ہے۔

چند فضول سوالات

کانپور میں ایک عربی خواں طالب علم سے ایک انگریزی خواں نے سوال کیا کہ بتلاؤ ثوابت کی شمار کیا ہے انہوں نے کہا کہ مرصودہ کا عدد تو لکھا ہے کہ ایک ہزار بائیس ہیں مگر غیر مرصودہ معلوم نہیں وہ بولا بس یہی ریاضی پڑھی ہے۔ اس نے سائل سے یہ سوال کیا کہ اچھا آپ بتلا دیں کہ سمندر میں مچھلیاں کتنی ہیں اور یہ سوال زمین کا ہے اور آپ کا سوال آسمان کا ہے پہلے آپ زمین کا حال بتلا دیں تو میں بھی آسمان کا حال بتلا دوں گا۔ اب وہ خاموش ہیں طالب علم نے کہا بس یہی جغرافیہ پڑھا ہے آج کل یہ بھی ایک مرض ہے کہ مولویوں سے اینڈے بینڈے سوالات کرتے ہیں اور اگر ان سے جواب نہ آئے تو ان کے علم پر اعتراض کرتے ہیں کہ انہوں نے کیا خاک پڑھا ہے اتنی بات کا تو جواب نہ دے سکے۔ سبحان اللہ اسی لیے علماء نے پڑھا لکھا ہے کہ آپ کے واہیات سوالات کو حل کیا کریں ان سے احادیث و آیات کا مطلب پوچھو مسائل و احکام واقعات کا جواب لو الغرض دنیا کے کاموں کا تجربہ تو ان کو ضروری نہیں مگر سلیقہ اور تہذیب اور انتظام ان میں اس قدر ہوتا ہے کہ

Maktaba Tul Ishaat.com

واللہ اہل دنیا کو اس کی ہوا بھی نہیں لگی جس کا امتحان اس طرح ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص ان کے پاس تھوڑے دن رہ کر دیکھ لے اور وہ شخص ایسا ہو جس کو اپنے مہذب اور سلیقہ دار اور منتظم ہونے کا دعوی ہو اور اپنے کو بڑا عاقل سمجھتا ہو ان شاء اللہ تعالیٰ وہ اپنے کو بے وقوف کہہ کر نہ اٹھے تو کوئی بات نہیں تھوڑے ہی عرصہ میں اس کو اپنی تہذیب کا بدتہذیبی ہونا اور اپنے انتظام کا غلط ہونا مشاہدہ ہو جائے گا۔

سائنس کی تحقیقات کے فضول ہونے کا نص سے ثبوت

تمہید میں وقت زیادہ گزر گیا اب میں مقصود کی طرف عود کرتا ہوں میں نے شروع میں کہا تھا اور پھر عنقریب ہی ضمناً بھی اس کی طرف اشارہ کیا گیا تھا کہ اس آیت کے دو محل ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ اس کا تعلق خاص رسم جاہلیت سے ہو جو حج کے متعلق تھی اور اس صورت میں ماقبل سے اس کا ارتباط ظاہر ہے کہ اوپر فوائد ہلال میں حج کا ذکر تھا اور اس اسم کا تعلق بھی حج سے ہے۔ دوسرا محمل یہ کہ بطریق استعارہ کے اس میں مطلقاً ہر فعل کو صحیح طریق سے کرنے کی تعلیم ہو اور اس صورت میں ربط کے متعلق سوال ہوتا ہے کہ اس سے پہلے۔

یسئلونک عن الاھلة قل ھی مواقیت للناس والحج۔ (لوگ آپ سے چاند کے متعلق سوال کرتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ اس کا گھٹنا بڑھنا لوگوں کے کاروبار اور حج کے اوقات کے لئے ہے)۔ مذکور ہے تو اس سے **ولیس البر بان تاتوا البیوت۔** (یہ کوئی نیک کام نہیں ہے گھروں میں تم پچھواڑوں سے آؤ) کو کیا ربط ہے۔ سو وہ ربط یہ ہے کہ ماقبل میں چاند کے متعلق یہ واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ صحابہؓ نے حضور ﷺ سے دریافت کیا تھا کہ چاند کے گھٹنے بڑھنے کی کیا وجہ ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں وجہ اور علت نہیں بیان کی گئی بلکہ حکمت بتلا دی گئی۔ اس سے سائنس دانی کا فضول ہونا یقیناً ثابت ہو گیا۔ پہلے حافظؒ کے شعر سے اس کا فضول ہونا معلوم ہوا تھا اب خود قرآن سے معلوم ہو گیا۔ فرماتے ہیں کہ لوگ چاند کے گھٹنے بڑھنے کے متعلق آپ سے سوال کرتے ہیں کہ اس کی علت کیا ہے تو آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اس میں بہت سی حکمتیں ہیں۔ چنانچہ اس سے

Maktaba Tul Ishaat.com

لوگوں کو اپنے کاروبار کیلئے وقت کا اندازہ ہوتا ہے (یہ تو دنیوی نفع ہے) اور حج وغیرہ کے اوقات معلوم ہوتے ہیں یہ دینی نفع ہے۔ تو علت کو چھوڑ کر حکمت بتلانے میں اس پر تنبیہ کردی گئی کہ علت کا دریافت کرنا فضول ہے۔ حکمت کو معلوم کرنا چاہیے اس کے بعد ارشاد ہے ولیس البر بان تاتوا البیوت من ظھورھا۔ اور گھروں میں پشت کی طرف سے آنا کچھ نیک کام نہیں بلکہ نیک کام تقویٰ کا اختیار کرنا ہے۔ پس اس کا تعلق سابق سے یہ ہوا کہ سوال برمحل ہے اور بے محل کی مثال ایسی ہے جیسے گھر میں دروازہ سے داخل ہونا اور پشت کی طرف سے داخل ہونا۔ پس جس طرح گھر میں بغیر دروازہ کے آنا برا ہے اسی طرح سوال بے محل بھی برا ہے آگے فرماتے ہیں واتوا البیوت من ابوابھا۔ اور گھروں میں دروازہ سے آیا کرو۔ یعنی سوالات بھی برمحل کیا کرو بے محل سوال نہ کیا کرو۔ پس اس صورت میں واتوا البیوت من ابوابھا۔ اور گھروں میں دروازہ سے آیا کرو۔ حکم عام ہوگا اس کو خاص اس واقعہ ہی سے تعلق نہیں ہوگا جو اہل جاہلیت میں رائج تھا کہ وہ حالت احرام میں دروازہ سے گھر میں آنا برا سمجھتے تھے بلکہ ایک عام قاعدہ کا بیان ہوگا کہ ہر کام کو اس کے طریقہ سے کیا کرو جس میں وہ واقعہ بھی داخل ہوگیا اور تبعاً اس کا حکم بھی معلوم ہوگیا کہ احرام میں غیر دروازہ سے آنا نیک کام نہیں پس پہلی تفسیر پر تو واتوا البیوت من ابوابھا. اور گھروں میں دروازہ سے داخل ہوا کرو۔ میں اہل جاہلیت کے خاص فعل کا حکم مذکور تھا اور دوسری تفسیر پر یہ حکم عام ہوگا اور میرا مقصود جس کو اس وقت بیان کرنا منظور ہے اس دوسری تفسیر پر تو آیت کا مدلول بلاواسطہ ہے۔

ہر بے موقع فعل مذموم ہے

پہلے تفسیر پر چونکہ بواسطہ قیاس اس سے مستنبط ہوتا ہے اس لئے مدلول بواسطہ اور وجہ قیاس ظاہر ہے کہ اتیان بیوت من الظھور۔ مکانوں میں پشت سے آنا۔ ایک بے موقع فعل ہے اس لئے مذموم ہے پس ہر فعل بے موقع مذموم ہوگا اب مستدل کو اختیار ہے کہ جس تفسیر سے چاہے مقصود کو ثابت کردے۔ ایک گودام بھرا ہوا ہے ہم کو اختیار ہے کہ جس چیز کو چاہیں کھانا شروع کردیں۔ مصری کی ڈلی ہے جدھر سے چاہو منہ مارلو۔ الغرض

Maktaba Tul Ishaat.com

دونوں صورتوں میں باختلاف توجیہ آیت سے مستفاد ہوا کہ بے طریقہ اور بے محل اور خلاف قاعدہ کام مت کرو بلکہ ہر کام کو اس کے طریقہ سے کرو اور دنیا کے معاملات میں تو سب لوگ اس قاعدہ کو تسلیم کرتے ہیں مگر مجھ کو یہ بتلانا ہے کہ دین کے بارہ میں لوگ اس قاعدہ کو بالکل چھوڑے ہوئے ہیں چنانچہ آجکل دیکھا جاتا ہے کہ اول تو لوگوں کو دین پر توجہ ہی نہیں حتیٰ کہ بعض لوگ دین کو مانع ترقی سمجھتے ہیں اس لئے اس سے آزاد ہونے کی رائے دیتے ہیں ان لوگوں سے تو مجھ کو خطاب نہیں نہ یہ قابل خطاب ہیں۔

حصول دنیا کی خاطر دین پر توجیہ مذموم ہے

اس وقت مسلمانوں کو خطاب ہو رہا ہے بددینوں کو خطاب نہیں ہو رہا ہے اور یہ لوگ مسلمان نہیں بددین ہیں اس لئے ان لوگوں کی میں شکایت نہیں کرتا کیونکہ شکایت اپنوں کی ہوا کرتی ہے غیروں سے کیا شکایت مجھے اصلی شکایت ان لوگوں سے ہے جو واقع میں مسلمان ہیں اور ان کو دین پر توجہ بھی ہے اور وہ دین پر توجہ کرنے کو ضروری بھی سمجھتے ہیں ان کی یہ شکایت ہے کہ یہ لوگ بھی دین کو اس کے طریقہ سے حاصل کرنا نہیں چاہتے بے قاعدہ حاصل کرنا چاہتے ہیں چنانچہ بعض لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ دین پر دنیا کے لئے توجہ کرتے ہیں۔ نمازیں پڑھتے ہیں، تہجد کو اٹھتے ہیں، وظیفے پڑھتے ہیں اور مقصود یہ ہے کہ اسی ذریعہ سے ہمارے مقدمات میں آسانی ہو جائے ہم کو رزق میں فراخی حاصل ہو کیونکہ کسی مولوی سے سن لیا تھا کہ گناہوں سے روزی میں تنگی ہو جاتی ہے۔ مصائب نازل ہوتے ہیں تو یہ لوگ محض اسی غرض سے دین دار بنے ہوئے ہیں کہ دنیا کے کام چلتے رہیں۔ جیسے ایک گنوار سے کسی مولوی صاحب نے کہا تھا کہ تو نماز کیوں نہیں پڑھتا۔ اس نے کہا کہ نماز سے مجھے کیا ملے گا۔ مولوی صاحب نے کہا کہ چالیس دن کے بعد تجھے ایک بھینس دونگا اس نے نماز شروع کر دی اور دن گننے لگا گویا بھینس ہی میں فنا ہو گیا اسی سے اس کی حالت معلوم ہو گئی کہ اس کو نماز مقصود نہ تھی۔ جب چالیس دن پورے ہو گئے تو مولوی صاحب کے پاس گیا کہ لاؤ وعدہ پورا کرو انہوں نے کہا جا کیسی بھینس لئے پھرتا ہے میں نے تو اس واسطے کہہ دیا تھا کہ جو شخص چالیس دن تک نماز پڑھتا رہتا ہے اسے شوق ہو جاتا ہے میں نے سوچا کہ

Maktaba Tul Ishaat.com

اس بہانہ سے تجھے نماز کا شوق ہو جائے گا یہ جواب سن کر وہ گنوار کیا کہتا کہ جاؤ۔ پھر یاروں نے بھی بے وضو ہی ٹرخائی بس پھر نماز چھوڑ دی۔ اور چونکہ اس ظالم نے بے وضو ہی ٹرخائی تھی اسی لئے اس کو شوق بھی نہ ہوا بھلا ایسی نماز کیا اثر کرتی اس حکایت پر تو لوگ ہنسے مگر صاحبو! ہم جیسے بھی سب اس میں مبتلا ہیں ہمارے اس ہنسنے کی ایک مثال ہے۔

حملہ برخودمی کنی اے سادہ مرد ☆ ہمچوں آں شیرے کہ برخود حملہ کرد

بے وقوف اپنے ہی اوپر حملہ کرتا ہے جیسا کہ اس شیر نے اپنے اوپر حملہ کیا تھا۔

غور کر کے ایسا شخص دیکھ لے کہ اس کو دین کے کاموں میں دنیا مقصود ہے یا نہیں بعض لوگ جب تک تنگی معاش میں مبتلا رہتے ہیں اس وقت تک نمازی اور روزہ دار ہوتے ہیں پھر جہاں فراخی میسر ہوئی اور انہوں نے ان کاموں کو بلائے طاق رکھا گویا دین کو محض دنیا کے لئے اختیار کیا تھا جب وہ حاصل ہوگئی پھر دین کی کیا ضرورت رہی۔ بعض لوگ دین کو اس لئے اختیار کئے ہوئے ہیں کہ ان کو اس کے ذریعے سے جاہ و عزت حاصل ہے لوگ دین دار اور مقتدا سمجھتے ہیں، تعظیم و تکریم کرتے ہیں اگر وہ دین داری کے کام چھوڑ دیں تو یہ منافع فوت ہو جائیں گے۔ اس سے بڑھ کر ایک اور تماشا ہے وہ یہ کہ بعض لوگ دنیا کے قصد سے دین کا وہ جزو اختیار کرتے ہیں جس کو خود بھی دین نہیں سمجھتے، جانتے ہیں کہ یہ دین کے کام نہیں سراسر دنیا ہے مگر اپنی اغراض حاصل کرنے کے لئے دوسروں کو سمجھانا چاہتے ہیں کہ یہ دین ہے یہ صورت پہلی صورت سے بھی بدتر ہے کیونکہ گو دونوں جگہ مقصود دنیا ہی ہے اور اس کے لئے دین کو ذریعہ بنایا گیا ہے مگر پہلی صورت میں تو ایسے دین کو ذریعہ بنایا گیا تھا جس کو دین تو سمجھتے تھے تو نیت ہی میں فساد ہوا دین میں تو تغیر نہیں کی اور دوسری صورت ایسے دین کو ذریعہ بنایا گیا ہے جس کو خود بھی دین نہیں سمجھتے مگر مخلوق کو دھوکہ دینے کے لئے اسے دین میں ٹھونسنا چاہتے ہیں تو اس میں فساد نیت اور تغیر دین دونوں ہیں۔ چنانچہ آجکل ایسے بہت کام کئے جاتے ہیں جن کو دین سے کچھ تعلق نہیں ایسے علماء خوب جانتے ہیں کہ یہ محض دنیا ہے مگر نہایت بے باکی کے ساتھ ان کو دین بنایا جاتا ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

دین کا طریقہ معلوم کرنے کی ضرورت

اب میں ان دنیاداروں کی شکایت چھوڑتا ہوں صرف مخلص دینداروں کی ایک حالت بیان کرنا چاہتا ہوں۔ آجکل بعض لوگ جو دیندار ہیں ان میں یہ مرض ہے کہ وہ دین کے کام کرنا چاہتے ہیں مگر اس کا طریقہ معلوم نہیں کرتے۔ تو ان کی ایسی مثال ہے کہ مکان بنانا چاہتے ہیں مگر گارے اینٹ کی فکر نہیں۔ کاشت کرنا چاہتے ہیں مگر تخم وغیرہ سامان جمع کرنے کی تدبیر نہیں یوں چاہتے ہیں کہ بے گارے اینٹ کے مکان بن جائے اور بدون تخم کے کاشت ہو جائے بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کہ ایسا بے ڈھنگا طریقہ اختیار کرتے ہیں جس سے پہلا جمع کیا ہوا ذخیرہ بھی برباد ہو جائے۔

اسباب عادیہ کا اختیار کرنا شرط ہے

خدا تعالیٰ سے اگر ان کو کچھ تعلق ہوا بھی تھا وہ ان کی خرافات سے زائل ہو جاتا ہے ان کی بالکل ایسی مثال ہے جیسے ایک شخص نے قرض لیکر مکان بنایا تھا جب قرض خواہ نے تقاضا کیا تو اس نے غصہ میں آکر سارا مکان ہی ڈھا دیا کہ جاؤ ہم نے تمہارے قرض کا مکان ہی نہیں رکھا اب لے لو کہاں سے لوگے قرض خواہ نے نالش کر دی روپیہ بھی دینا پڑا اور گھر بھی برباد ہوا۔ غرض کام کا طریقہ نہ اختیار کرنے سے یہ لوگ اپنا پہلا سرمایہ بھی برباد کر رہے ہیں صاحبو! دنیا میں جو شخص ایسی بے اصولی کرتا ہے اس کو سب احمق کہتے ہیں مگر افسوس ہے کہ دین میں ایسی بے اصولی کرنے والوں کو نہ کوئی دوسرا احمق کہتا ہے نہ وہ خود اپنے کو احمق سمجھتا ہے حالانکہ وہ اس کا مصداق ہے کہ

دماغ بے ہودہ پخت وخیال باطل ست ☆ دماغ بے ہودہ پکایا خیال باطل باندھا

افسوس کھیتی کی امید اور اسباب سے غفلت یہ کونسی عقلمندی ہے دنیا میں اگر کوئی کھیتی کی امید کرتا ہے تو وہ اسباب کو اختیار کرتا ہے اور یوں کہتا ہے کہ

رزق ہرچند بے گماں برسد ☆ لیک شرط است جستن از درہا

رزق بیشک ملے گا لیکن اس کو اسباب سے تلاش کرنا شرط ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

کہ رزق ہر چند بیگماں پہنچتا ہے مگر اسکا دروازوں پر تلاش کرنا شرط ہے۔ ؎ تن ازدرہا سے بھیک مانگنا مراد نہیں بلکہ یہ واتوا البیوت من ابوابھا۔ اور گھروں میں دروازوں سے آؤ۔ کا ترجمہ ہے کہ اسباب عادیہ کا اختیار کرنا طریقہ سے کام کرنا شرط ہے یہ مطلب گلستان پڑھانے والوں کے ذہن میں بھی نہ آیا ہوگا اور میری سمجھ میں بھی آج ہی آیا ہے مولانا بھی اسی مضمون کو فرماتے ہیں۔

اطلبوا الا رزاق من اسبابھا وادخلوا الابیات من ابوابھا

روزی کو اس کے اسباب سے طلب کرو اور گھروں میں دروازوں سے داخل ہو۔

یعنی جس طرح روزی کو اسباب سے تلاش کیا جاتا ہے اسی طرح ہر کام کو اس کے قاعدہ سے کرنا چاہیے۔

رجا اور غرور میں فرق

افسوس آجکل اکثر دینداروں کی حالت یہ ہے کہ وہ دین کو دین کے قاعدہ سے نہیں حاصل کرتے ہر شخص اپنے اجتہاد پر عمل کر رہا ہے حالانکہ جب کام خلاف قاعدہ ہوتا ہے تو اس کے ثمرات حاصل نہیں ہو سکتے۔ دیکھئے اگر کھیتی کا قصد ہو اور اسباب اس کے اختیار نہ کئے جائیں تو ثمرہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور اس حالت میں اس کا امیدوار ہونا کہ مجھے پیداوار ملے گی سراسر بیوقوفی ہے یہی حالت ان لوگوں کی ہے جو دین کے اسباب اختیار نہیں کرتے اور ثمرات کے امیدوار ہیں امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں رجا و غرور میں بھی فرق بیان کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ جب اعمال کی اصلاح کر کے اور اعمال صالحہ پر مداومت کر کے خدا تعالیٰ سے امید رکھی جائے تو یہ رجا ہے اور جو شخص بدون اکتساب اعمال کے بلکہ باوجود ارتکاب معاصی کے امیدوار ثواب کا ہو وہ غرور میں مبتلا ہے۔ پس رجاء صحیح وہ ہے جس کے ساتھ اعمال پر مداومت بھی ہو مگر افسوس ہے کہ لوگوں نے دین میں توکل و تقدیر بہ معنی تعطل کا نام رجاء رکھ لیا ہے کہ نہ نماز پڑھتے ہیں نہ اعمال صالحہ کی فکر کرتے ہیں نہ ان کے بجالانے کا طریقہ دریافت کرتے ہیں نہ معاشرت و معاملات کی اصلاح کرتے ہیں اور دعوی کرتے

Maktaba Tul Ishaat.com

ہیں کہ توکل کا کہ ہم کو خدا پر بھروسہ ہے اپنے اعمال پر بھروسہ نہیں خدا تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ بخش دیں گے۔ اور دنیا کے کاموں میں جب ان سے توکل کو کہا جاتا ہے تو وہاں یوں کہتے ہیں کہ توکل برحق ہے لیکن پہلے اسباب کو اختیار کر لینا چاہیے اسباب اختیار کر کے پھر خدا پر توکل کرنا چاہیے دنیا کے کاموں میں تو یہ شعر یاد کر رکھا ہے۔

گفت پیغمبر بآواز بلند ☆ برتوکل زانوئے اشتر ببند

نبی کریم ﷺ نے بآواز بلند فرمایا ہے توکل پر اونٹ کا پاؤں باندھ دو۔

گر توکل میکنی درکار کن ☆ کسب کن پس تکیہ بر جبار کن

اگر تم توکل کرتے ہو تو کاموں میں توکل کرو کسب کرو اور بھروسہ اللہ تعالیٰ پر کرو۔

چنانچہ کوئی شخص بدون بیل خریدے اور ہل چلائے کھتی نہیں کرتا یہاں ہر شخص اسباب کو اختیار کرنے کی رائے دیتا ہے اور جو اس کے بغیر ہاتھ پر ہاتھ رکھے ہوئے کھیتی کا طالب ہو اسے سب بیوقوف بناتے ہیں مگر اے اللہ! دین کے بارے میں یہ ساری عقلیں کیوں مسخ ہو گئیں وہاں توکل بہ معنی تعطل کیوں سوجھتا ہے بلکہ دنیا کے بارہ میں تو بعض لوگ اسباب کی ضرورت کے ایسے معتقد ہیں کہ ان کے بعد خدا تعالیٰ کی بھی ضرورت نہیں سمجھتے ہمارے یہاں ایک شخص زمیندار ہے اس کا بیٹا نیک ہے نماز روزہ کا پابند ہے ایک دن وہ لڑکا نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کر رہا تھا تو اس کا تایا کہنے لگا کہ یہ لڑکا نماز کے بعد ہاتھ پھیلا پھیلا کر خدا سے کیا مانگتا ہے اس کو کس چیز کی کمی ہے۔ اناج اسکے گھر میں بھر رہا ہے، بیل اسے یہاں ہیں، روپے کی اسے کمی نہیں پھر خدا سے کیا مانگتا ہے، توبہ توبہ اس شخص کے نزدیک بس ان چیزوں کے بعد خدا تعالیٰ کی بھی ضرورت نہیں رہی۔ بھلا اگر خدا تعالیٰ غلہ میں آگ لگا دے اور بیلوں کو مار دے اور رقم چوری ہو جائے تو یہ شخص کیا کر لے گا۔ اسی طرح ایک ہمارے ملنے والے ایک جنٹلمین کی حکایت بیان کرتے تھے کہ انہوں نے ایک شخص کو کسی کام کیلئے کہا اس نے کہا کہ یہ کام کل کو ان شاء اللہ تعالیٰ ہو جائے گا تو وہ جنٹلمین کہتے ہیں کہ اس میں خدا کے چاہنے کا (یہ انگریزی طرز کی تقلید ہے) کیا بات ہے بس تم کل کو یہ کام ضرور کر دینا بخدا ان لوگوں کی عقلیں بالکل مسخ ہو گئی ہیں میں کہتا ہوں کہ اگر آج ہی کوئی دشمن کسی

Maktaba Tul Ishaat.com

نزاع کی وجہ سے ایک گولی میں اس کا کام تمام کردے اور ایسے واقعات ہوتے رہتے ہیں چنانچہ ان صاحب کا یہی انجام ہوا اور سب سامان حفاظت رکھا رہ گیا تو اس وقت ان کو معلوم ہوا کہ ان شاء اللہ کی کیسی ضرورت ہے پھر تو شاید وہ ہر بات میں ان شاء اللہ کہیں گے۔ یا دفعۃً پیٹ میں درد ہو اور ہیضہ سے رات ہی کو جان نکل جائے یا سانس گھٹ کر مر جائے تو کیا ہو۔ بھلا انسان کی ہستی ہی کیا ہے جس پر یہ غرور کرتا ہے میاں کی ساری زندگی کا مدار ذرا سے سانس پر ہے جہاں سانس بند ہوئی اور قصہ ختم۔ اور سانس بند ہونے کے لئے کھانا پانی ہی کافی ہے۔ بعض لوگ کھانا کھاتے ہوئے لقمہ اٹک جانے سے مر گئے ہیں۔ اگر ان جنٹلمین صاحب کو ایسا واقعہ پیش آجائے تو پھر وہ ہر بات میں ان شاء اللہ کہنے لگیں گے۔

ان شاء اللہ کہنے کی مزاحیہ حکایتیں

جیسے ایک شخص کا قصہ ہے کہ وہ گھوڑا خریدنے جا رہا تھا کسی دوست سے راستہ میں ملاقات ہوئی پوچھا کہاں جا رہے ہو کہا گھوڑا خریدوں گا اس نے کہا ان شاء اللہ کہہ لو وہ بولا کہ اس میں ان شاء اللہ کہنے کی کیا ضرورت ہے۔ گھوڑا بازار میں ہے اور روپے جیب میں ہیں اب جاؤں گا اور تھوڑی دیر میں خرید لاؤں گا۔ چنانچہ آپ چلے تو راستہ میں کسی جیب کٹ نے جیب میں سے روپے اڑا لیے۔ اب جو آپ گھوڑا خریدنے کے لئے دام نکالتے ہیں تو وہاں صفایا ہے نادم و پشیمان ہو کر واپس ہوا۔ راستہ میں پھر اسی دوست سے ملاقات ہوئی اس نے پوچھا کہو گھوڑا خرید لائے تو آپ کہتے ہیں کہ ہم گھوڑا خریدنے گئے تھے ان شاء اللہ۔ جیب میں اتنے روپے تھے ان شاء اللہ، چور نے جیب کاٹ ڈالی ان شاء اللہ، روپیہ چرا لیا ان شاء اللہ اب ہم خالی ہاتھ لوٹ رہے ہیں ان شاء اللہ، اب آپ جوڑ بے جوڑ ہر بات میں ان شاء اللہ ہی کہنے لگے۔ اور یہ جو جنٹلمین صاحب نے کہا تھا کہ اس میں خدا کے چاہنے کی کیا بات ہے یہ اثر سائنس کا ہے۔

اسباب میں تاثیر بھی حکم خداوندی کے سبب ہے

آجکل مسلمانوں نے سائنس والوں کی کاسہ لیسی کی ہے کہ جس طرح وہ محض

Maktaba Tul Ishaat.com

اسباب پر نظر کرتے ہیں یہ بھی اسباب پر نظر کرتے ہیں مگر تھوڑا سا فرق ہے اسی لئے میں نے یہ کہا کہ ان لوگوں نے سائنس والوں کی کاسہ لیسی کی ہے وہ فرق یہ ہے کہ اہل سائنس تو خدا کے بھی منکر ہیں اور یہ لوگ خدا تعالیٰ کو خالق و موثر مانتے ہیں۔ اہل سائنس فطرۃ اور طبیعت کو موثر حقیقی جانتے ہیں یہ لوگ فطرۃ کو موثر حقیقی نہیں مانتے بلکہ فطرت کو خدا کی مخلوق سمجھتے ہیں مگر یوں کہتے ہیں کہ بس خدا نے فطرت کو پیدا کر کے اس میں تاثیر رکھ دی ہے۔ اب خدا کے تصرف کی کچھ ضرورت نہیں جو کچھ ہوتا ہے فطرت اور اسباب کے ذریعہ سے ہوتا ہے جیسے گھڑی کا چلنا کوکنے والے کا محتاج ہے مگر کوک بھر دینے کے بعد اب اس کو چوبیس گھنٹہ تک کوکنے والے کی ضرورت نہیں وہ خود بخود چلتی رہے گی بلکہ کوک بھر دینے کے بعد اگر تم اس کو روکنا بھی چاہو تو وہ رک نہیں سکتی اسی طرح یہ لوگ خدا کی ضرورت محض کوکنے کے واسطے سمجھتے ہیں اور کوکنے کے بعد خدا کی ضرورت نہیں سمجھتے ان کا خیال یہ ہے کہ خدا نے فطرت اور اسباب کو پیدا کر کے ان میں تاثیر رکھ دی اب سارے کام اسباب ہی سے ہوتے ہیں خدا کے تصرف کی کچھ ضرورت نہیں مگر یہ خیال بالکل باطل ہے مشاہدہ اس کی تکذیب کرتا ہے اگر اسباب میں ایسی تاثیر ہوتی کہ خدا کے چاہنے کو اس میں کچھ دخل نہ رہتا تو اس کی کیا وجہ ہے کہ دوا سے بعض دفعہ نفع نہیں ہوتا بلکہ الٹا ضرر ہونے لگتا ہے مولانا ایک حکایت میں فرماتے ہیں۔

از قضا سر انگبیں صفرا فزود ☆ روغن بادام خشکی مے نمود
از ہلیلہ قبض شد اطلاق رفت ☆ آب آتش را مدد شد ہم چو نفت

قضا سے شہد نے صفرا بڑھایا اور روغن بادام خشکی کرتا تھا اور ہلیلہ سے قبض ہوا پانی مثل تارکول کے آگ کو تیز کرتا تھا۔

ہر امر مشیت خداوندی کے تابع ہے

اطباء رات دن اس کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ ایک دوا ایک مرض کے لئے نافع ہے مگر بعض دفعہ وہی دوا اس مرض کو بڑھانے لگتی ہے نیز اس کی کیا وجہ ہے کہ بعض لوگوں کو کسب سے معاش نہیں ملتی۔ دو شخص برابر سرمایہ سے تجارت کرتے ہیں اور ان میں ایک عاقل ہوتا

Maktaba Tul Ishaat.com

ہے ایک بیوقوف مگر مشاہدہ ہے کہ بعض دفعہ عاقل کی تجارت نہیں چلتی بیوقوف کی چل جاتی ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ اسباب محض برائے نام بہانہ ہیں ورنہ جو کچھ ہوتا ہے خدا کی مشیت سے ہوتا ہے۔

ترقی کا مدار محض اسباب پر نہیں

میں نے ایک شہر میں ایک رئیس دیکھا ہے کہ پہلے وہ چھ پیسے کے مزدور تھے پھر ریلوے میں نوکر ہو گئے۔ پھر ریلوے کے ٹھیکے لینے لگے حتیٰ کہ ترقی کرتے کرتے ہزاروں لاکھوں کے آدمی ہو گئے کہ بڑے بڑے بی اے، ایم اے کی ڈگری پاس کرنے والے ان کے یہاں ملازم تھے اور خود اپنے دستخط بھی نہ کر سکتے تھے اگر ترقی کا مدار محض اسباب پر ہے تو ذرا تم کسی دوسرے کو تو چھ پیسہ کی مزدوری سے لاکھوں ہزاروں کا آدمی بنا دو۔ اور جس طرح اس رئیس نے ترقی کی ہے اس کو بھی وہی ذرائع بتلا دو۔ یقینی بات ہے کہ ہر شخص ان ذرائع سے ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اس کے علاوہ ہر شخص رات دن مشاہدہ کرتا ہے کہ آج وہ ایک کام کا ارادہ کرتا ہے جو پورا ہو جاتا ہے کل کو پھر اسی کام کا ارادہ کرتا ہے اور پورا نہیں ہوتا۔ اسی لئے ایک بزرگ فرماتے ہیں عرفت ربی بفسخ العزائم، کہ میں نے خدا تعالیٰ کو ارادوں کے ٹوٹنے اور ناکام رہنے سے پہچانا کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے ارادہ سے کچھ نہیں ہوتا کوئی دوسرا کام کرنے والا ہے۔

اعانت خداوندی اسباب اختیار کرنے کے بعد ہوتی ہے

الغرض یہ خیال جو بعض مسلمانوں میں سائنس والوں کی صحبت سے پیدا ہوا ہے کہ اسباب ہی سے سب کچھ ہوتا ہے غلط اور بالکل غلط ہے مگر مجھ کو یہ بتلانا ہے کہ لوگ باوجود یہ کہ اسباب کے ایسے معتقد ہیں مگر دین کے بارہ میں یہ بھی اسباب کو اختیار نہیں کرتے پس صحیح راستہ یہ ہے کہ نہ اسباب کو مؤثر سمجھے ہیں نہ ان کو فضول خیال کرے عادۃ اللہ یہ ہے کہ اسباب گو مؤثر نہیں مگر جو ان کو اختیار کرتا ہے حق تعالیٰ اس کی امداد فرما دیتے ہیں اور جو شخص اسباب کو اختیار نہیں کرتا اس کی ناکامی کا یہ سبب نہیں کہ اسباب مؤثر تھے اور وہ نہیں پائے گئے بلکہ ناکامی کا راز یہ ہے

Maktaba Tul Ishaat.com

کہ اکثر خدا کی اعانت اسباب اختیار کرنے کے بعد ہوا کرتی ہے اور بدون اسکے نہیں ہوتی۔ پس اس نے خدا کی اعانت کو حاصل نہیں کیا۔ خوب سمجھ لو۔ پس اسباب کو جمع کر کے ثمرات کی امید کرنا رجاء ہے اور بدون اسباب اختیار کئے امید رکھنا غرور ہے۔ جیسے ایک شخص کو اولاد کی خواہش ہو مگر نکاح کا قصد نہ ہو یا کنواں کھودنا چاہے اور ہاتھ نہ ہلائے یہ لوگ احمق کہلائیں گے۔ ان کے دماغ میں مالیخولیا سمجھا جائے گا۔ ہاں نکاح کر کے اولاد کی امید رکھنا، پھاوڑا چلا کر کنوئیں کے پانی کا انتظار کرنا یہ رجاء ہے۔ اب آپ دیکھ لیجئے کہ دین کے بارہ میں ایسے لوگ کتنے ہیں جو اسباب کو جمع کر کے امیدوار ہوئے ہیں۔ ایسے بہت ہی کم ہیں اکثر تو محض غرور میں مبتلا ہیں۔

صرف توجہ سے کام نہیں چلتا

سالکین کی حالت یہ ہے کہ بعض لوگ دین کے طالب بن کر شیخ کے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت گناہوں سے نفرت نہیں ہوتی کچھ توجہ فرما دیجئے غنیمت ہے کہ یہ لوگ عمل کو کچھ تو ضروری سمجھتے ہیں۔ اسی لئے گناہوں سے نفرت کا اہتمام بھی ہے مگر یوں چاہتے ہیں کہ ہمیں خود کچھ نہ کرنا پڑے سارا کام توجہ سے چل جائے۔ اگر توجہ سے اس طرح کام چلا کریں تو پھر نکاح بھی نہ کیا ہوتا بس توجہ کرالی ہوتی اسی سے پلا پلایا بچہ تم کو مل جاتا۔ خوب سمجھ لو کہ کام قاعدہ ہی سے ہوتا ہے نری توجہ سے کام نہیں چلا کرتا۔

ہمت کے لئے گناہوں سے نفرت عقلی کی ضرورت

سو قاعدہ کی رو سے گناہوں سے بچنے کیلئے ہمت کی ضرورت ہے چند دنوں ہمت کر کے دیکھو ان شاء اللہ گناہ خود ہی کم ہو جائیں گے اور جب تم ہی ہمت نہ کرو تو توجہ کیا کرلے گی اور اگر کسی کو شبہ ہو کہ ہمت بھی کی اور گناہوں سے اس وقت بچ بھی گئے مگر گناہوں سے نفرت نہیں ہوتی تو ہمت بھی اس کی تدبیر نہ نکلی تو اس کی حقیقت سمجھ لو وہ یہ کہ ہمت کے لئے گناہوں سے نفرت عقلی لازم ہے نفرت طبعی لازم نہیں۔

بلا قصد وسوسہ گناہ مضر نہیں

اس غلطی میں بہت سے سالکین مبتلا ہیں کہ وہ گناہوں سے نفرت طبعی کو لازم سمجھتے

Maktaba Tul Ishaat.com

ہیں کہ بس کبھی دل پر وسوسہ بھی نہ آئے اسی لئے ہمت کے بعد اپنے کو ناکام سمجھتے ہیں سو یہ بالکل غلط خیال ہے وسوسہ گناہ کے مقتضا پر عمل نہ کرنا ضروری ہے۔ بلا قصد وسوسہ کا آنا یا میلان ہونا کچھ مضر نہیں اگر مقتضا پر عمل نہ ہو تو چاہے لاکھ خطرات آتے ہوں اور کیسے ہی گندے وسوسے آتے ہوں واللہ وہ شخص ولی کامل ہے۔

گناہوں سے نفرت عقلی حاصل کرنے کا طریقہ

البتہ اگر وسوسہ کیساتھ اس کے مقتضاء پر عمل بھی ہوتا ہو تو یہ اس کی دلیل ہے کہ اس شخص کو گناہوں سے نفرت عقلی بھی نہیں اس کے علاج کی بیشک ضرورت ہے اور وہ ہمت ہے جس کی تقویت کا طریقہ یہ ہے کہ آیات عذاب ووعید میں غور کرے اور وقت موت اور عذاب قبر اور میدان حشر کا تصور کیا کرے۔ پھر سوچے کہ گناہوں سے موت کے وقت سخت پریشانی ہوگی۔ قبر میں عذاب ہوگا۔ قیامت میں سب کے سامنے ذلت ورسوائی ہوگی اور دوزخ کا عذاب الگ بھگتنا ہوگا روزانہ ایک وقت میں یہ مراقبہ اور تصور کیا کرے اور روزانہ کے اعمال کا محاسبہ کرکے گناہوں سے سچی توبہ کیا کرے اس سے چند روز میں ہمت میں قوت ہوکر نفس کی مخالفت سہل ہو جائے گی۔ اب تم اس کی فکر میں نہ پڑو کہ وسوسہ تو اب بھی آتے ہیں۔ وساوس کا آنا کچھ مضر نہیں اور ان کا قطع کرنا تمہارے اختیار سے باہر ہے تم اس کے مکلّف نہیں ہو، رہا یہ سوال کہ یہ وساوس گو مضر نہیں مگر نہ آتے تو اچھا تھا یہ کیوں آتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ اس واسطے آتے ہیں کہ حق تعالیٰ تم کو اجر عظیم دینا چاہتے ہیں اگر تم کو گناہوں کا خطرہ بھی نہ آیا کرتا تو پھر ان سے بچنے میں تمہارا کیا کمال تھا۔ نامرد اگر زنا نہ کرے تو کیا کمال ہے اور اب گناہوں سے بچنے میں تمہارا کمال ظاہر ہوتا ہے کہ وسوسے آتے ہیں خیالات تنگ کرتے ہیں اور تم سب کی مخالفت کرتے ہو اور اسی لئے انسان فرشتوں سے افضل ہے اگر اس میں گناہوں کا تقاضا بھی نہ ہوتا تو پھر اس میں اور فرشتوں میں فرق ہی کیا ہوتا مولانا فرماتے ہیں۔

شہوت دنیا مثال گلخن است ☆ کہ از و حمام تقویٰ روشن است

Maktaba Tul Ishaat.com

شہوت دنیا مثل کوڑے کرکٹ کے ہے کہ اس سے تقویٰ کا حمام روشن رہے۔

شہوت دنیا کی مثال

سبحان اللہ کیا عجیب تعلیم ہے فرماتے ہیں کہ شہوت دنیا کی مثال ایسی ہے جیسے حمام کیلئے خس وخاشاک کہ اگر خس وخاشاک کو حمام جلانے کے کام میں لگایا جائے تو اس سے حمام روشن ہوتا ہے اور اگر حمام کے کام میں نہ لگایا جائے تو ظاہر ہے کہ اس سے گھر خراب ہونے کے سوا کچھ فائدہ نہیں۔ تو خدا تعالیٰ نے یہ تقاضا اور یہ وساوس تمہارے اندر اس لئے پیدا کئے ہیں تا کہ تم اس سے تقویٰ کے حمام کو روشن کرو یعنی انکی مخالفت کر کے ہمت سے ان کے مقتضی پر عمل نہ کرو اگر تم نے ایسا کیا تو تمہارا تقویٰ نہایت لذیذ ہوگا اور اس واسطے یہ تقاضا تم کو نہیں دیا گیا کہ تم اسی سے اپنا گھر بھر لو کہ اس حالت میں تمہارے دل کی وہی حالت ہو جائیگی جو کوڑے کباڑ سے گھر کی حالت ہوتی ہے۔ بس تم کو چاہیے کہ ان وساوس کے آنے سے دل گیر مت ہو اور ساتھ کے ساتھ تقویٰ کے حمام میں ان کو جلاتے رہو گھر میں جمع نہ کرو۔ دوسرا نفع یہ ہے کہ تقویٰ میں نشاط وسرور روحانی ان خطرت ووساوس ہی کے بعد حاصل ہوتا ہے اگر تم بازار میں جاؤ اور کوئی عورت تمہارے سامنے سے نہ گزرے تو تم کو نہ گنا ہوا نہ کچھ خاص نشاط روحانی حاصل ہوا۔ اور اگر کوئی عورت سامنے سے جاتی ہوئی ملی مگر تم نے اس کی طرف نظر نہ کی تو اس وقت اگر چہ تم کو ایک کلفت ہوگی مگر تھوڑی ہی دیر کے بعد ایک خاص سرور ونشاط حاصل ہوگا جب چاہے تجربہ کر کے دیکھ لو اس وقت تم بزبان حال یوں کہو گے

للہ الحمد نمردیم ورسیدیم بدوست ☆ آفریں باد بریں ہمت مردانہ ما

خدا کا شکر ہے کہ ہم نہ مرے اور دوست تک پہنچ گئے ہماری اس ہمت مردانہ پر آفرین ہو۔

جوان کے تقویٰ کی مثال

اس تقاضے کی مثال ایسی ہے جیسے کھانے میں نمک مگر تم اس سے ایسے گھبراتے ہو جیسے مثل مشہور ہے کہ گدھے کو دیا تھا نمک اس نے کہا میری آنکھیں ہی پھوڑ دیں تو جس طرح نمک کھانے میں اعتدال کے ساتھ ہو تو کھانا لذیذ ہوتا ہے اسی طرح اس تقاضے سے

Maktaba Tul Ishaat.com

بھی تقویٰ لذیذ ہو جاتا ہے بشرطیکہ اعتدال کے ساتھ ہو ورنہ زیادہ نمک سے کھانا کڑوا بھی ہو جاتا ہے۔ اور اسی لئے جوان کا تقویٰ بوڑھے کے تقویٰ سے زیادہ لذیذ ہوتا ہے جوان کو تقویٰ میں بوڑھے سے زیادہ نشاط سرور روحانی حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ بوڑھے کو نہ خطرات آتے ہیں نہ وساوس تو اس کو تقویٰ کی لذت کی کیا خبر ہو اور جوان بیچارہ ہزاروں خطرات ووساوس کا مقابلہ کر کے ان سے بچتا ہے تو اس کو تقویٰ کا مزہ معلوم ہوتا ہے جیسے ایک تو وہ شخص ہے جو دریا کے کنارہ پر کھڑا ہے کبھی دریا میں گرنے کی اسے نوبت ہی نہیں آئی اسے کنارہ کی سلامتی کی کیا قدر ہو۔ اور ایک وہ شخص ہے جو دریا میں گر پڑا تھا ڈوبنے کو ہو گیا تھا پھر وہاں سے ہاتھ پیر مار کر غوطہ کھا کر نکل آیا تو اس کی لذت حال اب نہ پوچھو عارف شیرازی اسی کو فرماتے ہیں۔

شب تاریک وبیم موج وگردابے چنیں ہائل ☆ کجا داند حال ما سبک ساران ساحل ہا

حیرت میں ہماری حالت ایسی ہے جیسے اندھیری رات ہو اور موج کا خوف ہو اور ہولناک بھنور میں کشتی آ گئی ہو ہمارے اس حال کی ان لوگوں کو کب خبر ہو سکتی ہے جو ہلکے پھلکے کنارے پر کھڑے ہیں دریا میں قدم نہیں رکھا۔

پھر جب ایک شخص دریا سے نجات پا کر باہر آتا ہے تو یہ اپنے ہاتھ پیروں کو بوسہ دیتا ہے اور ان کی قدر کرتا ہے کہ ان کے ذریعہ سے میں ہلاکت سے بچ گیا۔

مسلمان کو کامل راحت جنت میں ملے گی

اسی طرح جب سالک مجاہدہ کر کے تقویٰ اختیار کرتا اور مقصود میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ تو بعد میں اس کو بھی اپنے جسم وجان سے محبت ہو جاتی ہے اور وہ ان کی بڑی قدر کرتا ہے کہ میں انہیں کے ذریعہ سے محبوب تک پہنچا ہوں اب ان کی خدمت کرنی چاہیے کیونکہ مجاہدات وریاضات میں یہ سب چکنا چور ہو گئے ہیں پس بزبان حال یوں کہتا ہے۔

نازم بچشم خود کہ جمال تو دیدہ است ☆ افتم بپائے خود کہ بکویت رسیدہ است

ہر دم ہزار بوسہ زنم دست خویش را ☆ کو دامنت گرفتہ بسویم کشیدہ است

Maktaba Tul Ishaat.com

مجھے اپنی آنکھوں پر ناز ہے کہ انہوں نے تیرے جمال کو دیکھا ہے اور اپنے پاؤں پر رشک ہے کہ تیرے کوچہ میں پہنچے ہیں ہر دم اپنے ہاتھوں کو ہزاروں بوسہ دیتا ہوں کہ انہوں نے تیرا دامن پکڑ کر میری طرف کھینچا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مسلمان جنت میں پہنچ کر کہیں گے **الحمدلله الذی اذهب عنا الحزن ان ربنا لغفور شکور الذی احلنا دارالمقامة من فضله لایمسنا فیها نصب ولایمسنا فیهالغوب**۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے مشقت و رنج کو دور کیا۔ بیشک ہمارا پروردگار بہت بخشنے والا بڑا قدردان ہے جس نے ہم کو ہمیشہ رہنے کے گھر میں پہنچا دیا (محض) اپنے فضل سے جہاں ہم کو نہ مشقت چھو سکتی ہے نہ خستگی۔ تو بات یہ ہے کہ مسلمان کو تو پوری راحت جنت میں ہی جا کر نصیب ہوگی دنیا میں تو وہ ہر وقت معصیت سے ڈرتا رہتا ہے کہ کہیں کوئی کام خلاف مرضی حق نہ ہو جائے جب یہ مصائب جھیل کر وہ جنت میں پہنچیں گے تو ان کی زبان سے بے ساختہ یہ ثنا نکلے گی۔ اس وقت ان کو اپنے تمام اعضا کی پوری قدر ہوگی اور ان کو خوب راحت پہنچائیں گے کہ لو تم نے دنیا میں بہت مجاہدات و ریاضات کئے ہیں اب آرام حاصل کرو۔ اور جس نے غم ہی نہ دیکھا ہو وہ جنت کی کیا قدر کر سکتا ہے حدیث میں آتا ہے کہ جب جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں پہنچ جائیں گے تو جنت و دوزخ دونوں حق تعالیٰ سے شکایت کریں گی کہ ہم تو خالی رہ گئے ہم کو پر کیجئے تو اس وقت دوزخ کو تو حق تعالیٰ اپنی قدرت سے ویسے ہی بھر دیں گے عجب نہیں کہ اس کے اجزاء سمٹ جائیں اور جنت کے لئے ایک نئی مخلوق پیدا کریں گے تو میں نے اس حدیث کو پڑھ کر حضرت استاد سے عرض کیا کہ حضرت وہ بڑے مزے میں ہوں گے کہ نہ کچھ کیا نہ کرایا مفت میں جنت لے لی مولانا نے فرمایا کہ وہ کیا خاک مزہ میں ہوں گے وہ تو یہ سمجھیں گے کہ جس طرح کی راحت ہم میں ہم ہیں راحت ایسی ہوتی ہوگی اس لئے بس ان کو جنت کی کیا قدر ہوگی۔ اور ہم لوگ دنیا کے مصائب جھیل کر جب جنت میں جائیں گے تو ہم کہیں گے **الحمدلله الذی اذهب عناالحزن ان ربنا لغفور شکور**۔ خدا کا شکر ہے کہ جس نے ہم سے مشقت و رنج کو دور کیا۔ بیشک ہمارا پروردگار بہت بخشنے والا بڑا قدردان ہے یہ بات ان کو کہاں نصیب۔

Maktaba Tul Ishaat.com

راحت کی اصل قدر اہل مصیبت جانتا ہے

ایک مرتبہ مولوی فیض الحسن صاحب سہارنپوری کی دعوت دہلی کے ایک شہزادے نے کی ایسے ایسے کھانے پکائے جن کا نام بھی مولانا نے نہ سنا تھا پھر کھانے کے بعد وہ شہزادے مولوی صاحب سے پوچھنے لگے کہ مولانا یہ کھانے کیسے پکے مولانا نے فرمایا کہ ہم کو کیا خبر کیسے پکے ہم نے تو یہ کھانے آج ہی کھائے ہیں ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ اسی طرح پکتے ہوں گے، ہاں کئی بار دعوت کرو اور یہی کھانے کھلاؤ تو اس وقت فرق معلوم ہو کہ پہلی بار ایسے پکے تھے دوسری بار ایسے پکے۔ شہزادے نے کہا اچھا آئندہ بھی دعوت کی جمالی بہتر ہے پھر بھی کھلاؤں گا۔ حقیقت میں راحت کی قدر مصیبت والا ہی سمجھ سکتا ہے۔ اسی طرح یہ لوگ مزہ میں ہیں جن کو خطرات ووساوس پیش آتے ہیں۔ ان کو جب دولت تمکین عطا ہوتی ہے تو ان کو اس دولت کی قدر ان لوگوں سے زیادہ ہوتی ہے جن کو خطرات پیش نہیں آئے اور ان کو اس وقت لذت وسرور روحانی بھی زیادہ حاصل ہوتا ہے۔ غرض گناہوں سے نفرت عقلی مطلوب ہے طبعی نفرت مطلوب نہیں اگر عقلاً تو نفرت ہو اور طبعاً رغبت ہو جس کی علامت یہ ہے کہ تقاضہ کا ورود ہو لیکن مقتضی پر عمل نہ ہو تو یہ وسوسہ کا درجہ ہے اس سے پریشان نہ ہونا چاہیے کیونکہ اس سے اجر بڑھتا ہے۔

خالص ایمان کی علامت

حدیث میں یہ مضمون موجود ہے کہ صحابہؓ نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ بعض دفعہ ہمارے دل میں ایسے خیالات آتے ہیں کہ ہم جل کر کوئلہ ہو جانا پسند کرتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا ذلک صریح الایمان (الصحیح لمسلم الایمان ۶۰، رقم: ۲۰۹-سنن ابی داؤد الادب ب ۱۱۹)۔ یہ تو خالص ایمان کی علامت ہے۔ مگر آج کل لوگ درخواست کرتے ہیں کہ ہم سے وساوس قطع ہو جائیں اور ہم کو گناہوں سے طبعی نفرت ہو جائے حالانکہ حضور ﷺ اس کو صریح الایمان فرما رہے ہیں۔ اس میں ہزاروں سالک مبتلائے غم ہیں۔ بعض لوگ مشائخ کے پاس آتے ہیں کہ حضور دعا کیجئے ہم مقبول ہو جائیں گے مگر خود مقبول بننے کے کام نہیں کرتے تو بڑی غلطی ہے اور دین دار بکثرت اس مرض میں پھنسے ہوئے ہیں۔ صاحبو! پہلے تم بھی تو مقبول ہونے کی کوشش کرو

Maktaba Tul Ishaat.com

اور ایسے کام کرو جو مقبولیت کا ذریعہ ہیں پھر شیخ کی دعا سے بھی نفع ہوگا مگر اب تو یہ اندھیر ہے کہ صرف دعا سے مقبول بننا چاہتے ہیں۔ کوئی مسلمان ایسا نہیں جو جنت کا طالب نہ ہو قرب خداوندی کا طلب گار نہ ہو خدا کی محبت و معرفت کا خواہش مند نہ ہو مگر اس کے طرق کو اختیار نہیں کرتے حق تعالیٰ نے اس غلطی پر اس آیت میں تو بطریق عموم متنبہ فرمایا ہے واتوا البیوت من ابوابھا۔ گھروں میں دروازوں سے آؤ۔ اور دوسری جگہ بطریق خصوصی بھی متنبہ فرمایا یعنی خاص دخول جنت کے بارہ میں صراحۃ ارشاد ہے کہ نری تمنا اور آرزو سے کچھ نہیں ہوتا تم کو عمل کا اہتمام چاہئے۔

نری تمنا سے کام نہیں چلتا

چنانچہ فرماتے ہیں۔ لیس بامانیکم ولاامانی اھل الکتب من یعمل سوءً یجزبہ ولایجدلہ من دون اللّٰہ ولیاولانصیرا. ومن یعمل من الصلحت من ذکر اوانثی وھومومن فاولئک یدخلون الجنۃ ولایظلمون نقیراً (نہ تمہاری تمناؤں سے کام چلتا ہے نہ اہل کتاب کی تمناؤں سے۔ جو شخص کوئی برا کام کرے گا وہ اس کے عوض سزا دیا جائے گا اور اس شخص کو خدا تعالیٰ کے سوا نہ کوئی یار ملے گا نہ مددگار ملے گا اور جو شخص کوئی نیک کام کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہو بشرطیکہ مومن ہو ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر ذرا بھی ظلم نہ ہوگا) شان نزول آیت کا یہ ہے کہ ایک مرتبہ یہود اور اہل اسلام میں قبلہ کے تقدم و تاخر پر تفاخر ہو رہا تھا۔ یہود کہتے تھے کہ ہمارا قبلہ مقدم ہے۔ مسلمان کہتے تھے ہمارا قبلہ مقدم ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ خدا کا قرب اور دخول جنت نہ تمہاری تمناؤں سے حاصل ہو سکتا ہے نہ اہل کتاب کی تمناؤں سے بلکہ ہمارے یہاں تو یہ قانون ہے کہ جو کوئی برا کام کرے گا اسکو اس کی سزا بھگتنی پڑے گی اور جو نیک کام کرے گا اس کو جنت ملے گی تو ان باتوں سے کیا ہوتا ہے عمل کا اہتمام کرو۔

اس آیت سے صاف معلوم ہو گیا کہ نری تمنا سے کام نہیں چل سکتا اور نری تمنا کا درجہ وہی ہے جس کے ساتھ عمل کا اہتمام نہ ہو۔ معلوم ہوا کہ مقصود اعمال ہیں ان کو اختیار کرنا چاہیے اس کے بعد جو تمنا ہوگی وہ رجاء کا درجہ ہوگا خلاصہ یہ کہ جب عمل کا مقصود

Maktaba Tul Ishaat.com

ہونا ثابت ہوگیا تو اس کا اہتمام سب مسلمانوں کو کرنا چاہیے۔ رہا اس کا طریق تو اس کے لئے ساری شریعت موجود ہے شریعت سے پوچھ پوچھ کر عمل کرو۔ اور اعمال پر مداومت و استقامت کی سہولت اور ان کی اصلاح و تکمیل یہ موقوف ہے اہل اللہ کی صحبت پر، چنانچہ اسی آیت۔

لیس بامانیکم الی اخرھا۔ کے ساتھ یہ بھی ارشاد ہے ومن احسن دینا ممن اسلم وجھہ للّٰہ وھو محسن واتبع ملۃ ابراھیم حنیفاً۔ اور اس شخص سے اچھا کون ہے جو اپنی ذات کو خدا کے سپرد کردے دراں حالیکہ وہ صاحب اخلاص ہو اور ملۃ ابراھیم کا متبع ہو جو کہ حنیف تھے یعنی ماسوائے اللہ سے یکسو تھے۔ یہاں اسلم وجھہ سے مراد فنا ہے کیونکہ کامل سپردگی اسی سے ہوتی ہے۔ جس کے بعد نسبت احسان عطا ہو جاتی ہے۔ چنانچہ وھو محسن میں نسبت احسان ہی کی طرف اشارہ ہے۔ مقام اخلاص جب کامل ہو جاتا ہے تو اسی کو نسبت احسان سے صوفیہ کی اصطلاح میں تعبیر کیا جاتا ہے۔

اتباع ملت ابراہیم کا مفہوم

آگے بتلاتے ہیں کہ یہ دولت کس طرح حاصل ہوگی ارشاد ہے واتبع ملۃ ابراھیم حنیفا۔ یعنی جو شخص ملت ابراہیم کا اتباع کرے گا اسے یہ دولت عطا ہوگی۔ اس آیت میں یہ نہیں فرمایا کہ اتباع ابراہیم سے یہ نعمت عطا ہوگی۔ حتیٰ کہ یہ شبہ ہو کہ بس جو لوگ ابراہیمؑ کی امت میں نہیں ان کو یہ دولت نہ ملے گی بلکہ اتباع ملت ابراہیم پر اس نعمت کو موقوف کیا گیا ہے۔ جس سے مراد ان کے مذاق کا اتباع ہے۔ اور ابراہیمؑ کا مذاق فنا تھا۔ چنانچہ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ ومن یرغب عن ملۃ ابراھیم الا من سفہ نفسہ ولقد اصطفیناہ فی الدنیا وانہ فی الاخرۃ لمن الصالحین اذقال لہ ربہ اسلم قال اسلمت لرب العلمین۔ ملت ابراہیم سے وہی روگردانی کرے گا جو اپنی ذات ہی سے احمق ہو ہم نے ان کو دنیا میں منتخب کرلیا ہے اور اسی کی بدولت وہ آخرت میں بڑے لوگوں میں سے شمار کئے جاتے ہیں اور جب ان سے ان کے رب نے فرمایا کہ تم اطاعت اختیار کرو تو انہوں نے عرض کیا کہ میں نے رب العالمین کی اطاعت اختیار کی ہے اور یہ دولت ہر نبی کو عطا ہوتی ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

اتباع فانی کی جزا

چنانچہ ہمارے حضور ﷺ میں اس کا ظہور سب سے زیادہ کامل تھا۔ پس ہمارے لئے ملت ابراہیمیہ کے اتباع کا تحقق اتباع محمدی ﷺ کی صورت میں ہوگا۔ حاصل یہ ہوا کہ یہ دولت کسی فانی کے اتباع سے حاصل ہوگی۔ بدون کسی فانی کے اتباع کے تکمیل اعمال نہیں ہوسکے گی۔ رہا یہ کہ پھر اتباع فانی کے بعد کیا ہوگا آیا صرف استقامت ہی عطا ہوجائیگی یا اس سے بھی زیادہ کچھ ملے گا۔ اس کی بابت ارشاد ہے واتخذ اللہ ابراھیم خلیلا۔ کہ حق تعالیٰ نے ابراہیمؑ کو مذاق فنا کی بدولت خلیل بنالیا تھا۔ تو سمجھ جاؤ کہ جو شخص کسی فانی کا متبع ہوگا اسے دولت خلت عطا ہوگی میرے ذوق میں اس جملہ کے اندر اتباع فانی کی جزا کا ذکر ہے مگر صراحۃً نہیں بلکہ اشاروں میں بیان کیا ہے کیونکہ

خوشتر آن باشد کہ سر دلبراں ☆ گفتہ آید در حدیث دیگراں

محبوب کے ایسے راز کا دوسروں کی حکایت اور تمثیلات میں بیان ہونا مناسب ہے۔

خلاصہ بیان

حاصل یہ ہوا کہ جس کو مقاصد دینیہ کی طلب ہو وہ عمل کا اہتمام کرے اور تکمیل عمل کے لئے صحبت اہل اللہ کو لازم سمجھے یہ طریقہ ہے کامیابی کا میں نے قاعدہ کلیہ بتلا دیا ہے۔ جزئیات کی تفصیل مجالس عرفاء میں ہوتی رہتی ہے اگر صحبت عارفین میسر ہوجائے تو بسا غنیمت ہے۔

مقام امن و مے بیغش و رفیق شفیق گرت مدام میسر شود زہے توفیق

مقام امن اور خالص شراب محبت اور شفیق رفیق اگر تم کو ہمیشہ میسر ہوجائیں تو بہت ہی اچھی توفیق ہے۔

اور مطالعہ ملفوظات کے متعلق فرماتے ہیں

دریں زمانہ رفیق کہ خالی از خلل است ☆ صراحی مے ناب و سفینہ غزل است

جو زمانہ شیخ سے خالی ہو اس میں اسکے مکتوبات اور ملفوظات سے مستفید ہو۔

Maktaba Tul Ishaat.com

دیکھئے حضرت حافظ کتاب کو بھی رفیق فرمارہے ہیں اور شیخ کا رفیق ہونا اوپر کے شعر سے معلوم ہو چکا ہے نیز اس کا رفیق ہونا ہر اک کو معلوم ہے کہ وہ معین آخرت ہوتا ہے اور حضرت حافظ کے کلام سے کتاب کا بھی رفیق ہونا معلوم ہو گیا۔ باقی فضول مجلس آرائیوں کو چھوڑنا چاہیے اس سے آخرت کا بہت ضرر ہوتا ہے۔ اور اگر کسی شخص کو کسی موقع پر کسی عارف کی خدمت نصیب نہ ہو نیز اوراد و کتب بینی سے گھبرا جائے اور کچھ دیر اپنا دل بہلانا چاہیے تو بجائے چوپال اور مجالس میں بیٹھنے کے اس کو اپنے بیوی بچوں میں دل بہلانا چاہیے اس میں باطن کا ضرر نہیں ہوتا کیونکہ اہل وعیال کی دلجوئی بھی سنت ہے ایک عارف کہتے ہیں۔

جہدے کن وبا مردم دانا بنشیں　　باصدق وصفا

یا با صنم لطیف ورعنا بنشیں　　باشرم وحیا

اس سے مراد زوجہ ہے یعنی یا تو شیخ کی صحبت میں رہو اگر شیخ میسر نہ ہو تو بیوی کے پاس بیٹھو اس سے بھی حفاظت رہتی ہے۔

زیں ہر دو گرت یکے میسر نشود　　از طالع خویش

اوقات مکن ضائع وتنہا بنشیں　　در یاد خدا

اگر ان دونوں میں سے کوئی بھی میسر نہ ہو تو تنہا یاد خدا میں بیٹھو۔

یہ طریقہ ہے آجکل سلامتی کا اور اس کے سوا اور جو تدبیریں سلامتی کی کی جاتی ہیں سب میں فتنہ ہے۔

گر گر یزی برامید راحتے ☆ ہم ازانجا پیشت آید آفتے

اگر کسی راحت یا آرام کی امید پر بھاگتا ہے تو اس جگہ بھی تجھ کو کوئی آفت پیش آئے گی۔

واقعی آجکل جن لوگوں کو دوست سمجھا جاتا ہے ان ہی میں سے دشمن نکل آتے ہیں اس لئے اب مخلوق سے ملنے ملانے اور مجلس آرائی کرنے کا زمانہ نہیں رہا انسان اپنے کام میں لگا رہے دنیا کے یا دین کے اور اس کے بعد جو وقت بچے اسے خدا کی یاد میں گزارے۔ کچھ دیر بال بچوں میں دل بہلائے۔ کچھ وقت کتب بینی کے واسطے نکال لے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

مولانا فرماتے ہیں۔

ہیچ کنجے بے دو وبیدام نیست ☆ جز بخلوت گاہ حق آرام نیست

کوئی شبہ بے دوڑ دھوپ اور بغیر دام کے نہیں ہے۔ خلوت گاہ حق کے سوا کسی جگہ آرام نہیں ہے۔

پس دنیا و آخرت کی راحت وچین کا طریقہ میں نے آپ کو بتلا دیا ہے۔ میں اس وقت حجت اللہ ختم کر چکا ہوں آگے عمل کرنا نہ کرنا سامعین کے اختیار میں ہے۔ اب خدا تعالیٰ سے دعا کیجئے کیونکہ بدون ان کی امداد کے کچھ نہیں ہوسکتا کہ خدا تعالیٰ ہم کو ظاہری و باطنی بیماریوں سے شفا دے اور ہماری اصلاح فرمائے اور ہم کو عمل کی توفیق دے آمین۔

والحمدللّٰہ رب العلمین

وصلی اللّٰہ تعالی وسلم علی سید المرسلین

سیدنا ومولانا محمد وعلیٰ الہ واصحابہ اجمعین

Maktaba Tul Ishaat.com

الرغبة المرغوبة والطلبة المطلوبة

بمقام تھانہ بھون جامع مسجد خانقاہ امدایہ ۱۲ جمادی الاولی ۱۳۴۵ھ بروز جمعہ ۲ گھنٹہ ۵۵ منٹ تک کرسی پر بیٹھ کر ارشاد فرمایا۔ سامعین کی تعداد تقریباً ۵۰ تھی۔ مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی نے قلمبند کیا۔

Maktaba Tul Ishaat.com

خطبہ ماثورہ

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

الحمدللّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونومن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرورانفسنا من سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلامضل لہ ومن یضللہ فلاھادی لہ ونشھد ان لااللہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالی علیہ والہ واصحابہ وبارک وسلم امابعد. فاعوذباللّٰہ من الشیطان الرجیم. بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم. فاذا فرغت فانصب والی ربک فارغب.

ترجمہ:..... تو آپ جب فارغ ہوجایا کریں تو محنت کیجئے اور اپنے رب ہی کی طرف توجہ رکھیے۔

آج کے بیان کی وجہ بعض اہل علم مہمانوں کی درخواست ہے پہلے بھی ایک دفعہ اس قسم کی درخواست کی گئی تھی مگر اس وقت طبیعت اچھی نہ تھی مجھے عذر تھا اسلئے عذر ظاہر کردیا تھا۔ جب کچھ ہفتوں کے بعد دوبارہ درخواست کی گئی تو میں اس کے رد سے شرما گیا گو عذر اب بھی ہے کہ طبیعت پوری طرح قوت پر نہیں ہے مگر بحمداللہ قوی عذر نہیں ہے اور پہلے سے اب طبیعت بہت اچھی ہے۔ گو مانعیت کیلئے ضعیف عذر بھی کافی تھا مگر احیاء کی وجہ سے میں نے ضعیف عذر کو پیش نہیں کیا اس لئے اس وقت بیان مختصر ہوگا مگر اب ان شاء اللہ ضرورت کے موافق ہوگا۔ میں نے درخواست کے وقت اتنا ضرور کہہ دیا تھا کہ اگر ضرورت کا مضمون ذہن میں آگیا تو بیان کردوں گا کیونکہ کیف ما اتفق بیان کردینا اور وقت کا پورا کرنا مجھے پسند نہیں الحمدللہ میں ہمیشہ اس کی رعایت کرتا ہوں کہ بیان مخاطبین کی ضرورت کا ہو اور ان کی حالت موجودہ کے موافق ہو یہ کہہ کر میں فکر میں تھا کہ کیا بیان کروں اور اس کے بعد میں قرآن شریف پڑھتا رہا کہ دفعتاً یہ مضمون ذہن میں آگیا جو اہل علم اور مشائخ کی ضرورت کا ہے۔ بلکہ یوں کہئے کہ جن لوگوں کی طرف رجوع عالم

Maktaba Tul Ishaat.com

ہے یہ ان کی ضرورت کا ہے خواہ وہ حقیقت میں عالم ہوں یا نہ ہوں شیخ ہوں یا نہ ہوں مقتدا ہوں یا نہ ہوں مگر ان کی طرف مخلوق کا رجوع ہو خواہ کسی دینی سبب سے رجوع ہو یا دینوی سبب سے غرض جس کو مخلوق سے سابقہ زیادہ پڑتا ہو یہ مضمون اس کے کام کا ہے اس میں علماء ومشائخ ومقتدا بھی داخل ہیں اور حکام ورؤساء وامراء بھی داخل ہیں کیونکہ دوسرے طبقہ کے ساتھ بھی حوائج مخلوق وابستہ ہیں اتنا فرق ہے کہ پہلے طبقہ کے ساتھ دینی علاقہ سے مخلوق کا تعلق ہے اور دوسرے طبقہ کے ساتھ دینوی علاقہ سے وابستگی ہے۔ اس تقریر سے اجمالاً معلوم ہو گیا ہوگا کہ یہ مضمون بہت ضرورت کا ہے کیونکہ اس وقت مخاطب زیادہ تر وہ حضرات ہیں جن کی طرف رجوع عالم ہے۔

تعلق مع الخلق کے حدود

پس ان کو تعلق مع الخلق کی حدود کا معلوم ہونا ضرور ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ آج کل جن کی طرف مخلوق کا رجوع ہے ان میں باعتبار غیر ضروری تعلق رکھنے اور اس سے دلچسپی ہونے کے دو قسم کے لوگ ہیں ایک تو وہ جنکو مخلوق سے تعلق ہے اور تعلق میں انہماک بھی ہے مگر وہ بھی اس کو مستحسن نہیں سمجھتے گو مخلوق سے ملتے ہیں مگر دلی تقاضا یہ ہے کہ کسی طرح یکسوئی نصیب ہو ان کی حالت تو غنیمت ہے اور ان کی اصلاح بھی آسان ہے کہ اگر زیادہ تعلق کی قباحت ان کو بتلا دی جائے تو وہ جلدی مان لیں گے اور اگر تقلیل تعلق کا طریقہ ان کو بتلا دیا جائے تو وہ اس پر عمل کرنے کیلئے بھی تیار ہو جائیں گے کیونکہ اس تعلق کو وہ بھی مستحسن نہیں سمجھتے اور اس سے یکسوئی کے طالب ہیں صرف تدبیر نہ معلوم ہونے کی وجہ سے تقلیل نہیں کرتے اور ایک وہ لوگ ہیں جو تعلق مع الخلق کے ہر درجہ کو محمود اور مقصود اور دین سمجھتے ہیں انکی اصلاح ذرا دشوار ہے کیونکہ جس چیز کو انسان دین سمجھے ہوئے ہیں اس سے اس کو ہٹانا آسان نہیں بہت مشکل ہے دوسرے یہ لوگ عملی غلطی کے ساتھ علمی غلطی میں بھی مبتلا ہیں اور پہلا طبقہ صرف عملی غلطی میں مبتلا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ خطاء علمی خطاء عملی سے اشد ہے اور آج کل دوسری ہی قسم کے لوگ زیادہ ہیں۔ تعلق مع الخلق بعض صورتوں میں مامور بہ

Maktaba Tul Ishaat.com

ہے۔ میں اس وقت انہی کو اس غلطی پر متنبہ کرنا چاہتا ہوں جس میں وہ مبتلا ہیں اور منشا اس غلطی کا یہ ہے کہ تعلق مع الخلق بعض صورتوں میں دین بھی ہے اور مامور بہ بھی ہے مگر ان لوگوں نے اس کو حکم کلی اور عام بنالیا ہے۔ حالانکہ وہ واقع میں قیود کے ساتھ مقید ہے۔ اور یہ غلطی ایسی ہے جیسے ہم لوگوں نے یعنی اہل علم نے جواز غیبت کو عام کرلیا ہے۔ کیونکہ شریعت نے بعض وجوہ سے بعض مواقع پر اس کو جائز بھی کیا ہے اس کا کلیہ یہ ہے کہ جہاں کسی شخص کی حالت چھپانے سے دین کا یا دوسرے مسلمانوں کا یقیناً یا ظناً (جس سے ظن غالب مراد ہے) ضرر ہوتا ہو وہاں اس کی اصلی حالت ظاہر کردینا جائز ہے۔ اس میں محدثین کا روایت حدیث پر جرح کرنا اور مبتدع گمراہ کن کی بدعت کا ظاہر کرنا اور مستشار کو مستشار فیہ کی حالت کا مستشیر سے بیان کرنا اور مظلوم کا ظالم کی شکایت کرنا سب داخل ہے مگر عوام کو میں متنبہ کرتا ہوں کہ اس کلیہ کو وہ خود استعمال نہ کریں بلکہ جس کی وہ غیبت کرنا چاہیں اس میں پہلے علماء سے فتوی لیں اور عالم بھی ایسا ہو جو ایک درجہ میں مجتہد اور متدین ہو، اجتہاد سے میری مراد یہ نہیں کہ وہ قرآن و حدیث میں اجتہاد کرسکتا ہے بلکہ یہ مراد ہے کہ فقہاء کے اقوال کو واقعات پر صحیح طور پر منطبق کرسکتا ہو اور یہ اجتہاد ابھی ختم نہیں ہوا بلکہ قیامت تک باقی رہے گا اور تدین سے مراد یہ ہے کہ اغراض کا تابع نہ ہو (یہ حاصل مطلب کا بیان ہے لغت کا بیان نہیں) کیونکہ جو شخص غرض کا تابع ہوگا وہ جائز کو ناجائز اور ناجائز کو جائز کرنے کی کوشش کرے گا اور اہل علم کے تو یہ بائیں ہاتھ کا کھیل ہے چنانچہ ہم رات دن دیکھتے ہیں کہ مولوی جس کی غیبت کرنا چاہتے ہیں کھینچ تان کر اسے حد جواز میں لے آتے ہیں کہ ہماری نیت اس غیبت سے دوسرے کی تحقیر نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کی اصلاح مقصود ہے تاکہ اس کے شر سے محفوظ رہیں یا اس کے معتقد نہ ہوں وغیرہ ذلک مگر یہ سب تاویلیں دنیا ہی میں چل جاتی ہیں حق تعالیٰ کے سامنے ان کا چلنا دشوار ہے کیونکہ وہ عالم مافی الصدور ہیں۔ دل کی نیتوں کو خوب جانتے ہیں کہ تمہارا مقصود شفاء غیظ اور دوسرے کی تحقیر تھی یا مسلمانوں کی اصلاح کا قصد تھا۔

کارہا با خلق آری جملہ راست ☆ با خدا تزویر و حیلہ نے رواست

Maktaba Tul Ishaat.com

مخلوق کیساتھ تو تمام کام درست رکھتے ہو خدا کے ساتھ مکاری اور دھوکہ بازی کب جائز ہے۔

کاربا اوراست باید داشتن ☆ رایت اخلاص وصدق افراشتن

اس کے ساتھ کاموں کو ٹھیک رکھنا چاہیے سچائی اور خلوص کا جھنڈا گاڑنا چاہیے

تو جس طرح غیبت کو بعض مواقع میں جائز دیکھ کر ہم نے اس کو عام کرلیا اور اتنا عام کرلیا کہ اسی کو اوڑھنا اور بچھونا بنالیا ہے کہ کوئی مجلس ہماری غیبت سے خالی نہیں ہوتی اسی طرح تعلق مع الخلق کے بعض صورتوں میں مامور اور داخل دین ہونے سے ان حضرات نے دھوکہ کھایا کہ اس کو مطلقاً محمود اور دین سمجھنے لگے حالانکہ وہ کلیتاً محمود نہیں بلکہ بعض افراد اس کے مکروہ وناجائز ہیں اور بعض افراد خلاف اولی ہیں اور بعض افراد محمود ہیں۔

انتظار نماز بحکم نماز ہے

اس سے شاید بعض لوگوں کو خصوصاً ان کو جو تعلق مع الخلق کو مطلقاً محمود سمجھے ہوئے ہیں توحش ہوا ہوگا مگر توحش کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ تعلق مع الخلق تو اگر کسی صورت میں داخل دین ہے بھی تو مقصود بالغیر اور محمود بالغیر ہوکر ہے جیسا کہ آئندہ واضح ہوگا اور میں آپ کو دکھلاتا ہوں کہ جو اعمال مقصود بالذات اور محمود بالذات بھی ہیں انکے بھی سب افراد محمود نہیں ہیں مثلاً نماز ہی کو لیجئے جو محمود ومقصود بالذات ہے مگر اس کے بھی بعض افراد مکروہ وناجائز ہیں اور بعض خلاف اولیٰ ہیں اگر کسی پر پیشاب وپاخانہ کا تقاضا ہو تو اس دباؤ کی حالت میں اس کو نماز پڑھنا مکروہ ہے اور اس وقت بول وتغوط لازم ہے۔ تو کیا کسی وقت بول وتغوط کے مامور بہ ہونا اور نماز سے مقدم ہونا اس کو مقصود بالذات بنادے گا اور کیا آپ اس کو مقصود بالذات کہیں گے ہرگز نہیں بلکہ یہی کہا جائے گا کہ بعض جہات سے اور بعض عوارض کی وجہ سے مقصود بالغیر ہوگیا ہے فی نفسہ ہرگز مقصود نہیں اور وہ عارض کیا ہے جس کی وجہ سے تغوط نماز پر مقدم کیا گیا یہاں ضرور امام ابوحنیفہؒ جیسے فقہاء کی یہاں محض روایت کافی نہیں کہ محض راویوں کی طرح حدیث بیان کئے جائیں اور علل احکام میں نظر نہ کریں گو ایک مسلک یہ بھی ہے مگر مسلک منصور یہی ہے کہ احکام غیر تعبدیہ کی علل میں غور کیا جائے تو امام صاحب نے ایک حدیث میں یہ دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جب کھانا اور نماز

Maktaba Tul Ishaat.com

مجتمع ہو جائیں اور تم کو بھوک کا تقاضا ہو تو کھانے کو مقدم کرو اور بعض فقہاء نے فرمایا ہے اگر نماز پڑھنے میں کھانے کی لذت میں فرق آنے کا اندیشہ ہو مثلاً ٹھنڈا مٹی ہو جائے گا تو جب بھی تقدیم طعام کی اجازت ہے مگر اس مسئلہ کو عام طور پر بیان کرنے کو جی نہیں چاہتا کیونکہ آج کل اہل ہوی زیادہ ہیں۔ نہ معلوم وہ اس سے کہاں کہاں کام لیں گے بہرحال بعض وقت میں شریعت نے طعام کو صلوٰۃ سے مقدم کر دیا ہے امام صاحب سے اس کی وجہ میں منقول ہے۔ **لان یکون اکلی کله صلوة احب الی من ان یکون صلوتی کلها اکلا**، کہ میرا کھانا نماز بن جائے یہ اس سے اچھا ہے کہ نماز کھانا بن جائے۔ یعنی شریعت کا قاعدہ ہے کہ انتظار صلوۃ بحکم صلوٰۃ ہے تو جو شخص کھانا کھاتا ہو اور اس کا دل نماز کی فکر میں مشغول ہو تو وہ حکماً نماز ہی میں ہے اس طرح اس کا کھانا نماز بن گیا اور جو شخص نماز کی حالت میں کھانے کی فکر میں ہو تو وہ حکماً نماز کھانا بن جائے گی اس حکمت کی وجہ سے شریعت نے تقاضے بول و تغوط کے وقت قضاء حاجت کو نماز سے مقدم کیا اور نماز کو اس حالت میں مکروہ کہا ہے۔

سید الطائفہؒ حضرت حاجی صاحبؒ کے علوم کی شان

امام صاحب کے اس قول کی نظیر میں ہمارے حاجی صاحب کا بھی ایک ارشاد ہے گو یہ ایک صوفی متاخر کا قول ہے مگر ان کے علوم سلف کے مشابہ ہیں حضرت سے جب کوئی دریافت کرتا کہ میں مکہ مکرمہ میں اقامت کر لوں اس کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے تو فرماتے جس کا حاصل یہ تھا ہندوستان بودن و دل بمکہ بہ ازاں کہ بمکہ بودن و دل ہندوستان یعنی ہندوستان میں اس حال سے رہنا کہ دل مکہ کے اشتیاق میں ہو اس سے اچھا ہے کہ مکہ میں اس حال میں رہو کہ دل ہندوستان میں اٹکا ہوا ہو۔ مطلب یہ تھا کہ مکہ میں قیام کا اس وقت ارادہ کیا جائے جبکہ یہ حالت نصیب ہو جائے کہ یہاں رہ کر پھر ہندوستان یاد نہ آئے گا اور جس کو یہ حال نصیب نہ ہو اس کیلئے ہندوستان میں قیام کرنا اور مکہ کی یاد میں تڑپتے رہنا ہی بہتر ہے کیونکہ اس شخص کو جب یہ حال نصیب نہیں تو اندیشہ سقوط حرمت کعبہ کا ہے کہ مکہ میں قیام کرنے سے اس کو کعبہ کے ساتھ ضعف تعلق کی حالت ہو جائے کہ

Maktaba Tul Ishaat.com

اب نظر میں پہلی سی عظمت ووقعت نہ رہے۔اسی حکمت کی وجہ سے حضرت عمرؓ کی عادت تھی کہ حج کے بعد لوگوں کو مکہ سے نکالتے تھے اور فرماتے تھے یااھل الشام شامکم ویااھل الیمن یمینکم الخ اے شام والو! تم شام کو جاؤ اور اے اہل یمن تم یمن کو سدھارو (اور فرماتے ھذا اتقی لحرمۃ البیت فی قلوبھم اونحوہ، کہ اس سے ان کے قلوب میں حرمت بیت زیادہ بڑھے گی) تو دیکھئے حالانکہ فی نفسہ قیام حرم افضل واولیٰ اور محمود ومقصود ہے مگر ایک عارض کی وجہ سے ہندوستان ویمن وشام میں رہنا مامور بہ ہوگیا اور بعض حالات میں قیام حرم سے بھی مقدم ہوگیا ان سب مثالوں سے یہ معلوم ہوگیا ہوگا کہ کسی عارض کی وجہ سے مقصود بالغیر کبھی مقصود بالذات سے بھی مقدم ہوتا ہے مگر وہ مقصود بالذات نہیں بن جاتا صرف تقدم زمانی ہوجاتا ہے اور یہ طفرہ ہے کہ شئی متاخر بدون معیت کے اپنے متقدم سے مقدم ہوگئی مگر اس سے انقلاب حقیقت نہیں ہوتا کہ مقصود بالغیر مقصود بالذات اور مقصود بالذات مقصود بالغیر ہوجائے ہرگز نہیں کیونکہ انقلاب حقیقت بلا دلیل بلکہ خلاف دلیل ہے جس طرح حکماء حرکت اجسام میں طفرہ کے قائل ہوئے ہیں اسی طرح یہ معانی میں طفرہ ہے یہ اسی طرح تعلق بالخلق مقصود بالذات نہیں ہے بلکہ مقصود بالغیر ہے اور کبھی کبھی جو کسی عارض کی وجہ سے مقصود بالذات پر اس کی قدیم کا امر ہوا ہے۔

آیت متلو کا مدلول

اسی سے بعض اہل علم کو اس میں مقصودیت ذاتیہ کا شبہ ہوگیا ہے اور وہ اس کو عین دین سمجھنے لگے چنانچہ اب اس غلطی کی وجہ سے عام حالت یہ ہے کہ نماز روزہ سے فارغ ہوئے اور تعلق بالخلق میں مشغول ہوگئے فاذا فرغت فانصب، کی تفسیر کو بالکل الٹ دیا گیا کہ حکم تو یہ تھا کہ مخلوق کے کام سے فارغ ہوکر تعلق بالحق میں زیادہ مشغول ہونے کی کوشش کی جائے اور یہاں حالت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے فارغ ہوکر تعلق بالخلق میں مشغول ہونے کی کوشش ہے آیت کا مدلول تو یہ تھا کہ اشتغال بالحق کے لئے مخلوق سے فراغ ڈھونڈا جائے اور ہماری حالت یہ ہے کہ اشتغال بالخلق کے لئے حق سے فراغ کو ڈھونڈھتے ہیں پہلی حالت کا مقتضا یہ تھا کہ تعلق بالخلق میں دلچسپی نہ ہوتی بلکہ مخلوق کے ساتھ اشتغال

Maktaba Tul Ishaat.com

کے وقت میں یہ بے چینی ہوتی کہ جلدی سے ان سے فارغ ہو کر سارا وقت خدا کیساتھ تعلق بڑھانے میں صرف کیا جائے اور دوسری حالت کا اثر یہ ہے کہ ہم نماز روزہ سے ذکر و تلاوت سے جلدی جلدی فارغ ہونے کی کوشش کرتے اور باقی سارے وقت میں اشتیاق و دلچسپی کیساتھ تعلق خلق میں مشغول ہو جاتے ہیں بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کہ عین نماز میں بھی تعلق بالخلق کا دھیان لگا رہتا ہے۔

قرآن پاک کی قصر آیات

اسی لئے نماز میں چھوٹی چھوٹی سورتیں قل ھو اللہ احد (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمادیں کہ وہ اللہ ایک ہے) انا اعطیناک الکوثر (بے شک ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوثر عطا فرمایا) پڑھتے ہیں یہ بھی اللہ تعالیٰ کی ہمارے حال پر رحمت وعنایت ہے کہ قرآن میں چھوٹی چھوٹی سورتیں بھی نازل فرمادیں تاکہ فاتحہ کے بعد جو ایک سورت واجب ہے اور وہ جب چھوٹی سورتوں کے پڑھنے سے بھی ادا ہو جائے پھر امام ابوحنیفہؒ کو دعا دو کہ انہوں نے اپنے اجتہاد سے یہ مسئلہ مستنبط کیا کہ فاتحہ کے بعد سورت ہی کا پڑھنا ضروری نہیں بلکہ تین آیات بھی کافی ہیں۔ کیونکہ اقصر سورت کی آیات تین ہی ہیں پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ تین آیات انا اعطینا کی آیات کی برابر ہی ہوں بلکہ اقصر آیات بھی کافی ہے پھر اللہ تعالیٰ فقہاء متاخرین کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے سارے قرآن کی آیات کو دیکھ کر سورۃ مدثر کی تین آیتیں تلاش کیں جو بہت چھوٹی چھوٹی ہیں جن کے اٹھارہ ہی حرف ہیں اور انہوں نے فتوی دے دیا کہ فاتحہ کے بعد اٹھارہ حرفوں کی مقدار قرآن پڑھنے سے واجب ادا ہو جائے گا چاہے پوری آیت بھی نہ ہو بلکہ آیت کا جزو ہی ہو شاید اب تو بعضوں کو انا اعطینا میں بھی دو رکعتیں کرنے کا خیال ہوا ہوگا۔ بعض جہل بھی نافع ہے لوگوں کو اب تک اس مسئلہ کی خبر نہ تھی اس لئے وہ انا اعطینا سے کم میں نماز کو صحیح نہ سمجھتے تھے مگر اب تو علم ہو گیا شاید اب اس سے بھی کم کی نیت ہوئی ہوگی لیکن ہمارا کیا حرج ہے ممکن ہے اس سہولت کو سن کر کوئی بے نماز نماز ہی پڑھنے لگے کہ یہ تو بہت آسان چیز ہے اس میں تو وقت بھی زیادہ نہیں لگتا اور فقہاء نے ایسے ہی لوگوں کی رعایت سے اتنی محنتیں کی ہیں

Maktaba Tul Ishaat.com

تا کہ اگر کوئی لمبی نماز سے گھبراتا ہو تو اسے بتلا سکیں کہ فرض وواجب کا ادا ہونا تطویل پر موقوف نہیں وہ تو اختصار سے بھی ادا ہو سکتا ہے اور بعض دفعہ اختصار کی ضرورت بھی ہوتی ہے کہ اس وقت تطویل مکروہ ہو جاتی اور اختصار ہی مطلوب ہوتا ہے مثلاً نماز کا وقت تنگ ہو گیا ہو تو اب لازم ہے کہ فرائض واجبات ہی پر اکتفا کیا جائے اور سنن کو حذف کیا جائے۔

حضرت امام اعظمؒ اور امام ابو یوسفؒ کی حکایت

میں نے ایک معتبر عالم سے سنا ہے کہ ایک دفعہ امام ابو حنیفہؒ وامام ابو یوسفؒ سفر میں تھے۔ اونٹ کی سواری تھی جو بہت آرام کی سواری ہے۔ کچھ تو آرام ملنے کی وجہ سے کچھ تعب سفر کی وجہ سے سواری ہی کی حالت میں نیند کا ایسا غلبہ ہوا کہ صبح دیر میں آنکھ کھلی پہلے میں اس سے بہت ڈرا کرتا تھا کیونکہ بچپن میں ایک بار اس پر سوار ہوا تھا تو وہی تصور ذہن میں تھا کہ وہ بہت لمبا تھا اور میں بہت چھوٹا تھا گو اب وہ تصور تو عقلاً نہ رہا مگر اس کا اثر یعنی خوف طبعاً باقی تھا مگر جب میں سفر سندھ میں گیا اور بعض مقامات میں اونٹ کی سواری تجویز کی تو میں نے اول انکار کیا کہ مجھے تو اس سے ڈر لگتا ہے انہوں نے کہا آپ سوار ہو کر تو دیکھیں یہ تو بہت آرام کی سواری ہے اس وقت میں انکے کہنے سے سوار ہوا تو میرا خوف زائل ہو گیا اور معلوم ہوا کہ واقعی بہت آرام کی سواری ہے غرض کچھ تو سواری آرام کی تھی اور کچھ سفر میں وقت پر سونے کا موقع نہیں ملتا اس لئے ان حضرات کی آنکھ صبح کو دیر میں کھلی جلدی سے اتر کر وضو کیا اور امام صاحب نے اپنے شاگرد امام ابو یوسفؒ کو نماز میں آگے بڑھا دیا انہوں نے اپنے اجتہاد سے کام لے کر نماز میں بہت اختصار کیا کیونکہ وقت بہت کم رہ گیا تھا راوی کو یہ یقینی یاد تھا کہ انہوں نے سنن کو ترک کر دیا اور اس میں شبہ بیان کیا تھا کہ واجبات کو بھی ترک کیا اور محض فرائض ہی پر اکتفا کیا تھا یا واجبات ترک نہیں کئے غرض بہت ہی جلدی دو رکعتیں پڑھ کر سلام پھیر دیا اور دل دل میں ڈر رہے تھے کہ امام صاحبؒ نماز کے بعد دیکھئے اس تعجیل سے خفا نہ ہوں مگر امام صاحب نے نماز کے بعد فرمایا **الحمدللہ صار یعقوبنا فقیہا**، خدا کا شکر ہے کہ ہمارا یعقوب (امام ابو یوسفؒ کا نام ہے) فقیہ ہو گیا، جس فعل سے ان کو گرفت کا اندیشہ تھا اسی نے ان کو استاد کی زبان سے فقیہ کا خطاب دلوا دیا اور جس کو امام

Maktaba Tul Ishaat.com

ابوحنیفہ فقیہ کہہ دیں سمجھ لو وہ کس درجہ کا فقیہ ہوگا میں اسی کو بیان کر رہا تھا کہ بعض دفعہ اختصار ہی مطلوب ہو جاتا ہے اور تطویل مکروہ ہو جاتی ہے اور اس کی رعایت کرنا فقیہ ہی کا کام ہے ۔نرا صوفی اس کی رعایت نہیں کر سکتا اور جاہل تو بھلا کیا خاک رعایت کریں گے چنانچہ بہت لوگ طلوع آفتاب سے پہلے اٹھ جاتے ہیں۔ مگر علم نہ ہونے کی وجہ سے نماز کو قضاء کر دیتے ہیں ان کی تو نیت ہی اتنی دیر میں بندھتی ہے کہ جاننے والا اس میں ایک رکعت پڑھ لے۔

امامت میں کون افضل ہے

ایک دفعہ میں شاہ جانپور میں گیا تھا واپسی کے وقت اسٹیشن پر مغرب کی نماز پڑھی جو عین گاڑی آنے کا وقت تھا۔ مجمع میں ایک قاری صاحب بھی تھے میں نے ان کو امامت کیلئے آگے کیا کیونکہ حدیث میں ہے یؤم القوم اقراھم (سنن ابی دانود ۵۸۲، سنن النسائی ۲ : ۷۶) (لوگوں کی امامت وہ کرے جو ان میں قرآن پاک زیادہ قرأت سے پڑھتا ہو) مگر اس بندہ خدا نے قرأت میں ترتیل سے بڑھ کر ترسیل شروع کر دی اس وقت میری طبیعت کو بہت الجھن ہوئی اور بار بار یہ خیال ہوتا تھا کہ اب گاڑی آئی بڑی وقت سے نماز پوری کی خیر شکر ہے کہ گاڑی آنے سے کچھ پہلے ہی ختم ہوگئی تھی۔ اس دن میں سمجھا کہ امام صاحب نے جو اقراھم کی تفسیر اعلمھم (ان میں زیادہ مسائل کا علم رکھنے والا ہو) سے کی ہے واقعی وہ صحیح سمجھے ہیں کہ نماز میں اعلم ہی کو امام بنانا چاہیے۔ (گو اقراء نہ ہو مگر بقدر ضرورت صحیح قرآن پڑھتا ہو) نرا قاری تو بعض دفعہ نماز کو فاسد کر دے گا۔ اب نرے صوفیوں کی حالت سنیئے۔ ایک دفعہ ایک بزرگ کے ساتھ میرا سفر ہوا بہلی کا سفر تھا راستہ میں مغرب کا وقت آ گیا۔ بہلی ٹھہرا کر نماز مغرب پڑھی میں تو فرض کے بعد دو سنتیں پڑھ کر کھڑا ہو گیا اور ان بزرگ نے ایسی صلوۃ الاوابین شروع کر دی جو میرے لئے ایسی صلوۃ الاوابین ہوگئی کہ آئندہ کے لئے میں نے ایسے بزرگوں کے ساتھ سفر کرنے سے توبہ کر لی یہ وقت صلوۃ الاوابین کا تھا کہ راستہ میں رات ہوگئی اور ساتھیوں کو پریشانی ہو رہی ہے ادھر گاڑی بان کو جلدی ہے کہ کس طرح بیلوں کو منزل پر پہنچ کر جلدی سے گھاس دانہ مل جائے پھر رات کو سفر میں بھی خطرہ ہوتا ہے اور وہ مقام خطرہ کا مشہور بھی تھا اور یہ حضرت اپنی صلوۃ الاوابین کی وجہ سے سب کو باندھے ہوئے ہیں ایک دوسرے بزرگ کے سفر کا واقعہ ایک

Maktaba Tul Ishaat.com

شخص نے مجھ سے بیان کیا کہ راستہ میں ظہر کا وقت آ گیا ہمراہی نماز سے فارغ ہو کر تیار ہو گئے مگر وہ بزرگ مصلیٰ سے نہ اٹھے ان سے کہا گیا تو جواب دیا کہ میں تو ظہر کے بعد عصر تک مصلیٰ ہی پر بیٹھ کر وظیفہ پڑھا کرتا ہوں اب ایک شخص کی وجہ سے سب ساتھیوں کو دو تین گھنٹہ تک مقید رہنا پڑا اور دل میں سب تنگ تھے۔ تو ایسے مواقع پر تطویل کرنا تو جہالت ہے مگر اطمینان و اقامت کی حالت میں زیادہ اختصار کرنا اچھا نہیں۔

تعلق مع الخلق مقصود بالذات نہیں

لیکن ہم لوگ اختصار کے ایسے عادی ہوئے ہیں کہ ہمیشہ قل ھو اللہ اور انا اعطینا ہی سے نماز پڑھتے ہیں اور یوں چاہتے ہیں کہ جلدی نماز سے فارغ ہو کر دوستوں کے ساتھ بات چیت میں مشغول ہوں جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہم نے تعلق بالخلق کو مقصود بالذات اور مطلوب سمجھ لیا ہے پس خوب سمجھ لو کہ تعلق مع الخلق مقصود و مطلوب بالذات نہیں ہے گو بعض دفعہ کسی عارض کے سبب مطلوب و مامور بہ ہوتا ہے اور کبھی مطلوب بالذات سے مقدم بھی ہو جاتا ہے مگر اس کو قاعدہ کلیہ بنا لینا سخت غلطی ہے بلکہ اس کے سمجھنے کیلئے اجتہاد کی ضرورت ہے محض کتابیں پڑھ لینا کافی نہیں۔

نہ ہر کہ چہرہ برافروخت دلبری داند ☆ نہ ہر کہ آئینہ دارد سکندری داند

ہزار نکتہ باریکتر مو ایں جاست ☆ نہ ہر کہ سر بتراشید قلندری داند

جس نے اپنے چہرہ کو روشن کیا وہ دلبری کے لائق نہیں ہر آئینہ رکھنے والے کو سکندر نہیں کہہ سکتے اس جگہ ہزار نکتہ بال سے باریک ہیں ہر وہ شخص کہ سر منڈا لے قلندر نہیں بن سکتا۔

نوجوان علماء کو ایک ضروری نصیحت

اس لیے میں نوجوان مولویوں سے کہا کرتا ہوں کہ گو تم عالم ہو گئے ہو اور تمہاری معلومات بھی تازہ ہیں اور پرانے مولویوں سے زیادہ بھی ہیں کیونکہ جوانوں کا حافظہ اچھا ہوتا ہے مگر پھر ابھی تک تم کو اس کی ضرورت ہے کہ کسی بڈھے کے پاس رہو جبھی تم کو معانی حاصل ہوں گے۔ کیونکہ بزرگوں کی صحبت میں رہنے سے ان کی فہم صائب ہو چکی ہے اور اگر کسی

Maktaba Tul Ishaat.com

نوجوان کو معانی بھی الفاظ کے ساتھ القا ہوتے رہتے ہوں تو اس کو بھی کسی کامل کی شہادت کی ضرورت ہے بدون کسی کامل کی شہادت کے اپنے آپ کو مجتہد سمجھنے کا اسے بھی حق نہیں صائب نے خوب کہا ہے۔

بنمائے بصاحب نظرے گوہر خود را ☆ عیسیٰ نتواں گشت بتصدیق خرے چند

ترجمہ: اپنے موتی کو کسی نظر والے کو دکھلا چند بیوقوف لوگوں کے کہنے سے عیسیٰ نہیں بن سکتا۔

یہ شعر اس شخص پر بہت اچھا صادق ہو رہا ہے جس نے چند گدھوں کی تصدیق سے عیسیٰ ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ بہر حال اگر کسی کو الفاظ کے ساتھ معانی کا بھی القا ہوتا ہو تو اسے بھی از خود اپنے اجتہاد کا معتقد ہو جانا جائز نہیں جب تک کوئی مجتہد اس کے اجتہاد پر شہادت نہ دے دے اور کامل کی شہادت کے بعد اسے اپنی فہم کو موقع فہم میں حجت سمجھنا جائز ہوگا اور یہ تکبر میں داخل نہ ہوگا بلکہ اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی بی اے اپنے کو بی اے سمجھے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ بعضے انگریزی پڑھنے والے لیاقت و استعداد میں اپنے اساتذہ سے بڑھ جاتے ہیں مگر پھر بھی وہ بی اے خود نہیں ہو سکتے جب تک کوئی مبصر شہادت نہ دے۔ حالانکہ وہاں کبھی مبصر خائن بھی ہوتا ہے پھر بھی اس کی شہادت سے آپ بی اے ہو جاتے ہیں اور اپنے کو بی اے سمجھنے لگتے ہیں اور اگر وہ شہادت نہ دے تو چاہے آپ کتنے ہی لائق و فاضل ہوں مگر بی اے فیل ہی رہیں گے تو جہاں مبصر متدین ہو وہاں اس کی شہادت سے اپنے کو مجتہد سمجھنا کیونکر جائز نہ ہوگا۔

تکبر کی حقیقت

دوسری نظیر اس سے بہتر یہ ہے کہ جیسے حافظ کو اپنے حفظ کا اعتقاد جائز ہے ایسے ہی اس شخص کو اپنے اجتہاد کا اعتقاد جائز ہے۔ اور یہ تکبر نہیں بلکہ تکبر یہ ہے کہ اپنی صفات حمیدہ کو اپنا کامل سمجھے عطاء و فضل حق پر نظر نہ کرے۔ اور دوسروں کو حقیر سمجھے۔ باقی اپنی صفات کی نفی کرنا تواضع نہیں ہے آلہ آباد میں ایک بزرگ محمدی شاہ تھے جو ولایتی تھے اسی لئے ان کی زبان کھڑی تھی۔ ایک میرے دوست بیان کرتے تھے جو حافظ اور حاجی بھی تھے کہ میں ان کی

Maktaba Tul Ishaat.com

خدمت میں ایک شخص کے ساتھ گیا جن کو محمدی شاہ صاحب پہلے سے پہچانتے تھے۔ شاہ صاحب نے ان سے پوچھا یہ کون صاحب ہیں اس شخص نے کہا کہ حضرت ان کا یہ نام ہے اور یہ حافظ بھی ہیں اور حاجی بھی ہیں اور بہت نیک ہیں اس پر وہ حافظ صاحب بولے نہیں حضرت میں تو کچھ بھی نہیں اس لفظ پر محمدی شاہ صاحب برہم ہو گئے اور جھلا کر فرمایا تو اچھا تم حافظ نہیں تم یہ چاہتا ہے کہ تمہارا حفظ سلب ہو جائے۔ تمہارا حج ضبط ہو جائے اور تمہارا نماز روزہ خبط ہو جائے کہا نہیں فرمایا۔ پھر یوں کیوں کہتے ہو کہ میں تو کچھ بھی نہیں تم ناشکرا ہے اور اس کے بعد جب کبھی یہ حافظ صاحب ان سے لئے تو فرماتے آؤ ناشکرا مجھے یہ بات ان کی بہت پسند آئی کہ انہوں نے بتلا دیا کہ تواضع کے یہ معنی نہیں کہ خدا تعالیٰ نے جو نعمتیں عطا فرمائی ہیں ان کی اپنے سے نفی کرے بلکہ معنی یہ ہیں کہ ان کو اپنے کمال سے نہ سمجھے محض فضل و رحمت سمجھے پس اب میرا قول واضح ہو گیا کہ کامل کی شہادت کے بعد اپنے اجتہاد کا اعتقاد جائز ہے اور (۱۰) اس کے جائز نہیں مگر اب یہ حالت ہے کہ لوگ محض اپنے خیال اجتہاد سے تعلق مع الخلق کو مطلقاً محمود و مقصود سمجھتے ہیں حالانکہ یہ کلیہ غلط ہے بلکہ بعض دفعہ عارض کی وجہ سے مقصود بالغیر ہو جاتا ہے۔ اب میں آپ کو ایک معیار بتلاتا ہوں جس سے معلوم ہو جائے گا کہ تعلق مع الخلق کو مطلوب کون سمجھتا ہے اور کون نہیں سمجھتا اور وہی تعلق مع الخلق کے محمود و مذموم ہونے کا معیار بھی ہے وہ یہ کہ اگر کسی کو دوستوں کے ساتھ باتوں میں مشغول ہونے سے دلچسپی نہ ہو بلکہ اس سے اس کا جی گھبراتا ہو اور نماز و ذکر میں مشغول رہنے کو جی چاہتا ہو اور باتوں میں مشغول ہوتے ہوئے یہ تقاضا ہو کہ جلدی سے بات ختم ہو تو میں اللہ کی یاد میں لگوں تو یہ شخص واقعی تعلق مع الخلق کو مطلوب نہیں سمجھتا اور اس کے لئے اس تعلق کو مذموم نہ کہا جائے گا اور جس شخص کا نماز میں یہ جی چاہتا ہو کہ جلدی نماز سے فارغ ہو کر دوستوں سے باتیں کریں اور ان کی باتوں کی وجہ سے اپنے معمولات کا ناغہ کر دیتا ہو کہ نہ اشراق ہے نہ تہجد ہے نہ ذکر ہے نہ تلاوت ہے ان کی وجہ سے محض فرائض پر اکتفا کرتا ہے اور اس سے بھی جلد

Maktaba Tul Ishaat.com

فارغ ہونے کا تقاضا ہے تو یہ شخص تعلق مع الخلق کو مطلوب سمجھتا ہے اور اس کیلئے یہ تعلق مذموم ہے۔ یہ ہے معیار اس کو یاد رکھیں گے مگر بلی کے بھاگو چھینکا ٹوٹا ان لوگوں کو بعض بزرگوں کی کچھ حکایات پہنچی ہیں اور اس کے ساتھ چند کتابیں بھی پڑھ لی ہیں اس لئے ہر بات میں تاویل کرتے ہیں اور اپنے فعل کو بزرگوں کے فعل پر قیاس کر کے سرخرو بنتے ہیں۔

نوچندی کا میلہ

تاویل تو طالب علمی ہی کے وقت سے ان کی گھٹی میں پڑ جاتی ہے مجھے خود اپنا واقعہ یاد ہے جب میں دیوبند پڑھتا تھا۔ اس وقت والد صاحب میرٹھ میں لال کرتی والوں کے یہاں ملازم تھے۔ تعطیل کے موقعہ پر میں اکثر میرٹھ ہی چلا جایا کرتا تھا چنانچہ میں ایک دفعہ تعطیل کے زمانہ میں میرٹھ آیا تو اس وقت نوچندی کا میلہ تھا۔ پہلے تو یہ عرس تھا کسی بزرگ کا مگر اب بازار ہو گیا ہے۔ اور بازار بھی انگریزی اس وقت میرا بچپن تھا سیر کی غرض سے میں نوچندی میں چلا گیا اور اب تو پچپن سالہ میں ہوں مگر اب بھی یہ حال ہے۔

چہل سال عمر عزیزت گذشت ☆ مزاج تو از حال طفلی نگشت

تیری پیاری عمر کے چالیس سال گزر گئے تیرے مزاج میں اب بھی لڑکپن باقی ہے۔

بلکہ دوسرے شعر کا مصداق ہے۔

اے کہ پنجاہ رفت و در خوابی ☆ مگر ایں پنج روز دریابی

اے وہ شخص کہ تیری عمر کے پچاس برس گزر گئے اور تو سو ہی رہا ہے شاید موجودہ پانچ روز پالیوے۔

بہرحال اس وقت میری بہت تھوڑی عمر تھی ابتدائی کتابیں یا متوسطات پڑھتا تھا۔ جب میں نوچندی سے واپس آیا تو رئیس صاحب نے جو مجھ سے بہت محبت کرتے تھے جتلانے کیلئے پوچھا کیوں مولوی صاحب نوچندی میں جانا کیسا ہے۔ مولوی کا خطاب بھی مولویوں کو طالب علمی ہی سے مل جاتا ہے۔ میزان پڑھنے والا بھی مولوی کہلاتا ہے میں سمجھ گیا کہ یہ سوال مجھ پر اعتراض کرنے کیلئے کیا گیا ہے تو میں نے جواب دیا کہ عوام کو تو ناجائز ہے

Maktaba Tul Ishaat.com

مگر ایسے شخص کو جائز جو کبھی مقتدا ہونے والا ہے اور وہ تحقیق حال کی غرض سے جاتا ہے تاکہ بعد میں جب عوام کو اس سے منع کرے تو اس کے قبائح و منکرات ان کے سامنے بیان کر سکے۔ رئیس صاحب کہنے لگے کہ مولوی جو کام بھی کرتے ہیں اس کو عبادت بنا لیتے ہیں تو یہ بھی تاویل تھی کیونکہ طالب علمی ہی سے ہم لوگوں کو تاویل کا مرض ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اب بھی بعض لوگ اپنی حالت میں تاویلیں کرتے ہیں اور اپنے کو بزرگوں پر قیاس کرتے ہیں اور ان کی حکایات کو اپنی تائید میں بیان کر دیتے ہیں کہ وہ بھی تو تعلق مع الخلق کا اہتمام فرماتے اور دوسروں کی خاطر سے اپنے معمولات کو ناغہ کر دیتے تھے۔

دوسروں کی دلجوئی بھی عبادت ہے

مثلاً حضرت حاجی صاحبؒ کی ایک حکایت میں نے اپنے بچپن کے استاد سے سنی ہے کہ ایک دفعہ وہ دیر تک حضرت حاجی صاحبؒ کے پاس بیٹھے رہے پھر اٹھتے ہوئے عرض کیا کہ حضرت آج میں نے حضرت کی عبادت کا بہت حرج کیا تو فرمایا کیا عبادت صرف نفلیں ہی پڑھنے کا نام ہے دوستوں کی دلجوئی اور ان کے ساتھ باتیں کرنا بھی تو عبادت ہے۔ یہ حکایت ہم لوگوں کے لئے مضر ہو گئی کہ ہم اپنی حالت کو بھی حاجی صاحب کی حالت پر قیاس کر کے دوسروں کی دلجوئی کو مطلقاً عبادت سمجھنے لگے اور اس کیلئے اپنے معمولات کو برباد کرنے لگے۔ صاحبو! حضرت حاجی صاحب کی حالت کو دوسرے واقعات سے سمجھو کہ وہ کس مقام پر تھے کیونکہ واقعات ہی سے قلبی حالت کا پتہ چلتا ہے۔ چنانچہ ایک بار حضرت کی مجلس میں تذکرہ ہو رہا تھا کہ جمعہ و عید کے دن عطر کس نیت سے لگانا چاہیے۔ ہر ایک نے مختلف وجوہ بیان کئے۔ حاجی صاحب نے فرمایا کہ ہم تو اس نیت سے لگاتے ہیں کہ اللہ میاں کو اچھے لگیں۔ یہ بات میں نے اور کسی بزرگ کے کلام میں نہیں دیکھی۔ مگر آج کل ہی ایک حدیث سے اس مضمون کی تائید ملی جس کی تخریج عراقی نے کی ہے جس میں من تطیب اللہ (المغنی عن حمل الأسفار للعراقی ۳۵۳:۴) وارد ہے کہ جو اللہ کے واسطے خوشبو لگائے (اس کیلئے اجر ہے جو حدیث میں مذکور ہے) گو اس کی تفسیر میں اختلاف

Maktaba Tul Ishaat.com

ہوسکتا ہے کوئی یہ تاویل بھی کرسکتا ہے۔من تطیب لامتثال امر اللہ ونحوہ مگر ظاہر حدیث حاجی صاحب کے قول کا موید ہے اس سے میرا بڑا جی خوش ہوا حضرت کے ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ کا علم واقع کے مطابق ہے اور عطر واقع میں اچھی چیز ہے تو علم الٰہی میں بھی یہ اچھی شے ہے تو ہم اس واسطے لگاتے ہیں تا کہ اللہ میاں کو اچھے لگیں۔

تمام عالم کو مراۃ جمال حق سمجھنا

یہاں سے حضرت کی حالت کا پتہ چلتا ہے کہ حضرت کی نظر ہر چیز پر حضرت حق کے بعد ہی پڑتی تھی۔یعنی ہر چیز سے اول حضرت حق پر نظر پہنچتی تھی۔پھر اس چیز پر نظر پڑتی تھی۔تمام عالم حضرت کے لئے مراۃ جمال حق تھا پھر حضرت کے جو مجاہدات منقول ہیں ان کو بھی دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ آپ نے محبت حق کے لئے کیا کیا محنتیں برداشت فرمائی ہیں۔دنیا سے کس قدر اعراض فرمایا ہے۔تو جو شخص دنیا سے اس درجہ نفور ہو ظاہر ہے کہ دوستوں کی دلجوئی میں اس کی نیت دنیا کے لئے تو کبھی نہیں ہوسکتی بلکہ محض رضا حق مطلوب تھی۔اب جو لوگ اپنے کو حضرت پر قیاس کرتے ہیں وہ اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں تو کیا ان کو بھی دنیا سے اس درجہ نفرت ہے اور کیا ذات حق کے سوا ہر چیز سے ان کی نظر اٹھ گئی ہے اگر یہ بات نہیں تو پھر یہ قیاس مع الفارق کیسا؟ حضرت کی ایک حکایت سنئے ایک مرتبہ حضرت حاجی صاحب کے یہاں مثنوی کا درس ہو رہا تھا اسی وقت ایک سائل آیا اور حضرت کی تقریر منقطع ہوگئی۔کسی نے کہا لوگ کیسے بیوقوف آتے ہیں حضرت نے فرمایا خبردار! سائل سے کبھی تنگدل نہ ہونا یہ تو محسن ہیں ہمارے لئے حمال اثقال ہیں کہ ہمارا بوجھ اٹھا کر آخرت میں پہنچاتے ہیں اگر یہ لوگ نہ ہوں تو ہمارے صدقات آخرت میں کسی طرح نہ پہنچ سکیں اس میں اشارہ تھا اس حدیث کی طرف جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آخر زمانہ میں مال کی اس قدر کثرت ہوگی کہ آدمی اپنے صدقہ کو لئے لئے پھرے گا اور کوئی اسے قبول نہ کرے گا کیونکہ کوئی فقیر ہی نہ ہوگا ہر شخص یہ جواب دے گا کہ اگر پہلے آتے تو میں قبول کر لیتا باقی اب تو خدا نے مجھے غنی کر دیا ہے اب بتلایئے اس وقت کیا حال

Maktaba Tul Ishaat.com

ہوگا اور جولوگ صدقہ کرنا چاہیں گے اور کوئی قبول کرنے والا نہ ملے گا تو ان کے دل پر کیا گزرے گی۔ اس لئے ہم کو سائلوں کا احسان مند ہونا چاہیے کہ جب تک یہ موجود ہیں اس وقت تک ہم کو صدقات کے پہنچانے میں سہولت ہے۔ اب اگر وہ قبول صدقہ کے عوض میں ہم سے کچھ اجرت بھی مانگیں تو بجا ہے۔

بعض پیرزادوں کی حکایت

جیسا کہ بعض پیرزادوں کی حکایتیں سنی ہیں کہ جو کوئی ان کی دعوت کرتا ہے تو دعوت کے بعد وہ دانت گھسائی بھی لیتے ہیں چنانچہ ایک پیرزادے سے ڈھاکہ کے ضلع میں ایک مقام پر جس کا نام زنجیرا ہے پہنچے اور وہاں جا کر زنجیر ہوس میں جکڑے گئے۔ کیونکہ وہاں ان کے باپ کے مرید تھے خود ان کے مرید بھی تھے خیر وہ ایک رئیس کے یہاں مہمان ہوئے اس نے چلتے ہوئے پچاس روپے پیش کئے آپ نے وہ پھینک دیئے اور کہا کیا ہم پچاس کے لائق ہیں۔ اس نے معذرت کی کہ میں اس وقت زیادہ پیش کرنے سے مجبور ہوں مگر اس نے ایک نہ سنی آخر کار دو سو پر صلح ہوئی۔ یہ دانت گھسائی تھی خیر اب تو سب لوگ اس حرکت پر ملامت و نفریں کرتے ہیں لیکن اگر حضرت کا قول ان کے بیان میں پڑ گیا کہ یہ لوگ حمال اثقال ہیں تو ان کو ایک حجت مل جائے گی مگر خاک حجت نہیں کیونکہ اگر کوئی یہ حجت پیش کرے گا تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ ابھی ایسے حمال اثقال بہت موجود ہیں جو بلا اجرت کے ہمارے اثقال کو اپنے اوپر لاد کر پہنچا سکتے ہیں۔ جب مفت پہنچانے والے نہ رہیں گے اس وقت آپ کو دانت گھسائی بھی دے دیں گے۔ بہر حال حضرت کا یہ مقصود نہ تھا کہ سائلوں کو متصدقین کا شکر گزار ہونے کی ضرورت نہیں اور سائل اپنے کو محسن سمجھیں بلکہ مقصود صرف یہ تھا کہ اغنیاء سائلوں کو حقیر نہ سمجھیں اور ان سے تنگ دل نہ ہوں۔ اس لیے یہ راز بیان فرمایا کہ یہ لوگ حمال اثقال ہیں بتلایئے یہ حقیقت کبھی آپ کے ذہن میں بھی آئی ہے اور حضرت کے ہر وقت یہ حقائق پیش نظر تھے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کو ہر وقت آخرت ہی پیش نظر تھی۔

Maktaba Tul Ishaat.com

جوتا گھسائی کا لطیفہ

دانت گھسائی پر ایک لطیفہ جوتا گھسائی کا یاد آ گیا جو اگر چہ مقام کے مناسب نہیں مگر یاد آ گیا اس لیے استطر اداً بیان کیے دیتا ہوں ایک بخیل نمازی بہت تھا اور اکثر بخیل لوگ نمازی بہت ہوتے ہیں۔ شاید اس لئے تا کہ بخل کا عیب کمال عبادت سے مخفی ہو جائے۔ اور لوگ معتقد رہیں تو اس بخیل کی عادت تھی کہ جب عشاء کی نماز کو جاتا تو چراغ گل کر جاتا ایک دن اتفاق سے چراغ گل کرنا بھول گیا مسجد کے راستہ میں یاد آیا تو الٹا گھر کو واپس آیا اور کواڑوں میں کھٹکا کیا اندر سے باندی آئی اور پوچھا کہ آپ تو بہت جلدی واپس آ گئے کیا نماز پڑھ آئے کہا نہیں نماز تو نہیں پڑھی لیکن میں چراغ گل کرنا بھول گیا تھا اس لئے واپس لوٹا باندی نے کہا کہ چراغ تو میں نے جبھی گل کر دیا تھا مگر اب مجھے اس کا فکر ہو گیا کہ مسجد سے یہاں تک واپس آنے میں آپ نے جوتے خواہ مخواہ گھسائے۔ بخیل کی باندی اس سے بھی دو قدم آگے تھی تو آپ نے یہ سن کر کہا جزاک اللہ وفادار ایسے ہی ہوتے ہیں اور جوتوں کا فکر نہ کریں میں نے اسی خیال سے ان کو بغل میں دبا لیا تھا ننگے پیر آیا ہوں اب وہاں پہنچ کر پہن لوں گا یہ تو بیچ میں ایک لطیفہ تھا۔

حضرت حاجی صاحب کے علوم صحیحہ

اب میں پھر حاجی صاحب کی حالت بیان کرنے کی طرف عود کرتا ہوں کہ حضرت کے واقعات سے انکی کامل توجہ الی الآخرۃ کا پتہ چلتا ہے چنانچہ ایک اور حکایت یاد آئی ایک بار ہم لوگ حضرت کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک بوڑھا روتا ہوا آیا اور کہنے لگا حضرت میری بیوی مر رہی ہے دعا کیجئے حضرت نے فرمایا عجیب بات ہے ایک قیدی تو قید سے رہا ہو رہا ہے اور یہ رو رہے ہیں کہ یہ کیوں رہا ہے قید ہی میں کیوں نہ رہا پھر فرمایا میاں روتے کیوں ہو چند روز میں رہا ہو کر تم بھی وہیں پہنچ جاؤ گے جہاں وہ جا رہی ہے۔ میں نے اپنے دل میں کہا واہ آئے تو تھی بیوی کو بچانے یہاں خود ہی سنگوائے گئے کہ اپنے واسطے بھی موت کی بشارت لے چلے۔ مگر حضرت کی گفتگو میں خاص تاثیر تھی کیونکہ دل سے ہر بات نکلتی

Maktaba Tul Ishaat.com

تھی جس کا اثر یہ ہوا کہ بڑے میاں کا غم کم ہو گیا اور وہ اطمینان کے ساتھ بیٹھ گئے۔ پھر کہنے لگے حضرت مجھ سے ایک شخص نے مدینہ جانے کا وعدہ کیا تھا اب وہ وعدہ سے پھر گیا یہ بات اہل ظاہر کی نظر میں منکر نہ تھی بلکہ ہم تو اس کو اشتیاق مدینہ پر محمول کر کے مستحسن سمجھتے مگر حضرت نے سنتے ہی فرمادیا کہ بس بس ہمارے سامنے شرک کی باتیں نہ کرو غیر اللہ پر اتنی نظر کہ ایک شخص کے وعدہ خلافی کر جانے سے آپ کو اتنا رنج کیا وہی تم کو مدینہ پہنچائے گا۔ سبحان اللہ کیا علوم صحیحہ تھے حضرت کی یہ حالت تھی کہ یہ باتیں آپ کے دل میں پیوست تھیں جو بے ساختہ زبان سے نکلتی تھیں تصنع کو وہاں ذرا دخل نہ تھا اور تصنع ہمیشہ چل نہیں سکتا ضرور ایک نہ ایک دن قلب کی اصلی حالت ظاہر ہو جاتی ہے اور حضرت کے یہاں عمر بھر ایسے ہی واقعات پیش آتے تھے جن سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ ان کے قلب کو دنیا سے کچھ بھی لگاؤ نہیں ہر وقت توجہ حق تعالیٰ ہی کی طرف ہے پھر ایسا شخص اگر دوستوں کی دلجوئی کو عبادت کہے تو کیا آپ اپنے کو بھی اس پر قیاس کر سکتے ہیں ہرگز نہیں اور اگر قیاس کیا گیا تو اس کی وہی مثال ہوگی جو مولانا نے ایک طوطی کے قصہ میں لکھی ہے۔

سوداگر اور طوطی کی حکایت

ایک سوداگر کی دکان پر ایک طوطی یا مینا تھی جو بہت باتیں کرتی تھی جس سے دکان کی بڑی رونق تھی لوگ طوطی کی باتیں سننے کثرت سے آتے اور سوداگر کا مال بھی خریدتے ایک دن سوداگر کسی کام کو گیا ہوا تھا دکان پر طوطی تنہا تھی کہ دفعۃً بلی آ گئی جس کے خوف سے طوطی اپنی جگہ سے بھاگی اور بوتلوں کے پیچھے جا کر پناہ لی اس کی حرکت سے روغن بادام کی شیشی نیچے گر پڑی اور سارا تیل ضائع ہو گیا سوداگر جو واپس آیا تو طوطی کو جگہ سے بے جگہ دیکھا اور روغن بادام کی شیشی نیچے گری ہوئی پائی اسے غصہ آیا اور غصہ میں طوطی کو اتنا مارا کہ گنجا کر دیا اس پر طوطی اینٹھ گئی اور اس نے بولنا بند کر دیا اس کے بعد سوداگر نے اس کی بہت خوشامد کی مگر اس نے ایک بات بھی نہ کی وہ ہر چند پیار کرتا مگر وہ خاموش ہی رہتی سوداگر کو اس کی خاموشی سے بہت قلق ہوا کیونکہ دکان کی رونق ہی نہ رہی اور اب وہ اپنے آپ کو

Maktaba Tul Ishaat.com

کوسنے لگا کہ میرے یہ ہاتھ نہ ٹوٹ گئے جن سے میں نے اسکو مارا تھا۔ پھر وہ فقراء وصلحاء کے پاس دعا کرانے اور وظیفہ پوچھنے بھی گیا مگر کوئی بات کارگر نہ ہوئی اتفاقاً ایک دن سوداگر کی دکان کے سامنے ایک گنجا گزرا جس کے سر پر بال نہ تھے طوطی کو اسے دیکھ کر جوش آیا اور بے ساختہ کہنے لگی۔

ازچہ اے کل باکلاں آمیختی ☆ تو مگر ازشیشہ روغن ریختی

اے گنجے تو گنجوں میں آکر ملا شاید ☆ کہ تو نے بھی روغن بادام کا شیشہ توڑ دیا

کہ اے گنجے تو گنجوں میں کیوں داخل ہوگیا شاید تو نے بھی روغن بادام گرایا ہے

اس بات پر سب بازار والے ہنس پڑے۔

ازقیاسش خندہ آمد خلق را ☆ کو چو خود پنداشت صاحب دلق را

مولانا یہ مثال بیان فرما کر ارشاد فرماتے ہیں اور اسی مقصود کیلئے یہ حکایت بیان فرمائی:

کار پاکاں راقیاس ازخود مگیر ☆ گرچہ ماند درنوشتن شیر وشیر

گربصورت آدمی انسان بدے ☆ احمد وبوجہل ہم یکساں بدے

ترجمہ: پاک لوگوں کے کام کو اپنے پر قیاس مت کر اگرچہ لکھنے میں شیر اور شیر برابر ہیں اگر صورت میں آدمی انسان ہوتا حضور ﷺ اور ابوجہل ایک طرح کے ہوتے۔

یعنی اپنے افعال کو صورت میں بزرگوں کے افعال سے مشابہ دیکھ کر اپنی حالت کو ان کی حالت پر قیاس نہ کرنے لگو کیونکہ صورت کا اعتبار نہیں بلکہ معنی کا اعتبار ہے۔ پس بزرگوں پر تمہارا اپنے کو قیاس کرنا ایسا ہی ہوگا جیسا طوطی نے اس گنجے کو اپنے اوپر قیاس کیا تھا۔

حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی کا معمول

بعض لوگ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کی حکایات سے احتجاج کرتے ہیں کہ مولانا کی عادت تھی کہ مہمانوں کی خاطر سے بعض دفعہ نماز اشراق وغیرہ ناغہ کر دیتے تھے اس کا بھی یہی جواب ہے کہ مولانا کا اشراق کو حذف کرنا اشراک کی وجہ سے نہ تھا بلکہ توحید میں استغراق کی وجہ سے تھا یعنی وہ مخلوق پر نظر نہ کرتے تھے بلکہ عالم ان کیلئے مرآۃ جمال حق تھا ان کیلئے واقعہ دوستوں کے ساتھ باتیں کرنا بھی عبادت میں داخل تھا مگر تم اپنے کو ان

Maktaba Tul Ishaat.com

پر قیاس نہ کرو مولانا فرماتے ہیں۔

لقمہ ونکتہ ست کامل راحلال ☆ تو نہ کامل مخور مے باش لال

ترجمہ: لقمہ اور نکتہ کامل کیلئے حلال ہے۔ تو کامل نہیں ہے مت کھا اور زبان بند رکھ۔

تم کامل نہیں ہو اس لئے تم کاملین کے افعال واحوال کی اقتداء نہ کرو اور نہ وہ حلال ہوگا۔

پیش ایں الماس بے اسپر میا ☆ کز بریدن تیغ را نبود حیا

ترجمہ: اس ہیرے کے پاس بغیر ڈھال کے مت آنا۔ کہ تلوار کو کاٹنے سے شرم نہیں آتی۔

تمہارا تو اس اقتداء سے خاتمہ ہو جائے گا بس تم کو کاملین کے اقوال کی اقتداء کرنا چاہیئے اور تقلید اقوال کا یہ مطلب ہے کہ وہ تم کو جو امر کریں اس پر عمل کرو یہ مطلب نہیں کہ ان کی طرح اسرار وحقائق بیان کرنے لگو کیونکہ اس کا نام تقلید واطاعت نہیں بلکہ اس کو نقالی محض کہتے ہیں اور کاملین کی ایسی نقل جائز نہیں۔ غرض بزرگوں کے یہ قصے اور واقعات ہیں جن سے بعض لوگوں کو شبہ پڑ گیا ہے اور انہوں نے اپنی اغراض کے واسطے ان کو آڑ بنالیا ہے اور تعلق مع الخلق میں اپنے کو اکابر پر قیاس کر کے منہمک ہو گئے اور اس کو مقصود اور محمود دین سمجھنے لگے حالانکہ وہ کامل تھے اور کامل کو بعض اوقات ورد کی ضرورت نہیں رہتی باقی تمہارے لئے تو یہ فتوی ہے کہ من لا وردلہ لا واردلہ جس کا کوئی ورد معمول بہ نہ ہو اس کو واردات سے حصہ نہیں مل سکتا تم کو ابھی ورد کی ضرورت ہے اگر تم تعلق مع الخلق وارتباط بالاحباب کی وجہ سے معمولات کو ناغہ کرو گے تو ایک دن بالکل کورے رہ جاؤ گے۔

کاملین کا حال

کاملین کی تو یہ حالت ہے

دست بوسی چوں رسید از دست شاہ ☆ پائے بوسی اندراں دم شد گناہ

جس کو بادشاہ کا ہاتھ چومنے کا مل گیا ہو اس کیلئے پائے بوسی گناہ ہے۔ اور جس کو پائے بوسی بھی نصیب نہ ہوئی ہو اسے دست بوسی کا دعوی کرنا گناہ ہے۔ پس کاملین کو ورد کی ضرورت نہیں کیونکہ ان کو ہر چیز میں وہی نظر آتا ہے جو ورد میں نظر آتا ہے اسی لئے کامل

Maktaba Tul Ishaat.com

کو سکوت کی بھی اجازت نہیں بلکہ اسے بولنا چاہیے اور ناقص کو بولنے کی اجازت نہیں اسے ساکت رہنا چاہیے کیونکہ اس کو سکوت ہی میں محبوب کی طرف توجہ زیادہ ہوگی اور کامل کی نطق وسکوت دونوں میں محبوب کی طرف توجہ رہتی ہے اب اس کو بولنے کی ضرورت ہے تاکہ طالبین کو فیض زیادہ ہو۔

شیخ زبان ہوتا ہے اور مرید کان

چنانچہ حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے ایک بزرگ کو دیکھا کہ وہ ہر وقت ساکت رہتے ہیں اور ان کے مرید اس بات کو ترستے ہیں کہ شیخ کچھ بولیں تو ہم کو افادہ ہو حضرت نے ان سے فرمایا کہ تم بولتے کیوں نہیں ہو انہوں نے سکوت کے فضائل بیان کیے۔ حضرت نے فرمایا کہ سکوت کے یہ فضائل مبتدی کے لئے ہیں منتہی کیلئے نہیں ہیں بلکہ شیخ کو تو زبان ہونا چاہیے اور مرید کو کان ہونا چاہیے میں نے منتہی کے لئے اس مشورہ کا ایک شعر تجویز کیا ہے۔

بنمائے رخ کہ خلقے والہ شوند وحیراں ☆ بکشائے لب کہ فریاد از مرد وزن برآید

ترجمہ: اپنا چہرہ دکھلایئے تاکہ مخلوق حیران و پریشان ہو۔ اپنے ہونٹوں کو کھولئے تاکہ مرد اور عورتیں فریاد کریں۔

ہمارے حضرت کا امام فن ہونا مشائخ عصر کو مسلم تھا۔ اسلئے حضرت کے ارشاد سے ان بزرگ کی کلجھڑی کھل گئی اور انہوں نے اپنی غلطی کو تسلیم کیا اور مہر سکوت توڑ دی اور بولنا شروع کیا۔ ان کے مرید ہمارے حضرت کو دعا دینے لگے کہ خدا آپ کا بھلا کرے آپ نے ہم کو زندہ کر دیا اب بتلایئے کہ ناقص کو کب حق ہے کہ وہ اپنے کو کامل پر قیاس کرنے لگے۔ دوسرے ان حضرات کی حالت یہ ہے کہ علاوہ احکام مشترکہ کے وہ ہر وقت کے احکام خاصہ کو بھی جانتے ہیں اور تکلم وسکوت ہر حالت میں محبوب کے شیون کو پہچانتے ہیں کہ اس وقت وہ کس چیز سے خوش ہیں وہ بلاشبہ ایسے ہیں جیسے ایاز تھا کہ ایاز کیلئے کوئی قاعدہ اور قانون نہ تھا وہ بادشاہ سے ایسے وقت میں بھی باتیں کر سکتا تھا جس میں دوسروں کے لئے

Maktaba Tul Ishaat.com

بات کرنے کی اجازت نہ تھی کیونکہ وہ مزاج شناس تھا موقع اور وقت کو پہچانتا تھا۔ اب اگر ہر شخص ایاز کی ریس کرنے لگے تو یہ اس کی حماقت ہی ہے بلکہ اور درباریوں کو تو قواعد و قوانین عامہ ہی کا اتباع لازم ہے اسی طرح تم چونکہ مزاج شناس نہیں ہو تم کو قانون عام ہی پر رہنا چاہئے تم بزرگوں کے افعال کی ریس نہ کرو اور گو یہ احکام خاصہ بھی عام ہی ہیں یعنی جس شخص کی بھی ایسی خاص حالت ہو ان سب کیلئے عام ہے مگر چونکہ ایسے خواص ہی کم ہیں اس بناء پر ان کو احکام خاصہ کہہ دیا گیا ہے پس اس سے کوئی شخص اس جہل میں نہ پھنس جائے کہ طریقت کے احکام شریعت کے احکام کے مضاد ہیں نعوذ باللہ بہر حال اس سے مجھے انکار نہیں کہ تعلق مع الخلق بھی ایک درجہ میں محمود ہے مگر اس کی ایک حد ہے۔

کتب تصوف کس کیلئے کارآمد ہیں

اور اس کیلئے خاص خاص مواقع ہیں جن کو کسی کامل سے دریافت کرو۔ محض کتابوں سے یہ مسئلہ حل نہ ہوگا کیونکہ کتابوں میں امور محمودہ کی حدود وغیرہ کا ایسا ذکر نہیں جس کو عام بھی صحیح طور پر سمجھ لیں اس تقریر سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ میں کتابوں کو بیکار نہیں کہتا وہ بے شک کام کی ہیں مگر طبیب کے کام کی ہیں۔ مریض کے کام کی نہیں۔ کتب طب سے کوئی مریض اپنا معالجہ نہیں کر سکتا حالانکہ کتابوں میں سب کچھ موجود ہے۔ اور طبیب انہی سے علاج کرتا ہے مگر تم نہیں کر سکتے اور اگر معمولی مرض کا علاج کر بھی لیا تو شدید امراض کا علاج تو کبھی نہیں کر سکتے چنانچہ بحران کی بحث گو طب کی کتابوں میں مذکور ہے مگر اسکو ہر شخص نہیں سمجھ سکتا یہ بحث اس قدر لطیف و دقیق ہے کہ اطبائے حال نے یعنی ڈاکٹروں نے تو گھبرا کر اس کا انکار ہی کر دیا کہ بحران کوئی چیز نہیں مگر اطبائے قدماء نے اس بحث کو بڑی خوبی سے ضبط کیا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اس بحث کا الہام ہوا ہے چنانچہ انہوں نے بخار کے ایام کی تقسیم کی ہے کہ بعض ایام میں طبیعت و مرض کا مقابلہ ہوتا ہے۔ طبیعت ان ایام میں مرض کو دفع کرنا چاہتی ہے اور مرض طبیعت کو دبانا چاہتا ہے۔ اس کیفیت و مقاومت کا نام بحران ہے پھر ان ایام میں بعض دن تو سخت بحران کے ہیں اور بعض دن ہلکے بحران کے اسی لئے مریض کو اور اس

Maktaba Tul Ishaat.com

کے تیمارداروں کو چاہیے کہ جب کسی کو بخار آئے اس کا دن اور وقت یاد رکھیں تا کہ طبیب سے بیان کر سکیں اور طبیب کو ایام بحران کی رعایت آسان ہو بھلا محض کتاب دیکھ کر ان امور کی رعایت مریض سے کیونکر ہو سکتی ہے ہرگز نہیں ہو سکتی بلکہ میں تو تجربہ سے کہتا ہوں کہ مریض اپنے معالجہ میں معمولی امراض کے اندر بھی غلطی کھائے گا چنانچہ مجھے پہلے ہر سال برسات کے اخیر میں بخار آیا کرتا تھا (اب تو بحمداللہ بہت سالوں سے نہیں آیا) اور ہمیشہ صفراوی بخار ہوتا تھا میں نے ایک دفعہ خیال کیا کہ مجھے غلبہ صفرا سے بخار ہوتا ہے اور حکیم صاحب ہر سال قریب قریب ایک ہی نسخہ لکھتے ہیں لاؤ اس کو نقل کر لیں جب بخار آیا کرے گا اس کو استعمال کر لیا کریں گے۔ حکیم صاحب کو تکلیف دینے کی ضرورت نہ ہوگی۔ چنانچہ ایک سال ایسا ہی کیا کہ پچھلے سال کا لکھا ہوا نسخہ خود ہی استعمال کر لیا مگر چند روز تک استعمال کرنے سے بھی خاک نفع نہ ہوا آخر کار حکیم صاحب کو بلایا انہوں نے نسخہ لکھا اس کے پینے سے آرام ہو گیا۔ پھر تحقیق ہوا کہ اس سال صفرا کے ساتھ بلغم صاحب بھی تشریف لے آئے ہیں کیونکہ اب بڑھاپے کا سن شروع ہو گیا ہے اب اگر میں اس نسخہ کی بھی نقل کر لیتا کہ چلو اس میں صفرا اور بلغم دونوں کی رعایت ہے تو یقیناً اس سے بھی اگلے سال نفع نہ ہوتا بلغم ہی بڑھتا۔ (یعنی بلکہ تکلیف وغم ہی زیادہ ہوتا یہ بلغم مرکب سے مفرد نہیں) کیونکہ مجھے اس کا اندازہ کیسے ہوتا کہ اس سال بلغم صفرا سے زیادہ ہے یا مساوی ہے یا کم ہے۔ اس کا اندازہ تو طبیب ہی کر سکتا ہے جو نبض کی حالت کو پہچانتا ہے۔ اس لئے کتب طب سے معالجہ کرنا طبیب ہی کا کام ہے اسی طرح احیاء العلوم اور فتوحات مکیہ جو تصوف کی کتابیں ہیں بیکار نہیں بلکہ کارآمد ہیں مگر شیخ کے کام کی ہیں طالب کے کام کی نہیں طالب کو تو اپنے معالجہ کیلئے کسی محقق کا اتباع لازم ہے پس تم بزرگوں کے واقعات سن کر تعلق مع الخلق کو اپنے لئے محمود سمجھو بلکہ کسی محقق سے دریافت کر کے اس کے احکام کا اتباع کرو۔

عبادت کا معمول کتنا ہونا چاہیے

یہ غلطی تھی جس میں آج کل بہت سے اہل علم بھی مبتلا ہیں۔ اس وقت میں اس

Maktaba Tul Ishaat.com

کورفع کرنا چاہتا ہوں اب آیت کا ترجمہ سنئے حق تعالیٰ فرماتے ہیں :فاذا فرغت فانصب، جب آپ فارغ ہو جائیں کسی چیز سے؟ اس پر سب مفسرین کا اتفاق ہے ای عن التبلیغ کہ تبلیغ سے فارغ ہونا مراد ہے آگے جزا ہے۔ فانصب یعنی تبلیغ سے فارغ ہو کر محنت کیجئے اور مشقت برداشت کیجئے اس پر بھی اتفاق ہے کہ عبادت میں محنت و مشقت مراد ہے یہاں حق تعالیٰ نے فاعبد نہیں فرمایا بلکہ فانصب فرمایا ہے اس سے معلوم ہوا کہ عبادت اتنی کرنا چاہیے جس میں کچھ مشقت بھی ہو گو زیادہ نہ ہو جو تحمل سے زیادہ ہو لیکن اتنی ہونی چاہیے جس میں نفس کو کچھ تکلیف ہو یہ مطلب نہیں کہ اتنی زیادہ محنت کرو جس سے دل اکتا جائے بلکہ اپنی قوت وطاقت کے اعتبار سے اتنی عبادت کی جائے جو تحمل کے موافق ہو اور کسی قدر نفس پر اس میں محنت پڑے۔ بعض لوگ اس مشقت میں بھی پہلے بزرگوں کی نقل کرنا چاہتے ہیں۔ یہ بھی غلطی ہے کیونکہ پہلے بزرگوں میں قوت زیادہ تھی آج کل اتنی قوت کہاں بس اس کیلئے بھی طالب کو کسی محقق حال کا اتباع کرنا چاہیے۔ اس کے سامنے اپنی حالت بیان کر دے پھر جو کچھ وہ تجویز کر دے اس کے موافق عبادت کرے محض کتابیں دیکھ کر معمولات مقرر نہ کرے کیونکہ آج کل پہلے بزرگوں کی طرح عبادت کرنا دشوار ہے چنانچہ ایک بزرگ کی عادت تھی کہ وہ رات کو پلاؤ کا قاب سامنے رکھ لیتے اور نفس سے کہتے کہ دو رکعت پڑھ لے۔ پھر تجھے یہ قاب دے دوں گا۔ دو رکعت کے بعد کہتے کہ دو رکعت اور پڑھ لے پھر کھلاؤں گا۔ اسی طرح صبح کر دیتے مگر یہ انہی کا نفس تھا جو اس سے بہل جاتا تھا ہماری حالت تو یہ ہے کہ غالباً چار ہی رکعت کے بعد نفس کہہ دے گا کہ تمہارے وعدہ کا تجربہ ہو گیا تم اپنی پلاؤ کو رکھو مجھے اس کی ضرورت نہیں میں ٹھنڈا پلاؤ کھا کر کیا کروں گا بس میں تو اب پڑ کر سوتا ہوں چنانچہ بعضے بچوں کی یہ حالت دیکھی گئی ہے کہ اگر ان سے دس دفعہ سبق کے کہنے کو کہا جائے تو دس دفعہ تو کہہ لیتے ہیں اور اگر کبھی دس کے اوپر دو دفعہ کہنے کو کہا جائے تو وہ دس بار کا پڑھا ہوا بھی بھلا دیتے ہیں۔

چلہ سکوت

ہمارے ایک دوست ہیں وہ باتیں بہت کرتے تھے میں نے ان کو زیادہ باتیں

Maktaba Tul Ishaat.com

کرنے سے منع کیا مگر یہ تو دشوار معلوم ہوا کہ باتیں کریں اور کم کریں کیونکہ قلت کلام کی ابھی تک عادت نہیں تھی اس لئے یہ تجویز کیا گیا کہ وہ ایک چلہ سکوت کا کریں جس میں کسی سے بالکل بات نہ کریں اس طرح قلت کلام کی عادت ہو جائے گی تو پھر باتیں کرنے کی حالت میں بھی تقلیل آسان ہوگی مگر احتمال یہ بھی تھا کہ شاید چلہ سکوت نافع نہ ہو اور وہ اس سے تقلیل کلام کے عادی نہ ہوں بلکہ چلہ کے بعد شاید پہلے سے بھی زیادہ بولنے لگیں لیکن اور کوئی طریق سمجھ میں نہ آیا اور چلہ سکوت ہی کو نافع سمجھا گیا میں نے زیادہ کاوش نہ کی کیونکہ احتمال یہ بھی تو تھا کہ چلہ نافع ہو جائے چنانچہ انہوں نے چلہ کیا اور سکوت مطلق اختیار کیا حتیٰ کہ وہ مجھ سے بھی بات نہ کرتے تھے۔ لیکن میں ان سے باتیں کرتا تھا۔ کیونکہ میں تو چلہ میں نہ تھا۔ میں کبھی کبھی ہنس کر کہہ دیتا تھا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ چلہ کے بعد آپ کی وہی مثال نہ ہو جیسے ایک سوار کے گھوڑے کو لید سونگھنے کا مرض تھا کہ چلتے میں جب لید کرتا گھوم کر اسے ایک دفعہ سونگھ لیتا پھر آگے چلتا اسی طرح سارے راستہ میں جب لید کرتا اسے سونگھ کر آگے چلتا تھا ایک دفعہ یہ سوار جا رہا تھا کہ راستہ میں ایک اور سوار اس کے ساتھ ہو گیا اس نے جو گھوڑے کو لید سونگھتا دیکھا تو اس سے کہا کہ میاں یہ کیا واہیات ہے اس نے کہا کہ بھائی اس گھوڑے کو یہی مرض ہے اور میں اس سے تنگ آ گیا ہوں دوسرے سوار نے کہا بہت اچھا آج میں اس کا یہ عیب نکالوں گا چنانچہ وہ پیچھے ہو گیا اور جب گھوڑے نے لید سونگھنے کا قصد کیا اس نے پیچھے سے دو چار چابک رسید کئے اور وہ سیدھا چلنے لگا۔ پھر جب دوسری دفعہ لید کی اس نے دو چار ہنٹر اور لگائے اور وہ درست ہو گیا غرض پندرہ کوس تک اس نے لید سونگھنے کا اسے موقع نہ دیا اس کے بعد اس کا گاؤں قریب آ گیا اور اس نے کہا لو بھائی ہم تو جاتے ہیں اللہ حافظ پہلے سوار نے اس کا شکریہ ادا کیا کہ تم نے آج بہت اچھی طرح منزل کٹوا دی ورنہ یہ گھوڑا مجھے بہت تنگ کرتا خیر دوسرا سوار تو شکریہ لے کر چلا گیا اور اب اس گھوڑے نے اس کو کن انکھیوں سے دیکھنا شروع کیا جب دیکھا وہ بہت دور ہو گیا اور اپنے گاؤں میں گھس گیا ہے تو یہ گھوم کر الٹا واپس ہوا اور راستہ میں جہاں جہاں لید کی تھی سب کو سونگھا۔ سوار نے

Maktaba Tul Ishaat.com

ہر چند مارا پیٹا مگر وہ باز نہ آیا اب اس نے دوسرے سوار کو کوسنا شروع کیا کمبخت اگر تو ہنٹر مار مار کر اسے لید سونگھنے سے نہ روکتا تو آج یہ رجعت قہقری تو نہ ہوتی کہ پندرہ کوس طے کئے کرائے برباد ہوئے اسی طرح مجھے یہ اندیشہ ہے کہ آپ چلہ سکوت کے بعد اس کی کسر پوری نہ کریں اور اتنا بولیں کہ پہلے سے بھی بڑھ جائے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ چلہ پورا کر کے وہ پہلے سے بھی زیادہ بولے پھر یہاں سے اپنی ملازمت پر چلے گئے وہاں جا کر شعر و شاعری میں مشغول ہو گئے اور مشاعروں میں شریک ہونے لگے ذکر و شغل سب چھوٹ گیا پھر اسی زمانہ میں اتفاق سے میرا سفر ان کے مقام ملازمت کی طرف ہوا تو میں نے ان کو دھمکایا اور شعر و شاعری سے روک دیا اب حالت اعتدال کی ہے۔

عبادت میں ضرورت اعتدال

اس لیے میں کہتا ہوں کہ اتنی مشقت برداشت نہ کرو جس سے نفس گھبرا جائے ورنہ اس کا انجام تعطل ہوگا کہ جتنا کام کر سکتے تھے وہ بھی نہ کرو گے مگر یہ بھی نہ ہوا کہ بالکل خراب نواب ہی ہو جاؤ کہ اتنی کم عبادت کرو جس میں نفس کو ذرا بھی مشقت نہ ہو بلکہ اعتدال کی رعایت چاہیے حضور ﷺ نے دین میں اسی کی بہت رعایت فرمائی ہے۔ چنانچہ امامت میں آپ نماز کو مختصر فرماتے تھے اور اسی کا حکم بھی فرمایا ہے۔ **من ام منکم فلیخفف فان وراء ہ الضعیف والمریض وذوا الحاجة ومن صلی لنفسه فلیطول ماشاء**(الصحیح لمسلم' الصلاۃ ۱۸۶' مسند احمد ۴: ۲۱۶) کہ جو امامت کرے وہ ہلکی نماز پڑھے کیونکہ اس کے پیچھے کمزور، بیمار اور ضرورت مند لوگ بھی ہوتے ہیں جو اپنے لئے نماز پڑھے یعنی منفرد ہو وہ جتنی چاہے تطویل کرے گویا نہ اختصار دائما مطلوب ہے نہ تطویل بلکہ ہر اک کا ایک موقع ہے مگر آج کل اس حدیث کے برعکس حالت ہے کہ جماعت میں تو لمبی لمبی سورتیں پڑھتے ہیں اور تنہا نماز میں انا اعطینا اور قل ہو اللہ ہی ہمیشہ پڑھتے ہیں۔ سورہ بقرہ پوری تو شاید ہی کبھی کوئی پڑھتا ہوگا ہاں صلوٰۃ الکسوف میں کسی متبع سنت نے کبھی پڑھ لی ہو وہ بھی جماعت ہی میں پڑھی ہوگی تنہا کون پڑھتا ہے پس یہ صورت اعتدال کے خلاف ہے بلکہ چاہیے کہ امامت میں تو مقتدیوں

Maktaba Tul Ishaat.com

کے لحاظ سے اختصار کریں اور تنہا ذرا کسی قدر تطویل کیا کریں ہاں اتنی تطویل نہ کریں جو نفس پر زیادہ شاق ہو جس کو نباہ نہ سکیں غرض نہ تو انفد ہو نہ انحد ہو شاید آپ نے انفد کے معنی نہ سمجھے ہوں گے یہ اختصار ہے الحمد للہ قل ہو اللہ کا جس میں الحمد کا الف لیا گیا اور الضالین کا نون اور قل ہو اللہ کا قاف اور احد کی دال یہ انفد ہو گیا اور انحد میں ان نفی کا کلمہ ہے یعنی بیحد وہ یہ ہے کہ اتنی تطویل ہو جو حد سے گزر جائے کیونکہ ایک مفرط ہے ایک مفرط ہے اور افراط و تفریط دونوں معیوب ہیں۔

افراط و تفریط پر ایک لطیفہ

افراط و تفریط پر ایک لطیفہ یاد آیا کہ دو شخصوں کے دو شعر ہیں ایک زاہد مفرط کا دوسرا مسرف مفرط کا زاہد نے کہا

گرچہ خدا گفت کلوا واشربوا ☆ لیک نفرمود بگلوا

ترجمہ: اگرچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ کھاؤ اور پیو۔ مگر یہ نہیں فرمایا کہ گلا تک کھاؤ دوسرے نے جواب دیا۔

گرچہ خدا گفت ولاتسرفوا ☆ لیک نفرمود بکلہیا وضو

ترجمہ: اگرچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فضول خرچی نہ کرو۔ لیکن کلہیا ہے وضو کرنے کو نہیں فرمایا۔

مضمون دونوں کا صحیح ہے مگر ضرورت اس کی ہے کہ دونوں شعروں کو جمع کیا جائے۔ ورنہ الگ الگ ہر اک کا مضمون ناتمام ہے کہ ایک میں تفریط ہے ایک میں افراط ہے اور ضرورت اعتدال کی ہے جو دونوں کے جمع کرنے سے حاصل ہوگا پس فانصب میں اسی مشقت و محنت کا امر ہے جو اعتدال کے اندر ہو افراط و تفریط سے پاک ہو اور اعتدال وہ شخص کر سکتا ہے جس کا فہم بھی درست ہو اور تدین میں بھی راسخ کسی کو یہ دولت خود حاصل ہو تو اسے یہ حالت مبارک ہو اور اگر خود حاصل نہ ہو تو اسے کسی کامل کے پاس رہنا چاہیے اور اس طرح رہنا چاہیے۔

قال را بگذار و مرد حال شو ☆ پیش مرد کاملے پامال شو

یعنی اس کے سامنے اپنے کو پامال کر دے۔ پامال کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اپنی

Maktaba Tul Ishaat.com

رائے وفکر کو فنا کر دے۔

اور اس کیلئے تیار رہے کہ شیخ میری ذات میں جو کچھ بھی تصرف کرے گا میں اس کو خوشی سے برداشت کروں گا اور اس کو اپنی اصلاح وفلاح سمجھوں گا۔ ورنہ اگر بات بات پر اس کو رنج وملال ہونے لگا تو اس کی وہ مثال ہوگی جو مولانا نے مثنوی میں بیان فرمائی ہے کہ ایک شخص قزوینی اور مصور کے پاس جا کر کہنے لگا کہ میری پشت پر شیر کی تصویر بنادو اس نے کہا بہت اچھا اور اس کے بعد نیل اور سوئی لے کر تیار ہوا اور کمر میں ایک جگہ سوئی کو کچ سے چبھایا اس شخص نے آہ کی اور کہا میاں کیا بناتے ہو کہا دم بنا رہا ہوں کہنے لگا اس کو چھوڑ دو یہ شیر دم کٹا ہی سہی آخر بے دم کے بھی تو شیر ہوتے ہیں۔ مصور نے دم کو چھوڑ کر دوسری جگہ سوئی چبھائی اس نے پھر آہ کی اور کہا اب کیا بنا رہے ہو کہا سر بنا رہا ہوں اس نے کہا سر کو بھی چھوڑ کچھ اور بناؤ اس نے تیسری جگہ سوئی چبھائی اس نے پھر آہ کی اور پوچھا کیا بنا رہے ہو کہا کان بنا رہا ہوں کہا کان کو بھی رہنے دو کیا شیر بوچا نہیں ہوتا اس نے چوتھی جگہ سوئی چبھائی اس نے پھر آہ کی اور کہا اب کیا بناتے ہو کہا پیٹ بنا رہا ہوں کہنے لگے اس کو کچھ کھانا پینا تھوڑا ہی رہ گیا ہے پیٹ بھی رہنے دو مصور نے سوئی پھینک دی اور کہا

شیر بے گوش وسر وشکم کہ دید ☆ این چنیں شیرے خدا ہم نافرید

ترجمہ: ایسا شیر کہ جس کے کان بھی نہ ہوں پیٹ بھی نہ ہو کسی نے نہیں دیکھا ایسا شیر خدا تعالیٰ نے بھی پیدا نہیں کیا۔

کہ ایسا شیر خدا نے بھی پیدا نہیں کیا جس کے نہ سر ہو نہ پیٹ ہو پھر میں بدوں اس کے شیر کی تصویر کیونکر بنادوں جاؤ معلوم ہوتا ہے کہ تم کو شیر مطلوب ہی نہیں اس پر مولانا فرماتے ہیں اور اس مضمون کیلئے حکایت لائے ہیں۔

چوں نداری طاقت سوزن زدن ☆ پس تواز شیر ژیاں کم دن بزن

جب تو سوئی کی بھی برداشت نہیں کر سکتا تو پھر شیر مست کا نام مت لے۔

کہ جب تمہیں ایک سوئی چبھانے کی بھی تاب نہیں تو شیر کی تصویر بنوانے کا دعوی بھی نہ کرو یا مطلب عالی کا نام ہی نہ ہو اور کمال حاصل کرنے کی طلب ہی نہ کرو کیونکہ کمال تو

Maktaba Tul Ishaat.com

اس طرح ہی حاصل ہوگا کہ کاملین کے سامنے اپنے کو پامال کردو عارف اسی کو فرماتے ہیں۔

یامکن باپیلباناں دوستی ☆ یابنا کن خانہ برانداز پیل
یامکش برچہرہ نیل عاشقی ☆ یافروشو جامہ تقویٰ بہ نیل

یا تو ہاتھی والوں سے دوستی مت کرو اگر کرتے ہو تو ہاتھی کے قد کے برابر مکان بناؤ۔ اپنے چہرہ پر عاشق کا نشان مت لگایا پرہیز گار کے کپڑے دریائے نیل میں دھو۔

یعنی جامہ دعویٰ تقویٰ اگر عاشقی کی صورت اختیار کرتے ہو تو دعویٰ تقوی کے لباس کو دھوڈالو یعنی اپنے کو متقی اور بزرگ نہ سمجھو بلکہ ذلیل وخوار و گنہگار سمجھو۔ اور شیخ اگر تم کو نالائق و پاجی کا خطاب دے تو اس سے ذرا بھی ملول نہ ہو اور اگر ملال پیدا ہوا تو تم مولانا کے اس قول کے مصداق ہو۔

تو بیک زخمے گریزانی زعشق ☆ تو بجز نامے چہ می دانی زعشق

تو ایک زخم کی وجہ سے عشق سے بھاگتا ہے تو اس عشق کا نام ہی نام جانتا ہے۔

بس آج کل تو ایسے طالب رہ گئے ہیں کہ خود مجھ سے ایک تعلقہ دار اودھ نے یہ کہا کہ کسی ایسے پیر کا پتہ بتلاؤ جو مریدوں کی خاطر کرتا ہو مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب کے یہاں تو مریدوں کی بڑی ذلت ہوتی ہے۔ افسوس یہ لوگ طالب خدا ہو کر اس کے طالب ہیں کہ شیخ ان کی خاطر وعزت کرے اور ہم نے ادنیٰ ادنیٰ فنون کے طالبوں کو دیکھا ہے کہ وہ استاد کے تھپڑ اور طمانچے کھاتے ہیں اور ذرا ملول نہیں ہوتے۔ مولانا رحمت اللہ صاحب مہاجر مکی سے بواسطہ ایک ترکی سپاہی کی حکایت سنی گئی ہے۔ کہ ایک دن پریڈ کر رہا تھا کہ اس میں اس سے کچھ غلطی ہوئی تو افسر نے اس کو ایک تھپڑ مارا اور سپاہی بدستور اپنے کام میں لگا رہا اور افسر کے تھپڑ سے اس پر کسی قسم کی ناگواری ظاہر نہ ہوئی۔ مولانا فرماتے ہیں کہ مجھے بڑی حیرت ہوئی کیونکہ یہ سپاہی حکومت کا نوکر بھی نہ تھا بلکہ اپنے گھر کا رئیس تھا اور قواعد سپہ گری محض اس لئے سیکھتا تھا کہ ترکی حکومت نے قانوناً سب کے ذمہ فوجی قواعد کا سیکھنا لازم کر رکھا تھا۔ مولانا فرماتے ہیں کہ میں نے دوسرے وقت اس ترکی سے پوچھا کہ تم کو افسر کے تھپڑ سے کچھ رنج ہوا تھا یا نہیں تو وہ ہنسنے لگا اور کہا اگر آج ہم اس پر رنج کریں گے تو پھر کل

Maktaba Tul Ishaat.com

کو جنرل بننے کے قابل کیونکر ہوں گے۔ واقعی سچ کہا حقیقت میں جو بچہ یا سپاہی اپنے استاد اور افسر کے تھپڑ سے بھاگے گا وہ محروم رہے گا۔

ہر آن طفل کو جور آموزگار ☆ نہ بیند جفا بیند از روزگار

جو بچہ کہ اپنے استاد کا ظلم برداشت نہیں کر سکتا وہ دنیا میں تکلیف اٹھائے گا۔

ایک سب جج کی حکایت

میرے ایک دوست نے ایسی ہی ایک حکایت ایک سب جج کی بیان کی مگر سب جج ایسے نہیں ہوتے کہ انہوں نے جائے ملازمت پر ایک باہر والی عورت کو اپنے گھر میں ڈال لیا تھا اور اس کی محبت میں ایسے مشغول ہوئے کہ گھر پر اپنی بیوی بچوں کو بھی خرچ بھیجنا بند کر دیا ان کے والد صاحب کو کسی سے یہ خبر معلوم ہوگئی کہ صاحبزادہ نے کسی باہر والی عورت کو اپنے پاس رکھا ہے وہ سنتے ہی برافروختہ ہوگئے اور گھر سے چل کھڑے ہوئے یہاں تک کہ اس شہر میں پہنچے جہاں سب جج صاحب ملازم تھے لوگوں سے پتہ پوچھا معلوم ہوا کہ کچہری میں اجلاس کر رہے ہیں وہ غصہ میں بھرے ہوئے اجلاس ہی پر پہنچے سب جج نے جو اپنے والد کو دیکھا تعظیم کے لئے اٹھنا چاہا مگر بڈھے نے اتنی مہلت ہی نہ دی اور کرسی پر گرا کر ان کو جوتا سے مارنا شروع کیا لوگوں نے دوڑ کر ان کو روکنا چاہا سب جج سب کو دھمکا دیا کہ خبردار کوئی آگے نہ بڑھے یہ میرے قبلہ و کعبہ ہیں غرض بڈھے نے خوب دل بھر کر مارا جب تھک گئے تو ایک طرف کو بیٹھ گئے سب جج نے کپڑے جھاڑ کر عرض کیا کہ اگر اجازت ہو تو میں کچھ کام کر لوں اور اگر دل میں کچھ اور غبار باقی ہو تو میں حاضر ہوں۔ بڑے میاں نے پھر کندہ کاری شروع کی اس کے بعد کہا اچھا اب اجلاس کا کام کرو۔ سب جج نے پھر بدستور مقدمات کی سماعت میں مشغول ہوگئے اس وقت تو بظاہر ان کی ذلت ہوئی مگر شہر میں جب یہ خبر مشہور ہوئی تو ہر شخص کی زبان پر انکی تعریف تھی کہ سبحان اللہ کیسے لائق فرزند اور سعادت مند بیٹے ہیں کہ باوجود اتنی عزت و عظمت کے بھی باپ کے ہاتھ سے پٹنا ناگوار نہیں ہوا۔ واقعی اپنے بزرگوں کے ہاتھ سے جو ذلت ہو وہ ذلت نہیں۔ بلکہ بڑی عزت ہے۔ اس لئے اپنے بزرگوں کے سامنے ذلت سے ناگواری نہ ہونا چاہیے۔ یہی کامیابی کا اور عزت کا پیش خیمہ ہے پس فہم کا

Maktaba Tul Ishaat.com

درست کرنا چاہتے ہو تو کاملین کے سامنے ہر ذلت کو گوارا کر کے کچھ دنوں رہو ان شاء اللہ فہم درست ہو جائے گا ہاں کوئی خود ہی سلیم الفہم ہو تو وہ اس سے مستثنیٰ ہے اس کو صحبت کامل کی ضرورت نہیں مگر ایسے نادر ہیں جیسے بعض دفعہ مرغی کے انڈے میں سے محض مشین کی گرمی پہنچانے سے بچہ نکل آتا ہے مگر سنا یہ ہے کہ ایسے بچے زندہ نہیں رہتے جلد ختم ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح جو لوگ خود سلیم الفہم ہوتے ہیں ان کو اصلاح خلق کے مناسبت تامہ نہیں ہوتی گو فہم کتنا ہی سلیم ہو مگر ان سے فیض نہیں چلتا فیض رسانی کی شان اسی بچہ میں آئے گی جس نے کچھ دنوں کسی مرغی کے نیچے رہ کر پر و بال نکالے ہوں۔ باقی حضرات انبیاء کو ادبنی ربی فاحسن تادیبی وعلمنی ربی فاحسن تعلیمی (میرے رب نے مجھے ادب سکھایا پس کتنا اچھا ادب سکھایا اور میرے رب نے مجھے تعلیم دی پس کتنی اچھی تعلیم دی) (کشف الخفاء للعجلونی ۸۷، کنز العمال: ۳۱۸۹۵) کے سبب تربیت خلق کی حاجت نہیں ہوتی۔ یہ گفتگو فانصب کی تفسیر پر چلی تھی کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ نہ تو حد سے زیادہ مشقت ہو وہ بالکل نوابی ہو بلکہ اعتدال چاہیے اور اعتدال کسی محقق سے سیکھو اور آج کل سب مشائخ محقق نہیں ہوتے بلکہ بعضے تو بہت زیادہ کام لیتے ہیں چنانچہ ایک بزرگ کے یہاں ہر شخص کے لئے چوبیس ہزار دفعہ اسم ذات کی تعلیم تھی چاہے وہ مشغول ہو یا بیمار ہو اس سے کم کسی کو نہ بتلاتے سو یہ لوگ محقق نہیں ہیں بلکہ عطائی ہیں عارف ان کی بہت شکایت فرماتے ہیں۔

خستگانرا چوں طلب باشد وقوت نبود ☆ گر تو بیداد کنی شرف مروت نبود

زخمیوں کو جب طلب ہو اور طاقت نہ ہو اگر تو ظلم کرے مروت نہیں۔

اور فرماتے ہیں

طفل را گر نان دہی بر جائے شیر ☆ طفل مسکیں رازاں نان مردہ گیر

بچہ کو اگر دودھ کی بجائے روٹی کھلا دے تو وہ بچہ مر جائے گا۔

چار پارا قدر طاقت بار نہ ☆ بر ضعیفاں قدر ہمت کار نہ

چوپایوں پر طاقت کے مطابق بوجھ رکھو۔ کمزوروں سے محنت کے موافق کام لو۔

ترجمہ: یاد رکھو مطلوب کا حاصل ہونا کچھ زیادہ کام کرنے پر موقوف نہیں بلکہ بقدر

Maktaba Tul Ishaat.com

ہمت طلب ہونا چاہیے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ مریض ضعیف کی چھ رکعتیں قوی کی چھ سو رکعتوں کی برابر ہے کیونکہ اس کو چھ رکعت ہی کی ہمت ہے اور ثواب دینے والے اللہ تعالیٰ عزشانہ ہیں وہ ہر شخص کی حالت اور ہمت کو اچھی طرح جانتے ہیں اسی لئے ہمارے حاجی صاحب فرماتے ہیں۔

بس ہے اپنا ایک بھی نالہ پہنچے وہاں ☆ گرچہ کرتے ہیں بہت سے نالہ وفریاد ہم

واقعی اگر دل سے اور توجہ سے تھوڑا کام بھی ہو تو وہ بے توجہی کے ساتھ زیادہ کام کرنے سے بڑھ کر ہے پس جو زیادہ کام نہ کر سکے وہ تھوڑا ہی کرے مگر توجہ سے کرے اور دل سے کرے یہی وصول کیلئے کافی ہے ایک بزرگ فرماتے ہیں۔

بفراغ دل زمانے نظرے بماہ روے ☆ بہ ازاں کہ چتر شاہی ہمہ روز ہائے ہوئے

فارغ البالی کے ساتھ اپنے محبوب کی طرف نظر کرنا بہتر ہے کہ بادشاہی میں تمام دن شور وغل کرنا۔

فراغ دل کی قید قابل لحاظ ہے واقعی فراغ دل کے ساتھ تھوڑی دیر بھی خدا کو یاد کر لینا بڑی دولت ہے۔ حضرت شیفتہ فرماتے ہیں اور چونکہ وہ نقشبندی ہیں اس لئے وہ اس مضمون کو نقشبندیہ کے رنگ میں بیان فرماتے ہیں۔

چہ خوش ست باتو بزمے بہ نہفتہ ساز کردن ☆ در خانہ بند کردن سر شیشہ باز کردن

کیا اچھا ہو کہ تو محفل میں اکیلا ہو گھر کا دروازہ بند اور شراب کا شیشہ کھلا ہو۔

اس حالت کے ساتھ واقعی ایک بزم بھی بہت بڑی دولت ہے۔ پس یہ طریقہ غلط ہے کہ سارے طالبوں کو ایک ہی لکڑی ہانکا جائے۔ بلکہ اقویا کو ان کے مناسب کام بتلاؤ اور ضعفاء کو تھوڑا بتلاؤ اور اس کی تاکید کرو کہ وہ تھوڑا ہی کام توجہ کے ساتھ کریں ان شاء اللہ وہ زیادہ ہی کے برابر ہو جائے گا۔

ہر نماز کے بعد تین مرتبہ لا الہ الا اللہ کہنے کا حکم

چنانچہ بعض بزرگوں نے اپنے بعض مریدوں کو جو دینی مشاغل میں زیادہ مشغول

Maktaba Tul Ishaat.com

تھے صرف اتنا کام بتلایا ہے کہ ہر نماز کے بعد تین مرتبہ لا الہ الا اللہ جہراً کہہ لیا کرو اب رسمی پیروں کے یہاں یہ رسم ہوگئی کہ نماز کے بعد یا فجر و عصر کے بعد سارے نمازی مل کر جہراً لا الہ الا اللہ کہتے ہیں اور اس کا سختی کے ساتھ التزام کرتے ہیں حالانکہ سب کے واسطے بزرگوں نے نہیں کیا تھا بلکہ خاص خاص لوگوں کو بتلایا گیا تھا۔ مگر جاہلوں نے اس کو حکم عام ہی بنالیا اور التزام کرلیا اسی واسطے علماء نے اس کو بدعت کہا اب ان پر آوازے کسے جاتے ہیں کہ لو بھائی ذکر اللہ بھی بدعت ہوگیا ہائے علماء کی بڑی مصیبت ہے ان سے بھی کوئی جماعت خوش نہیں مگر محقق صوفیہ ان سے خوش ہیں وہ ان کی قدر کرتے ہیں چنانچہ علامہ شعرانی جو بہت بڑے محقق صوفی ہیں فرماتے ہیں کہ نزاع صوفیہ دقیق ہے جو عوام کی فہم سے بالا ہے اس لئے عوام کو بھی لازم ہے کہ علوم میں صوفیہ کا اتباع نہ کریں بلکہ علماء اور جمہور کا اتباع کریں کیونکہ یہ لوگ منتظم ہیں نظام شریعت بلکہ عالم علماء ہی کے اتباع سے قائم رہ سکتا ہے ہمارے ماموں صاحب کہتے تھے کہ اگر علماء دنیا میں نہ ہوتے تو سب لوگوں کو کافر ہی بنا دیتے کیونکہ ہماری باتیں عوام کی فہم سے خارج ہیں نہ معلوم وہ کیا سے کیا سمجھتے اور ایمان کو برباد کر دیتے مولویوں کا بڑا احسان ہے کہ انہوں نے مخلوق کا ایمان سنبھال رکھا ہے۔ تو اے وہ صوفی جو مولویوں سے ناخوش ہے اور ان پر آوازیں کستا ہے تو ان کا احسان مان کہ تو انہی کی بدولت چین سے بیٹھا ہوا اللہ اللہ کر رہا ہے اور گوشہ عافیت میں بیٹھا ہوا ہے۔ منتظم پولیس کی قدر جبھی ہوتی ہے جبکہ رات کو راحت سے پڑ کر سوتے ہو پس یہ علماء منتظم پولیس ہیں کہ مخلوق کے ایمان کی حفاظت کرتے ہیں اگر یہ اپنا کام چھوڑ دیں تو پھر صوفی صاحب کو حجرہ سے نکل کر یہ کام کرنا پڑتا اور سارا تصوف اور حال و قال رکھا رہ جاتا۔

اصلاح خلق کا کام فرض کفایہ ہے

کیونکہ اصلاح خلق کا کام فرض کفایہ ہے اگر مولوی اس کو چھوڑ دیں تو پھر صوفیوں پر ملاں بننا فرض ہو جائے گا پس تیری گھڑی کی خیر اسی وقت تک ہے جب تک یہ منتظم جماعت دنیا میں موجود ہے تم تو رات کو پڑ کر آرام کرتے ہو اور آنکھ کھل گئی تو نماز و ذکر میں مشغول ہو جاتے ہو اور مولویوں کی یہ حالت ہے کہ حضرت شاہ اسماعیل صاحب رات

Maktaba Tul Ishaat.com

کو سید صاحب کے مہمانوں کے پیر دبایا کرتے تھے اور اگر کوئی پوچھتا کون ہے تو فرما دیتے کہ میں ہوں سید صاحب کا نوکر یہ سنکر مہمان خاموش ہو جاتے بہت عرصہ کے بعد معلوم ہوا کہ مولانا اسماعیل صاحب پیر دبانے آیا کرتے ہیں یہ تو پہلے بزرگوں کا قصہ ہے اور میں نے اپنے استاد مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہ کی ایک حکایت اس سے بڑھ کر سنی ہے مجھے تو یہ حکایت سن کر پسینہ آ گیا کہ حضرت نے اپنے کو کس درجہ مٹایا تھا وہ یہ کہ حضرت کے یہاں ایک مہمان آئے جن کے ساتھ ایک کافر بھی تھا گرمی کی دوپہر میں جب مہمان سو رہے تو مولانا دبے دبے پاؤں تشریف لائے اور اس ہندو کے پاؤں دبانا شروع کئے راوی کا بیان ہے کہ اس وقت میں اتفاق سے جاگ رہا تھا میں گھبرا کر پہنچا اور عرض کیا کہ حضرت آپ یہ کیا کر رہے ہیں فرمایا یہ بیچارہ تھکا ماندہ ہے اس کی تھکن اتار رہا ہوں میں نے کہا حضرت پھر میں دبا دوں گا آپ ہٹ جائیں فرمایا نہیں تم تو خود تھکے ہوئے ہو اور مہمان بھی بس تم پڑے رہو غرض نہ معلوم کتنی دیر تک اس کافر کے پیر دبائے اور وہ بے ہوش پڑا سوتا رہا کیونکہ کافروں کی آنکھ تو مرنے ہی پر کھلے گی جب عذاب کے فرشتے نظر آئیں گے تو یہ بیداری میں بھی سوتے ہی رہتے ہیں۔ اور مولانا پر غلبہ حال تھا کہ منتہی ہو کر ایسا کام کیا بھلا آج کل کسی صوفی نے بھی ایسا کیا ہے ہم نے تو کسی کو نہیں سنا پھر وہ کس منہ سے علماء پر آوازیں کستے ہیں لیکن اس جگہ منتہیوں کیلئے ایک بات کہتا ہوں اور شاید وہ بات آپ مجھ ہی سے سنیں گے کسی اور سے نہ سنیں گے وہ یہ کہ جس جگہ زیادہ تواضع کرنے سے دوسرے کو تکلیف ہوتی ہو وہاں قصداً اتنی تواضع نہ کرو باقی اگر حال ہی غالب ہو جائے یا اس احتمال کی طرف التفات ہی نہ ہو وہ اور بات ہے۔

تواضع میں ضرورت اعتدال

جیسے مولانا محمد حسین صاحب الہ آبادیؒ فرماتے تھے کہ ایک دفعہ میں حرم میں بیٹھا ہوا تھا اور جوتے دروازے پر چھوڑ آیا تھا کہ حاجی صاحب قدس سرہ تشریف لائے اور آپ نے میرے جوتے لا کر چپکے سے میرے پاس رکھ دیئے اور فرمایا کہ وہ جگہ اطمینان کی نہ تھی جوتے اپنے پاس رکھنا چاہیے۔ مولوی صاحب فرماتے تھے کہ میں ندامت میں غرق ہو گیا

Maktaba Tul Ishaat.com

اور دیر تک پسینہ پر پسینہ آتا رہا کہ اللہ اکبر کہاں حضرت اور کہاں یہ تکلیف میں نے کیسی حماقت کی مگر حضرت کو اس طرف التفات ہی نہیں ہوا کہ یہ کوئی بڑی تواضع کی بات ہے تو بعض طبائع کو بلکہ اکثر کو واقعی اپنے بزرگوں کی زیادہ تواضع کرنے سے بہت ندامت و تکلیف ہوتی ہے اور بعضے بزرگوں کو اپنے خدام کی خدمت سے بھی تکلیف ہوتی ہے وہ اس کو پسند نہیں کرتے کہ کوئی خادم ان کی جوتیاں اٹھاوے اور رکھے تو وہاں ان کی بھی ایسی خدمت نہ کرے چنانچہ مولانا محمد قاسم صاحبؒ کی جوتیاں ایک حافظ صاحب نے جو مولانا کے مرید بھی تھے اٹھا کر رکھ دیں تو مولانا کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے کہ حافظ صاحب یہ جوتے تو تبرک اور سر پر رکھنے کے قابل ہو گئے اب بتلاؤ پاؤں میں کیا پہنوں۔ مطلب یہ تھا کہ آئندہ سے ایسا نہ کرنا مجھے تکلیف ہوتی ہے۔ مگر اس مضمون کو لطیف عنوان سے بیان فرمایا اسی طرح ہمارے استاد مولانا فتح محمد صاحب کو لوگوں کی خدمت سے تکلیف ہوتی تھی وہ اس کو پسند نہ کرتے تھے کہ کوئی انکی جوتیاں اٹھاوے۔ ایک دفعہ مولانا جوتیاں اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے جامع مسجد کے فرش پر آرہے تھے کہ ایک معتقد دوڑے اور جوتیاں لینا چاہا مولانا نے نہیں دیں اس شخص نے ایک ہاتھ سے مولانا کی کلائی زور سے پکڑی اور دوسرے ہاتھ سے جھٹکا دے کر جوتے چھیننے کی کوشش کر رہا تھا کہ اتنے میں میں پہنچ گیا اور میں نے اس کو ڈانٹا دھمکایا کہ بزرگوں کے ساتھ یہ گستاخی کہ ان سے چھینا جھپٹی کرتے ہو بس خدمت وہی اچھی جس سے بزرگوں پر گرانی نہ ہو غرض بزرگوں کو بھی اس کا خیال کرنا چاہیے کہ اپنے خدام کے ساتھ ایسی تواضع نہ کریں جس سے ان کو خجلت و کلفت ہو اور خدام کو بھی اس کا خیال کرنا چاہیے کہ اپنے بزرگوں کو جو خدمت ناگوار ہو وہ نہ کیا کریں۔ بلکہ بزرگوں کیلئے تو اس کی ضرورت ہے کہ کبھی کبھی خادم سے کہہ دیا کریں کہ جوتے وہاں سے اٹھا کر یہاں رکھ دو اس کے یہ معنی نہیں مریدوں کو ذلیل کیا کریں بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس سے خادم خوش ہوں گے کہ ہم کو اپنا سمجھتے ہیں اور کبھی یہ خدمت بہ نیت اصلاح و تعلیم تواضع کے لینا چاہیے کیونکہ اصلاح اسی طرح ہو سکتی ہے۔ کہ عملاً اس کا رتبہ بتلا دے خود خادم بن کر آپ مخلوق کی اصلاح نہیں کر سکتے۔ بلکہ آج کل طبائع میں ایسی کجی ہے کہ چند دن کے بعد ایسا کرنے سے عام

Maktaba Tul Ishaat.com

لوگ بیباک ہوکر سر پر چڑھ جائیں گے اور خود تمہاری ہی اصلاح کرنے لگیں گے جیسے ایک بزرگ سے سانپ بیعت ہوگیا تھا آپ نے اس سے عہد لیا کہ کسی کے کاٹنا نہیں اس نے عہد کرلیا یہ خبر جانوروں کو بھی ہوگئی تو سب نے آکر اسے تنگ کرنا اور نوچنا کھسوٹنا شروع کردیا کیونکہ اس سے تو اطمینان تھا کہ یہ کاٹے گا نہیں چند روز کے بعد ان بزرگ کا جنگل میں سے گزر ہوا تو سانپ کو زخمی برے حال میں دیکھا پوچھا کیا ہوا تو مردہ کیوں ہورہا ہے کہا حضرت میری بیعت وعہد کا حال جانوروں کو معلوم ہوگیا اب سب مجھے مارتے اور تنگ کرتے ہیں اگر میں کچھ کہوں تو بیعت ٹوٹتی ہے۔ فرمایا میں نے کاٹنے سے منع کیا ہے پھنکارنے سے منع نہیں کیا اب کے کوئی تیرے پاس آئے تو پھن اٹھا کر پھنکار دیا کر جس سے دیکھنے والے کو یہ شبہ ہو کہ کاٹنا چاہتا ہے اب غریب کو چین ہوا اور جانور دور بھاگنے لگے اسی طرح بزرگوں کو بھی بعض دفعہ پھنکارنے کی ضرورت ہے تاکہ لوگ سر نہ چڑھ جائیں چنانچہ شاہ فیصل الرحمٰن صاحب کا یہی رنگ غالب تھا اور ہمارے مشائخ ہر چند کہ بہت خلیق ہیں اور اپنے پاس آنے والوں کے ساتھ نرمی کرتے ہیں لیکن تعلیم کے وقت ضرورت کے موقعہ پر وہ بھی سیاست سے کام لیتے ہیں چنانچہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب ہمارے حضرات میں سب سے زیادہ نرم اور ایسے خلیق تھے کہ عوام بھی ان کو خلیق مانتے تھے لیکن مولانا کی ایک حکایت امیر شاہ خاں صاحب مرحوم نے بیان فرمائی اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ تعلیم کے وقت مولانا بھی سیاست سے کام لیتے تھے۔ امیر شاہ خاں صاحب کا بیان ہے کہ ایک دفعہ مولانا دہلی تشریف لائے اور شاید کسی مطبع میں قیام فرمایا مولانا احمد حسن صاحب امروہی بھی ساتھ تھے رات کو مولانا احمد حسن صاحب کی اور میری چارپائی متصل تھی اور مولانا کی چارپائی ذرا فاصلہ پر تھی ہم دونوں باہم باتیں کرنے لگے میں نے کہا صبح کی نماز ایک برج والی مسجد میں پڑھیں تو اچھا ہے کیونکہ سنا ہے وہاں کے امام قرآن اچھا پڑھتے ہیں وہ قاری بھی ہیں اور خوش الحان بھی ہیں اس پر مولانا احمد حسن صاحب نے چونکہ باہم خوب بے تکلفی تھی برہم ہوکر فرمایا کہ ارے پٹھان تو بڑا جاہل ہے کہ ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا چاہتا ہے جو ہمارے حضرت (یعنی مولانا محمد قاسم صاحب) کی تکفیر کرتا اور ان کی شان میں

Maktaba Tul Ishaat.com

گستاخی کرتا ہے یہ بات مولانا نے بھی سن لی فرمایا ارے احمد حسن مولانا کے تو وہ شاگرد تھے اور محبوب شاگرد تھے ان کو اس طرح خطاب کرنے کا حق تھا مگر ہم کو یہ حق نہیں کیونکہ مولانا احمد حسن صاحب ہمارے تو مخدوم ہیں ہاں نقل کرنے کا مضائقہ نہیں جیسے حق تعالیٰ کو **عصی آدم ربه فغوی** کہنے کا حق ہے کیونکہ وہ خدا ہیں اور آدم علیہ السلام ان کے بندے ہیں خدا کو حق ہے کہ اپنے بندہ کو جس طرح چاہیں خطاب فرمائیں گو وہ بندہ کیسا ہی عالی رتبہ ہو مگر خدا تعالیٰ کے سامنے تو سب بندے اور غلام ہی ہیں۔ لیکن ہمیں اور آپ کو اپنی طرف سے ایسا کہنے کا حق نہیں ورنہ گردن پنے گی البتہ نقل کا مضائقہ نہیں۔ چنانچہ تلاوت میں بطور نقل کے ہم اس کو پڑھتے ہی ہیں غرض مولانا نے فرمایا ارے احمد حسن میں تو سمجھا تھا کہ تجھے کچھ علم آ گیا تو اوروں کو جاہل کہتا ہے مگر تو خود جاہل ہے ارے کیا وہ امام محض اس وجہ سے کہ میری تکفیر کرتا ہے امامت کے قابل نہیں رہا یہ تو اس کی دینداری کی علامت ہے کیونکہ وہ جو مجھے برا کہتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کو کسی کے ذریعہ سے میرے متعلق کوئی بددینی کی بات پہنچی ہے جو اسکے نزدیک بددینی میں داخل ہے اس حالت میں تو اس پر واجب تھا کہ مجھے برا سمجھے یہ تو اس کی دینداری کی علامت ہے کہ جس شخص کے متعلق اس کو بددینی کی بات پہنچتی ہے جس کو وہ اپنے زعم میں دین کے خلاف سمجھتا ہے اس کو برا سمجھتا ہے اس کے بعد فرمایا کہ صبح کو ہم اسی امام کے پیچھے نماز پڑھیں گے چنانچہ صبح کو وہیں تشریف لے گئے اور اپنے مخالف کے پیچھے نماز پڑھی اس حکایت سے مولانا کے بہت سے کمالات ظاہر ہوتے ہیں منجملہ انکے یہ بھی ہے کہ تربیت و تعلیم کے وقت مولانا سیاست و تنبیہ سے کام لیتے اور حاکمانہ لہجہ اختیار فرماتے تھے تواضع محض کی صورت میں ہر موقع پر اختیار نہ فرماتے تھے اور واقعی بدون اس کے اصلاح دشوار ہے باقی مولانا محمد اسمٰعیل صاحب اور مولانا دیوبندی رحمہما اللہ تعالیٰ کے جو واقعات میں نے اوپر بیان کئے ہیں وہ غلبہ حال کا اثر تھا اور غلبہ حال ہر وقت نہیں رہا کرتا لیکن میں یہاں سے مبتدیوں کے کان کھولتا ہوں کہ جب ان حضرات نے جو منتہی تھے ایسے ایسے کام کئے ہیں اور مسافروں اور کافروں تک کے پیر دبائے ہیں تو تم کو مبتدی ہو کر ان کاموں سے کیا شے مانع ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

طریق اصلاح کی شرط اول

افسوس آج کل کے مبتدی عوام کے سامنے تو اپنے کو کیا مٹاتے یہ تو اپنے کو شیخ کے سامنے بھی نہیں مٹاتے جس کے سامنے اپنے کو پامال کر دینا طریق کی اول شرط ہے مگر یہ اس کے سامنے بھی اپنی فکر و رائے کو فنا نہیں کرتے خود رائی سے کام لیتے ہیں حالانکہ کمال اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتا جب تک اپنے کو کسی کامل کے ہاتھ میں کالمیت فی ید الغسال سپرد نہ کر دو اور حقائق کا انکشاف بھی اسی پر موقوف ہے۔ چنانچہ اس حقیقت میں جو آج کل خلط ہو رہا ہے کہ یہ خبر نہیں تعلق مع الخلق کس درجہ میں مانع ہے اور کس درجہ میں مانع نہیں ہے اس کی تحقیق کیلئے بھی صحبت کاملین کی اسی طرح ضرورت ہے کہ اپنے کو بالکل ان کے سپرد کر کے صحبت اختیار کی جائے یہ تو فاذا فرغت فانصب کے متعلق گفتگو تھی آگے ارشاد ہے والی ربک فارغب ، اس کا یہ ہے کہ اور اپنے رب ہی کی طرف رغبت اور توجہ کیجئے اس جملہ کے متعدد مسائل ہیں۔

توجہ الی اللہ اصل مطلوب ہے

ایک تو یہ کہ توجہ الی اللہ اصل مطلوب ہے اور توجہ الی الخلق گو وہ دین ہی ہو اصل مطلوب نہیں بلکہ مطلوب بالغیر ہے کیونکہ یہاں جس توجہ الی الخلق سے فارغ حاصل کرنے اور اس سے فارغ ہو کر رغبت الی اللہ میں مشغول ہونے کا امر ہے وہ توجہ الی الخلق بھی دین ہی تھی اس لئے کہ نبی کی توجہ الی الخلق افادہ خلق کے لئے ہوتی ہے اور افادہ خلق دین ہے اور یہاں سے بعض صوفیہ کے اس قول کی اصل معلوم ہوگئی کہ ولایت نبوت سے افضل ہے جس کا یہ مطلب نہیں کہ ولی نبی سے افضل ہوتا ہے جیسا کہ بعض حکما نے سمجھا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ نبی میں جو دو شانیں ہوتی ہیں ایک ولایت کی اور ایک نبوت کی تو نبی کی ولایت نبی کی نبوت سے افضل ہوتی ہے چنانچہ دیکھ لیجئے کہ نبی کی توجہ الی افادۃ الخلق من حیث النبوت تھی اور توجہ الی اللہ من حیث الولایت مگر یہاں حق تعالیٰ توجہ الی الافادہ کو بمقابلہ توجہ الی اللہ غیر مقصود بالذات بتلا رہے ہیں پس ثابت ہوا کہ اصل مطلوب نبی کیلئے بھی توجہ

Maktaba Tul Ishaat.com

الی اللہ ہے اور توجہ الی الافادہ مطلوب بالغیر ہے۔

بوقت فراغ مناسب معمول

دوسرے یہاں تقدیم معمول سے یہ مسئلہ مستنبط ہوا کہ فراغ کے وقت میں حق تعالیٰ کی طرف توجہ کلی ہونا چاہیے کہ اس وقت بجز حق تعالیٰ کے اور کسی چیز پر توجہ نہ ہو کیونکہ تقدیم معمول حصر کو مفید ہوتا ہے تو مطلب یہ ہوا **انصب الی ربک وحدہ لاترغب الی شئی غیرہ**، کہ اس وقت صرف خدا تعالیٰ کی طرف توجہ کیجئے اور کسی چیز کی طرف التفات نہ کیجئے بس یہ حال ہو۔

چہ خوش ست با تو بزمے بہ نہفتہ ساز کردن در خانہ بند کردن سر شیشہ باز کردن

اور اس سے بھی توجہ الی اللہ کا مطلوب بالذات اور توجہ الی الخلق کا مطلوب بالغیر ہونا ثابت ہوتا ہے کیونکہ توجہ الی اللہ میں تو توجہ خلق سے قطع نظر کا حکم ہے اور توجہ الی الخلق کے وقت یعنی تبلیغ کے وقت کہیں یہ حکم نہیں کہ صرف تبلیغ ہی پر توجہ ہو اور کسی کی طرف توجہ نہ ہو بلکہ اگر نصوص میں غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ تبلیغ کے وقت توجہ الی اللہ بھی مامور بہ ہے۔ بلکہ محققین نے تو تبلیغ کو بھی توجہ الی اللہ ہی فرمایا ہے مگر بواسطہ جیسے آئینہ میں سے صورت محبوب دیکھی جائے یہ بھی محبوب ہی کی روئیت ہے کہ آئینہ کی روئیت نہیں مگر یہ روئیت بواسطہ ہے اور عاشق کا تو کام ہی محبوب کو دیکھنا ہے اگر کسی وقت روئیت بلاواسطہ کی اجازت نہ ہو بلکہ آئینہ میں سے دیکھنے کا امر ہو تو وہ اسی کو غنیمت سمجھے گا اور کاملین کے لئے خلق مراۃ حق ہے ان کو اس میں بھی حق تعالیٰ ہی کا مشاہدہ ہوتا ہے غرض کامل توجہ الی الخلق میں بھی توجہ الی اللہ سے غافل نہیں ہوتا کیونکہ توجہ الی الخلق کے دو جز ہیں ایک ذکر دوسرے طاعت اور وہ توجہ الی الخلق میں ان دونوں سے غافل نہیں ہوتے۔ ذکر سے تو اس لئے غافل نہیں ہوتے کہ کوئی کام ان کو یاد محبوب سے نہیں ہٹا سکتا ہر کام میں اور ہر حالت میں ان کا دھیان اسی کی طرف لگا رہتا ہے اور یہ کچھ عجیب و غریب بات نہیں عشق مجازی میں بھی اس حالت کا سب مشاہدہ کرتے ہیں دیکھئے اگر آپ کسی سردار پر عاشق ہوں اور اپنی ملاقات کے لئے کوئی

Maktaba Tul Ishaat.com

وقت آپ کو بتلا دے کہ فلاں وقت فلاں جگہ آجانا اور آپ اس کیلئے تیاری کریں غسل کا انتظام کریں، کپڑے عمدہ پہننے چاہیں اور غسل سے پہلے حجامت بنوائیں تا کہ آدمیوں کی سی صورت ہو وحشیانہ شکل نہ ہو تو سچ بتلایئے کہ عین حجامت اور غسل سے تبدیل لباس کے وقت آپ کا دھیان محبوب کی طرف ہوگا۔ یقیناً آپ یہ سب کام کریں گے مگر دل اسی کے دھیان میں ہوگا، پھر سالکین و کاملین کی حالت پر آپ کو کیوں تعجب ہے اگر ان کو بھی ہر کام میں محبوب کی طرف دھیان رہے مولانا فرماتے ہیں۔

عشق مولی کے کم از لیلی بود　　گوئے گشتن بہراد اولی بود

مولیٰ کا عشق کیا لیلیٰ کے عشق سے بھی کم ہے۔ گیند بننا اس کے لئے زیادہ بہتر ہے اور شیخ فرماتے ہیں۔

ترا عشق ہمچوں خودے زآب وگل ☆ رباید ہمہ صبر وآرام ودل
عجب داری ازسالکان طریق ☆ کہ باشند دربحر معنی غریق
دمادم شراب الم درکشند ☆ درتلخ بینند دم درکشند
چوسلطان عزت علم برکشد ☆ جہاں سر بجیب عدم برکشد

تجھے عشق اپنے جیسے مٹی اور پانی والے کا دل سے صبر اور آرام لے جاتا ہے۔ تعجب رکھتا ہے تو سالکان طریق سے جو کہ معنی کے دریا میں غرق ہو۔ دمبدم رنج کی شراب پیتے ہیں اگر کڑوا دیکھتے ہیں خاموش ہو جاتے ہیں۔ اگر عزت کا بادشاہ جھنڈا بلند کرے ساری دنیا ناپید ہو جاتی ہے۔

ذکر اللہ اور تجارت

جن پر یعنی جن کے دلوں پر حق تعالیٰ کی تجلی ہوتی ہے وہ بھلا کسی اور کی طرف کیونکر توجہ کر سکتے ہیں وہ بلاشبہ توجہ الی الخلق میں بھی مشاہدہ حق کرتے ہیں مگر لوگوں کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی۔ چنانچہ بعض لوگوں کو لاتلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ (انہیں تجارت اور بیع اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتی) پر شبہ ہوتا ہے کہ یہ کیونکر ہو سکتا ہے عین

Maktaba Tul Ishaat.com

بیع وتجارت کے وقت ذکر اللہ سے غفلت نہ ہو اور اللہ کی طرف دھیان رہے میں نے کہا کہ یہ اس طرح ہوسکتا ہے جیسے تم عین ذکر اللہ کے وقت تجارت کے حساب وکتاب سے غافل نہیں ہوتے اور نماز کے وقت بھی تجارت وغیرہ کے دھیان میں رہتے ہو نظیر تو موجود ہے پھر حیرت کیوں ہے۔ بھائی جس طرح تم کو ذکر اللہ تجارت سے غافل نہیں کرتا اور نماز کے اندر تجارت کا حساب کرتے ہو ایسے ہی ان کو تجارت ذکر اللہ سے غافل نہیں کرتی وہ تجارت میں بھی اللہ کی یاد کا حساب کرتے رہتے ہیں۔ بس بات یہ ہے کہ جو چیز دل میں پیوستہ ہو جاتی ہے اس سے کوئی چیز حاجب ومانع نہیں ہوتی تمہارے دل میں دنیا پیوست ہوگئی ہے اس لئے تم کو ذکر اللہ دنیا کی یاد سے اور اس کے دھیان سے مانع نہیں ہوتا اور اہل اللہ کے دل میں اللہ کی محبت پیوستہ ہوگئی ہے انکو کوئی چیز اور کوئی کام ان کی یاد سے مانع نہیں ہوتا یہ تو ذکر کی حالت ہے کہ توجہ الی الخلق میں بھی وہ ذاکر ہوتے ہیں۔ اور طاعت کی حالت یہ ہے کہ وہ ہر کام میں احکام شرعیہ کی رعایت کرتے ہیں چنانچہ تبلیغ میں بھی جس میں ظاہراً تعلق مع الخلق ہے اس کی رعایت کرتے ہیں جس سے وہ تعلق مع الخلق ہو جاتا ہے۔ چنانچہ تبلیغ میں وہ نرمی کرتے ہیں سختی اور درشتی نہیں کرتے مگر اسی وقت تک جب تک محبوب کی شان میں کوئی گستاخی نہ کرے اور جب مخاطب محبوب کی شان میں گستاخی کرنے لگے پھر ان سے زیادہ غصہ اور کوئی نہ ہوگا۔

حرمات الٰہیہ کی ہتک

حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ذات کے واسطے کبھی انتقام نہیں لیا۔ ہاں جب حرمات الٰہیہ کی ہتک ہوتی ہو تو پھر آپ سے زیادہ غصہ دار کوئی نہ تھا۔ اس وقت آپ اللہ کے واسطے انتقام لیتے تھے اور غزوہ بدر میں جب ستر کفار قید ہو کر آئے اور حضور ﷺ نے صحابہؓ سے ان کے متعلق مشورہ لیا تو حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ سب ائمۃ الکفر ہیں سب کو قتل کر دیا جائے اور ہر مسلمان کے حوالے اس کا کافر عزیز کیا جائے ہر شخص اپنے عزیز کو اپنے ہاتھ سے قتل کرے تاکہ سب دیکھ لیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کی محبت کے سامنے اپنے کسی عزیز کی محبت کی پروا نہیں کرتے پس جب انتہاک حرمات اللہ ہوتا ہو اس وقت یہ حضرات اپنے کسی عزیز کی بھی پروا نہیں کرتے۔ اور اس وقت انکی درشتی اور سختی

Maktaba Tul Ishaat.com

بھی سب حق کیلئے ہوتی ہے۔ اور جب دین کا ہتک نہ ہو تو پھر وہ نرمی اور خوش اخلاقی سے تبلیغ کرتے ہیں۔ غرض حضور ﷺ کیلئے تبلیغ بھی توجہ الی اللہ ہی تھی کیونکہ آپ توجہ الی الخلق میں بھی ذکر اللہ اور اطاعت میں مشغول تھے مگر حق تعالیٰ نے اس توجہ کو بھی مقصود بالذات نہیں قرار دیا بلکہ اصل مقصود اور مطلوب بالذات توجہ الی اللہ بلا واسطہ ہے لیکن حکمتوں کی وجہ سے یہ توجہ بواسطہ یعنی توجہ الی الخلق بھی شروع کی گئی تا کہ دوسروں کو بھی ایسا بنایا جائے کہ وہ توجہ الی اللہ بلا واسطہ کے اہل ہو جائیں۔

توجہ الی الخلق سے حضور ﷺ کا حال

اگر حضور ﷺ تبلیغ نہ فرماتے اور مخلوق پر توجہ نہ فرماتے تو بتلایئے آج ہمارا کیا حال ہوتا مگر باوجود اسکے کہ آپ کی توجہ الی الخلق محض دین تھی اور افادہ خلق کے لئے تھی پھر بھی اس توجہ کی وجہ سے حضور ﷺ کی حالت یہ تھی کہ آپ توجہ بلا واسطہ مقابلہ میں اس توجہ بواسطہ کے متعلق فرماتے ہیں انه ليغان على قلبي (الصحيح لمسلم' الذكر: ۴۱' مشكوة المصابيح : ۲۳۲۴) کہ میرے دل پر بھی کسی وقت ابر سا چھا جاتا ہے اس کی شرح میں علماء ظاہر تو تھک گئے مگر صوفیہ جو اہل اسرار ہیں انہوں نے آگے بڑھ کر تفسیر یہ کی ہے کہ اس غین سے مراد وہ گرانی ہے جو توجہ الی الخلق میں آپ پر ہوتی تھی کیونکہ حضور ﷺ کا طبعی تقاضا توجہ بلا واسطہ کا تھا توجہ بواسطہ طبعاً گراں تھی نہ اس وجہ سے کہ یہ وسائط آپ کیلئے معاذ اللہ مانع عن الحق تھے ہرگز نہیں آپ کی شان تو بہت بڑی ہے اور ادنیٰ درجہ کا صوفی یوں کہتا ہے۔

ہر چہ بینم در جہان غیر تو نیست ☆ یا توئی یا خوئے تو یا بوئے تو

دنیا میں جو کچھ دیکھتا ہوں سوائے تیرے نہیں ہے یا تو خود ہے یا تیری عادت ہے یا تیری خوشبو ہے۔

جب ایک ادنیٰ صوفی کے لئے تمام جہان مرآۃ حق ہے اور اس کی کوئی چیز حق سے مانع نہیں ہے۔ تو رسول اللہ ﷺ کے متعلق یہ کس کی مجال ہے جو توجہ الی الخلق کو آپ کے حق میں توجہ حق سے مانع کہہ سکتے نہیں بلکہ بات وہی ہے کہ آپ کا اصلی تقاضا توجہ بلا واسطہ کا تھا۔ آپ کا دل یہی چاہتا تھا کہ حضرت حق کی طرف بلا واسطہ توجہ کروں اور توجہ الی الخلق میں بھی گو توجہ الی الخلق تھی مگر بواسطہ تھی یہ واسطہ آپ پر گراں تھا مگر حکمت کی وجہ سے

Maktaba Tul Ishaat.com

حق تعالیٰ نے آپ کو توجہ الی الخلق کا مامور کیا تا کہ مخلوق کی اصلاح ہو اسی کو دوسری آیت میں فرماتے ہیں :والی ربک فارغب، یعنی جب آپ تبلیغ وافادہ خلق سے فارغ ہو جائیں تو اب صرف خدا تعالیٰ کی طرف توجہ فرمایئے جو آپ کا اصلی تقاضا ہے اور وہی مطلوب بالذات ہے بہر حال اس جملہ سے یہ مسئلہ مستنبط ہوا کہ فارغ وقت میں جب حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو تو اس وقت صرف حق تعالیٰ ہی کی طرف توجہ کرو اس وقت توجہ بواسطہ نہ ہونا چاہیے بلاواسطہ ہونا چاہیے اگر تنہائی میں بھی یہ واسطے باقی رہے تو وقت ہی ضائع کیا آخر پھر توجہ بلاواسطہ کا کونسا وقت ہوگا اسی کو شیخ شیرازیؒ فرماتے ہیں۔

چو ہر ساعت از تو بجائے رود دل ☆ بہ تنہائی اندر صفائے نہ بینی
گرت مال وزر ہست زرع وتجارت ☆ چو دل با خدا ہست خلوت نشینی

جو ہر گھڑی تیرا دل بھاگا بھاگا پھرے تو تنہائی کے اندر بھی صفائی نہ دیکھے گا اور اگر تیرے پاس مال اور سونا ہے اور زراعت اور تجارت ہے جب تیرا دل خدا کے ساتھ ہے تو خلوت میں بیٹھنے والا ہے۔

یعنی اگر صورۃ خلوت ہو مگر قلب تعلقات میں گرفتار ہو تو اس خلوت کا کچھ فائدہ نہیں اور اگر مال وزر اور کھیتی اور تجارت میں بھی دل خدا تعالیٰ کے ساتھ لگا ہوا ہو تو تم جلوت میں بھی خلوت نشین ہو اسی مضمون کو ایک دوسرے بزرگ فرماتے ہیں۔

گر با ہمہ چو با منی بے ہمہ ☆ ور بے ہمہ چو بے معنی با ہمہ

اگر تو تمام مخلوق کے ساتھ اور دل میرے ساتھ ہو تو بغیر سب کے ہے۔ اور اگر تو بغیر سب کے ہے اور میرے ساتھ نہیں تو سب کیساتھ ہے۔

حضرت عمرؓ کا نماز میں انتظام لشکر کشی

پس کم از کم خلوت میں تو ایسی توجہ ہونا چاہیے کہ اس وقت دل خیالات غیر سے پاک ہو ورنہ وہ خلوت خلوت نہ ہوگی بلکہ جلوت ہوگی البتہ اگر ایسا خیال ہو جس کی اجازت محبوب کی طرف سے ہو یعنی دین کا ہو اور ضرورت کا ہو تو وہ خلوت کے منافی نہیں اور ایسا خیال قرب مقصود کے خلاف نہیں ہے۔ اس خیال کی ایک نظیر وہ ہے جس

Maktaba Tul Ishaat.com

کو حضرت عمرؓ فرماتے ہیں۔ انی لا جھز جیشی وانا فی الصلوٰۃ، کہ میں نماز میں لشکر کشی کا انتظام کرتا ہوں وجہ اس کی یہ تھی کہ یہ بھی دین ہی کا کام تھا اور ضروری تھا۔ اور ذکر اللہ وماوالاہ، میں داخل تھا کیونکہ اس سے مجاہدین کے ذکر کی تکمیل ہوتی ہے۔ اور غافلوں کو ذاکر بنا کر اس سے کثرت ذاکرین کی تحصیل ہوتی ہے اور کثرت مشاغل کے سبب خارج نماز اوقات بعض دفعہ اس کیلئے کافی نہ ہوتے تھے اور نماز میں یکسوئی ہوتی ہے اور تدبیر وانتظام کا کام محتاج یکسوئی تھا اس لئے حضرت عمرؓ نماز میں بضرورت یہ کام کر لیتے تھے اور یہاں سے غلطی معلوم ہوئی ان لوگوں کی جو آج کل مشوروں کے لئے جلسے کرتے پھرتے ہیں بھلا مشورہ بھی کہیں جلسوں میں ہوا کرتا ہے۔ صاحب مشورہ کیلئے یکسوئی اور اجتماع قوت فکریہ کی ضرورت ہے اور مجمع کثیر میں قوت فکریہ کیسے مجتمع ہوگی۔ صاحبو! ایسے مہمات میں نظر کرنے کا طریقہ تو حق تعالیٰ نے خود قرآن میں ہم کو بتلا دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے قل انما اعظکم بواحدۃ، اس میں کفار کو رسالت محمدیہ ﷺ کی حقانیت معلوم کرنے کا طریقہ بتلایا گیا ہے کہ میں تم کو ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں ان تقوموا للّٰہ مثنی و فرادیٰ، کہ تم اللہ کے واسطے دو دو اور تنہا تنہا کھڑے ہو جاؤ یعنی آمادہ ہو جاؤ ثم تتفکروا مابصاحبکم من جنۃ، پھر سوچو کہ تمہارے رسول ﷺ کو جنون ہے یا نہیں تو تمہارا دل اس وقت یہی کہے گا کہ جنون نہیں ہے۔ اس میں سوچنے کا خاص طریقہ بتلایا گیا جس کے یہ اجزاء ہیں ایک یہ اہتمام کرو دوسرے یہ کہ یہ اہتمام اللہ کے لئے یعنی خلوص سے ہو تیسرے یہ کہ فکر کرو چوتھے یہ کہ مجمع نہ ہو کہ اس سے فکر میں تشتت ہوتا ہے یا تو اس کو اکیلے سوچو یا کوئی دقیق بات ہو تو ایک کو اور شریک کر لو اور ایک کی تحقیق نہیں مطلب یہ کہ اتنا تعدد ہو جو مشوش فکر نہ ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو کام یکسوئی کے محتاج ہیں وہ جلسوں میں طے نہیں ہو سکتے مگر آج کل لوگ عام طور پر اس غلطی میں مبتلا ہیں کہ مشورہ کیلئے جلسے کرتے ہیں جس میں ہزاروں آدمی ہوتے ہیں بھلا اس طرح مشورہ کیا خاک ہوگا غرض حضرت عمرؓ کی یہ خلوت میں جلوت چونکہ باذن حق تھی اس لئے الی ربک فارغب کے منافی نہ تھی خوب سمجھو۔

تیسرا مسئلہ اس سے یہ مستنبط ہوا کہ الی ربک فارغب میں توجہ الی اللہ کا امر

Maktaba Tul Ishaat.com

فرمایا گیا ہے اور قاعدہ شرعیہ ہے کہ اوامر میں حد اختیار تکلیف ہوتی ہے اور جو درجہ حد اختیار سے خارج ہو وہ مکلف بہ نہیں ہوتا یہاں تک کہ ایک بڑا مسئلہ حل ہوا وہ یہ کہ اگر کسی کو نماز و ذکر میں وساوس بے اختیار آتے ہوں خواہ اپنے کاروبار کے وساوس یا کوئی مرد کسی عورت پر یا امرد پر (جس کے لفظی معنی تو بڑے مرد کے ہو سکتے ہیں کیونکہ یہ مرد کا افعل التفضیل ہے اور حقیقت میں وہ چھوٹا مرد ہے) فریفتہ ہو گیا ہو اور اس کی طرف دل کو ہٹانا چاہتا ہو لیکن اضطراراً بلا اختیار اس کا خیال نماز و ذکر میں آ جاتا ہو تو یہ مضر نہیں اس میں بہت لوگ مبتلائے غم ہیں اور ان وساوس سے پریشان ہوتے ہیں تو وہ مطمئن رہیں کہ یہ خیالات اضطراریہ توجہ کامل کے منافی نہیں ان سے کچھ ضرر نہیں ہوتا البتہ اختیاری وساوس نہ ہوں۔ جن میں یہ مضطر نہیں۔ غرض کمال توجہ الی اللہ کے منافی وہ وساوس و خیالات ہیں جو اختیاری ہوں اگر وہ وساوس اختیاریہ مباحات کے درجہ میں ہیں تو ان سے گناہ تو نہ ہوگا البتہ ذکر ناقص ہوگا اور اگر تصورات محرمہ ہیں تو ان سے گناہ بھی ہوگا چنانچہ نص میں وارد ہے ۔ **واللہ یعلم خائنۃ الاعین وماتخفی الصدور** (اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں آنکھوں کی خیانت کو اور جو تمہارے سینوں میں چھپا ہے) اور **وان تبدوا مافی انفسکم اوتخفوہ یحاسبکم بہ اللہ** (اور اگر تم ظاہر کرو جو تمہارے دلوں میں ہے دیا اسے چھپاؤ اللہ تم سے اس کا حساب لیں گے) ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ وساوس پر بھی مواخذہ ہوگا اگر حدیث نہ ہوتی تو ہم ان نصوص کو عام ہی سمجھتے کیونکہ مافی انفسکم اور ماتخفی الصدور میں لفظ ما عام ہے۔ لیکن حدیث سے تفسیر معلوم ہوئی کہ مراد وساوس اختیاریہ ہیں جو درجہ عزم میں ہوں اور اب حدیث سے مسئلہ منکشف ہونے کے بعد تو خود آیت کے الفاظ پر نظر کر کے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے کہ مراد اختیاری خیالات ہیں کیونکہ ابداء و اخفاء افعال اختیاریہ ہیں۔ جن کا تعلق افعال اختیاریہ ہی سے ہوگا اور اس کے بعد **لایکلف اللہ نفسا الا وسعہا** (اللہ تعالیٰ کسی کو اسکی حیثیت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے) نے مطلب کو بالکل صاف کر دیا کہ وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں اور وساوس اضطراریہ وسعت سے خارج ہیں۔ بعض لوگوں کو **ولقد خلقنا الانسان ونعلم ماتوسوس بہ نفسہ ونحن اقرب الیہ من حبل الورید** (اور ہم نے انسان کو پیدا کیا اور اس کے جی میں جو خیالات آتے ہیں ہم ان کو جانتے ہیں اور ہم انسان کے اس

Maktaba Tul Ishaat.com

قدر قریب ہیں کہ اس کی رگِ گردن سے بھی زیادہ) سے شبہ ہوا ہے کہ اس سے مطلق وسوسہ پر مواخذہ معلوم ہوتا ہے کیونکہ محاورات قرآنیہ سے اکثر جگہ اخبار عن العلم سے وعید ہی مقصود ہوتی ہے۔ مگر سیاق وسباق میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مواخذہ کا ذکر نہیں بلکہ دراصل یہاں اوپر سے اثبات معاد کا ذکر ہے جس کیلئے اثبات قدرت علم کی ضرورت ہے تو حق تعالیٰ نے اول قدرت کو بیان فرمایا ہے کہ ہماری قدرت کامل ہے چنانچہ اوپر فرمایا ہے۔

افلم ینظر واالی السماء فوقھم کیف بنینا ھا وزینا ھا ومالھا من فروج، والارض مددنھا والقینا فیھا رواسی وانبتنا فیھا من کل زوج بھیج، الی قولہ افعیینا بالخلق الاول بل ھم فی لبس من خلق جدید.

اثبات قدرت کے بعد اب علم کامل کو ثابت فرمارہے ہیں، **ولقد خلقنا الانسان ونعلم ماتوسوس بہ نفسہ ونحق اقرب الیہ من حبل الورید**

ترجمہ: کیا ان لوگوں نے اپنے اوپر کی طرف آسمان کو نہیں دیکھا کہ ہم نے اس کو کیسا اونچا اور بڑا بنایا اور ستاروں سے اس کو آراستہ کیا اور اس میں کوئی رخنہ تک نہیں اور زمین کو ہم نے پھیلایا اور اس میں پہاڑوں کو جمایا اور اس میں ہر قسم کی خوشنما چیزیں اگائیں جو ذریعہ ہے بینائی اور دانائی کا ہر رجوع ہونے والے بندہ کیلئے اور ہم نے آسمان سے برکت یعنی نفع والا پانی برسایا پھر اس سے بہت سے باغ اگائے اور کھیتی کا غلہ اور لمبی لمبی کھجور کے درخت جن کے گچھے خوب گندھے ہوتے ہیں بندوں کے رزق دینے کیلئے اور ہم نے اس (بارش) کے ذریعہ سے مردہ زمین کو زندہ کیا پس اسی طرح زمین سے نکلنا ہوگا ..... سے ..... (تا) کیا ہم پہلی بار کے پیدا کرنے میں تھک گئے بلکہ یہ لوگ از سر نو پیدا کرنے کی طرف سے (محض بے دلیل) شبہ میں ہیں۔

کہ ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے (اور اپنی پیدا کی ہوئی چیز کا علم ہم کو کیسے نہ ہوگا) اور ہم ان باتوں کو بھی جانتے ہیں جو اس کے دل میں گزرتی ہیں اور ہم رگ گردن سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔ پس اب یہاں **ونعلم ماتوسوس بہ نفسہ** ایسا ہے جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے **الایعلم من خلق** کیا جس نے پیدا کیا وہ بھی (تم کو) نہ جانے گا (تو اور کون جانے گا یعنی خالق کو بالضرور مخلوق کا علم ہوگا) پس آیت کو مواخذہ سے کچھ تعلق نہیں اب اگر کسی کو یہ

Maktaba Tul Ishaat.com

احتمال ہو کہ جس طرح اس آیت کا مواخذہ سے تعلق نہیں ممکن ہے کہ دوسری آیات کو بھی مواخذہ سے تعلق نہ ہو جن سے تم نے وساوس وخیالات اختیاریہ پر مواخذہ کو ثابت کیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وہاں قرائن سیاق وسباق سے مواخذہ پر دلالت مفہوم ہو رہی ہے۔

قلب کی تمنا اور اشتہا پر مواخذہ

اور اگر کوئی آیات سے نہ سمجھے تو حدیثوں میں تو یہ مسئلہ صاف طور پر مذکور ہے رسول ﷺ فرماتے ہیں العینان تزنیان وزنا ھماالنظر والقلب یتمنی ویشتھی ویصدق ذلک الفرج اویکذبہ (مسند احمد ۲:۳۷۲، مجمع الزوائد ۶:۲۵۶)، اس میں حضور ﷺ نے آنکھ کے لئے بھی زنا ثابت فرمایا ہے اور قلب کے لئے بھی کہ آنکھ بھی زنا کرتی ہے۔ اس کا زنا دیکھنا ہے (بقصد شہوت) اور دل بھی زنا کرتا ہے اس کا زنا تمنا اور اشتہا ہے آگے فرج کے زنا کو الگ بیان فرمایا ہے اس سے صاف معلوم ہوا کہ قلب کی تمنا واشتہا پر بھی مواخذہ ہے مگر وہی جو بقصد ہو جو بلا قصد تو وسوسہ زنا کیا کفر وشرک کے وساوس بھی مضر نہیں پس وساوس غیر اختیاریہ سے بالکل مطمئن رہو ان سے کچھ بھی ضرر نہیں ہوتا۔ میں اس مسئلہ کو تاکید وتوضیح کے ساتھ اس لئے بیان کر رہا ہوں کہ بہت لوگ اس کے نہ جانے کی وجہ سے پریشانیاں اور وہم میں مبتلا ہیں اور اس میں عوام کو زیادہ ابتلاء نہیں زیادہ وساوس کے وہم میں آپ اتقیاء کو مبتلا دیکھیں گے کیونکہ شیطان اپنے وقت کو خراب نہیں کرتا ہے وہ بڑا جنٹلمین ہے کہ وہ بے ضابطہ اپنے وقت کو فضول ضائع نہیں کرتا بلکہ ضابطہ سے کام کرتا ہے۔ تو جن سے وہ گناہ بھی آسانی سے کرا سکتا ہو ان کو وسوسے کیوں ڈالے اور خواہ مخواہ القاء وساوس میں اپنا وقت کیوں برباد کرے ہاں جن سے گناہ بلا واسطہ نہیں کرا سکتا اور یہ اتقیاء ہیں جن سے اگر وہ زنا یا چوری کرانا چاہے تو جانتا ہے کہ وہ فوراً اس سے متوحش ہوں گے اور کبھی اس فعل پر جرات نہ کریں گے ان کو وہ عبادت کے وقت وساوس میں مبتلا کرتا اور اس طرح پریشان کرتا ہے تاکہ وساوس سے گھبرا کر یہ عبادات کو ترک کر دیں چنانچہ بہت سے اتقیاء کو اس نے وساوس کے چکر میں ڈال کر عبادات وذکر سے معطل کر دیا کیونکہ ان کی حالت یہ ہو گئی ویسے بیٹھے رہیں تو ایک وسوسہ بھی پاس نہیں آتا

Maktaba Tul Ishaat.com

اور جہاں نماز وذکر میں مشغول ہوئے معاً وساوس کفر وشرک ومعاصی کے آنا شروع ہوئے پھر چونکہ وہ محقق نہ تھے اس لئے گھبرا گئے۔ اور نماز وذکر چھوڑ بیٹھے اور شیطان اپنے مقصود میں کامیاب ہوگیا، مگر جو محقق ہیں وہ اس سے نہیں گھبراتے کیونکہ ان کی نظر میں قرآن وحدیث ہے اور عمل بالقرآن ان کی طبیعت ثانیہ ہوگئی ہے ان میں رسول اللہ ﷺ کا اس شان کا ظہور ہے کان خلقه القرآن (مسند احمد ۹۱۶، کنز العمال ۱۸۳۷۸) وہ تو وساوس آنے کے وقت کہتے ہیں الحمدللّٰه الذی رد کیده الی الوسوسته (سنن ابی داؤد ۵۱۱۲، مسند احمد ۱:۲۳۵) کہ خدا کا شکر ہے کہ دشمن کی سب چالیں ختم ہوکر وسوسہ ہی پر رہ گئیں وہ ان وساوس سے نہیں گھبراتا بلکہ شیطان سے کہتا ہے کہ آ جتنے وسوسے ڈال سکے ڈال دے میرا کچھ ضرر نہیں ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ وسوسہ سے خوش ہونا چاہیے تاکہ شیطان تمہاری خوشی کو دیکھ کر بھاگ جائے کیونکہ اس کو مسلمان کی خوشی گوارا نہیں وہ تو رنج دینے کیلئے وسوسہ ڈالتا ہے پھر جب دیکھے گا کہ اس کو تو الٹی خوشی ہے بھاگ جائے گا۔

وساوس سے نجات کا سہل نسخہ

میں ایک بات اور کہتا ہوں وہ یہ کہ وساوس پر اس نیت سے خوش نہ ہو کہ اس خوشی سے وساوس دفع ہو جائیں گے کیونکہ شیطان ان نکتوں کو سمجھتا ہے جب وہ دیکھے گا کہ یہ دفع وساوس کے لئے تدبیر کر رہا ہے تو وہ کبھی نہ بھاگے گا بس اس کا سہل نسخہ یہی ہے کہ ان کی پروا ہ ہی نہ کرے اور دفع کی نیت ہی نہ کرے اس جگہ میں سالکین سے ایک اور بات کہتا ہوں کہ تم مجاہدہ کرو مگر ثمرات کے منتظر نہ ہو کام میں لگے رہو اور شیطان کے جلدی بھاگنے کا انتظار نہ کرو کیونکہ وہ تم سے جلدی سے جلدی نہ بھاگے گا بلکہ وہ تو اس وقت بھاگے گا جب ذکر راسخ ہو جائے گا۔ اور ذکر کا راسخ ہونا ایک دو دن کا کام نہیں۔

صوفی نشود صافی تا درنکشد جامے ☆ بسیار سفر باید تا پختہ شود خامے

صوفی صاف نہیں ہوتا جب تک کہ محبت کی شراب کا پیالہ نہیں پیتا۔ بہت سے سفروں کی ضرورت ہے جب کچا پکا ہوتا ہے۔

مگر آج کل یہ حالت ہے کہ جاهل اذاصلی یومین انتظر الوحی کہ کسی

Maktaba Tul Ishaat.com

جاہل کی طرح دو دن تہجد پڑھ کر سمجھتے ہیں کہ بس اب ہم کامل ہو گئے اب شیطان ہمارے پاس نہیں آسکتا ان کی وہی مثال ہے رات پڑی تھی بوند نام رکھا محمود (یہاں پہنچ کر عصر کی اذان ہو گئی تو فرمایا کہ اب میں ختم ہی کرنے والا ہوں نماز سے پہلے ہی بیان ختم کر دوں گا پھر خاموشی کے ساتھ اذان کا جواب دیتے رہے بعد اذان کے فرمایا) میں یہ عرض کر رہا تھا کہ وساوس بلا اختیار پر اور رغبت اضطراریہ الی الاجنبیہ وغیرہ پر مواخذہ نہیں بلکہ مواخذہ قصد پر ہے اگر قصداً وساوس لائے گا یا عمداً کسی مرد یا عورت کی طرف توجہ کرے گا تو گناہ ہوگا اور اسی پر مواخذہ ہے یہی مضر ہے رہا یہ کہ بلا اختیار اگر نامحرم کی طرف رغبت ہو یا وسوسہ آئے تو اس کا دفع مطلوب ہے یا نہیں عام کے ذہن میں جس میں علماء کا لعوام کا ذہن بھی داخل ہے یہ کہ اس کا دفع مطلوب ہے اس لئے عام لوگ اس کے دفع کی کوشش کرتے ہیں مگر محققین فرماتے ہیں کہ دفع کے قصد سے بھی اس کی طرف توجہ نہ کرے بلکہ جب وسوسہ آئے اس وقت مقصود کی طرف توجہ کی تجدید کر دے اور وسوسہ کے نہ احضار کا قصد کرے نہ دفع کا کیونکہ دفع بدون توجہ کے ہوگا نہیں تو دفع وسوسہ کا قصد کرنے سے اس کی طرف اور توجہ بڑھے گی۔ گھٹے گی نہیں پھر جب شیطان اس کو وسوسہ کی طرف متوجہ پائے گا تو اور زیادہ وسوسہ ڈالے گا بس اس کی ایسی مثال ہے جیسے تار برقی کہ اگر اس کو اپنی طرف قریب کرنے کی نیت سے پکڑو جب بھی چمٹتا ہے اور دفع کی نیت سے پکڑو جب بھی چمٹتا ہے بس سلامتی اسی میں ہے کہ اس کو پکڑو ہی نہیں نہ جلب کے لئے نہ دفع کیلئے بس اپنے کام میں لگے رہو اور اگر کوئی یہ کہے کہ یہ تدبیر مذکور کافی نہیں کیونکہ اجنبیہ کا خیال نہ توجہ الی اللہ سے دفع ہوتا ہے نہ اس خیال کی طرف بے التفاتی برتنے سے تو میں کہتا ہوں کہ تم غم نہ کرو ان شاء اللہ اسی طرح رفتہ رفتہ ایک دن دفع ہو جائے گا اور اگر عمر بھر بھی دفع نہ ہو تو تم اس تدبیر کے کرنے کے بعد سبکدوش ہو گئے اب تم کو اس خیال سے کچھ ضرر نہیں بلکہ نافع ہوگا کیونکہ تم مجاہدہ میں مشغول ہو اور میرے اس دعوی کی دلیل ایک حدیث ہے جس کو مختلف طرق سے روایت کیا گیا ہے جن میں سے بعض طرق میں ایک وضاع بھی ہے مگر سب میں نہیں ہے ہاں ضعیف سب طرق ہیں مگر اس کا مضمون قواعد شرعیہ کے موافق ہے اس لئے ضعف بھی منجبر ہوگا۔

Maktaba Tul Ishaat.com

عفت قلب کا مفہوم

وہ حدیث یہ ہے من عشق فعف وکتم فمات فھوشھید (اتحاف السادۃ المتقین ۷: ۴۳۹، الدرر المنتثرہ لاحادیث المنتشرہ ۱۵۲) جو کسی پر عاشق ہوگیا پھر اس نے عفت اختیار کی اور اپنے عشق کو چھپایا وہ شہید ہے۔ عفت کی قید تو شرعاً لازم ہے ہی جس میں عفت جوارح وعفت قلب سے داخل ہیں اور عفت قلب سے مراد وہی ہے کہ بلا اختیار اور بالقصد خیال نہ لائے اور کتمان اس لئے ضروری ہوتا ہے کہ معشوق رسوا نہ ہو کیونکہ عشق کی شہرت کے بعد لوگ ان دونوں کے مختلف گمان پکانے لگتے ہیں تو خواہ مخواہ اظہار عشق کر کے دوسرے کو کیوں رسوا کیا کہ ہم تو ڈوبیں گے مگر تجھ کو بھی لے ڈوبیں گے۔ دوسرے کتمان اس لئے بھی ضروری ہے کہ دوسرے لوگ اس معشوق پر عاشق نہ ہو جائیں کیونکہ تجربہ ہے کہ بعض دفعہ ایک شخص کو سو دفعہ کسی نے دیکھا ہو مگر کسی کا اس کی طرف التفات نہیں ہوا اور جہاں یہ سنا کہ اس پر کوئی عاشق ہے اب لوگوں کو اس کے محاسن کی طرف التفات شروع ہوا کہ دیکھیں اس میں کیا وصف ہے جس کی وجہ سے فلاں شخص عاشق ہوگیا۔ التفات کا ہونا غضب تھا کہ اب بہت سے عاشق اول اپنے عشق کو ظاہر کر کے سوتے ہوئے فتنہ کو جگانا اور خالی الذہن آدمیوں کو اس کی طرف متوجہ کرنا اور اپنی بلا میں سینکڑوں کو مبتلا کر دیتا ہے۔ پھر کوئی صورت پر عاشق ہوتا ہے کوئی ناز و انداز پر عاشق ہوتا ہے کوئی اخلاق وعادات پر فریفتہ ہوتا ہے۔ غرض اب وہ اس شعر کا مصداق ہو جاتا ہے۔

بہار عالم حسنش دل وجاں تازہ می دارد ☆ برنگ اصحاب صورت رابہوار ارباب معنی را

اس کے عالم حسن کی بہار دل اور جان کو تازہ کرتی ہے۔ صورت والے اس کے رنگ کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور اہل معنی اس کی خوشبو سونگھ کر راضی ہوتے ہیں۔

اس لئے کتمان کی سخت ضرورت ہے۔ اب اگر عفت وکتمان کے بعد بھی عشق کا زخم دل سے نہ گیا اور برابر اسی خیال میں گھلتا رہا تو یہ شخص شہید ہے کیونکہ صاحب مجاہدہ عظیمہ ہے جب تپ کہنہ کا کھلا ہوا مریض یعنی مدقوق شہید ہے تو تپ عشق کا مارا ہوا تو ضرور ہی شہید ہوگا کیونکہ حرارت حمی سے حرارت عشق اشد ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

نفع لازمی نفع متعدی سے افضل ہے

چوتھا مسئلہ اس آیت سے یہ مستنبط ہوا کہ یہ جو مشہور ہے کہ نفع متعدی نفع لازمی سے افضل ہے یہ علی الاطلاق صحیح نہیں بلکہ اصل یہی ہے کہ نفع لازمی نفع متعدی سے افضل ہے کیونکہ آیت میں رسول اللہ ﷺ کو امر ہے کہ جب آپ نفع متعدی سے فارغ ہو جائیں یعنی تبلیغ سے تو نفع لازمی میں مشغول ہوں یعنی توجہ الی اللہ میں۔ یہ سیاق صاف بتلا رہا ہے کہ نفع لازمی متعدی سے افضل ہے کیونکہ متعدی سے فراغ کو طلب کیا گیا ہے نہ کہ لازمی سے پھر اس کے بعد نفع لازمی میں اشتغال کلی کا حکم ہے کہ اسی میں توجہ رکھئے اس وقت دوسری طرف التفات نہ ہوں جیسا الی ربک کی تقدیم کا مقتضا ہے اور ظاہر ہے کہ اگر نفع متعدی افضل ہوتا تو اس سے فراغ مطلوب نہ ہوتا بلکہ یوں ارشاد ہوتا فاذا فرغت من ذکر ربک فانصب فی التبلیغ و الیه فارغب ، نیز نفع لازمی میں مشغول ہونے کے وقت نفع متعدی سے قطع نظر کا امر ہوتا جیسا تقدیم معمول کا مدلول ہے کیونکہ مقصود بالذات سے کسی وقت قطع نظر نہیں ہوا کرتی اس سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ نفع متعدی مقصود بالعرض اور نفع لازمی مقصود بالذات ہے۔ اور گو یہ مشہور کے خلاف ہے مگر حقیقت یہی ہے اور قول مشہور کا منشا یا تو یہ ہے کہ بعض جگہ نفع متعدی لازمی سے اور مقدم ہو گیا ہے مگر اس سے افضلیت بالذات لازم نہیں آتی بلکہ اقدمیت و اوکدیت ایک عارض کی وجہ سے ہوئی ہے کہ نفع متعدی پھر نفع لازمی کی طرف مفضی ہوگا کہ دوسرا شخص بھی رغبت الی اللہ کرے گا اور ذکر و صلوٰۃ میں مشغول ہوگا اور اگر اس پر کوئی یہ شبہ کرے کہ شاید نفع متعدی اس لیئے شروع ہوا ہوتا کہ وہ نفع لازمی کے بعد متعدی کی طرف مفضی ہو اس طرح کہ دوسرا شخص بھی اپنی اصلاح کر کے تبلیغ کے قابل ہوگا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اولاً تو تبلیغ کے قابل بھی وہ نفع لازمی حاصل کرنے کے بعد ہوگا کیونکہ جس کی خود اصلاح نہ ہوئی ہو وہ دوسروں کی اصلاح نہیں کر سکتا پھر دوسرے کو تبلیغ کے قابل ہونا یعنی نہیں کیونکہ بعض لوگ اصلاح و تکمیل غیر کے اہل نہیں ہوتے اور نفع لازمی کا اہل ہر شخص ہے۔ پس نفع متعدی پر نفع لازمی کا ترتب تو یقینی

Maktaba Tul Ishaat.com

ہے کہ آج ہی سے اس کا ترتب شروع ہو جاتا ہے اور نفع متعدی کا ترتب موہوم ہے کہ نہ معلوم یہ دوسروں کی اصلاح کے قابل ہوگا یا نہیں اور تجربہ ہے کہ دوسروں کی اصلاح کے قابل سو میں سے ایک دو ہوتے ہیں پھر قابل ہوا بھی تو نہ معلوم کب ہوگا اور ہو بھی گیا تو نہ معلوم اس کو اصلاح غیر کی نوبت آئے گی یا نہیں کیونکہ بہت سے سالک نفع متعدی کے قابل ہوتے ہیں مگر ان کو اس کی نوبت ہی نہیں آتی یا کم آتی ہے تو ایسے نفع موہوم کے لئے کسی شے کا ایسا مشروع ہونا کہ وہ مقصود بالذات ہو جائے از بس بعد ہے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ بالعرض یہ بھی مقصود ہو جائے لیکن مقصود بالذات وہی نفع ہو سکتا ہے جس کا ترتب یقینی ہو اور اس کا ظہور بھی موہوم نہ ہوا اور وہ نفع لازمی جو نفع متعدی پر فوراً ہی مرتب ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ دوسرے اگر نفع سے مقصود نفع متعدی ہوگا تو طالب کو اس مقصودیت کی اطلاع کے بعد اس کے قصد کی اجازت بھی ہوگی کیونکہ مقصود کا ارادہ بھی مقصود ہوتا ہے۔ اور مقصود کی نیت مضر ہو تو ہو ہی نہیں سکتی مگر شیوخ محققین سے جو کہ مجتہدین فن ہیں جن کا فتویٰ قواعد فن سے حجت ہے ان سے پوچھئے کہ وہ طالب کو نفع متعدی کی نیت کی اجازت دیتے ہیں یا نہیں وہ فرماتے ہیں کہ طالب اگر ذکر و شغل سے مخلوق کو نفع پہنچانے کا قصد کرے گا تو وہ کبھی فتح یاب نہ ہوگا یہ ارادہ رہزن طریق ہے اپنی اصلاح کے زمانہ میں اس کو صرف اپنی اصلاح کا قصد کرنا چاہیے دوسروں کی اصلاح کا خیال مانع طریق بلکہ قاطع طریق ہے اس سے اپنی اصلاح کے لالے پڑ جاتے ہیں تو یہ اچھا مقصود بالذات ہوا جس کا قصد کرنا رہزن طریق ہے اب بتلایئے اس حالت میں نفع متعدی کو افضل اور مقصود بالذات کیسے کہہ سکتے ہیں۔ پھر اپنی اصلاح و تکمیل کے بعد بھی ہر شخص کو نفع متعدی کی اجازت نہیں بلکہ اس کا اہل صرف وہی ہے جس کو مشائخ نے اجازت دی ہو اگر نفع متعدی اصل ہے اور یہی مقصود بالذات ہے تو تکمیل کے بعد اس کو از خود نفع متعدی میں مشغول ہونے سے کیوں روکا جاتا ہے اور اجازت شیخ کی قید کیوں لگائی جاتی ہے یہ بھی اس کی دلیل ہے کہ نفع متعدی مقصود بالذات نہیں ورنہ لازم آتا ہے کہ جن لوگوں کو نفع متعدی کی اجازت نہ دی گئی ہو وہ سب کے سب ناقص ہی ہوں حالانکہ مشائخ کے نزدیک یہ بالکل غلط ہے وہ تصریح کرتے ہیں کہ کمال مقصود کا حصول اس

Maktaba Tul Ishaat.com

پر موقوف نہیں اور قید اجازت کا راز یہ ہے کہ امر بالمعروف کیلئے کچھ آداب ہیں جن کے قابل ہر اک نہیں ہوتا مثلاً بعضوں کو سیاست وتدبیر کا ملکہ نہیں ہوتا جس کے بغیر امر بالمعروف بجائے مفید ہونے کے موجب فتنہ وفساد ہو جاتا ہے۔ اس لئے بعض لوگوں کو گو وہ درجہ کمال کو پہنچ سکے ہوں ارشاد وتلقین ونفع متعدی کی اجازت نہیں دی جاتی مگر اس سے ان کے کمال کی نفی نہیں ہوتی حالانکہ نفع متعدی کا مقصود بالذات ہونا اس صورت میں نفی کمال کو مستلزم ہے جو اجماع محققین کے خلاف ہے دوسرے میں پوچھتا ہوں کہ اگر نفع متعدی مقصود بالذات ہے تو حربی دارالحرب میں اسلام لائے اور نفع متعدی پر قادر نہ ہو تو بتلایئے وہ کیا کرے نفع لازمی کو لازمی پکڑے یا نفع متعدی کو۔ اگر نفع متعدی میں مشغول ہونا لازم کیا گیا تو تکلیف مالایطاق اور اگر نفع لازمی کو اس کو امر کیا گیا تو ثابت ہوا کہ نفع متعدی مقصود بالذات نہیں کیونکہ مقصود بالذات سے کوئی مسلمان محروم نہیں ہوسکتا۔ یہ سب اس امر کے دلائل ہیں کہ نفع متعدی مقصود بالذات نہیں بلکہ مقصود بالعرض ہے۔ اور مقصود بالذات نفع لازمی ہے پس وہی افضل بھی ہے کیونکہ مقصود بالعرض سے افضل ہوا کرتا ہے۔ یہ جواب ہو گیا شبہ مذکورہ کا اور ثابت ہو گیا کہ خود نفع متعدی مقصود بالذات نہیں اس لئے مقصود آیت وہ مفضی ہوگا نفع لازمی کی طرف اس لئے وہ بھی اوقد ہو جاتا ہے اور یا قول مشہور ماول ہے یعنی نفع لازمی یعنی اپنے عمل کے ساتھ نفع متعدی یعنی تبلیغ بھی جمع ہو جائے۔ یہ نفع متعدی خاص مقرون بالعمل افضل ہوگا صرف نفی لازمی سے کیونکہ مجموع مطلوبین کا افضل ہوتا ہے مطلوب واحد سے باقی موازنہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ایک شخص صرف نمازی ہے نماز کا مبلغ نہیں اور ایک شخص صرف نماز کا مبلغ ہے نمازی نہیں۔ ان میں دیکھو کون افضل ہے اس معیار کے بعد مسئلہ میں کوئی خفا نہیں رہ سکتا۔

Maktaba Tul Ishaat.com

خلاصہ وعظ

اب میں ختم کرتا ہوں خلاصہ تمام بیان کا یہ ہے کہ تعلق مع اللہ اصل مقصود ہے تو ہم کو زیادہ اہتمام اس کا کرنا چاہیے اور جن کی طرف مخلوق کا رجوع ہو خواہ دین کی غرض سے یا دنیوی غرض سے ان کو تعلق مع الخلق کا وقت منضبط کرنا چاہیے اور باقی وقت خدا تعالیٰ کی یاد میں صرف کریں۔ خصوصاً وہ لوگ جن کو خدا تعالیٰ نے ملازمت وغیرہ سے مستغنی کیا ہے جن کے گھر میں کھانے پینے کا سامان موجود ہے ان کو اس کا اہتمام زیادہ کرنا چاہیے کیونکہ ان کو دوسروں سے زیادہ ذکر حق کو موقع مل رہا ہے خوب کہا ہے ایک عارف نے۔

خوشا روزگارے کہ دارد کسے ☆ کہ بازار حرصش نباشد بسے

بقدر ضرورت بسیارے بود ☆ کند کارے ارمرد کارے بود

اسی کا اچھا زمانہ ہے کہ اس کو زیادہ حرص نہیں۔ ضرورت کے موافق مالداری ہو کام والا آدمی کام کرتا رہے۔

ایک مضمون ذہن میں پہلے تھا بلکہ چند مضامین تھے مگر اب ذہن سے نکل گئے اس لئے ختم کرتا ہوں اور ان کا ذہن سے نکل جانا شائد اسی حکمت سے ہوا ہو کہ وقت بھی نہیں رہا۔ اب دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ اس بیان کو نافع فرمائے اور ہم کو تعلق مع الحق کی توفیق دے اور تعلق مع الخلق سے فراغ نصیب ہو۔

وصلی اللہ علی سیدنا ومولانا محمد وعلی الہ واصحابہ اجمعین.

والحمدللہ رب العالمین اشرف علی ۱۲ ج ۱۳۵۰ھ

Maktaba Tul Ishaat.com

التصدی للغیر

بمقام جامع مسجد تھانہ بھون ۸ محرم ۱۳۴۰ھ کو ارشاد فرمایا۔

Maktaba Tul Ishaat.com

خطبہ ماثورہ

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

الحمدللّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونومن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرورانفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلامضل لہ ومن یضللہ فلاھادی لہ ونشھد ان لااللہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالی علیہ وعلیٰ الہ واصحابہ وبارک وسلم امابعد.فاعوذباللّٰہ من الشیطان الرجیم. بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم. قال اللّٰہ تعالی یایھا الذین امنوا علیکم انفسکم لایضرکم من ضل اذاھتدیتم الی اللّٰہ مرجعکم جمیعاً فینبئکم بما کنتم تعملون.(مائدہ:۱۰۵)

اے ایمان والوجیسے جانوں کی حفاظت کرو۔ جب تم ہدایت پرہوتو کوئی گمراہ تمہارا کچھ بھی بگاڑنہیں سکتا تمہیں خدا کی طرف لوٹ کرجانا ہے اس وقت وہ تم کوتمہارے سب کاموں سے جو(دنیامیں) کئے تھے آگاہ کرے گا(اوران کا بدلہ دے گا)۔

ہماری ایک خصلت

چونکہ یہ معمول ہے کہ ہمیشہ ضروری امرکوانتخاب کرکے بیان کیا جاتا ہے اسلئے کہ مقصودتو یہی ہے کہ ہماری حالت کی اصلاح ہواوریہی وجہ ہے کہ جس روز کوئی ضروری مضمون سمجھ میں نہیں آتا اس روز بیان نہیں ہوتا آج بھی ایک ضروری مضمون ذہن میں آیا ہے۔اس آیت شریف میں جومیں نے تلاوت کی ہے ایک بہت ضروی بات حق تعالیٰ نے ارشادفرمائی ہے کہ جس کی طرف بہت کم التفات ہوتا ہے مگرحق تعالیٰ کو توخبر ہے حق تعالیٰ نے ہماری ہرمصلحت کی رعایت فرمائی ہے اوروہ ضروری بات ہماری ایک خصلت اورمرض ہے جواس آیت میں بیان فرمایا۔اورحاصل اس کا یہ ہے کہ اپنی فکرکم ہونا یانہ ہونا اوردوسروں

Maktaba Tul Ishaat.com

کی فکر ہونا چنانچہ واقعات اور طرز عمل شہادت دیتا ہے۔ کہ یہ مرض ہم لوگوں میں موجود ہے جب نظر کریں گے دوسروں ہی پر کریں گے حیرت ہے اس مریض پر کہ جو طبیب حاذق کے پاس پہنچے اور پڑوسیوں کے نبض وقارورہ وبیان امراض میں مشغول ہو جائے اور خود مدقوق ہو مگر اپنی کچھ فکر نہ ہو اور یہ فکر دوسروں کی خواہ اچھی نیت سے ہو یا بری نیت سے اور اپنے سے بے فکر ہو جانا ہر حالت میں برا ہے بعض صورتوں میں تو اصل ہی سے مذموم ہے اور بعض میں مال کے اعتبار سے قبیح ہے۔ غرض یہ امر اکثر لوگوں میں مشترک ہے کہ اپنی فکر کم ہے دوسروں کی زیادہ ہے جہاں چار آدمی بیٹھتے ہیں دوسروں کا ذکر کرتے ہیں۔

اہل اللہ کا طرز

پہلے بزرگوں کا طرز یہ تھا کہ جہاں بیٹھتے تھے اپنے عیوب کا ذکر کرتے تھے یہ مطلب نہیں کہ پوشیدہ گناہوں کا ذکر کرتے ہوں اس لئے کہ ناہوں کا اظہار تو خود معصیت ہے بلکہ عیوب نفس جو مادہ ہے گناہ جیسے بخل، کبر، عجب وغیرہ تا کہ دوسروں کو ہماری نسبت تقدس وورع کا پتہ نہ ہو یا یہ اصلاح ہو جائے چنانچہ جس کو خارش ہوتی ہے وہ جہاں بیٹھتا ہے یہی ذکر کرتا ہے کہ میاں بڑی تکلیف ہے اس سے دو غرضیں ہوا کرتی ہیں یا تو یہ کہ شاید کوئی دوا مل جائے یا اس لئے کہ لوگ مجھ کو بیمار سمجھ کر میرے پاس نہ آئیں اسی طرح حضرات اہل اللہ اپنے عیب باطنی ظاہر کرتے ہیں۔

اپنے عیوب سے بے فکری پر اظہار افسوس

اور ہم لوگوں کی یہ حالت ہے کہ دوسروں کے عیوب بیان کرتے ہیں کہ فلاں رشوت لیتا ہے فلاں سود کھاتا ہے فلاں یہ کام کرتا ہے پھر اس میں دو طرز ہیں بعض تو کھلم کھلا معصیت میں مبتلا ہوتے ہیں اور بعض جو متقی کہلاتے ہیں کنایۃ کہتے ہیں گویا اللہ میاں کو پھسلاتے ہیں جس کے بارہ میں مولانا خوب فرماتے ہیں۔

خلق را گیرم کہ بفریبی تمام ☆ در غلط اندازی تا ہر خاص وعام

ہم نے مانا کہ تم نے مخلوق کو پورے فریب سے مٹھی میں لے لیا ہے غلط اندازی

Maktaba Tul Ishaat.com

میں خاص وعام تک کو تم نے مبتلا کر رکھا ہے۔

کار ہا با خلق آری جملہ راست ☆ با خدا تزویر وحیلہ کے رواست

مخلوق کے ساتھ تمہارے سب کام درست ہیں تو خدا تعالیٰ کے ساتھ حیلہ وفریب کب روا ہے۔

کار با اوراست باید داشتن ☆ رایت اخلاص وصدق افراشتن

اللہ تعالیٰ کے ساتھ تو کام اور معاملہ درست رکھنا چاہیے پوری سچائی اور اخلاص ان کے ساتھ رکھنا چاہیے۔

پھر کیا کرتے ہیں دھوکے کیلئے غیبت کے آخر میں فرماتے ہیں کہ اے اللہ ہمارے حال پر رحم فرما گویا بڑے شفیق ہیں کہ یہ قصہ ہمدردی کے لئے بیان کیا ہے ان بزرگ نے اس معصیت کو طاعت کی فہرست میں داخل کیا ہے ایسی مثال ہے کہ ایک شخص نے پاخانہ پھرا اور اس پر چاندی کا ورق لپیٹ دیا تا کہ لوگوں کو دھوکہ ہو کیا ٹھکانا ہے شرور نفس کا اسی واسطے حدیث میں ہے ونعوذ باللہ من شرور انفسنا (مسند احمد ۱:۳۹۲، الدر المنثور ۳:۶۶) (یعنی اپنے نفس کی شرارتوں سے ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں) بہر حال کم وبیش ہم سب اس میں مبتلا ہیں کہ دوسروں کے عیوب چھانٹتے ہیں اور اپنے عیوب سے بے فکر ہیں۔

ہر یکے ناصح برائے دیگراں ☆ ناصح خود یافتم کم در جہاں

یعنی ہر شخص دوسروں ہی کے لئے ناصح بنا ہوا اپنے آپ کو نصیحت کرنے والے کا وجود دنیا میں بہت ہی کم ہے)۔

یہ وہ خصلت ہے کہ چھوٹے سے لے کر بڑے تک اور دنیا دار سے لے کر دیندار تک قریب قریب سب ہی اس میں مبتلا ہیں اس سے بڑھ کر کیا مضرت ہوگی کہ آدمی اپنے مرض کو بھول جائے اور دوسروں کے امراض کا تا پھرے یا یہ کہ اپنے اوپر فوجداری کا مقدمہ قائم ہے اور دوسروں کے جو اپنے کام میں مشغول نہ ہو بزرگان دین نے اس کا یہاں تک معالجہ کیا ہے کہ ایک بزرگ نے اپنے پیر کو کسی دوسرے مقام سے لکھا کہ یہاں کفار کا غلبہ ہے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو کفار سے بچائے پیر نے جواب میں لکھا ارے بیہودہ ہم نے تجھ کو مسلمانوں اور کفار کے فیصلہ کے لئے بھیجا ہے یا کام کے لئے اپنے کام میں مشغول

Maktaba Tul Ishaat.com

رہو خبردار جو آئندہ ایسے لغویات میں مشغول ہوئے۔

گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش ☆ رموز مملکت خویش خسرواں دانند

(اے حافظ گدائے گوشہ نشین ہو تم کو شور وغل زیبا نہیں اپنی سلطنت کے رموز واسرار بادشاہ خوب جانتے ہیں یعنی تم اپنے کام میں لگے رہو دوسرون کی فکر میں مت پڑو)۔

حضرت احمد جامؒ فرماتے ہیں۔

احمد تو عاشقی بہ مشیخت تراچہ کار ☆ دیوانہ باش سلسلہ شد شد نشد نشد

(احمد تم اللہ تعالیٰ کے عاشق ہو مشیخت سے تم کو کیا غرض اس کی محبت میں دیوانے اور متوالے ہو جاؤ سلسلہ ہو، ہو، نہ ہو، نہ ہو)

غلو ہر امر میں مذموم ہے

وہ حضرات تو سلسلے کی بھی فکر نہیں فرماتے ہیں یہاں یہ شبہ نہ کیا جائے کہ سلسلے کی فکر تو دین ہے کیا اس کو بھی چھوڑ دینا چاہیے بات یہ ہے کہ غلو ہر امر میں مذموم ہے دیکھے کھانا کھانا موجب حیات ہے لیکن جب حد سے بڑھے گا تو مضر ہوگا اور ہیضہ کا مرض جو کہ بھوکوں کے نزدیک مبارک مرض ہے ہو جائے گا ایک طالب کا قصہ ہے کہ دور سے دیکھا کہ جنازہ آرہا ہے پوچھا کہ اس کو کیا مرض تھا کسی نے کہا کہ ہیضہ ہو گیا ہے پوچھا کہ ہیضہ کیا ہوتا ہے کہا کہ زیادہ کھانے سے ہو جاتا ہے کہنے لگے کہ یہ مبارک مرض ہم کو نہ ہوا تو دیکھئے کھانا کیسا اچھا امر ہے لیکن حد سے بڑھنے سے مذموم ہو جاتا ہے چار روٹی کی جگہ کسی دن سات روٹی کھا کر دیکھو اور لیجئے ظہر کی چار رکعت ہیں بجائے چار کے اگر پانچ رکعت پڑھے تو غیر مقبول ہے پس جس وقت یہ خطاب کیا گیا دیوانہ باش الخ اس وقت مخاطب کے اندر دوسروں کی فکر اصلاح کا اگر چہ وہ محمود ہو غلو دیکھا ہوگا اور یہ قاعدہ ہے کہ حرارت جب غالب ہوتی ہے تو اس کا علاج برودت سے کیا جاتا ہے برودت کا غلبہ ہو تو حرارت سے اس کا دفعیہ کرتے ہیں اسی طرح فکر کا علاج بے فکر کرنے سے ہوتا ہے پس مقصود اصلی یہی ہے کہ میاں دوسروں کا اتنا فکر بھی نہ چاہیے اپنے کام میں لگو اس لئے

Maktaba Tul Ishaat.com

فرمادیا دیوانہ باش الخ یعنی اپنے مطلوب حقیقی کی یاد میں دیوانہ رہو دوسروں کی فکر چھوڑو اسی طرح بعض اوقات مبصرین کو معلوم ہوتا ہے۔

دوسروں کی فکر کا اصل منشاء

دوسروں کی فکر کا اصل منشاء جاہ وغیرہ ہے اس وقت بھی فکر غیر سے منع فرماتے ہیں۔ چنانچہ ایک بزرگ تھے ان کا مرید بہت مجاہدہ وریاضت کرتا تھا مگر اثر کچھ نہ تھا وہ بزرگ بھی بہت پریشان تھے کہ کیا بات ہے اثر کچھ نہیں۔ ایک روز اس سے پوچھا کہ میاں یہ تو بتلاؤ کہ تمہاری نیت اس سے کیا ہے۔ کہ حضرت نیت یہ ہے کہ اپنی اصلاح ہو جائے تو دوسروں کو ہدایت کروں فرمایا توبہ کرو یہ شرک فی الطریقت ہے ابھی سے بڑا بننے کی فکر ہے۔ یہاں تو بجز اس کے کچھ نہیں مٹ جائے گم ہو جائے۔

افروختن وسوختن وجامہ دریدن ☆ پروانہ زمن شمع زمین گل زمن آموخت

(یعنی افروختہ ہونا پروانہ نے جلنا شمع نے، جامہ دری کرنا گل نے مجھ سے سیکھا ہے)

تو درو گم شود وصال اینست وبس ☆ گم شدن را گم کن کمال اینست وبس

(وصال بس یہی ہے کہ محبوب حقیقی کی محبت میں مٹ جاؤ گم ہو جاؤ بڑا کمال یہی ہے کہ اس گم ہونے کو بھی گم کردو (یعنی فنا الفنا حاصل کرو)۔

پھر خدا جس کو چاہے بڑا بنادے خود کون اس کا قصد کرے اور خود کرنے سے ہوتا بھی نہیں۔

ایں سعادت بزور بازو نیست ☆ تانہ بخشد خدائے بخشندہ

(یعنی یہ سعادت قوت بازو سے نہیں حاصل ہو سکتی جب تک خدائے تعالیٰ نہ عطا کریں)۔

بڑا بننا اپنے اختیار میں نہیں

سب سے بڑھ کر فخر عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اگر بڑا بننا کوشش سے ہوتا تو حضور ﷺ بنتے خود آپ کو اس کی نسبت یہ ارشاد ہے: وکذالک اوحینا الیک روحًا من امرنا ماکت تدری ماالکتب ولاالایمان ولکن جعلناہ نورا نھدی بہ من نشاء من عبادنا۔ یعنی اے محمد ﷺ ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی آپ نہ جانتے

Maktaba Tul Ishaat.com

تھے کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے لیکن ہم نے اس کو ایسا نور بنا دیا کہ اس کے ذریعہ ہم جس کو چاہتے ہیں اپنے بندوں میں سے ہدایت کرتے ہیں جب انبیاء کے اختیار میں نہیں تو اوروں کی تو کیا ہستی ہے مگر اب پہلے ہی سے پیر بننے کی فکر ہو جاتی ہے۔

اے بے خبر بکوش کہ صاحب خبر شوی ☆ تا راہ بیں بپاشی کے راہ بر شوی

(یعنی اے بے خبر کوشش کرتا ہے کہ تو صاحب خبر ہو جب تک راہ صحیح دیکھنے والا نہ بنے گا رہبر دوسروں کا کب ہو سکتا ہے یعنی عارف بننے کی کوشش کرو جب تم خود عارف نہ ہو گے دوسروں کو کب عارف بنا سکتے ہو)۔

در مکتب حقائق پیش ادیب عشق ☆ ہاں اے پسر بکوش کہ روزے پدر شوی

(حقائق و معارف کے مدرسہ میں ادیب عشق کے پاس خبردار اے لڑکے کوشش و محنت کر ایک روز پدر ہو جائیگا یعنی کسی مرشد کے دل کے پاس راہ سلوک طے کر پھر کہیں جا کر ایک روز تم بھی شیخ طریقت بن جاؤ گے)۔

دیکھو ہر شخص پہلے بیٹا بنتا ہے مگر اس کو یہ خبر نہیں ہوتی کہ باپ بھی بنوں گا اول تو یہ بھی خبر نہیں ہوتی کہ بیٹا کس کو کہتے ہیں خوب سمجھ لو پس جیسا بیٹا بننے کے بعد باپ بننا اختیار میں نہیں۔

طریق میں اصلی شئی طلب ہے

اسی طرح یہ ضروری نہیں کہ ہر شخص پیر ہی بن جائے چنانچہ بہت سے انبیاء ہوئے ہیں کہ ان کی امت میں معدودے چند ایمان لائے ہیں اور بعض ایسے ہوئے ہیں کہ کل ایک ہی شخص ان پر ایمان لانے سے مشرف ہوا اور بعض کی امت میں ایک بھی مومن نہیں ہوا پس مدار کار اس پر نہیں کہ ہر شخص سے ارشاد و ہدایت ہو ہی بلکہ خود اپنی کامیابی پر بھی نظر نہ کرے اس طریق میں اصل شے طلب ہے اور طالب کی یہ شان ہونا چاہیے۔

یابم اورا نیابم جستجوئے میکنم ☆ حاصل آید یا نہ آید آرزوئے میکنم

یعنی اس کو پاؤں یا نہ پاؤں اس کی جستجو کرتا ہوں وہ ملے یا نہ ملے اس کے ملنے کی آرزو کرتا ہوں۔

Maktaba Tul Ishaat.com

۳۹۱ ایک کسی مراد کا طالب کبھی بس نہیں کرتا اسی دھن میں رہتا ہے کہ شاید کبھی مل جائے یا کبھی اس کی نگاہ ہی پڑ جائے تعجب ہے کہ خدا کا طالب ہو اور قصد کامیابی سے تجاوز کر کے اس کو بڑا بننے کی فکر۔

وصول مطلوب نہیں

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ فرمایا کرتے تھے مقصود طلب ہے، وصول مطلوب نہیں اس لئے کہ وصول تو مقدور نہیں اور طلب مقدور ہے بالکل سچی بات ہے اور اگر وصول ہی مقصود ہو تو اس کا طریقہ بھی یہی ہے کہ طلب اپنا شغل بنائے اور طلب کے وقت ثمر کی طرف التفات نہ کرے ورنہ ہرگز سعی نہ کرے گا مثلاً حساب کا نوکر عین حساب کتاب کے وقت اگر اپنے مقصود (یعنی تنخواہ) کا مراقبہ کرے کہ تنخواہ ملے گی تو فلاں شے خریدوں گا اور ایک روپیہ فلاں کو دوں گا تو اسے وہ کام ہرگز نہ ہو سکے گا اور تنخواہ ملنا موقوف ہے ۔کہ پورے مہینہ کا کام کرے اس لئے بالکل معطل ہو جائے گا اور اگر اپنے کام میں لگا رہے اور مقصود کی طرف ملتفت نہ ہو تو کام کرتے کرتے مقصود اس پر مرتب ہو جائیگا عالی ہمتی یہ ہے کہ طلب کو من حیث ہو مقصود سمجھے اسی واسطے بزرگان دین مریدین سے کہتے ہیں کہ کام کئے جاؤ پس ثمرات کی طرف ملتفت رہنا اور اس سے بڑھ کر بڑے بننے کی فکر ابتداء ہی سے سد راہ ہے اور یہاں سے یہ بات بھی سمجھ میں آ گئی ہوگی کہ دوسروں کے دین کی فکر جب بعض وقت مانع ہو جاتی ہے تو دوسروں کی دنیا یا عیوب کی فکر بطریق اولیٰ سنگ راہ ہوگی یہ ہے وہ خصلت جس کا ذکر اس آیت میں ہے مطلب یہ ہے کہ اے ایمان والو تم اپنی فکر کرو کہ جو شخص گمراہ ہوگا تم کو ضرر رساں نہ ہوگا جبکہ تم خود راہ یاب ہو گے یعنی پھر دوسرے کے پیچھے زیادہ کیوں پڑتے ہو یہ آیت گو بالفاظہا تمام مذکورہ صورتوں کو شامل نہیں بلکہ خاص صورتیں اس میں مراد ہیں لیکن باشتراک علت یا مستقل دلیل سے تمام صورتوں سے تعرض کیلئے کافی ہے اس لئے ان صورتوں کو بھی سمجھ لو میں مختصراً بیان کرتا ہوں کہ کبھی تو فکر غیر میں پڑنا اس طرح ہوتا ہے کہ دوسروں کے عیوب ظاہر کئے جائیں پس یہ غیبت ہے اور اس کا مذموم ہونا ظاہر ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

غیبت کی دینی و دنیوی مضرت

اوراس کی مضرت دنیاوآخرت دونوں میں ہے دنیا کی مضرت تو یہ ہے کہ جب کسی کا عیب کوئی بیان کرتا ہے تو اکثر اس کو خبر ہو ہی جاتی ہے اوراس سے باہمی تشویش و نااتفاقی ہوتی ہے آپس میں فساد ہو جاتا ہے اوراگر دل میں مثلاً عداوت ہو مگر غیبت نہ کی جائے اورزبان سے ظاہر نہ کیا جائے تو کچھ بھی فساد پیش نہیں آتا اوردین کی مضرت یہ ہے کہ قیامت کے دن غیبت کرنے والے کی نیکیاں اس کو مل جائیں گی جس کی غیبت کی تھی ایک بزرگ تھے ایک شخص ان کو برا کہتا تھا وہ اس کو روپے بھیجتے تھے اس نے جب دیکھا کہ یہ تو میرے ساتھ احسان کرتے ہیں تو برا کہنا چھوڑ دیا انہوں نے دینا بھی چھوڑ دیا اس نے پوچھا کہ حضرت یہ کیا بات ہے فرمایا کہ تم نے ہم کو دینا چھوڑ دیا ہم نے تم کو دینا چھوڑ دیا۔ حضرت امام حسن بصریؒ نے سنا کہ کوئی ہماری غیبت کرتا ہے آپ نے اس کو ایک طبق تمر کا بھیجا غرض یہ ہے کہ غیبت مضرت دینی دنیوی سے خالی نہیں اور یہ ایسی بلا ہے کہ لوگوں میں بہت پھیلی ہوئی ہے اور وجہ اس کی صرف یہ ہے کہ اپنے عیوب پر نظر نہیں ہے۔

ذکر ریائی

حضرت مولانا جامیؒ سے کسی نے کہا کہ فلاں شخص ذکر ریائی کرتا ہے فرمایا کرتا تو ہے تم تو یہ بھی نہیں کرتے۔

سودا قمار عشق میں شیریں سے کوہکن ☆ بازی اگرچہ پانہ سکا سر کو کھو سکا
کس منہ سے اپنے آپ کو کہتا ہے عشق باز ☆ اے روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

یعنی اس نے کچھ تو کام کیا کرنے والے کو نہ کرنے والا کیا چڑا سکتا ہے البتہ اگر وہ اپنے عیوب ہی سے قطع نظر کرلے گا وہ دوسرے کو کہہ سکے گا۔

غیبت گناہ جاہی ہے

غیبت نہایت سخت گناہ ہے حتیٰ کہ حدیث میں آیا ہے الغیبة اشد من الزنا (مجمع الزوائد ۸: ۹۱، مشکوة المصابیح ۴۸۷۴) یعنی غیبت زنا سے سخت تر

Maktaba Tul Ishaat.com

ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ غیبت تو حق العبد جب وہ معاف کرے گا تب معاف ہوگا اور زنا حق اللہ ہے توبہ اور ندامت سے معاف ہو جائے گا اور آخرت میں جب غیبت کرنے والے کی نیکیاں مغتاب کو ملنے لگیں گی تو وہ کیوں معاف کرے گا اس لئے کہ وہ وقت شدت احتیاج کا ہے اور اللہ تعالیٰ تو غنی ہیں اپنے حق کو معاف فرمادیں گے اور عبد محتاج ہے اور ایک فرق اور ہے جس کو ہمارے حضرتؒ نے دو کلموں میں فرمایا۔ فرمایا کہ غیبت گناہ جاہی ہے اور زنا گناہ باہی ہے شرح اس کی یہ ہے کہ آدمی جب زنا سے فارغ ہوتا ہے تو خود اپنی نظر میں بھی اور غیروں کی نظر میں بہت ذلیل وخوار ہوتا ہے غرض اس کو بعد گناہ کے ذلت وندامت ہوتی ہے اور غیبت کے بعد ندامت نہیں ہوتی بلکہ فخر کرتا ہے اور اظہار واعلان کرتا ہے اور بزرگوں نے فرمایا ہے کہ جس معصیت کے بعد ندامت اور عجز ہو وہ اس اطاعت سے بھی بہتر ہے جس کے بعد عجب اور پندار ہو چہ جائیکہ گناہ بھی اور موجب عجب بھی ہو اور عجب اس میں لازم ہے کیونکہ غیبت آدمی جب ہی کرتا ہے جبکہ اپنے کو پاک سمجھے پس یہ عیب بڑا سخت ہے۔

اپنی اصلاح کا مختصر طریقہ

اس لئے اس کی اصلاح مختصر طریق سے بتاتا ہوں وہ یہ ہے کہ ایک وقت معین کر کے اس میں اپنے عیوب سوچا کرے جتنی شرارتیں اور گناہ کیے ہیں سب کو پیش نظر کرے اور جو کوئی عیب یاد نہ آئے تو یہ خود ایک عیب ہے اسی کو سوچا کرے اور یہ میں نے اس لئے کہا کہ بہت سے عبی ایسے بھی ہیں کہ وہ اپنے کو سب عیوب سے خالی اور پاک سمجھتے ہیں چنانچہ کوئی مصیبت آتی ہے تو بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ خدا جانے کس گناہ میں پکڑے گئے ہم نے تو کوئی گناہ بھی نہیں کیا۔

گناہ کی حقیقت

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یہ گناہ کی حقیقت ہی نہیں جانتے بزرگان دین کی تو یہ کیفیت تھی کہ طاعت کے کام کو بھی طاعت کی فہرست میں درج نہ کرتے تھے حضرت سفیان ثوریؒ اور ایک دوسرے محدثؒ نے ایک مرتبہ ایک پوری رات حدیث کے مذاکرے میں ختم

Maktaba Tul Ishaat.com

کردی جب صبح ہوئی تو ان محدث صاحب نے فرمایا آج کی رات بھی کیسی مبارک رات تھی کیسے اچھے کام میں گزری حضرت سفیان ثوریؒ نے فرمایا کہ میاں اگر برابر سرابر چھوٹ جائیں تو غنیمت ہے اس لئے کہ میری تمام تر سعی اس میں تھی کہ کوئی ایسی حدیث سناؤں جو آپ نے نہ سنی ہو اور آپ کی کوشش یہ تھی کہ ایسی حدیث بیان کریں کہ جو مجھ کو معلوم نہ ہو ہر شخص در پردہ اپنے علوم کا دعوی کر رہا تھا اللہ اکبر ایک آج کل کے حضرات ہیں کہ ان کو اپنا کوئی گناہ بھی یاد نہیں آتا اس لئے اگر کسی کو عیب یاد نہ آئے تو اسی پر رو دے کہ مجھ کو کوئی عیب یاد نہیں آتا یہ سب سے بڑا عیب ہے کہ آدمی اپنے کو بے عیب سمجھے **فلاتزکوا انفسکم هو اعلم بمن اتقی** تم اپنے آپ کو مقدس مت سمجھو تقوی والے کو وہی خوب جانتے ہیں۔

قوت فکریہ کی عجیب خاصیت

بہر حال جو عیب ہو اس کو سوچے نصف گھنٹہ ہمیشہ یہی شغل کرے قوت فکریہ میں اللہ تعالیٰ نے عجیب خاصیت رکھی ہے تمام ترقی اس قوۃ فکریہ ہی کی بدولت ہوتی ہے اور حق تعالیٰ نے جگہ جگہ قرآن شریف میں اس کا حکم فرمایا ہے آپ اور تجربہ کر لیجئے لیکن اول اول تو تکلف ہوگا اور رفتہ رفتہ اور وقتوں میں وہ عیوب یاد آنے لگیں گے جب ترقی اور ہوگی تو اپنے عیوب ہر وقت پیش نظر رہیں گے پھر کسی کی غیبت ہرگز نہ ہوگی جیسے کسی شخص کے سانپ بچھو لپٹ رہے ہوں اس کو جب اس کا علم ہوگا تو اوروں پر مکھی بیٹھی ہوئی اس کو نظر آئے گی یا اس پر طعن نہ کرے گا حتیٰ کہ اگر واقع میں وہ شخص برا ہوا اور اس کی مذمت کی کوئی دلیل شرعی ہو بھی ایسے وقت میں وہ اس کی بھی غیبت نہ کریگا۔

حضرت رابعہ بصریہؒ کی حکایت

جیسا کہ حضرت رابعہ بصریہؒ کی حکایت ہے ان کی خدمت میں چند آدمی دنیا کی مذمت کرتے تھے فرمایا کہ اٹھ جاؤ کہ تم کو دنیا کی محبت ہے اگر کسی کو شبہ ہو کہ حدیثوں میں تو مذمت دنیا کی آئی ہے جواب یہ کہ وہاں ضرورت ہے اور اس مجلس میں سب تارکان دنیا تھے اس لئے ضرورت نہ تھی پس یہ مذمت ناشی تھی نفس سے کہ در پردہ دعوی تھا اپنے کمال

Maktaba Tul Ishaat.com

کا کہ ہم ایسی مرغوب عام کو مبغوض سمجھتے ہیں اور کسی شے کے مبغوض سمجھنے پر دعوی وفخر کرنا موقوف ہے اس شے کی باوقعت سمجھنے پر اور یہی معنی ہیں کہ تم کو اس سے محبت ہے کیونکہ وقعت ہوتی ہے کسی خوبی سے اور خوبی کا قائل ہونا مدح ہے اور مدح علامت محبت ہے پس ظاہر میں تو یہ حرکت صرف غیر مفید تھی مگر اس حدیث سے مضر تھی تو دیکھئے دنیا کی مذمت غیبت نہیں بلکہ ایک درجے میں عبادت ہے لیکن چونکہ اس وقت اس کی ضرورت نہ تھی اسلئے فضول ولایعنی ضرور ہے۔

علم کی قسمیں

اس موقع پر میرے ایک مناسب مقام بات یاد آ گئی اور وہ ایک علم ہے جو پرسوں عطا ہوا اس سے پہلے یہ امر سمجھ میں نہ آیا تھا وہ یہ کہ میں یوں سمجھتا تھا کہ علم کی تین قسمیں ہیں نافع اور مضر اور غیر نافع وغیر مضر لیکن واقعات کے اندر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو غیر مفید ہے وہ بھی حقیقت میں مضر ہی ہے میں پختگی کے ساتھ کہتا ہوں کہ جس شے کے اندر کوئی فائدہ نہیں ہے وہ مضرت سے خالی نہیں اور تقسیم مشہور اور اس تحقیق میں کچھ تعارض نہیں اس لئے کہ تین قسموں کی طرف تفریق باعتبار ابتداء کے ہے یعنی ابتداء میں فی الواقع علم کی تین ہی قسمیں ہیں مفید مضر غیر مفید مضر لیکن آثار کے اعتبار سے اور مآل کار میں وہ غیر مفید بھی مضر ہو جاتا ہے تو آثار کے اعتبار سے کل دو قسمیں ہیں مفید اور مضر اس لئے امر فضول بھی قابل ترک ہوا حاصل یہ کہ چونکہ دنیا کی مذمت کی اس مقام میں ضرورت نہ تھی اس لئے ایک لغوبات ہوئی اس لئے حضرت رابعہ بصریہ کو ناپسند ہوا حضرات اہل بصیرت بلاضرورت بروں کو بھی برا نہیں کہتے۔ حکایت ختم ہوئی۔

جناب رسول ﷺ نے بضرورت مذمت دنیا فرمائی

اب اس حکایت میں جو شبہ اور اس کا جواب تھا اس کی کسی قدر توضیح مناسب معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ اگر کوئی خشک مغز کہے کہ خود جناب رسول اللہ ﷺ نے دنیا کی مذمت کی ہے بات یہ ہے کہ نری اردو کی کتابیں دیکھنے سے عالم نہیں ہوتا جب تک کہ ان

Maktaba Tul Ishaat.com

کو کسی عالم سے سبقاً سبقاً نہ پڑھے جیسے طب کی کتابیں اردو میں ہونا کافی نہیں جب تک کسی حکیم کے یہاں طب نہ کرے طب کی کتابیں دیکھنے سے جیسے کوئی حکیم نہیں بنتا اسی طرح دینیات دیکھنے سے دیندار نہیں بنتا جب تک کسی استاد سے نہ پڑھے پس یہ قصہ رابعہ بصریہؒ کا بھی ایسے ہی علم متلقی عن الشیوخ پر موقوف ہے اگر ایسا علم ہو تو اعتراض کچھ بھی نہیں بات یہ ہے کہ جناب رسول ﷺ نے جو دنیا کی مذمت کی تو آپ کو ضرورت تھی دنیا کے محبین دنیا کو سنائیں اس لئے کہ حضور ﷺ تو تمام جن وانس کی طرف مبعوث تھے اور ان میں محبین دنیا بھی تھے اور حضرت رابعہ بصریہؒ کی خدمت میں اس وقت سب کے سب مقدس ہی تھے اس لئے انہوں نے فرمایا **قوموا عنی فانکم تحبون الدنیا** اور **من احب شیا اکثر ذکرہ** ،یعنی میرے پاس سے اٹھ جاؤ اس لئے کہ تم لوگ دنیا کو دوست رکھتے ہو اور جو شخص کسی شے کو دوست رکھتا ہے اس کا ذکر زیادہ کرتا ہے شرح اس اجمال کی موقوف ہے اس کی چند مثالیں سمجھنے پر دیکھو فخر اور تفاخر اس پر کیا کرتے ہیں کہ ہم کو ہزاروں روپے ملتے تھے ہم نے نہیں لیے اور اس پر کوئی فخر نہیں کرتا ہم نے گوہ نہیں لیا ان دونوں میں فرق کیا ہے۔ فرق یہی ہے کہ ہزار روپے کو باوقعت سمجھتے ہیں اسلئے اس کے ترک کو فخر جانتے ہیں اور گوہ کی کوئی وقعت نہیں اسلئے اس کے چھوڑ دینے کو فخر نہیں سمجھتے۔ اور مثال لیجئے یہ کہا کرتے ہیں کہ ہم نے فلاں رئیس کو پیٹا اور یہ نہیں کہتے کہ ہم نے فلاں بھنگی کو مارا اس لیے کہ رئیس کو وقیع سمجھتے ہیں پس حضرت رابعہ بصریہؒ کے فرمانے کا حاصل یہ ہوا کہ اے بزرگو تم جو دنیا کی مذمت کرتے ہو معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی تمہارے قلب میں وقعت ہے اس لئے مذمت کرتے ہو چیونٹی کی مذمت کیوں نہیں کرتے اس لئے وہ بچاری اس قابل نہیں کہ اس کی کوئی مذمت کرے تو حضرت رابعہ بصریہؒ نے ان کا مرض بیان کیا۔

حضرات اہل اللہ صاحب معانی ہیں

یہ ہے جواب اس اشکال کا جو محض صحت الفاظ سے میسر نہیں ہوتا اور نرے طوطی کی طرح پڑھ لینے سے کچھ نہیں ہوتا جب تک کسی کامل کی صحبت نہ ہو۔ الحمدللہ حضرت حاجی صاحبؒ کی صحبت سے یہ فائدے ہوئے ہیں مجھ سے ایک شخص نے دیوبند میں پوچھا تھا کہ

Maktaba Tul Ishaat.com

میاں حضرت حاجی صاحبؒ کے پاس کیا ہے جو تم لوگ باوجود علماء فضلاء ہونے کے ان کے پاس جاتے ہو میں نے کہا کہ ہمارے پاس تو الفاظ ہی الفاظ ہیں اور ان کے پاس معانی ہیں وہ ہمارے محتاج نہیں اس لئے ان کو مغز اور حقیقت حاصل ہے اور ہم ان کے محتاج ہیں فہم انہی حضرات کا حصہ تھا اور یہی لوگ مصداق من یرد اللہ بہ خیرا یفقہ فی الدین (الصحیح للبخاری ۱: ۲۷، مشکوۃ المصابیح: ۲۰۰)، یعنی جس کے ساتھ، اللہ تعالیٰ بھلائی کرنا چاہتے ہیں دین کے اندر اس کو سمجھ عطا فرما دیتے ہیں۔ کے ہیں۔

حضرات اہل اللہ کا حال

ان حضرات کی تو یہ کیفیت تھی کہ اشیائے مذمومہ کی بھی بلا ضرورت مذمت نہ کرتے تھے اور ہم لوگ دوسروں کے عیوب کی فکر میں ہیں کہ جو منہی عنہ اور حرام ہے۔

یزید پر لعنت کرنا کیسا ہے؟

ایک بزرگ سے کسی نے یزید کے بارے میں پوچھا تھا کہ یزید کیسا تھا۔ یزید شعر گوئی میں بڑا ماہر تھا دیکھئے اس شیخ نے یزید کی بھی ایک مدح کی اس لئے کہ ان حضرات کو بجز اپنے عیوب کے دوسروں کے عیوب میں سے کچھ نظر نہ آتا تھا۔ ایک شخص نے مجھ سے بھی پوچھا تھا کہ یزید کو لعنت کرنا جائز ہے میں نے کہا کہ ہاں اس شخص کو جائز ہے کہ جس کو یقین ہو کہ میں یزید سے اچھا ہو کر مروں گا تو حقیقت یہی ہے کہ جب تک خاتمہ ایمان پر نہ ہو کیا اطمینان ہو سکتا ہے ہم لوگوں کی تو یہ حالت ہے۔

گہ رشک برد فرشتہ بر پاکی ما ☆ گہ خندہ زند دیو زناپاکی ما

کبھی ہماری پاکی پر فرشتہ کو رشک آتا ہے اور کبھی ہماری ناپاکی پر شیطان بھی ہنستا ہے۔

ایمان چو سلامت بہ لب گور بریم ☆ احسنت بریں چستی وچالاکی ما

قبر کے کنارہ پر جب ہم ایمان کو صحیح سلامت لیجائیں اسی وقت ہماری چستی وچالاکی پر تم کو آفرین کہنا چاہیے۔

تو ایسی حالت میں ہم کیا منہ لیکر کیا کسی کو کہیں۔

Maktaba Tul Ishaat.com

بجائے نحو کے محو ہونے کی ضرورت

ممکن ہے آج جس پر ہم طعن کریں کل کو ہماری حالت ایسی ہو جائے کہ وہی ہم پر طعن کرنے لگے جیسا مولانا رومیؒ نے ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک نحوی کشتی میں بیٹھا اپنی نحو دانی پر نازاں تھا ملاح سے پوچھا کہ میاں ملاح کچھ نحو جانتے ہو کہا نہیں نحوی صاحب نے کہا کہ میاں تم نے اپنی آدھی عمر ضائع کردی آگے چل کر کشتی ایک بھنور میں پھنس گئی ملاح نے کہا نحوی صاحب کچھ تیرنا بھی سیکھا ہے کہا نہیں۔ ملاح نے کہا تو تم نے اپنی ساری عمر کھودی مولاناؒ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ نحو کام نہیں آتی یہاں تو محو کام آتا ہے یعنی مٹ جانا نافع ہے غرض نرے دعوی کمالات سے اور دوسروں کی تنقیص سے کچھ نہیں ہوتا کہ انا کذا وانا کذا وفلاں کذا وفلاں کذا۔ ایک صاحب نے اسی مذاق کے مریے کی مجلس میں بیٹھتے تھے اور کہتے تھے میں نہ ہوا میں یزید کو قتل کردیتا۔ ایک گنوار بولا میں ہوں یزید مجھ کو قتل کر اپنا سامنہ لے کر رہ گئے، حاصل یہ ہے کہ اگرچہ کوئی مسئلہ ہی ہو یا کوئی امر کسی وقت کے اعتبار سے محمود ہو جیسے یزید کی مذمت اس کے مشغلہ بنانا اور فضول بلاضرورت اس میں مشغول ہونا ناپسند ہے ہاں جب ضرورت ہو اور مسئلے کی تحقیق منظور ہو تو اس میں کلام کرنا مضائقہ نہیں۔

اپنی مصلحت سے وعظ کہنا بے سود ہے

میں جودھ پور گیا تھا وہاں وعظ ہوا وعظ سے پہلے ایک صاحب نے میرے کان میں کہا کہ یہاں بہت سے مفتری لوگ ہیں تم لوگوں پر دو تہمتیں لگاتے ہیں ایک تو یہ کہ تم لوگ وہابی ہو اور جناب رسول اللہ ﷺ کے (نعوذ باللہ) فضائل کے منکر ہو اور دوسرے یہ کہ تم غیر مقلد ہو اس لئے مناسب یہ ہے کہ وعظ میں حضور ﷺ کے فضائل اور امام صاحبؒ کے فضائل بیان کئے جائیں تاکہ شبہات جاتے رہیں لیکن الحمدللہ میری سمجھ میں آگیا کہ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ لوگ ہم کو اچھا سمجھنے لگیں اس سے ان غریبوں کا کیا فائدہ ہوا میں نے کہا کہ وعظ طب ہے طبیب دوا وہ بتلائے گا جو مرض کے مناسب ہو کہ اس میں مریض کی

Maktaba Tul Ishaat.com

مصلحت ہے اگر کوئی طبیب اس بات میں بدنام ہو جائے کہ یہ کڑوی دوا لکھتے ہیں تو اگر وہ اس عار کے دھونے کے واسطے حلوا لکھ دے جس کی مریض کو ضرورت نہ ہو تو وہ طبیب نہیں ہے کیونکہ اس نے اپنی مصلحت کو مریض کی مصلحت پر ترجیح دی اس لیے میں اس وقت فضائل نبوی ﷺ اور فضائل امامؑ کو بیان کرنے میں ان مخاطبین کی تو کوئی مصلحت نہیں دیکھتا اس لئے اس کا بیان نہ کرونگا کہ اس میں صرف یہ مصلحت ہے کہ میری بدنامی جاتی رہے بلکہ میں وہ امراض بیان کروں گا جو ان لوگوں کے اندر ہیں کہ اس میں ان لوگوں کی مصلحت تو ہے۔

ہر شئی کا ایک موقع ہے

صاحبو! غیر ضروری موقع پر مذمت تو درکنا مدح بھی زیبا نہیں۔ دیکھئے اگر کوئی نمازی بجائے تسبیح رکوع سجدے میں سورہ فاتحہ پڑھے تو اس کو ناجائز کہا جائے گا حالانکہ سورہ فاتحہ کا پڑھنا محمود ہے ہر شے کا ایک موقع ہے جب وہ اس موقع پر کی جاتی ہے تب ہی مناسب ہوتی ہے اور بے موقع نادرست و ناجائز ہو جاتی ہے۔

کہ بے حکم شرع آب خوردن خطاست ☆ وگر خوں بہ فتوی بریزی رواست

یعنی شرع کے خلاف پانی پینے میں بھی گناہ ہے مثلاً رمضان کے مہینہ میں کوئی شخص جس پر روزہ فرض تھا بلا عذر اس نے پانی پیا وہ گنہگار ہوگا ہاں اگر فتوی کے موافق کسی کو قتل کر دے تو جائز ہے۔

ضلع اعظم گڑھ

میں ایک شخص نے جماعت کے وقت بسم اللہ پڑھ کر نماز کی اقامت کہی میں نے پوچھا کہ تم نے بسم اللہ کیوں پڑھی کہنے لگا بسم اللہ پڑھنا تو اچھا ہی ہے میں نے کہا کہ بیشک بسم اللہ پڑھنا اچھا ہے لیکن یہ اس کا موقع نہیں حضرت ابن عمرؓ کی حکایت ہے کہ ان کی مجلس میں کسی شخص کو چھینک آئی اس نے کہا السلام علیکم۔ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ میاں سلام کرنا بہت اچھی شئے ہے لیکن ہم کو جناب رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر یہ تعلیم فرمایا ہے کہ ہم الحمد للہ کہا کریں۔

Maktaba Tul Ishaat.com

شان رسول اکرم ﷺ

سبحان اللہ یہ ہیں حقیقی فضائل جناب رسول اللہ ﷺ کے بادیہ نشین عرب کو ایسا مہذب بنادیا کہ آج سارا یورپ اس کو مانتا ہے کہ ہم کو عرب کی بدولت فہم آیا ہے اور کیوں نہ ہو علمنی ربی فاحسن تعلیمی وادبنی ربی فاحسن تادیبی (کشف الخفاء للعجلونی: ۸۷، کنزالعمال ۳۱۸۹۵) یعنی تعلیم دی مجھ کو میرے رب نے پس اچھی ہوئی میری تعلیم اور ادب سکھایا مجھ کو میرے رب نے سو اچھا ہو گیا میرا ادب سکھانا۔

آپ کی شان ہے غرض جبکہ سلام بے موقع ناپسند ہے تو کسی کے ذمائم تو ظاہر ہے کہ کیوں نہ ناپسند اور حرام ہوں گے۔

عیب گوئی کی دو صورتیں

غرض ایک صورت تو کسی کے عیب بیان کرنے کی یہ تھی اس میں تو منشاء نفس ہے دوسری صورت کسی کے درپے ہونے کی یہ ہے کہ اس میں منشاء نفس نہیں ہے یعنی اس کی عیب گوئی یا عیب جوئی نہیں کی بلکہ اس کا منشاء دین ہے۔

کسی کے درپے ہونا امر زائد ہے

یعنی اس کے درپے اصلاح اس لئے ہوئے کہ اس کی بددینی سے خود ہم کو یا دوسروں کو ضرر نہ پہنچے اور اس میں اس قدر منہمک ہوئے کہ بعض اپنی ضروریات دینیہ ظاہرہ یا باطنہ ضائع ہونے لگیں یہ ظاہر نظر میں جائز معلوم ہوتا ہے لیکن غور کر کے دیکھا جاتا ہے تو یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اس قصد سے کس کے زیادہ درپے ہونا امر زائد ہے کیونکہ کوئی شخص کسی کے بگڑنے سے نہیں بگڑتا جو کوئی بے راہ ہوتا ہے وہ اپنے ہی فعل سے ہوتا ہے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جب کوئی بگڑتا ہے تو بے راہ لوگوں کے ساتھ اختلاط اور دوستی کرنے سے گمراہ ہوتا ہے تو یہ دوستی کرنا خود اس کا فعل ہے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ قرآن شریف میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں: فاذا قرات القران فاستعذبالله من الشیطن الرجیم.

Maktaba Tul Ishaat.com

انه لیس له سلطن علی الذین اٰمنوا وعلی ربهم یتوکلون. انما سلطانه علی الذین یتولو نه والذین هم به مشرکون۔ (یعنی جب تم قرآن پڑھو تو اللہ تعالیٰ سے شیطان مردود کی پناہ مانگو (یعنی اعوذ پڑھو) بیشک اس شیطان کا قابو ان لوگوں پر نہیں ہے جو ایمان لائے (یعنی عقائد ان کے صحیح ہیں) اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں (یعنی عمل بھی انکے صحیح ہیں) اس کا غلبہ تو ان لوگوں پر ہے جو اس سے دوستی کرتے ہیں اور ان لوگوں پر جو اللہ کے ساتھ شریک کرتے ہیں حق تعالیٰ نے ان آیتوں میں یہ بات بتلادی کہ شیطان کا قابو دو شخصوں پر چلتا ہے ایک تو مشرکین پر دوسرے اس سے دوستی کرنے والوں پر۔

صحبت بد کا انجام

واقعات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص خراب ہوتا ہے وہ دوستی کرنے سے خراب ہوتا ہے اس سے کوئی نہیں بگڑا کہ دوسروں کی اصلاح نہیں ہوئی میں بہ قسم کہتا ہوں کہ اگر سارا جہاں شیاطین سے بھر جائے اور تمام دنیا میں ایک مومن ہو اور وہ ان سے دوستی نہ کرے تو ہرگز ہرگز نہیں بگڑ سکتا یہ ساری خرابی اس کی ہے کہ اہل باطل سے دوستی کرتے ہیں اختلاط رکھتے ہیں بہت سے نام کے متقی بھی اس مرض میں مبتلا ہیں سخت غیرت کی بات ہے کہ جو لوگ خدا سے بغاوت کریں ان سے دل مل جائے۔

ہزار خویش کہ بیگانہ از خدا باشد ☆ فدائے یک تن بیگانہ کاشنا باشد

یعنی ہزار اپنے کہ وہ خدائے تعالیٰ سے بیگانہ ہوں اس ایک بیگانہ پر قربان ہیں جو خدائے تعالیٰ کا آشنا عارف ہو۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں لاتجدقومایؤمنون باللّٰہ والیوم الاٰخر یوادون من حاداللّٰہ ورسولہ ولو کانوا اٰبآء ھم اوابناء ھم اواخوانھم اوعشیرتھم اولئک کتب فی قلوبھم الایمان وایدھم بروح منہ۔ یعنی نہیں پائیں گے آپ اے محمد ﷺ ایسی قوم کو جو اللہ اور یوم آخر میں ایمان رکھتے ہوں کہ وہ دوستی کریں ان لوگوں سے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کریں اگرچہ وہ ان کے باپ ہوں یا بیٹے ہوں یا بھائی ہوں یا گھرانے والے یہ لوگ (یعنی مومنین) وہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انکے قلوب

Maktaba Tul Ishaat.com

میں ایمان جما دیا ہے۔ اور ان کو اپنے پاس سے روحانی تائید کی ہے۔

ایمان کا تقاضا

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ایمان کا مقتضی یہ ہے کہ اللہ و رسول ﷺ کے مخالفین کے ساتھ دوستی نہ ہو اور نیز اسی آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دوستی سے بچنا دو چیزوں پر موقوف ہے اول تصحیح عقائد اور دوسری بات وہ ہے جس کو روح فرمایا ہے روح کہتے ہیں حیات کو اس سے مراد نسبت مع اللہ ہے جس سے قلب کی حیات ہے۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق ☆ ثبت ست بر جریدہ عالم دوام ما

یعنی جس کو عشق حقیقی سے روحانی زندگی حاصل ہوگئی وہ اگر مر بھی جائے تو واقع میں بوجہ اسکے کہ اس کو لذت قرب کامل توجہ کی حاصل ہے اس لئے اس کو زندہ کہنا چاہیے۔

اور یہی وہ شے ہے جس کو فلنحیینہ حیوۃ طیبۃ۔ یعنی ہم انکو ضرور بالضرور پاکیزہ زندگی عطا کریں گے) میں حیوۃ طیبہ فرمایا ہے۔

خلاصہ وعظ

پس حاصل یہ ہوا کہ جو لوگ تصحیح عقائد اور نسبت مع اللہ سے مشرف ہیں وہ اس دوستی سے بچ سکتے ہیں پس ثابت ہوگیا کہ جو کوئی گمراہ ہوتا ہے دوسرے کے گمراہ ہونے سے نہیں ہوتا بلکہ اپنے فعل سے ہوتا ہے اسلئے یہ نیت ہونا دوسروں کے درپے ہونے کے واسطے بھی اس کی بددینی ظاہر کردے باقی اس کوشش میں لگتا ہے کہ وہ کسی طرح ٹھیک ہی ہو جائے۔ ایک زائد بات ہے بعض اوقات وہ تو درست نہیں ہوتا اور یہ خود بگڑ جاتا ہے کیونکہ اس کی اصلاح کیلئے زیادت اختلاط کی ضرورت ہوتی ہے اور ممکن ہے کہ وہ خود اس پر غالب آجائے اور اسی کو بگاڑ دے چنانچہ بہت جگہ ایسا ہوا ہے تیسری صورت یہ ہے کہ اپنے یا دوسروں کے بچانے کی غرض سے درپے نہیں ہوا بلکہ خود اس کی اصلاح بالذات مقصود ہے جس کا باعث محض شفقت ہے اس میں بھی مبالغہ

Maktaba Tul Ishaat.com

کرنا اور زیادہ پیچھے پڑنا نہ چاہیے چنانچہ جناب فخر عالم ﷺ سے تو زیادہ کوئی مصلح نہیں مگر آپ کو بھی حکم ہے کہ آپ زیادہ پیچھے نہ پڑیں۔ قال اللہ تعالیٰ لاتحزن علیھم۔ یعنی انکے بارے میں غم نہ کرو۔ قال اللّٰہ تعالیٰ من اھتدی فانما یھتدی لنفسہٖ۔ یعنی جو شخص راہ پر آئے گا سو وہ اپنے ہی فائدہ کے لئے راہ پر آئیگا قال اللّٰہ تعالیٰ لعلک باخع نفسک الایکونوا مؤمنین۔ یعنی شاید آپ ان کے ایمان نہ لانے پر غم کے مارے اپنی جان (دے دینگے) اور زیادہ پیچھے پڑنے سے بعض مرتبہ خود اس شخص کے دین کا ضرر ہو جاتا ہے وہ یہ کہ وہ شخص مثلاً دشمن ہو گیا در پے ایذا ہو گیا جو کام دین کا اطمینان کے ساتھ ہو رہا تھا اس میں خلل پڑنے لگا۔ حاصل یہ ہے کہ ہر کام کی ایک حد ہے جب اسکے اندر ہو گا تو محمود ہے ورنہ لائق ترک ہے۔ پس دوسروں کے در پے اصلاح ہونے کی تین صورتیں ہوئیں اور سب کے احکام و آثار مفصل بیان ہو چکے۔ اب اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو اپنی اصلاح کی توفیق عطا فرمائے اور فضول اور لغو اور معاصی سے محفوظ رکھے۔

آمین برحمتک یاارحم الرحمین۔

Maktaba Tul Ishaat.com

الاسراف

بمقام مراد آباد ۲۷ صفر ۱۳۳۱ھ ۴ گھنٹے ۴ منٹ تک ارشاد فرمایا۔
مولانا سعید احمد صاحب نے قلمبند فرمایا۔

Maktaba Tul Ishaat.com

خطبہ ماثورہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونومن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرورانفسنا من سیئات اعمالنا ومن یھدہ اللہ فلامضل لہ ومن یضللہ فلاھادی لہ ونشھد ان لااللہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ صلی اللہ تعالی علیہ والہ واصحابہ وبارک وسلم امابعد.فاعوذباللہ من الشیطان الرجیم. بسم اللہ الرحمن الرحیم.انہ لایحب المسرفین (الاعراف: ۳۱)

اللہ تعالیٰ فضول خرچ کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے۔

رخصت پر عمل کرنا محمود ہے

یہ ایک بڑی آیت کا ٹکڑا ہے لیکن چونکہ مجھ کو صرف اسی جزو کے متعلق اس وقت بیان کرنا ہے اس لئے میں نے اسی پر اکتفا کیا۔ اگرچہ میرا معمول ایسے مواقع پر اکثر یہ ہے کہ پوری آیت پڑھ دیتا ہوں اور اس کو میں اقرب الی الادب (ادب کے زیادہ قریب) سمجھتا ہوں۔ کہ پوری آیت پڑھی جائے۔ لیکن کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ صرف اسی جملہ پر اکتفا کرتا ہوں۔ جس کے متعلق بیان کرنا مقصود ہوتا ہے کیونکہ اجازت تو اس کی بھی ہے یعنی عزیمت اور افضل تو یہی ہے کہ پوری آیت پڑھی جائے لیکن رخصت یہ بھی ہے کہ اسی جملہ پر اکتفا کیا جائے۔ خصوصاً جبکہ وہ جملہ مستقل ہو اس وقت تو اس پر اکتفا کرنا بلاشبہ جائز ہے اور خدا تعالیٰ کے نزدیک رخصت پر عمل کرنا بھی محمود ہے اور نکتہ اس میں یہ ہے کہ اس میں عملاً جواز کا اظہار ہے۔ چنانچہ ایک روایت ہے ان اللہ یحب ان یؤتی رخصہ کما یحب ان یوتی عزائمہ (مسند احمد: ۲: ۱۰۸، کنز العمال: ۵۳۳۴) حق تعالیٰ جیسا کہ عزائم پر عمل کرنے کو پسند کرتے ہیں اسی طرح رخصتوں پر عمل کرنے کو بھی پسند کرتے ہیں یہ تو اس شبہ کے دفعیہ کے لئے گفتگو تھی کہ جزو آیت کیوں پڑھا جبکہ پوری آیت کا پڑھنا

Maktaba Tul Ishaat.com

افضل تھا خصوصاً میں ابھی یہ بیان بھی کر چکا ہوں کہ ادب یہی ہے کہ پوری آیت کا پڑھنا افضل ہے۔ اس تقریر سے ان شاء اللہ یہ شبہ حل ہو گیا ہوگا کہ اب یہ بات سمجھنے کی ہے کہ اس وقت میں نے اس آیت کو کیوں اختیار کیا تو میرا معمول یہ ہے اور یہی مناسب بھی ہے کہ بیان میں وقتی ضرورتوں کو مقدم کیا جائے یعنی جس وقت جس مضمون کی زیادہ ضرورت معلوم ہو اس وقت اسی کو بیان کیا جائے ورنہ یوں تو پھر ہر مضمون اپنے مرتبہ ذات میں ضروری ہی ہے اور ضروری نہ ہوتا تو نازل ہی کیوں ہوتا۔ جب سب احکام ضروری ہیں اور ایک وقت میں سب کا بیان کرنا بھی دشوار ہے تو لامحالہ ان میں سے کسی ایک کو ترجیح دینا ضروری ہوگا اب رہی یہ بات کہ وجہ ترجیح کیا ہونا چاہیے۔ سو اس میں فی نفسہ اختلاف رائے ہونا ممکن ہے مگر قرآن سے جو فیصلہ معلوم ہوتا ہے وہ سب سے مقدم ہے۔

ربانی کا مفہوم

قرآن میں ایک جگہ علماء کو خطاب کیا گیا ہے ولکن کونوا ربانین الخ کہ تم کو ربانی ہونا چاہیے جس کا ترجمہ حضرت عبداللہ بن عباس نے کیا ہے الذی یقدم صغار العلم قبل کبارھا ، کہ ربانی وہ ہے جو چھوٹے علوم کو جو کہ فہم مبتدی کے لائق ہوں مقدم کرے۔ اور بڑے علوم جو کہ فہم مبتدی سے بالا ہوں موخر کرے۔

خلاصہ یہ کہ مربی ہوں مگر یہ وہاں ہو سکتا ہے جہاں کہ حاضرین ایک مدت تک اپنے ساتھ رہیں تا کہ طویل صحبت سے ہر شخص کی فہم کا اندازہ ہو جائے اور پھر ہر ایک کی فہم کے مطابق علوم بیان کیے جائیں اور ہر ایک کو الگ الگ وقتاً فوقتاً تعلیم دی جائے اور جہاں یہ نہ ہو تو وہاں کونوا ربانین تم کو ربانی ہونا چاہیے۔ پر عمل کرنے کی صورت دوسری ہوگی۔ اور وہ صورت اس کی علت معلوم ہونے سے معلوم ہو سکتی ہے۔ بات یہ ہے کہ ربانی کا ترجمہ جو یہ کیا گیا ہے چھوٹے علوم کو بڑے علوم پر مقدم کرے یہ ربانی کی حقیقت نہیں بلکہ محض ایک تمثیل ہے کہ ربانی کی ایک شان یہ بھی ہوتی ہے۔

ربانی کی حقیقت

ورنہ حقیقت اس کی یہ ہے کہ ربانی وہ شخص ہے جو مصلحت اور ضرورت کی رعایت

Maktaba Tul Ishaat.com

کرے سو اسکا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ چھوٹے علوم کو مقدم کرے۔ اور ایک یہ بھی طریق ہے کہ علوم میں سے جو زیادہ ضروری ہو اس کو مقدم کردے۔ یہ بھی یربی الناس وہ لوگوں کی تربیت کرتا ہے۔ میں داخل ہے۔ پس اصل مقصود اور محط (منزل) فائدہ تربیت ہے۔ سو ناصح کے لئے ضروری ہے کہ اس کی نظر تربیت پر ہو اور تربیت کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ زیادہ ضروی چیز کو مقدم کرے اسی طرح **الاھم فالاھم** (اول اس چیز کو مقدم کرے جو سب سے زیادہ ضروری ہے پھر اس چیز کو جو اس کی دوسری چیزوں سے زیادہ ضروری ہے علی ہذا) کی رعایت کرے اس لئے میرا یہی معمول ہے کہ بیان میں وقتی ضرورتوں کا زیادہ لحاظ کرتا ہوں اور جہاں مسلمانوں کو ضرورتیں مختلف ہوں اور جن چیزوں کی زیادہ ضرورت ہو وہ بھی بہت ہوں اور ظاہر ہے کہ بیان تو ایک ہی کا ہوسکتا ہے۔ ایک وقت میں سب کا بیان نہیں ہوسکتا تو اب ان میں سے کسی کی تقدیم کی بجز اس کے اور کوئی صورت نہیں کہ ان میں سے جو قلب میں آجائے وہ بیان کردیا جائے۔ اگر دسترخوان پر متعدد کھانے ہوں سب برابر درجے کے ہوں۔ ایک دوسرے سے بڑھیا نہ ہو تو ان میں تقدیم وتاخیر کی بھی صورت ہے کہ جس کو دل پہلے چاہے اور جس پر ہاتھ پہلے پڑے اسے پہلے کھانا چاہیے۔ اسی طرح جب بیان کرنے والے کی نیت اصلاح ناس (لوگوں کی اصلاح کرنے کی ہو) اور قابل اصلاح امور بہت سے ہوں اور ان میں سے ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ ہو تو ضروری مضامین میں سے جو مضمون بھی دل میں آجائے اس کو منجانب اللہ (اللہ تعالیٰ کی جانب سے) سمجھا جائے گا۔ بہرحال میں نے اس وقت غور کیا کہ کیا بیان کیا جائے اور اپنے مکرم میزبان سے بھی پوچھا مگر تھوڑی دیر پہلے تک کوئی مضمون ذہن میں نہ آیا کیونکہ یہاں والوں کی کسی خاص ضرورت کا تو مجھے علم نہیں تھا اور مسلمانوں کی عام ضرورتیں بہت زیادہ ہیں مگر ہمارے میزبان صاحب نے ایک بات نہایت اچھی کہی کہ جو بیان کردیا جائے گا۔ وہی سامعین کے مناسب حال ہوگا۔ اسکا مطلب قریب قریب یہی ہے کہ ضرورتیں تو بہت ہیں ان میں سے جو مضمون بھی دل میں آجائے گا انشاءاللہ وہی منجانب اللہ ہوگا اور وہی سامعین کو زیادہ مفید ہوگا۔

Maktaba Tul Ishaat.com

اسراف سے دین و دنیا دونوں برباد ہوتے ہیں

الغرض میں نے بہت غور کیا مگر کچھ سمجھ میں نہ آیا اب جس وقت بیان کرنے بیٹھا ہوں خود بخود دل میں یہ خیال آیا کہ اسراف (فضول خرچی کرنا) کے متعلق بیان کیا جائے۔ کیونکہ مسلمانوں میں جہاں بہت سی خرابیاں ہیں ایک خرابی یہ بھی ہے اور اس کے مفاسد بہت زیادہ ہیں۔ ظاہر میں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسراف سے دنیا ہی خراب ہوتی ہے مگر نہیں غور کرنے سے یہ بات ظاہر ہو جائے گی۔ کہ اس سے دنیا و دین دونوں خراب ہوتے ہیں۔ کیونکہ اول تو اسراف سے خدا نے منع فرمایا ہے تو وہ گناہ ہوا اور گناہوں سے دین کا خراب ہونا ظاہر ہے۔ دوسرے اسراف سے پریشانی بہت زیادہ لاحق ہوتی ہے۔ اور پریشانی سے دین کا بھی بہت ضرر ہوتا ہے۔ بعض دفعہ اس سے نوبت بکفر (کفر تک نوبت) پہنچ جاتی ہے۔ اس لئے اس کے بیان کی ضرورت ہے۔ دوسرے یہ مرض آج کل بہت عام ہو گیا ہے۔ کون نہیں جانتا کہ میں اس میں مبتلا ہوں۔ جب اس مضمون کی ضرورت معلوم ہو گی تو اب اس کی حقیقت بھی سمجھ لینی چاہیے۔

اسراف کی حقیقت

ہر چند کہ اسراف عرفاً اس کو کہتے ہیں کہ مال میں بے موقع زیادہ خرچ ہو اور بیان سے یہی مقصود بھی تھا اور اب بھی ہے مگر اسراف کی حقیقت صرف یہی نہیں بلکہ اس کی ایک فرد یہ بھی ہے۔ حقیقت میں اسراف کہتے ہیں۔ حد اعتدال گزر جانے کو جس کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ خرچ کرنے میں انسان حد اعتدال سے گزر جائے۔ اسی طرح تمام گناہ اسراف میں داخل ہیں کیونکہ شریعت نے انہی باتوں کو گناہ کہا ہے۔ جن میں سے حد اعتدال سے خرچ ہوتا ہے۔ اسراف کی حقیقت جاننے کے بعد اب ہم کو اپنی حالت پر نظر کرنا چاہیے اور دیکھنا چاہیے کہ ہم لوگ حد اعتدال پر کہاں تک قائم ہیں اور اعتدال سے کس قدر نکلے ہوئے ہیں۔ ہماری حالت یہ ہے کہ یا تو بخل میں مبتلا ہیں یا فضول خرچی میں بس ہماری وہ حالت ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

اگر غفلت سے باز آیا جفا کی ☆ تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی

کسی دن مولوی صاحب سے بخل کی مذمت اور برائی سنی تھی۔ اس سے اگر بچے اسراف شروع کر دیا پہلے بھی اعتدال سے باہر تھے اب بھی اعتدال سے باہر ہی رہے اتنا فرق ہے۔ کہ بخل کو خود بھی برا جانتے تھے اور اسراف کو برا بھی نہیں جانتے کیونکہ بخیل آدمی کو عرفاً حقیر سمجھا جاتا ہے۔ عام لوگ اس سے کنجوس مکھی چوس کہہ کر پکارتے ہیں اس لئے بخل سے کبھی خود بھی نفرت ہو جاتی تھی اور فضول خرچی کرنے والے کو کوئی برا نہیں کہتا۔ جاہل لوگ اسے سخی اور عالی حوصلہ مشہور کرتے ہیں۔ اس لئے یہ بھی جامہ میں پھولا نہیں سماتا اور اچھی طرح پہلے سے زیادہ فضول خرچی پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اب تو آپ کو معلوم ہوا ہوگا کہ اسراف کے بیان کی کس قدر ضرورت تھی کہ یہ مرض ایسا ہے جس کو مرض ہی نہیں سمجھا جاتا۔ میں اس کے متعلق تعلیم اور اصلاح کا طریقہ آگے بیان کروں گا۔ ابھی اس مضمون کا ضروری ہونا بیان کرتا ہوں کہ یہ ایک سخت بلا ہے جس سے بچنا چاہیے۔ مگر افسوس ہے کہ اس کو بلا نہیں سمجھا جاتا بلکہ لوگ الٹا اس پر مسرور ہوتے ہیں کہ ہم بخیل نہیں بلکہ خوب خرچ کرنے والے ہیں اسی وجہ سے اس بلا کی طرف توجہ نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کو غیر بخل سمجھ کر محمود خیال کرتے ہیں سو ایسے شخصوں کی کبھی اصلاح ہو ہی نہیں سکتی۔ اصلاح تو اس کی ہوتی ہے جسکی نظر اپنے عیبوں پر ہو۔ ہماری نظر دوسروں کے عیبوں پر ہوتی ہے۔

ہر یکے ناصح برائے دیگراں ☆ ناصح خود یافتم کم در جہان

ہر شخص دوسروں ہی کے لئے نصیحت کرتا ہے۔ دنیا میں اپنے آپ کو نصیحت کرنے والے بہت ہی قلیل ہیں۔

طاعون کا حقیقی سبب

مثلاً کہیں طاعون ہو جائے تو بجائے اپنے اپنے عیبوں کی اصلاح کے لوگوں کا مشغلہ یہ ہوتا ہے کہ دوسروں کے عیبوں کو بیان کرتے ہیں کہ میاں فلاں شخص اپنے پڑوسی کی بیوی کو تاکتا ہے، بھلا طاعون نہ آئے تو اور کیا ہو ان ہی گناہوں کا تو قہر بستی پر پڑ رہا

Maktaba Tul Ishaat.com

ہے۔ مگر اس شخص کو اپنے عیبوں پر ذرا نظر نہیں ہوئی کہ میں نے بھی کوئی گناہ کیا ہے یا نہیں اور یہ شکایت بھی ان لوگوں سے ہے جو ان مصائب کو گناہوں کی وجہ سے سمجھتے ہیں ورنہ آج کل تو اس مذاق ہی کے لوگ کم ہیں جو ان مصائب کو اعمال کی خرابی کی طرف منسوب کریں بلکہ بہت لوگ ان کو اسباب مادیہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ کہ ہوا بگڑ گئی۔ اس لئے طاعون ہو گیا۔ میں اس کا انکار نہیں کرتا کہ طاعون میں ہوا بگڑنے کو دخل نہیں ممکن ہے کہ اس کو بھی دخل ہو۔ مگر میں کہتا ہوں کہ آپ شریعت کے بتلائے ہوئے سبب کا کیوں انکار کرتے ہیں۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ ایک چیز کے متعدد اسباب ہوں۔ ایک سبب قریب ہو ایک سبب بعید۔ ایک سبب ظاہری ہو۔ ایک سبب حقیقی۔ آپ یہ کہتے ہیں کہ ہوا بگڑنے سے طاعون ہوا میں کہتا ہوں کہ یہ ظاہری سبب ہے حقیقی سبب اس کا یہ ہے کہ آپ نے گناہوں کی کثرت کی۔ اس کا انکار آپ کس دلیل سے کرتے ہیں۔ میں اس مقصود کے واضح کرنے کیلئے ایک مثال بیان کرتا ہوں۔ اس سے آپ کی سمجھ میں آجائے گا کہ ظاہری سبب اور حقیقی سبب میں کیا فرق ہے۔ مثلاً ایک شخص کو پھانسی ہو گئی اور وہ مر گیا۔ اب دو شخصوں میں گفتگو ہوئی کہ اس کی پھانسی کا سبب کیا ہے ایک شخص کہتا ہے کہ اس کا سبب صرف یہ ہے کہ وہ کسی طرح سے تختہ کے اوپر پہنچ گیا اور ریشمی پھندا اس کے گلے میں پڑ گیا۔ پھر کسی طرح تختہ اس کے نیچے سے الگ ہو گیا۔ تو اس کا گلا گھٹ گیا۔ اور وہ مر گیا۔ ایک دوسرے شخص نے کہا کہ اس کی پھانسی کا سبب یہ ہے کہ اس نے ایک جرم کیا تھا اس وجہ سے اس پر حاکم نے ناراض ہو کر پھانسی دلوادی۔ تو کیا اس پر وہ پہلا شخص یہ اعتراض کر سکتا ہے کہ تم سائنس کے منکر ہو کہ اس کی موت کا تو انخناق یعنی گلا گھونٹ جانا ہے اور تم جرم کو اس کا سبب بتاتے ہو۔ کیا اس جرم نے آ کر اس کا گلا گھونٹ دیا۔ ظاہر ہے کہ وہ یہ اعتراض کبھی نہیں کر سکتا اور اگر کوئی احمق یہ اعتراض کرے بھی تو تمام مخلوق اس کو پاگل بنائے گی اور یہ کہے گی کہ تیرا یہ کہنا صحیح ہے کہ موت کا سبب انخناق (گلا گھونٹ جانا) ہے۔ مگر اس کا اصلی سبب تو حاکم کا حکم ہے۔ اور اس حکم کا سبب اس کا جرم ہے۔ غرض اسی اختلاف میں ہر عاقل یہی کہے گا کہ وہ شخص سچا حق پر ہے جو یہ کہتا ہے کہ پھانسی کا سبب اس کا فعل ہوا اور وہ سبب طبعی کا منکر نہیں مگر وہ یہ کہتا

Maktaba Tul Ishaat.com

ہے کہ اس سبب طبعی کا سبب خود اس کا فعل ہے ورنہ پھانسی تو پہلے سے بھی موجود تھی پہلے سے وہ کیوں نہ مر گیا اور اب بھی موجود ہے۔ پھر اس سے روزانہ موتیں کیوں نہیں ہوتیں۔

دین کا نام لیتے ہی کوتاہ نظری کا الزام

صاحبو! غضب کی بات ہے کہ اس شخص کو تو محقق سمجھا جائے اور علماء کو جو طاعون کا سبب آپ کے گناہوں اور افعال کی خرابی کو بتلاتے ہیں غیر محقق کہا جائے یہ کہاں کا انصاف ہے کہ جس کو کوتاہ نظر کہا جاتا ہے اسی کی نظر کو دوسری جگہ عالی نظر کہا جاتا ہے غضب کہ دین ہی کے موقع پر سب لوگ بے ہوش ہو جاتے ہیں اس پر مجھے اپنے مجنوں دوست کی بیان کی ہوئی ایک حکایت یاد آتی ہے کہ انہوں نے لاہور کے پاگل خانہ میں ایک مجنوں کو دیکھا کہ وہ سب باتیں ٹھکانے کی کرتا تھا۔ جن سے کسی کو بھی نہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ پاگل ہے، مگر جہاں اس کا نام اس کے سامنے لیا گیا اور اس پر جنون سوار ہوا۔ یہی حالت آج کل ہمارے بھائیوں کی ہے۔ کہ جب تک ان کے سامنے دین کا نام نہ لو تو عاقل بھی سمجھ دار بھی سب کچھ ہیں۔ مگر جہاں دین کا نام کسی نے لیا اور وہ کوتاہ نظر ہوا۔ صاحبو! آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ جو شخص پھانسی کا سبب ڈکیتی کو بتلاتا ہے اس کو تو تم عاقل کہتے ہو اور اسی کا نظیر وہ عالم شریعت ہے۔ جو طاعون کا سبب آپ کی بدعملی کو بتاتا ہے۔ یہ شخص عالی نظر کیوں نہیں۔ چونکہ یہ دین کا معاملہ ہے۔ اس لئے اس میں علماء کو تو کوتاہ نظر سمجھا جاتا ہے۔ اور اس شخص کو عالی نظر سمجھا جاتا ہے۔ جو جراثیم کو طاعون کا سبب بتلاتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اچھا ہم نے مانا کہ طاعون کا سبب آب وہوا کا خراب ہونا ہی سہی لیکن یہ تو بتاؤ کہ روایت آب وہوا (آب وہوا کی خرابی) کا کیا سبب ہے۔ اگر اس کا بھی کوئی سبب ہے تو پھر اسکا کیا سبب ہے کیونکہ ہر حادث کی انتہا ایک قدیم پر ضروری ہے۔ تو اس کی انتہا بھی ایک قدیم پر ہوگی اور اگر قدیم پر انتہا نہ مانو تو تسلسل لازم آئے گا۔ کیونکہ ہر حادث علت اور سبب کا محتاج ہوتا ہے اور تسلسل محال ہے تو منتہا ہونا ضروری ہے۔ اور منتہا ہونے کے قابل سوائے مشیت الٰہی کے اور کوئی چیز نہیں تو جس طرح حاکم نے پھانسی کا حکم دیا تھا جس سے مجرم ہلاک ہوا اسی

Maktaba Tul Ishaat.com

طرح حق تعالیٰ نے کارکنان قضاوقدر کو حکم دیا کہ آب وہوا کو خراب کردو، انہوں نے آب وہوا خراب کردی جس سے چوہے مرنے لگے اور طاعون پھیل گیا۔ اب جیسا کہ وہاں ایک سچے مخبر (خبر دینے والے) کی ضرورت ہے جو یہ بتلادے کہ چونکہ اس شخص نے جرم کیا تھا اس وجہ سے حاکم نے پھانسی کا حکم دیا۔

مسلمانوں پر نزول مصائب کا سبب

اسی طرح یہاں بھی ایک سچے مخبر کی ضرورت ہے جو یہ بتلادے کہ گناہوں کی وجہ سے یہ بلائیں نازل ہوتی ہیں سو سنو وہ سچا مخبر قرآن ہے جس میں حق تعالیٰ کا ارشاد موجود ہے۔ **وما اصابکم من مصیبة فبما کسبت ایدیکم ویعفوا عن کثیر**، کہ تم کو جو کچھ مصیبت پہنچتی ہے تمہارے ہاتھوں کے کرتوت سے پہنچتی ہے۔ اور حق تعالیٰ بہت سے گناہوں سے درگزر کردیتے ہیں پس یہ کیوں نہ کہا جائے کہ سبب اس طاعون کا وہ بیماری بدعملی اور سیہ کاری ہے۔ یہاں ایک سخت مرحلہ ہے جس نے علماء کو بھی پریشان کررکھا ہے۔ چنانچہ ابھی میرے پاس ایک خط آیا تھا۔ جس میں سخت گندے مضامین تھے۔ اس لئے میں اس مرحلہ کو بھی طے کردینا چاہتا ہوں وہ مرحلہ یہ ہے کہ ابھی بیان کیا گیا ہے کہ مصائب اور بلائیں اکثر گناہوں اور بداعمالیوں کی وجہ سے آتی ہیں ایک مقدمہ تو یہ ہوا۔ دوسرا مقدمہ یہ کہ کفر سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں تو کفار سب سے بڑے گنہگار ہوئے تو ان مقدمات سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ کفار پر مسلمانوں سے زیادہ مصائب اور بلائیں آنی چاہئیں۔ حالانکہ بعض دفعہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ طاعون کی وجہ سے اکثر مسلمان ہی فوت ہوتے ہیں۔ ہندو وغیرہ کم مرتے ہیں۔ اسی طرح آج کل ترکوں سے کفار کی جنگ ہے اور بعض دفعہ بہت متوحش خبریں آتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ترک مغلوب ہوگئے۔ ان واقعات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آج کل سب سے زیادہ مصیبت مسلمانوں پر ہے۔ تو بعض لوگوں کو یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر بلا اور مصیبت کا سبب بندوں کے گناہ اور بداعمالیاں ہیں تو سب سے زیادہ مصیبت کفار پر ہونی چاہیے تھی۔ مسلمانوں ہی پر سب سے زیادہ مصیبت کیوں ہے۔ جن

Maktaba Tul Ishaat.com

صاحب کا خط میرے پاس آیا تھا۔ اس میں ایسے ہی گندے مضامین بھرے ہوئے تھے۔ کہ کیا آج وہ آیتیں اور وہ وعدے سب منسوخ ہو گئے جو قرآن میں مسلمانوں سے کئے گئے تھے۔ وکان حقاعلینا نصر المؤمنین، کہ مسلمانوں کی امداد ہمارے اوپر لازم ہے۔ آج کل تو کفار کی امداد کی جارہی ہے جس سے شبہ ہوتا ہے کہ خدا ان ہی کا طرف دار ہے۔ اور ایسے ہی واہی تباہی مضامین تھے اور ان حضرات کو یہ شبہات پیدا ہوئے۔ ترکوں کے معاملات میں اخبارات دیکھنے سے اور ترکوں کی شکست کی خبر آنے سے تو میں نے ان کے خط کا تو یہ جواب لکھ دیا ہے کہ ذرا منہ سنبھال کر باتیں کرو خدا کی شان میں گستاخی نہ کرو بڑے ترکوں کے طرف دار خدا سے بھی زیادہ بنتے ہو پہلے ان کی حالت تو دیکھو کہ ترکوں کی حالت آج کل کیا ہے اور ان میں اسلام کس قدر باقی ہے۔ مجھے واللہ ترکوں کی نسبت یہ الفاظ لکھتے ہوئے شرم آتی تھی کہ اپنے بھائیوں کے عیب کو میں کھولوں۔ مگر اس شخص کے ایمان کی حفاظت کے لئے مجھے ایسا کرنا پڑا کیونکہ اگر میں یہ نہ لکھتا تو اس کے ایمان کی خیر نہ تھی۔ اور ہاں میں ان کو یہ لکھنا بھول گیا کہ تم کو اخبار نہیں دیکھنا چاہیے کیونکہ یہ اسی کا اثر ہے۔ اخبار میں ترکوں کی شکست کی خبریں دیکھ کر آپ کو خدا پر بھی اعتراض ہونے لگا۔ تو جس شخص کو اخبار دیکھنے سے اتنا اثر ہوتا ہو اس کو ہرگز اخبار دیکھنا اور سننا جائز نہیں۔

ترکوں سے حقیقی ہمدردی

اس پر بعض لوگوں کو شبہ ہوگا کہ اخبار تو ترکوں کی ہمدردی کی وجہ سے دیکھے جاتے ہیں اور مسلمانوں سے ہمدردی کرنا شریعت کا حکم ہے تو اخبار دیکھنے سے روکنا گویا ترکوں کی ہمدردی سے روکنا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اخبار دیکھنا یہ کوئی ہمدردی نہیں ہے اور نہ ہمدردی کا اس میں انحصار ہے ہمدردی یہ ہے کہ آپ ترکوں کی امداد مالی کریں۔ جس سے ان کو نفع پہنچے گا۔ چاہے آپ اخبار کا ایک حرف بھی نہ پڑھیں۔ ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ اکثر اخبار دیکھنے والے دو چار باتوں کے سوا ترکوں کے ساتھ مالی ہمدردی بہت کم کرتے ہیں اور اخبار بھی ہمدردی کی وجہ سے کوئی کوئی دیکھتا ہوگا۔ آجکل تو زیادہ تفریح کے واسطے اخبار

Maktaba Tul Ishaat.com

دیکھے جاتے ہیں۔ پھر اچھا ہم نے مانا کہ اخبار دیکھنے میں ترکوں سے ہمدردی ہی کی نیت ہے ۔مگر ترکوں سے جو ہمدردی ہے وہ اسی لئے تو ہے کہ حق تعالیٰ نے ان کے ساتھ تعلق رکھنے کا حکم دیا ہے۔ اور اگر کسی کو ترکوں کی ہمدردی خدا سے بے تعلقی کا سبب ہو جائے اس کو ایسی ہمدردی سے ضرور روکا جائے گا۔ غرض ان کو تو میں نے یہ جواب لکھ دیا تھا کہ پہلے ان کا پکا مسلمان ہونا تو ثابت کرو۔ اور یہ جواب میں نے اس لئے دیا کہ اس شخص کے مذاق کے موافق یہی جواب تھا۔ اس کے شبہات دوسرے جوابوں سے دفع نہ ہوتے۔ ورنہ ہمارے پاس اس شبہ کا دوسرا جواب بھی ہے جو اس وقت بھی صحیح ہے جبکہ وہ پکے مسلمان بھی ہوں اور پھر بھی ان کی شکست پر شکست ہو وہ جواب اس وقت بھی صحیح ہوگا وہ یہ کہ مصیبت کا سبب جیسا کہ گناہ ہے اسی طرح رفع درجات بھی اسکا سبب ہے۔ بعض دفعہ امتحان اور آزمائش کیلئے اور درجات بلند کرنے کیلئے بھی بلائیں نازل ہوتی ہیں۔

سنئے حق تعالیٰ فرماتے ہیں ام حسبتم ان تدخلوا الجنة ولما یاتکم مثل الذین خلوا من قبلکم مستهم الباسآء والضراء وزلزلوا حتی یقول الرسول والذین اٰمنوا معه متی نصر اللّٰه الا ان نصر اللّٰه قریب.

کیا تم نے یہ گمان کیا کہ جنت میں ویسے ہی داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی تک تم کو وہ حالت پیش نہیں آئی جو پہلے لوگوں کو پیش آ چکی ہے کہ ان کو لڑائی اور بیماری کی تکلیف پہنچی اور وہ یہاں تک جھڑ جھڑائے گئے کہ رسول اور ان کیساتھ والے مسلمان کہنے لگے کہ دیکھئے اللہ کی مدد کب آتی ہے سن لو کہ اللہ کی مدد قریب ہی ہے۔

ایک جگہ فرماتے ہیں۔ اذا استیئس الرسل وظنوا انهم قد کذبوا جاء هم نصرنا فنجی من نشاء ولا یرد باسنا عن القوم المجرمین۔

یہاں تک جب رسول ناامید ہو گئے اور کفار نے گمان کیا کہ ان سے جھوٹ بولا گیا اس وقت ہماری مدد آئی سو جس کو ہم نے چاہا ان کو نجات دی گئی اور باقی لوگ ہلاک کئے گئے اور ہمارا عذاب مجرم لوگوں سے ٹل نہیں سکتا۔

Maktaba Tul Ishaat.com

حضرات مقبولین پر انبار مصائب

ان آیتوں سے حاصل مشترک اتنا ثابت ہوا کہ پہلے زمانہ میں حضرات مقبولین پر اوران سے بڑھ کر رسولوں کا طبقہ ہے جن میں معصیت کا احتمال ہی نہیں ان پر ایسے ایسے مصائب آئے کہ رسول گھبرا کر کہنے لگے متی نصر اللّٰہ، خدا کی امداد کب آئے گی اور حتی اذا استیئس الرسل ای من ایمان قومھم، یہاں تک کہ رسول اپنی قوم کے ایمان سے مایوس ہوگئے۔ یعنی امداد الٰہی میں اتنی دیر ہوئی کہ رسول اپنی قوم کو نصیحت کرتے کرتے ان کے ایمان سے مایوس ہوگئے۔ اور انبیاءؑ کی یہ حالت نہ تھی کہ ایک وعظ کہہ کر جو دیکھا کہ لوگ جنید بغدادی نہیں ہوئے تو ان کی اصلاح سے ناامید ہو جاؤیں بلکہ حالت یہ تھی کہ ایک مدت مدید تک وعظ کہہ کر بھی ناامید نہ ہوتے تھے۔ نوح علیہ السلام نے ساڑھے نوسو برس تک اپنی قوم کو نصیحت کی اور ناامید نہ ہوئے جب اتنی مدت میں بھی ان پر کچھ اثر نہ ہوا تب ان کے ایمان سے مایوس ہوئے۔ اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ انبیاءؑ کتنی مدت دراز تک اپنی قوم سے مایوس نہ ہوتے تھے تو اتنی طویل مدت کے بعد نصرت خداوندی نازل ہوئی تھی۔ اور اس وقت تک انبیاءؑ اور مومنین مصیبتیں بھی جھیلتے تھے۔ وظنوا انھم قد کذبوا، یعنی اور کفار نے گمان کیا کہ ان سے جھوٹ بولا گیا۔ کی تفسیر میں بہت اقوال ہیں۔ اور بعضے سخت اور مشکل ہیں مگر سہل یہ ہے۔ کہ ظنوا کی ضمیر کفار کی طرف راجع ہے مطلب یہ ہے کہ کفار نے یہ کہا کہ ہم مکذوب نہیں۔ یعنی رسولوں نے جو ہم کو عذاب کی دھمکی دی ہے وہ جھوٹ بات ہے اگر سچی ہوتی تو اس مدت دراز میں عذاب کے کچھ تو آثار معلوم ہوتے غرض ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاءؑ اور پہلے مقبولین ایک مدت تک مستھم الباساء والضراء (یعنی ان کو لڑائی اور بیماری کی تکلیف پہنچی) کی حالت میں اور ایسی بڑی بڑی مصیبتوں میں رہے کہ ایسی مصیبتیں ہم لوگوں کو کبھی پیش نہیں آئیں۔ مگر آج ترکوں کی ذراسی حالت میں لوگوں کو خدا تعالیٰ سے بدگمانی ہونے لگی۔ یاد رکھو خدا تعالیٰ پر کبھی کسی کو بدگمانی کا حق نہیں ان کی حکمتوں کے راز کسی کو کیا معلوم۔ آپ اپنے خانگی معاملات کے راز اپنے نوکروں کو نہیں بتلاتے حالانکہ آپ میں اور ان میں بہت تقارب ہے۔ مگر اس کے باوجود بھی اپنا بھید آپ

Maktaba Tul Ishaat.com

نوکروں کو نہیں بتلاتے۔ تو خدا کیوں آپ کو اپنے معاملات کے راز بتلاویں آپ میں اور خدا میں تو کچھ بھی مناسبت نہیں چہ نسبت خاک را با عالم پاک (خاک کو عالم پاک سے کیا نسبت) اسی کو حافظ فرماتے ہیں۔

حدیث مطرب و مے گو راز دہر کمتر جو ☆ کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت ایں معمارا

اللہ تعالیٰ کی محبت اور معرفت اور اس کے ذکر و شغل کی طرف متوجہ ہو اسرار حقیقت اور اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کے راز معلوم کرنے کو ترک کرو کسی شخص نے اس معمہ کو نہ حل کیا اور نہ کوئی کر سکے۔

بہر حال حق تعالیٰ کی حکمتیں ہیں جن کی وجہ سے مقبولین پر بھی وہ مصائب نازل کرتے ہیں۔

زاں بلاہا کانبیا برداشتند ☆ سر بچرخ ہفتمیں افراشتند

ان بلاؤں کی وجہ سے جو انبیاءؑ نے برداشت کیں انکے درجات و مراتب تمام مخلوق سے بلند ہو گئے۔

جاں صدیقاں ازیں حسرت بریخت ☆ کاسماں بر فرق ایشاں خاک بیخت

صدیقوں نے اسی حسرت میں جانیں ضائع کیں کہ آسمان نے ان کے سروں پر خاک چھانی۔

مجاہدہ اضطراریہ سے اصلاح نفس

یہ گویا رفع درجات ہے ان بلاؤں سے مقبولین کے درجے بلند ہوتے ہیں۔ نیز اس میں مجاہدہ اضطراریہ بھی ہے کہ مصائب سے اخلاق درست ہو جاتے ہیں۔ نفس کی اصلاح بہت کچھ ہو جاتی ہے۔ جب ہم لوگوں کو اپنے نفس کی اصلاح اور درستی اخلاق کی فکر نہیں ہوتی تو حق تعالیٰ مجاہدہ اضطراریہ سے ہماری اصلاح فرما دیتے ہیں۔ آپ ان شکستوں کی خبروں سے یہ سمجھتے ہیں کہ ترک مغلوب ہو گئے۔ مگر آپ کو کیا معلوم ہے کہ اس سے جوان کے نفس کی اصلاح ہوئی ہوگی وہ کتنی فتوحات کا پیش خیمہ ہوگا۔ یہی حال طاعون میں سمجھنا چاہیے۔ کہ مسلمانوں میں طاعون کا زیادہ پھیلنا اس کی دلیل نہیں ہو سکتی کہ

Maktaba Tul Ishaat.com

معاذ اللہ مسلمان خدا تعالیٰ کے نزدیک ان کافروں سے بھی زیادہ ذلیل ہیں ہرگز نہیں بلکہ کبھی مسلمانوں کے درجے بلند کرنے اور ان کو شہادت کے مرتبے دینے منظور ہوتے ہیں اس لئے ان میں طاعون زیادہ پھیلتا ہے۔ حدیث میں صاف تصریح کہ **المطعون شهید** (الصحیح للبخاری ۷: ۱۶۹، کنز العمال: ۱۱۲۲۱) طاعون میں مرنے والا شہید ہے۔ اسی لئے جو لوگ اس راز کو سمجھتے ہیں وہ ہر بلا سے خوش ہوتے ہیں۔ نہ وہ شکست و ہزیمت سے گھبراتے ہیں۔ نہ طاعون سے پریشان ہوتے ہیں۔

ناخوش تو خوش بود برجان من ☆ دل فدائے یار دل رنجان من

محبوب کی جانب سے جو امر پیش آئے گو اپنی طبیعت کے خلاف اور ناخوش ہی کیوں نہ ہو وہ میری جان پر خوش و پسندیدہ ہے۔ میں اپنے محبوب پر جو میری جان کو رنج دینے والا ہے اپنے دل کو قربان کرتا ہوں۔

اور دوسروں کو بھی اس کی وصیت کرتے ہیں کہ محبوب حقیقی سے راحت میں اور رنج میں غرض ہر حال میں خوش رہنا چاہیے۔

بس زبوں وسوسہ باشی ولا ☆ گر طرب راباز دانی از بلا

یعنی تم بالکل مغلوب وساوس سمجھے جاؤ گے اگر محبوب کے طرب و بلا میں فرق سمجھو گے۔

باطنی کلفت پر راضی رہنا صبر عظیم ہے

یعنی دونوں حالتوں میں کچھ فرق نہ ہونا چاہیے یہ سمجھ کر ہر حالت محبوب ہی کی طرف سے ہے دونوں پر راضی رہنا چاہیے تو خواہ کلفت ظاہری ہو یا باطنی وہ ہر ایک پر راضی رہتے ہیں اور باطنی کلفت پر راضی رہنا یہ بہت بڑا صبر ہے۔ کیونکہ ظاہری کلفت میں صرف جسم کو تکلیف ہوتی ہے۔ روح کو بشاشت رہتی ہے۔ اور باطنی کلفت میں یہ وہم ہو جاتا ہے۔ کہ میں مردود ہو گیا۔ جیسا کہ حالت قبض میں ایسا ہوتا ہے اور یہ خیال سالک کے لئے سخت سوہان روح ہے مگر وہ اس پر بھی راضی رہتے ہیں اور کہتے ہیں۔

باغباں گر پنج روزے صحبت گل بایدش ☆ بر جفائے خار ہجراں صبر بلبل بایدش

Maktaba Tul Ishaat.com

یعنی اگر باغبان اس بات کا خواہش مند ہے کہ چند روز صحبت گل میسر ہو جائے تو اس کو لازم ہے کہ بلبل کی طرح خار ہجراں کی جفا پر صبر کر لے اس سے صحبت گل حاصل ہو جائے گی۔

اے دل اندر بند زلفش از پریشانی منال ☆ مرغ زیرک چوں بدام افتد تحمل بایدش

اے دل محبوب کی زلف کی قید میں گرفتار ہے تو پریشان ہو کر گریہ وزاری مت کر۔ کیونکہ مرغ زیرک جب جال میں پھنس جائے تو اس کو تحمل کرنا چاہیے شاید کہ اللہ تعالیٰ اس کو نجات دے دیں ورنہ گریہ وزاری سے سوائے پریشانی کے اور کوئی نتیجہ نہیں۔ آگے اسی کی تتمیم کیلئے کہتے ہیں۔

تکیہ بر تقوی ودانش در طریقت کافریست ☆ راہرو گر صد ہنر دارد توکل بایدش

طریقت میں تقویٰ اور دانش پر بھروسہ کرنا کفر ہے سالک اگر سو ہنر رکھتا ہو یعنی زہد وطاعت وغیرہ تو بھی اس کو اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔ یہ اسی لئے کہا ہے کہ کبھی ذاکر کو یہ خیال ہو جاتا ہے کہ میں اتنا کام کرتا ہوں اتنا مجاہدہ کرتا ہوں پھر یہ پریشانی کیوں ہے تو کہتے ہیں۔

راہرو گر صد ہنر دارد توکل بایدش

(سالک اگر سو ہنر بھی رکھتا ہو تب بھی اسے توکل کرنا چاہئے)

قبض کی حکمتیں

اور یہ حالت قبض کی کچھ بری حالت نہیں بلکہ اس میں بہت سی حکمتیں ہوتی ہیں اور یہ حالت سبھی کو پیش آتی ہے۔ حضور ﷺ سے زیادہ کون ہوگا جب اول اول وحی نازل ہوئی ہے تو اس کے بعد تین برس کا وقفہ ہوا آپ کا جو علاقہ حق تعالیٰ سے تھا ظاہر ہے کہ کیسا علاقہ تھا کہ وہاں تو ہر دم بالکل حضور کامل تھا۔ پھر روزانہ فرشتے کے واسطے سے بات چیت ہوتی تھی۔ جس کی لذت کو حضور ﷺ ہی جان سکتے ہیں کوئی دوسرا کیا سمجھ سکتا ہے۔ پھر اس پر جب تین برس تک سلسلہ خطاب بند رہے تو حضور ﷺ کی کیا حالت ہوئی ہوگی۔ آپ کو کیسی سخت کلفت ہوئی ہوگی۔ اس پر دوسری مصیبت یہ کہ کفار کو یہ کہنے کا موقع ملا کہ محمد ﷺ (سیدی وروحی) کو ان کے خدا نے چھوڑ دیا ہے۔ حضور ﷺ کو اتنی کلفت تھی کہ آپ نے بہت مرتبہ قصد کیا کہ اپنے کو پہاڑ کے اوپر سے گرا دیں۔ جب آپ اپنے کو گرانے

Maktaba Tul Ishaat.com

کا قصد کرتے اسی وقت جبرئیلؑ تشریف لاتے کہ اے محمد ﷺ! آپ اللہ کے رسول ہیں اور میں جبرائیلؑ ہوں۔ آپ اپنے کو ہلاک نہ کیجئے۔ جبرئیلؑ کی اس بات سے آپ کو تسلی ہو جاتی۔ ایسی حالت میں تین سال گزر گئے اگر کسی اور شخص کو اتنا شدید قبض رہتا تو نہ معلوم اس کا کیا حال ہو جاتا۔ تین سال کے بعد وحی نازل ہوئی۔ اور قبض کے بعد بسط ہوا۔ سورہ مدثر کی آیتیں نازل ہوئیں اسی طرح ایک بار اور قبض واقع ہوا کہ کفار طعن کرنے لگے۔ سورہ والضحیٰ اور قریب وقت میں الم نشرح نازل ہوئیں۔ سورہ الم نشرح میں اس قبض و بسط کا تذکرہ کیا گیا۔ شرح صدر سے مراد وہی حالت بسط ہے جو قبض کے بعد حاصل ہوئی۔ **ووضعنا عنک وزرک الذی انقض ظهرک**۔ یعنی ہم نے آپ پر سے آپ کا وہ بوجھ اتار دیا جس نے آپ کی کمر توڑ رکھی تھی۔ وہ بوجھ جس نے آپ کی کمر توڑ دی تھی یہی قبض کی حالت تو تھی۔ یہ کوئی فقر و فاقہ کی کلفت نہ تھی۔ فقر و فاقہ سے آپ کو کبھی پریشانی نہیں ہوئی۔ غرض چاہے وہ کلفت ظاہری ہو یا باطنی ہر ایک پر صبر کرنا چاہیے۔ عام لوگ تو باطنی کلفت کو کلفت ہی نہیں سمجھتے کیونکہ وہ اس مزہ ہی سے ناواقف ہیں اور جو لوگ اس کو کلفت سمجھتے ہیں وہ یہ غلطی کرتے ہیں کہ باطنی کلفت پر صبر نہیں کرتے حالانکہ اس پر بھی صبر کرنا چاہیے۔ اسی کو شیخ شیرازی فرماتے ہیں۔

خوشا وقت شوریدگان غمش ☆ اگر ریش بینند گر مرہمش

محبوب حقیقی کے غم میں پریشان لوگوں کا بہت اچھا وقت ہے اگر زخم دیکھتے ہیں اور اگر اس پر مرہم رکھتے ہیں۔

دما دم شراب الم درکشند ☆ و گر تلخ بینند دم درکشند

ہر دم رنج و الم برداشت کرتے ہیں۔ اور اگر تلخی پاتے ہیں تو خاموش رہتے ہیں۔

مقبولین پر کلفتیں آنے کی حکمت

خلاصہ یہ کہ مقبولین پر بھی کلفتیں آتی ہیں۔ ظاہر پرستوں کو اس سے شبہ ہو جاتا ہے۔ کہ گناہوں کی وجہ سے مصیبتیں آتی ہیں تو انہوں نے کیا گناہ کیا تھا بلکہ دنیا میں دیکھا جاتا ہے کہ نیک بندے اور مقبولین کو فقر و فاقہ وغیرہ کی تکلیف زیادہ رہتی ہے۔ اور رند بازاری لوگ

Maktaba Tul Ishaat.com

بڑے عیش اور مزے میں زندگی گزارتے ہیں۔ یعنی ظاہری عیش ان کو زیادہ ہوتا ہے کھانے پینے میں تنگی نہیں ہوتی۔ مگر یہ شبہ بالکل لغو ہے کیونکہ دنیا میں عادۃ اللہ یہ ہے کہ سب نعمتیں ایک شخص کو نہیں دی جاتیں کسی کو ظاہری عیش نصیب ہوتا ہے کسی کو باطنی عیش عطا فرماتے ہیں۔ ایسے بندے بہت کم ہیں جن کو دونوں عیش نصیب ہوں اسی کو ایک محقق کہتے ہیں۔

کم عاقل عاقل اعیت مذاھبہ ☆ وجاھل جاھل تلقاہ مرزوقا

ھذا الذی ترک الاوھام حائرۃ ☆ وصیر العالم النحریر زندیقا

یعنی دنیا میں دیکھا جاتا ہے کہ بعض عاقل کامل تنگی میں ہیں کہ ان کو کوئی ذریعہ معاش کا میسر نہیں اور جاہل کامل صاحب نصیب اور وسعت رزق سے مالا مال ہے۔ اس بات نے عقلوں کو حیران کر دیا اور بعضے متبحر عالم اس سے زندیق ہو گئے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ سو یہ مسئلہ ایسا باریک ہے کہ اس سے ہزاروں عالم بددین ہو گئے۔ مگر جس کو خدا بچائے وہ بچ سکتا ہے۔

ایک مسئلہ دقیق

اس بچنے پر مجھے ایک حکایت یاد آئی۔ کہ ایک درویش تھے وہ چلے جا رہے تھے ایک شہر میں پہنچے تو وہاں پھاٹک بند دیکھا پوچھا کہ بھائی پھاٹک بند کیوں ہے۔ معلوم ہوا کہ بادشاہ کا باز چھوٹ گیا ہے۔ اس نے حکم دیا ہے کہ شہر پناہ کے دروازے بند کر دیئے جائیں۔ تاکہ باز باہر نہ چلا جائے۔ درویش کو بادشاہ کی حماقت پر بہت تعجب ہوا۔ یہ ناز میں آ کر کہنے لگے کہ واہ اللہ میاں نے اچھے کو بادشاہی دے رکھی ہے ایک ہم ہیں کہ پاؤں میں جوتیاں تک سالم نہیں۔ بعض اہل اللہ پر ناز کی شان غالب ہوتی ہے وہاں سے ارشاد ہوا کیا تم اس پر راضی ہو کہ اس کی سلطنت مع اس کی حماقت کے تم کو دے دیں۔ اور تمہاری صلاحیت اور عقل مع تمہارے فقر و فاقہ کے اس کو دیدیں، درویش ڈر گیا اور کانپ گیا کہ کہیں ساری عمر کی کمائی سلب نہ ہو جائے، کہنے لگے کہ اے اللہ میں اس پر راضی نہیں ہوں میں اپنی حماقت سے توبہ کرتا ہوں۔ سو واقعی عقل وہ دولت ہے کہ جس کے سامنے ہفت اقلیم کی سلطنت

Maktaba Tul Ishaat.com

گردہے۔اگر ایک عاقل تنگ دست ہو اور بیوقوف مالدار ہو تو عاقل کو غور کرنا چاہیے میرے پاس عقل کی کتنی بڑی دولت ہے۔اسی بناء پر حضرت علیؓ فرماتے ہیں۔

رضينا قسمة لجبار فينا لناعلم وللجهال مال

فان المال يفنى عن قريب وان العلم باق لايزال

یعنی ہم اس تقسیم پر بہت راضی ہیں اللہ میاں نے بڑا اچھا حصہ لگایا کہ ہم کو علم عنایت فرمایا اور جاہلوں کو مال کیونکہ مال تو بہت جلد فنا ہو جائے گا اور علم ہمیشہ باقی رہنے والی دولت ہے جو کبھی فنا نہ ہوگی۔

مال اور علم میں فرق

حضرت مال اور علم میں اتنا بڑا فرق ہے کہ کیمیا گر مالدار نہیں ہوتا بلکہ علمدار ہوتا ہے۔یعنی اس کے پاس ایک علم ہوتا ہے مگر بڑے بڑے نواب اس کی چلم بھرتے ہیں۔ حالانکہ وہ محض تانبہ کو سونا بنا دیتا ہے۔اور جو کیمیا گر مردہ سے زندہ اور زندہ سے پائندہ۔(قائم رہنے والا) بنا دیتا ہے۔اس کو اپنے علم پر کیوں ناز نہ ہوگا۔اور اس کو نوابوں اور رئیسوں کی کیا پرواہ ہوگی۔زندہ سے پائندہ بنا دینے کا مطلب حضرت حافظؒ نے بیان فرمایا ہے۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق ☆ ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

یعنی جس کو عشق حقیقی سے روحانی حیات حاصل ہوگئی وہ اگر مر بھی جائے تو واقع میں اس وجہ سے کہ اس کو لذت قرب کامل طور سے حاصل ہو جاتی ہے۔اس لئے اس کو زندہ رکھنا چاہیے۔تو اس کیمیا کی کیا حالت ہونی چاہیے۔صوفیہ نے کہا کہ ان الانسان خلق للابد کہ انسان ہمیشہ کے لئے پیدا کیا گیا ہے تو اس کو ایسا سرمایہ لینا چاہیے جو ہمیشہ باقی رہے اور وہ علم ہی ہے۔اس لیے حیات نافعہ تو اہل اللہ ہی کو حاصل ہے تو مال اور علم میں اتنا فرق ہے۔دوسرے مال کی تو یہ حالت ہے کہ لوگ اس کو چھپاتے پھرتے ہیں دیکھاتے ہوئے ڈرتے ہیں کہ کہیں چوری نہ ہو جائے۔اس لئے بعضے مالدار لنگوٹا باندھے پھرتے ہیں۔ صورت سے معلوم ہی نہیں ہوتا کہ یہ مالدار بھی ہے بخلاف علم کے کہ اس کے چوری ہونے

Maktaba Tul Ishaat.com

کا خوف ہی نہیں پھر اسے جتنا خرچ کرو یعنی وعظ کہو یا درس دو اتنا ہی بڑھتا ہے اور اس میں ترقی ہوتی ہے۔ اس لئے اہل علم کو ڈر تو نہیں ہوتا۔ ہاں بعض علوم پر غیرت بہت ہوتی ہے۔ غیرت اس قدر ہوتی ہے کہ فرماتے ہیں۔

بامدعی مگوئید اسرار عشق و مستی ☆ بگذار تا بمیرد در رنج و خود پرستی

یعنی ظاہر پرستوں کے سامنے عشق و مستی کے اسرار بیان مت کرو ان کو رنج اور خود پرستی میں مرنے دو۔

اور ان حضرات کو اسی غیرت کے سبب اظہار کا جوش زیادہ نہیں آتا۔ لوگ ان کی تکفیر کرتے ہیں۔ مگر ان کو پرواہ نہیں ہوتی وجہ اس کی یہ ہے کہ انہوں نے ایک ایسے کو پکڑا ہے کہ اسکے بعد انہیں کسی کی پرواہ کیوں ہو۔

آنکس کہ ترا شناخت جانرا چہ کند ☆ فرزند و عیال و خانما نرا چہ کند

جس کو محبوب حقیقی کی معرفت حاصل ہوگئی اس کو اہل و عیال اور مال و دولت کی کچھ پروا نہیں ہوتی۔

حق تعالیٰ کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں

واقعی جس شخص کو مخلوق کی پرواہ ہو سمجھنا چاہیے کہ اس نے خدا تعالیٰ پہچانا ہی نہیں۔ لوگ اہل اللہ کو بے حس و بے غیرت کہتے ہیں کہ ان کو کسی بات پر جوش ہی نہیں آتا۔ مگر وہ جانتے ہیں کہ ہمارے پاس کیمیا ہے کسی کو اس کی کیا خبر ہے اور کیمیا گر کو اگر کوئی ان کے علم کیمیا کی نفی کرے تو جوش نہیں ہوا کرتا۔ کیمیا دارند چہ بود کیمیا

ان کے پاس ایسی کیمیا ہے کہ اس کے سامنے اس کیمیا ظاہری کی کچھ حقیقت نہیں۔ الغرض ان درویش کو یہ کہا گیا تھا کہ کیا تم راضی ہو کہ تمہارا فقر و فاقہ اور صلاحیت اور علم بادشاہ کو دیدیا جائے اور اس کی سلطنت اور حماقت تم کو دیدی جائے۔ اسی طرح جو لوگ کفار کی ثروت اور عیش کو دیکھ کر اور اپنی مصیبت و تکلیف پر نظر کر کے للچاتے اور خدا تعالیٰ کی شکایتیں کرتے ہیں ان کو سمجھنا چاہئے کہ اگر حق تعالیٰ کفار کا کفر اور ثروت و عیش ان کو دیدیں اور ان کا فقر و فاقہ اور ایمان ان کو دیدیں۔ تو کیا یہ اس پر راضی ہوں گے اگر یہ راضی نہیں ہو سکتے اور یقیناً کوئی مسلمان اس پر راضی نہ ہوگا۔ تو ان کو

Maktaba Tul Ishaat.com

خدا تعالیٰ کی شکایت کرتے ہوئے ڈرنا چاہیے اور اپنے ایمان کی دولت پر خدا کا شکر کرنا چاہیے۔ علامہ غزالیؒ لکھتے ہیں کہ جس عالم کو یہ تمنا ہوتی ہے کہ مجھے مال کیوں نہیں ملا تو گویا وہ یہ کہتا ہے کہ بادشاہ نے مجھے گھوڑا تو دے دیا گدھا کیوں نہیں دیا۔ گدھا بھی مجھے دو تو اس کا یہ کہنا غلط ہے بلکہ جب تم کو گھوڑا مل گیا تو گدھا کسی دوسرے کو دے دیا جائے گا۔ اسی طرح کا یہ استدلال ہے کہ ہمیں علم ملا تدبیر ملی تو ہمیں مال بھی ملنا چاہیے۔ سو اس کو جاننا چاہیے کہ یہ اسکی غلطی ہے۔ جب تم کو علم دیا گیا ہے تو مال کسی دوسرے کو ملے گا۔ پس جو لوگ اس راز کو سمجھ گئے وہ ایسی تمنا سے بچ گئے ورنہ زندیق ہونے میں کوئی تعجب ہی نہیں۔ غرض یہ شبہ اس لئے واقع ہوا تھا کہ آپ نے یہ سمجھ لیا تھا کہ مصیبت ہمیشہ گناہ ہی سے آتی ہے۔ حالانکہ کبھی رفع درجات کیلئے بھی بلائیں آتی ہیں۔ ممکن ہے کہ اس کو کوئی تاویل سمجھے تو بات یہ ہے کہ محبت میں سب باتیں ظاہر ہیں ورنہ کچھ بھی نہیں۔ اگر خدا تعالیٰ سے تعلق اور لگاؤ ہو تو ہر مسئلہ میں انسان کی تسلی ہو سکتی ہے۔ طبیعت خود بخود تسلی کی راہ نکالتی ہے۔ اور اگر تعلق نہ ہو تو سچی بات بھی تاویل معلوم ہوتی ہے۔

مسبب واحد کے متعدد اسباب

اگر اس تقریر سے کسی کو تسلی نہ ہوئی تو وہ یوں سمجھے کہ حق تعالیٰ حکیم ہیں اس کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں اور حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ اس عالم میں ہر چیز کسی سبب اور علت کے ساتھ وابستہ ہے۔ پس لامحالہ مصائب اور تکلیف کا بھی کوئی سبب ہونا چاہیے۔ مگر کبھی ایک مسبب کے لئے کئی سبب ہوتے ہیں۔ کبھی نماز کیلئے چلتے ہیں کبھی قضا حاجت کے لئے کبھی کسی پر ظلم کرنے کیلئے اور جیسے غصہ کہ کبھی دشمن پر آتا ہے جس کا سبب عداوت ہے اور کبھی کسی وجہ سے دوست پر بھی آتا ہے۔ غرض ایک مسبب کے کئی اسباب ہو سکتے ہیں۔ اب بعض دفعہ ان اسباب میں سے ایک سبب ظاہر ہوتا ہے اور بقیہ اسباب ذرا خفی ہوتے ہیں۔ تو کوتاہ نظر آدمی اسی ظاہری سبب کو سبب سمجھ لیتا ہے اور باطنی اسباب پر اس کی نظر نہیں ہوتی تو اس لئے وہاں ضرورت ہوتی ہے جمیع اسباب کے احاطہ کر لیجئے میں اس کی ایک اور مثال بیان کرتا ہوں کہ مسبب واحد کیلئے کئی اسباب بھی ہوتے ہیں۔ مثلاً آپ کو ایک شخص نے

Maktaba Tul Ishaat.com

بڑے زور سے دبایا اور ایسا دبایا کہ آپ کی ہڈی پسلی ٹوٹنے لگی تو دیکھئے دبانے کے اسباب جدا جدا ہیں ایک تو یہ کہ راستہ میں آپ کا کوئی دشمن ملا اس نے آپ کو تکلیف پہنچانے کیلئے دبایا ایک یہ صورت ہے کہ آپ کو کوئی ایسا شخص ملا جس کے دیکھنے کو آپ ترستے تھے۔ اور یہ امید بھی نہ تھی کہ وہ آپ کو وہ ہاتھ بھی لگائے گا۔ دفعۃً وہ شخص بے خبری میں آپ کو آکر دبالے اور بہت زور سے دبوچے ممکن ہے کہ جب تک آپ کو یہ علم نہیں کہ دبانے والا کون ہے اس وقت تک آپ کو تکلیف اور پریشانی ہے۔ مگر جب یہ معلوم ہو جائے کہ دبانے والا کون ہے اس وقت آپ کیا کہیں گے یقیناً یہی کہیں گے۔

اسیرت نخواہد رہائی زبند ☆ شکارت نجوید خلاص از کمند

اے محبوب آپ کا قیدی قید سے رہائی کا طالب نہیں اور آپ کا شکار کمند سے خلاصی کا جویاں نہیں۔

اور اگر وہ تھوڑی دیر کے بعد آپ کے حال پر ترس کھا کر خود چھوڑنا بھی چاہے کہ مبادا کہیں آپ مر نہ جائیں تو آپ یہ کہیں گے۔

نہ شود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت ☆ سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

اے محبوب دشمنوں کا ایسا نصیب نہ ہو کہ آپ کی تلوار سے ہلاک ہوں دوستوں ہی کا سر سلامت رہے کہ آپ اس پر خنجر آزمائیں۔

اور کہیں یہ کہیں گے۔

نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے ☆ یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے

بلا اور مصیبت کی حقیقت

تو دیکھئے مسبب واحد ہے اور سبب مختلف مگر ہر ایک کا اثر جدا ہے جو داؤ عداوت کی وجہ سے پڑا ہے اس کا دوسرا اثر ہے اور جو محبت کی وجہ سے ہے اس کا دوسرا اثر ہے جب یہ بات سمجھ میں آگئی کہ ایک مسبب کیلئے مختلف اسباب بھی ہوا کرتے ہیں تو اب سنئے کہ آپ نے اب تک صرف ایک سبب کو سنا ہے **ما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم**، کہ جو مصیبت آتی ہے وہ انسان کی بداعمالی کی وجہ سے آتی ہے۔ دوسرا سبب بھی تو سنئے

Maktaba Tul Ishaat.com

حدیث میں ہے اشد الناس بلاء الانبیاء ثم الامثل، کہ سب سے زیادہ سخت بلا انبیاءؑ پر آتی ہے۔ پھر ان لوگوں پر جو ان کے بعد دوسروں سے افضل ہوں وعلیٰ ہذا معلوم ہوا کہ کلفت کا سبب فقط ایک ہی نہیں کیونکہ انبیاء علیہ السلام یقیناً گناہوں سے معصوم ہیں تو ان پر گناہوں کی وجہ سے کلفت ورنج کا آنا ممکن نہیں لامحالہ یہی کہنا پڑے گا کہ کبھی رفع درجات کیلئے کبھی کلفت پیش آتی ہے۔ اگر کسی کو شبہ ہو کہ آیت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ مصیبت گناہ کی وجہ سے آتی ہے کیونکہ ماصابکم من مصیبۃ یعنی جو بھی تم کو مصیبت پہنچتی ہے۔ا سے عموم مستفاد ہوتا ہے۔ اور فبما کسبت ایدیکم، تمہارے ہی ہاتھوں کی کرتوت سے پہنچتی ہے۔ ظاہراً حصر معلوم ہوتا ہے۔ اب اس آیت کو اس حدیث سے تعارض ہو گیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بلا رفع درجات کیلئے بھی آتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ حدیث وقرآن میں تعارض کے وقت قرآن ہی کو ترجیح ہوگی پس یہی ثابت ہوا کہ گناہ ہی کی وجہ سے مصیبت آتی ہے۔ جواب یہ ہے کہ تعارض کچھ نہیں اور اس شبہ تعارض کا جواب خود اسی آیت میں موجود ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ ماصابکم من مصیبۃ، کہ جو کچھ تم کو مصیبت پہنچتی ہے وہ تمہارے کرتوت سے آتی ہے تو یہاں مصیبت کا لفظ ہے اور حدیث میں مصیبت کا لفظ نہیں ہے وہاں بلا کا لفظ ہے۔ پس آیت کا حصر بالکل صحیح ہے کیونکہ مصیبت مذنبین (گناہگار ہی) کو آتی ہے اور اہل مصیبت گناہ گار ہی لوگ ہیں۔ ان پر جب مصیبت آتی ہے گناہوں ہی کی وجہ سے آتی ہے اور مقبولین اہل مصیبت نہیں ہیں وہ اہل بلا ہیں ان پر جب بلاء آتی ہے رفع درجات (اور زیادہ بڑھانا) محبت کیلئے آتی ہے اور مصیبت اور بلا میں صورۃً فرق کم ہوتا ہے ظاہر میں دونوں ایک ہی معلوم ہوتی ہیں مگر آثار میں دونوں کے بڑا فرق ہوتا ہے جس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ دونوں کی حقیقت بھی الگ الگ ہیں۔ پس مصیبت کی حقیقت ہی سزا اور انتقام اور بلاء کی حقیقت ہے محبوبانہ چھیڑ چھاڑ اور امتحان۔ محبوب کے دبانے اور بھینچنے کو مصیبت کوئی نہیں کہا کرتا۔ پس انبیاءؑ اور مقبولین پر بلا آیا کرتی ہے مصیبت نہیں آیا کرتی اور بلا کے معنی لغت عربی میں آزمائش اور امتحان کے ہیں۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ مجھے دو شخصوں کے برابر بخار آتا ہے۔ آخر اس کی

Maktaba Tul Ishaat.com

کیا وجہ۔ کیا نعوذ باللہ حضور ﷺ سے گناہ صادر ہوتے تھے۔ ہرگز نہیں آپ گناہوں سے بالکل معصوم تھے۔ اور اگر کوئی لغزش اپنے درجہ کے مناسب ہو بھی گئی تو پہلے ہی اگلی پچھلی سب خطائیں معاف ہو جانے کی خوشخبری آچکی تھی اس لئے آپ میں یہ احتمال کسی طرح بھی نہیں ہوسکتا بس وجہ وہی ہے کہ بیماری میں ذرا انسان پر عجز وانکسار اور آہ کرنا کراہنا غالب ہوتا ہے۔ اور یہ ادا حق تعالیٰ کو پسند ہے اس ادا کے دیکھنے کیلئے مقبولین پر بلا بھیج دیتے ہیں اور کبھی صبر کا امتحان کرنا مقصود ہوتا ہے تو جب یہ بات کہ کلفت کے اسباب مختلف ہیں تو لازمی طور پر آثار بھی مختلف ہوں گے۔ اہل مصیبت یعنی اہل معصیت ذرا سی تکلیف سے زیادہ پریشان ہو جاتے ہیں چنانچہ ایسے ہی لوگ طاعون سے بھاگتے ہیں۔ اگر کوئی شخص طاعون کی جگہ سے آیا ہو اس سے بھی بھاگتے ہیں کہ یہ طاعون کی جگہ سے آیا ہے۔ شاید اس کو شیطان لپٹ رہا ہو اور اس کے پاس جانے سے ہمارے اوپر بھی اثر نہ ہو جائے۔ بھلا اس وہم کا بھی کچھ ٹھکانا ہے بات یہ ہے کہ معاصی کا یہ خاصہ ہے کہ اس سے دل کمزور ہو جاتا ہے۔ اس لئے اہل مصیبت کا دل بہت کمزر ہوتا ہے۔ ایک شخص طاعون سے بھاگ کر ایک گاؤں میں ایک شخص کے مکان پر ٹھہرا اور تھا نمازی آدمی۔ مسجد میں نماز کیلئے جاتا تو اس مسجد میں بعضے پرانے نمازیوں نے نماز کیلئے آنا چھوڑ دیا اس شخص کی کتنی بڑی ذلت ہے تو بات یہ ہے کہ طاعون سے بھاگنے والے کی کسی جگہ جا کر عزت نہیں ہوتی۔ جس میں راز یہ ہے کہ یہ شخص خدا تعالیٰ سے بھاگتا ہے اس پر مجھے یہ شعر یاد آیا کرتا ہے۔

عزیزے کہ از درگہش سر بتافت ☆ بہر در کہ شد ہیچ عزت نیافت

جو شخص اللہ تعالیٰ کی درگاہ کو چھوڑ دیتا ہے جس دروازے پر جاتا ہے کچھ عزت نہیں پاتا وہاں سے دھتکارا جاتا ہے۔

حضرات اولیاء اللہ کا اشتیاق موت

اور جو لوگ کہ اپنے گھر میں پڑے رہتے ہیں۔ ان کی آخرت میں تو عزت ہوتی ہی ہے کہ طاعون کی جگہ ایمان اور ثواب کی نیت سے جمے رہنے پر شہادت کا ثواب ملتا ہے۔ چنانچہ احادیث میں اس کی تصریح ہے مگر اس کے علاوہ ان لوگوں کی دنیا میں بھی عزت ہوتی

Maktaba Tul Ishaat.com

ہے۔ کہ لوگ ان کو قوی القلب اور مستقل مزاج سمجھتے ہیں۔ بہر حال اہل ذنوب کو پریشانی ہوتی ہے۔ اور جہاں کلفت کا سبب رفع درجات ہوتا ہے وہاں آثار بھی دوسرے ہوتے ہیں کہ نہ وہ پریشان ہوتے ہیں۔ نہ گھبراتے ہیں۔ چاہے ان کے جسم میں تکلیف ہو مگر روح خوش رہتی ہے۔ روح کے لئے ایک عید ہوتی ہے۔ کیونکہ از محبت تلخہا شیریں شود۔ محبت سے تلخیاں بھی شیریں ہو جاتی ہیں۔ اور اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ وہ اس مسرت کو بے ساختہ ظاہر کر دیتے ہیں ورنہ روح کو تکلیف ہونے کی حالت میں مسرت کب ظاہر ہوتی ہے۔ پھر سب سے بڑی مصیبت جس کو ام المصائب۔ تمام مصیبتوں کی ماں یعنی جڑ۔ کہنا چاہیے موت ہے اس پر کوئی راضی نہیں ہوتا چنانچہ اگر کسی سے یہ کہا جائے کہ تمہارے لئے دو صورتیں ہیں تو اسی وقت مر جاؤ یا ایک برس تک بیمار رہو۔ ان دونوں میں سے جس کو چاہو اختیار کر لو تو غالباً ہر شخص اتنی مدت مدید تک مریض رہنے پر راضی ہو جائے گا مگر موت پر ہرگز راضی نہ ہوگا۔ مگر اہل اللہ کی یہ حالت ہے کہ وہ خود موت کے بھی مشتاق رہتے ہیں وہ حضرات یوں کہتے ہیں۔

خرم آں روز کزیں منزل ویراں بروم ☆ راحت جاں طلبم وزپے جاناں بروم

یعنی وہ دن بہت خوشی کا ہے جس دن اس دنیائے فانی کو چھوڑ کر محبوب حقیقی کے پاس کوچ کریں۔

نذر کردم کہ گر آید بسرایں غم روزے ☆ تا در میکدہ شاداں وغزل خوان بروم

ہم نے اس دن کے لئے نذر کی ہے کہ اگر یہ دن نصیب ہو جائے تو در محبوب تک خوش وخرم غزلیں پڑھتے ہوئے جائیں۔

وہ موت کے وقت کے لئے نذریں مانتے ہیں۔ اس پر شاید کوئی یہ شبہ کرے کہ حجرہ میں بیٹھ کر ایسا کہہ دیا ہوگا مگر جب نزع کا وقت آیا ہوگا۔ اس وقت ساری حقیقت معلوم ہو گئی ہوگی۔ اس وقت یہ سب باتیں بھول گئے ہوں گے۔ تو حضرت یہ بات نہیں واقعات سے ان حضرات کی حالت سچی معلوم ہوتی ہے اور یقیناً وہ موت کے وقت بھی ایسے ہی خوش تھے۔ وجہ یہ ہے کہ وہ ہمیشہ اسی کی تعلیم کرتے آئے ہیں کہ زندگی ایسی اختیار کرو کہ مرنے کے

Maktaba Tul Ishaat.com

وقت سب لوگ تمہاری فرقت میں رو رہے ہوں۔ اور تم وصال خداوندی کے سرور میں ہنس رہے ہو۔ چنانچہ ایک قطعہ اس مضمون کا مجھے یاد آیا فرماتے ہیں۔

یادداری کہ وقت زادن تو ☆ ہمہ خنداں بودند تو گریاں

یعنی پیدائش کے وقت تم تو روتے ہوئے آئے تھے۔ اور اعزا اقارب ہنس رہے تھے۔ خوشیاں منا رہے تھے۔

آنچناں زی کہ وقت مردن تو ☆ ہمہ گریاں شوند تو خنداں

زندگی ایسی اختیار کرو کہ مرنے کے وقت اور تو سب روئیں اور تم ہنستے ہوئے جاؤ۔ چنانچہ ایسے واقعات بھی ہوئے ہیں کہ بعض اہل اللہ مرنے کے وقت بالکل شاد و خرم نظر آتے ہیں۔ ایک بزرگ کا واقعہ ہے کہ ان کے نزع کے وقت سب رو رہے تھے۔ اور ان کی یہ حالت تھی کہ بے ساختہ یہ اشعار پڑھ رہے تھے۔

وقت آں آمد کہ من عریاں شوم ☆ جسم بگذارم سراسر جاں شوم

اب وہ وقت آ گیا ہے میں قید جسم سے آزاد ہو جاؤں گا۔ بدن کو چھوڑ کر سرتاپا روح بن کر وصال حق سے سرفراز ہوں گا۔

تو صاحبو! نزع کے وقت یہ مستی بناوٹ سے نہیں ہو سکتی اگر ہو سکتی۔ تو کوئی کر کے دکھلا دے اور فرماتے تھے۔

چیست توحید آنکہ از غیر خدا ☆ فرد آئی درخلا و درملا

توحید یہی ہے کہ خلوت اور جلوت میں غیر اللہ کی طرف توجہ نہ رکھو۔

یہ تو آپ نے موت کے وقت کا حال سنا اور اس سے بھی زیادہ سخت وقت موت کے بعد کا ہے کہ وہی وقت ہے مصیبت کا جو کچھ ثواب و عذاب ہوگا موت کے بعد ہی تو ہوگا مگر اہل اللہ کی حالت اس وقت بھی عجیب ہوتی ہے۔ آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں وہ اور بھی زیادہ خوش رہتے ہیں۔

حضرت سلطان الاولیاء کے جنارہ کا حال

حضرت سلطان الاولیاء کی حکایت ہے کہ جب ان کا جنازہ چلا تو ان کے ایک

Maktaba Tul Ishaat.com

مرید پر حالت طاری تھی کیونکہ شیخ کے انتقال کا صدمہ مریدوں سے زیادہ کس کو ہوسکتا ہے غرض جنازہ جارہا تھا کہ اس مرید نے جنازہ کو مخاطب کرکے یہ شعر پڑھا۔

سروسیمنا بصحرا می روی ☆ سخت بے مہری کہ بے ما میروی

اے محبوب آپ صحرا کو جارہے ہیں ہم کو چھوڑ کر جانا سخت بے مہری کی بات ہے۔

اے تماشہ گاہ عالم روئے تو ☆ تو کجا بہر کے تماشاے روی

آپ کا چہرہ انور تو خود تماشا عالم ہے۔ آپ کہاں تماشہ کے لئے تشریف لیجارہے ہیں۔

تاریخ میں لکھا ہے کفن میں سے آپ کا ہاتھ اونچا ہوگیا۔ لوگوں نے کہا کہ کیا غضب کرتے ہو چپ رہو۔ اور اس واقعہ سے کچھ تعجب نہ کرنا چاہیے کیونکہ مرنے کے بعد انسان کو دوسری حیات عطا ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ سب کچھ احساس کرسکتا ہے۔ اور یہ حیات اولیاء میں عوام سے زیادہ ہوتی ہے۔ تو کبھی ایسا بھی ہوجاتا ہے کہ اس حیات کا اثر بطور کرامت کے جسم پر بھی ظاہر ہوجائے مگر یہ کبھی کبھی ہوتا ہے۔ غرض خدا نے ظاہر کردیا کہ اب یہ لوگ اس قدر مطمئن ہیں کہ ان کو مرنے کے بعد بھی وجد آتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے **الاان اولیاء اللہ لاخوف علیھم ولاھم یحزنون**۔ یاد رکھو اللہ تعالیٰ کے دوستوں پر نہ کوئی اندیشہ ناک واقعہ پڑنے والا ہے نہ وہ مغموم ہوتے ہیں۔

حضرت شاہ ابوالمعالیؒ کی حکایت

تو صاحبو! ان حضرات کو مصیبت کہاں ہوئی جن باتوں کو آپ سمجھتے ہیں ان میں تو ان کو لذت آتی ہے اور ان کی لذت کی یہ حالت ہے کہ ایک بار حضرت شاہ ابوالمعالی کے گھر ان کے پیر تشریف لائے۔ یہ گھر پر موجود نہ تھے۔ گھر والوں نے پیر صاحب کو ٹھہرایا۔ مگر حالت یہ تھی کہ گھر میں کئی وقت سے فاقہ تھا۔ گھر والوں کو بڑی فکر ہوئی کہ پیر صاحب کے لئے تو کچھ کھانا پکانا چاہیے۔ کیونکہ اول تو ہر مہمان کی خاطر کیا ہی کرتے ہیں پھر مہمان بھی کیسا معزز کہ پیر اور پیر بھی کیسا محقق۔ ایسا پیر نہیں جیسے آج کل ہوا کرتے ہیں کہ اکثر مرید ان کو لالچی اور بھیک منگا سمجھتے ہیں اور مریدوں کا بھی کیا قصور وہ پیر بھی ایسے ہی ہوتے ہیں۔ چنانچہ رامپور کے ایک شخص نے کسی درویش کے ایک مرید سے پوچھا کہ تم کو کچھ فیض بھی

Maktaba Tul Ishaat.com

ہوا تو کیا کہتا کہ سفادہ ہی میں نہ ہو تو بدھنے میں کہاں سے آئے۔ غرض وہ ایسے نہ تھے وہ ایسے پیر تھے کہ مریدوں کے دل میں ان کی عظمت تھی مگر مرید کی حالت یہ تھی کہ ان کے گھر کھانے کو بھی نہ تھا نہایت تنگی سے گذر تھی جس کو آجکل تباہی اور بربادی سمجھا جاتا ہے۔ مگر اللہ والے اس کو اپنے لئے نعمت اور فخر سمجھتے ہیں اور وہ اسی میں خوش رہتے ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ مسلمانوں میں آجکل افلاس ہے اس لئے کہ ان کی حالت خراب ہے میں کہتا ہوں صاحبو! افلاس کا ڈر نہیں اصل میں اس خرابی کا سبب بددینی ہے۔ آپ یورپ کو دولت مند سمجھتے ہیں مگر کیا ان میں سب ہی دولت مند ہیں ہرگز نہیں ان میں بھی کتنے ہی آدمی سردی سے مرجاتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ کسی قوم کی حالت اچھی ہونے کیلئے یہ ضروری نہیں کہ ان میں ہر شخص دولت مند ہو بلکہ حالت درست ہوتی ہے۔ افعال حسنہ اور اخلاق حمیدہ سے جس قوم میں یہ باتیں ہوں گی اس کی حالت درست ہوگی چاہے وہ کیسی ہی مفلس قوم ہو۔ شاید آپ یہ کہیں کہ اہل یورپ تو کافر ہیں وہ تو دیندار نہیں ہیں پھر ان کی حالت ترقی پر کیوں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ وہ کافر ہیں خدا کے دشمن ہیں اس لئے اگر وہ تھوڑے سے کام بھی اچھے کریں گے تو ان کی حالت دنیوی درست ہو جائے گی۔ ان میں اتفاق اور اتحاد اور قومی ہمدردی بہت زیادہ ہے۔ دوسرے ان میں ہر کام کا ایک انتظام اور قاعدہ ہے اور یہ باتیں فی نفسہٖ اصلاح حال میں مؤثر ہیں۔ جو اصل میں مسلمانوں کو اختیار کرنا چاہیں تھیں۔ کیونکہ ان کو مذہباً اس کی بہت تاکید کے ساتھ تعلیم کی گئی ہے۔ مگر مسلمانوں نے ان باتوں کو چھوڑ دیا، دوسری قوموں نے ان سے فائدہ اٹھایا مگر یہ یاد رہے کہ مسلمانوں کی حالت صرف اتفاق و اتحاد سے درست نہیں ہو سکتی بلکہ ان کو پوری طرح احکام اسلام کی پابندی اور وقعت کرنا لازم ہے۔ کیونکہ یہ حق تعالیٰ کے خاص بندے ہیں۔ اگر یہ تھوڑی سی بھی نافرمانی کریں گے تو ان پر غصہ زیادہ ہوگا۔ تو صاحبو! اگر اپنی بھلائی چاہتے ہو تو دینداری اختیار کرو ابھی تو مسلمانوں میں اتنی فلاکت (ناداری)، کسی میں نہیں ہوئی کہ تباہ ہو جائے۔ اور اگر ان میں اتفاق ہو تو ایک ہی امارت سے دس آدمی کھا سکتے ہیں۔ مگر آج ہمدردی تو کیا ہوتی مسلمانوں کی حالت یہ ہے کہ غریبی کو جرم قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ غریبی اور امیری کسی کے اختیار میں نہیں۔ آج ایک شخص

Maktaba Tul Ishaat.com

امیر ہے کل کو غریب ہو جاتا ہے۔ چند روز میں حق تعالیٰ اس کو غنی کر دیتے ہیں۔

فراخی اور تنگی کا مدار مشیت الٰہی پر ہے

میں نے ایک شخص کو دیکھا ہے کہ وہ چھ پیسے روز کی کنڈے اٹھانے کی مزدوری کماتے تھے پھر وہ لاکھوں روپے کے آدمی ہو گئے۔ اب بھلا کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ وہ تدبیر سے اس درجہ کو پہنچ گئے ہرگز نہیں بلکہ یہ محض مشیت الٰہی کی وجہ سے ہوا۔ میں کہا کرتا ہوں کہ جو لوگ تدبیر پر مرتے ہیں وہ آدمی کو بجائے چھ پیسے روز کے تین آنے روز دیں اور وہ تمام تدبیریں بتلا دیں جن سے بظاہر پہلے شخص کو ترقی ہوئی۔ پھر ہم دیکھیں کہ دوسرا شخص ان تدبیروں سے کتنی ترقی کرتا ہے۔ اگر اس طرح ترقی ہوا کرتی تو ہر شخص دوسرے کی تدبیروں کو دیکھ کر امیر ہو جایا کرتا۔ مگر درحقیقت فراخی اور تنگی کا مدار ان اسباب پر نہیں ہے مشیت الٰہی پر ہے دوسرے کسی قوم میں افلاس اتنا عام نہیں ہوتا کہ سبھی مفلس ہوں۔ بلکہ قاعدہ یہ ہے کہ ہر قوم میں کچھ غنی ہوتے ہیں کچھ مفلس ہوتے ہیں۔ جب یہ بات ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ مسلمانوں ہی کی حالت خراب ہے۔ سو بات یہ ہے کہ ان میں افعال حسنہ اور اخلاق حمیدہ کی کمی ہے۔ پس اصل شکایت ان کی بددینی کی ہے۔ تو حضرت شاہ ابوالمعالیؒ کی حالت یہ تھی کہ ان کے یہاں اکثر فاقہ رہتا تھا اتفاق سے جس دن پیر صاحب آئے اس دن بھی فاقہ تھا۔ ان کی بی بی نے محلہ میں ایک عورت کو بھیجا کہ کہیں سے کچھ آٹا دال قرض مل جائے تو لے آ۔ مگر ایسے غریبوں کو ادھار بھی کون دیتا ہے بے چاری جہاں گئی صاف جواب ملا۔ پیر صاحب نے دیکھا کہ ایک عورت پریشان پھرتی ہے سمجھ گئے کہ شاید میرے کھانے کے واسطے کچھ انتظام کرتی پھرتی ہے۔ ان حضرات کی فراست بڑی غضب کی ہوتی ہے۔ اس لئے حدیث میں ہے اتقوا فراسة المؤمن فانه ينظر بنورالله (سنن الترمذی: ۳۱۲۷، کنز العمال: ۳۰۷۳۰) مومن کی فراست سے ڈرتے رہو۔ کیونکہ وہ خدا کے نور سے ہر چیز کو دیکھتا ہے۔ مومن سے مراد متقی ہے تقویٰ سے ایک خاص نور پیدا ہوتا ہے۔ انہوں نے اس عورت سے پوچھا کہ تو پریشان گھبرائی گھبرائی کیوں پھرتی ہے۔ ہر چند کہ اس کو راز ظاہر کرتے ہوئے شرم

Maktaba Tul Ishaat.com

آتی تھی۔ مگر چونکہ ایک بزرگ کے گھر میں رہی تھی اس لئے سمجھ گئی۔

نتواں نہفتن درداز طبیباں (طبیبوں سے درد نہیں چھپانا چاہئے)

کہ بزرگوں سے حال کا اخفا کرنا مناسب نہیں اس نے پورا قصہ سنا دیا۔ کہ آج شاہ صاحب کے گھر میں فاقہ ہے۔ محلہ میں سے آٹا دال ادھار منگایا تھا وہاں سے بھی نہ ملا۔ اس کی پریشانی ہے کہ آپ کو کیا کھلا دیں۔ پیر صاحب کو یہ سن کر بڑا رنج ہوا آپ نے ایک روپیہ اپنی جیب میں سے نکال کر دیا کہ اس کا آٹا گیہوں منگا کر کچھ تو اب پکا لو باقی کو رکھ دینا پھر کام آئے گا۔ اور قلم و دوات منگا کر ایک تعویذ لکھ دیا کہ اس کو اناج میں رکھ دینا حق تعالیٰ برکت دیں گے۔ یہ حضرات تعویذ گنڈوں والے نہیں ہوتے۔ جیسا کہ آجکل اس کو بھی پیری مریدی کے لوازم سے سمجھا جاتا ہے۔ ہاں کبھی کبھی تعویذ کر بھی دیتے ہیں۔ کیونکہ شرعاً اجازت ہے۔ اور اس سے یہ بھی سمجھ میں آگیا ہوگا کہ کبھی کبھی پیر کو بھی مریدوں کو کچھ دینا چاہیے۔ یہ نہیں کہ ہمیشہ مریدوں ہی سے وصول کیا کریں اور خود کچھ نہ دیں۔ جیسا کہ آجکل مشہور ہے کہ پیر کے یہاں خالی جائے خالی آئے۔ گویا اس کو لازم سمجھتے ہیں کہ جب پیر کے پاس جائے ضرور کچھ ہدیہ ساتھ لے جائے۔ یہ بالکل واہیات ہے بلکہ پیر کو ہمیشہ دینا اس پر ظلم کرنا ہے کیونکہ ہر عادت کا ایک خاصہ ہوتا ہے ہمیشہ دینے کا خاصہ یہ ہے کہ دوسرے آدمی کو اس سے انتظار کی حالت پیدا ہو جاتی ہے۔ جب آپ ہمیشہ لیے جایا کریں گے تو ان کے دل میں حرص پیدا ہوگا۔

اشراف نفس اور ادب شیخ

اور حدیث میں آیا ہے کہ **ماتاک من غیر اشراف فخذہ** (جمہرۃ انساب العرب ۱۶۷) کہ جو چیز بغیر انتظار نفس کے آئے اس کو قبول کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو انتظار کے بعد آئے اس کو نہ لینا چاہیے۔ تو آپ ہمیشہ دے دے کر پیروں کے دلوں میں دنیا کا انتظار پیدا کرنا چاہتے ہیں جس کا انجام یہ ہوگا کہ اگر وہ ہمیشہ لے لیا کریں تو ناپسندیدہ چیز کھایا کریں گے۔ اور نہ لیں گے تو آپ کا دل برا ہوگا۔ پس بہتر یہی ہے کہ التزام ہرگز نہ کیا جائے۔ جب بہت شوق کا غلبہ ہو تو لے گئے ورنہ حذف کر دیا بزرگوں کے انتظار سے اپنے کو یہاں تک بچایا ہے کہ بلب گرام میں ایک بزرگ تھے ایک

Maktaba Tul Ishaat.com

مرتبہ ان کے یہاں فاقہ تھا ان کے ایک شاگرد اس روز سبق پڑھنے آئے تو شیخ کو بہت مضمحل دیکھا قرائن سے سمجھ گئے کہ آج ان پر فاقہ ہے۔ اس حالت میں انہوں نے سبق پڑھنا نہ چاہا اور کسی بہانہ سے سبق ٹالا۔ وہاں سے اٹھ کر وہ اپنے گھر آئے اور ایک سینی میں کھانا لگا کر شیخ کی خدمت میں لائے۔ شیخ نے فرمایا کہ واقعی تم کھانا ایسے وقت پر لائے کہ مجھ کو حاجت ہے مگر اس کے قبول کرنے سے ایک امر مانع ہے وہ یہ کہ حدیث میں آیا ہے کہ جو چیز اشراف نفس (انتظار نفس) کے بعد آئے اسے قبول نہ کرنا چاہیے۔ اور جب تم میرے پاس سے اٹھ کر گئے تو مجھے خطرہ ہوا کہ تم میرے واسطے کھانا لاؤ گے۔ تو یہ کھانا انتظار کے بعد آیا ہے اسلئے میں قبول نہیں کرسکتا۔ اللہ اکبر تقویٰ اس کا نام ہے واقعی ایسی حالت میں حدود شریعت پر مستقیم رہنا بڑی جوانمردی ہے اور یہاں سے یہ بھی سمجھ لیجئے کہ کشف کیا چیز ہے کیونکہ صاحب کشف کو مرید سے کچھ دینے سے پہلے ہی کشف کے ذریعہ سے معلوم ہو جائے گا کہ یہ مجھے کچھ دے گا۔ اور اس علم کا خاصہ ہے کہ انتظار پیدا ہوگا۔ اور انتظار کے بعد قبول کرنا خلاف سنت ہوگا۔ تو بعض دفعہ یہ کشف بھی پریشان کر دیتا ہے۔ غرض سنت پر عمل یہ ہے کہ جو ان بزرگ نے کر کے دکھلایا نہ یہ کہ۔

زسنت نہ بینی درایشاں اثر ☆ بجز خواب پیشیں فرماں سحر

یعنی بجز رات کے اگلے حصے میں سونے کے سویرے اٹھنے کے حکم کی وجہ سے ان میں سنت کا کوئی اثر نہ پاؤ گے۔

یہ تو شیخ کا ادب تھا کہ انہوں نے خلاف سنت ہونے کی وجہ سے کھانا قبول نہ کیا اور اب مرید کا ادب دیکھئے کہ اس نے شیخ پر اصرار نہیں کیا۔ بلکہ یہ کہہ کر کھانا اٹھا لیا کہ بہت بہتر ہے میں کھانا واپس لئے جاتا ہوں۔ اب آجکل مرید دونوں طرف سے تکلیف دیتے ہیں۔ مثلاً پیر کے سامنے کھانا لایا گیا اور انہوں نے کھانے سے انکار کیا۔ مگر پھر بھی اصرار کئے جاتے ہیں کہ نہیں جناب کھائیے۔ ارے بھائی تمہارا کیا بگڑے گا بے بھوک کھانے سے بھگتنا تو انہیں پڑے گا۔ پس بزرگوں پر اصرار نہ کرنا چاہیے۔ خاص کر ان سے جن سے عقیدت ہو۔ مگر آج کل تو لوگ مرید نہیں بنتے گرو بنتے ہیں جیسے مولانا گنگوہیؒ فرمایا کرتے

Maktaba Tul Ishaat.com

تھے۔ کہ ایک شخص ایک گرو کے پاس گیا کہ مجھے اپنا چیلہ بنالو۔ اس نے کہا چیلہ بننا بڑا مشکل ہے۔ تو وہ کیا کہتا ہے کہ چیلا بننا مشکل ہے تو پھر گرو ہی بنالو۔ بہر حال اس مرید نے اصرار نہیں کیا اور کھانا لے کر چل دیئے۔ شاید آپ کہیں کہ اچھی خشکی تھی۔ بندہ خدا نے کچھ تو کہا ہوتا۔ صاحبو! جو خشکی نہ تھی اس نے تدبیر کی اور ایسی تدبیر کی کہ بڑے بڑے فلسفی کو نہ سوجھے۔ واللہ یہ عقل سلیم بدون صحبت اہل اللہ کے حاصل نہیں ہوسکتی۔ نہ کسی عالم کو نہ کسی بی اے کو نہ کسی ایل۔ ایل۔ بی کو یہ دوسری بات ہے کہ دنیا والوں کو دنیا کا تجربہ زیادہ ہو سو تجربہ دوسری چیز ہے۔ عقل دوسری چیز ہے یہ عقل سلیم اہل اللہ ہی کو نصیب ہوتی ہے۔

طلباء کی عقلمندی

میرے ہاں ایک طالب علم پڑھتے تھے ان سے ایک شخص نے پوچھا کہ ثوابت (وہ ستارے جو حرکت نہیں کرتے) غیر موصودہ۔ (وہ ستارے جو قواعد رصد سے نہ معلوم ہوئے ہوں) کتنے ہیں انہوں نے کہا ہم کو خبر نہیں وہ شخص کہنے لگا کہ پھر آپ نے پڑھا کیا ہے وہ طالب علم بولے کہ بہت اچھا آپ نے تو بہت پڑھا ہے۔ بتلایئے سمندر میں مچھلیاں کتنی ہیں۔ طالب علموں کی عقل پر ایک لطیفہ یاد آیا۔

ایک بادشاہ طالب علموں کا معتقد تھا اور وزیر معتقد نہ تھا وہ ان کو حقیر سمجھتا تھا۔ اور بادشاہ کو خیال یہ تھا کہ طالب علم عقلمند بہت ہوتے ہیں ایک مرتبہ بادشاہ اور وزیر دونوں بیٹھے ہوئے تھے۔ کہ ایک طالب علم سامنے سے نکلے پھٹے ہوئے کپڑے برا حال۔ صاحبو! طالب علم کا یہی فخر اور ناز ہے کہ اس کی صورت سے عجز و انکسار و عبدیت ٹپکے یہ طالب علمی نہیں کہ ایسے بنے ٹھنے رہیں کہ صورت سے فرعونیت اور تکبر ظاہر ہو۔ آج یہ حالت ہے کہ طالب علمی کو ذلت سمجھ کر چھپاتے ہیں سو ان کو سن لینا چاہیے۔

یا مکن با پیلباناں دوستی ☆ یا بنا کن خانہ برا انداز پیل

یا تو فیل بانوں سے دوستی مت کرو یا اپنا مکان ہاتھی کے موافق بناؤ۔ یعنی یا تو طلباء کی جماعت میں داخل نہ ہو اگر ہوتے ہو تو ان کا مذاق و طرز اختیار کرو۔

جس جماعت میں آپ داخل ہونا چاہتے ہیں یا تو ان کا مذاق اور طرز اختیار

Maktaba Tul Ishaat.com

کیجئے اور اگر آپ اس طرز کو ذلت سمجھتے ہیں تو پھر اس علم کو چھوڑ دیجئے وہ علم اختیار کیجئے جس سے آپ کو فرعون و ہامان کی عزت حاصل ہو اور اگر علم دین کا شوق ہے تو پھر ایسے ہی رہو کہ صورت سے معلوم ہو جائے کہ یہ طالب علم ہیں اور جو کوئی تم پر طعن کرے تم سب کے جواب میں کہہ دیا کرو۔

ما گر قلاش وگر دیوانہ ایم ☆ مست آں ساقی وآں پیمانہ ایم

یعنی اگر چہ ہم مفلس وقلاش اور دیوانہ ہیں تو کیا غم ہے یہ کیا کم ہے کہ محبوب حقیقی کی شراب محبت سے مست اور سرشار ہیں۔

اور خوب افتخاراً کہو۔

گدائے میکدہ ام لیک وقت مستی بیں ☆ کہ ناز بر فلک وحکم بر ستارہ کنم

میں گدائے میکدہ ہوں لیکن مستی کے وقت دیکھو کہ ناز فلک پر اور حکم ستارہ پر کرتا ہوں۔

طالب علمی کا فخر

طالب علمی کا فخر یہی ہے کہ صورت سے معلوم ہو جائے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں: **سیما ھم فی وجوھھم من اثر السجود**۔ یعنی ان کے آثار تاثیر سجدہ کی وجہ سے ان کے چہروں میں نمایاں ہیں۔

غرض وہ طالب علم جا رہے تھے۔ بادشاہ نے ان کو بلایا تو وہ آ کر بیٹھے اور السلام علیکم کے سوا اور کوئی آداب شاہی ادا نہ کئے۔ بادشاہ نے وزیر سے پوچھا کہ بتلاؤ اس حوض میں کتنے کٹورے پانی آ سکتا ہوگا۔ اس وقت بادشاہ حوض کے کنارہ پر بیٹھا ہوا تھا۔ وزیر اس سوال سے حیران ہو گیا اور اس کو کچھ جواب نہ بن پڑا۔ اب بادشاہ نے اس طالب علم سے سوال کیا کہ مولانا آپ بتلائیں کہ اس حوض میں کتنے کٹورے پانی آ سکتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ حضور پہلے یہ بتلایا جائے کہ وہ کٹورہ کتنا بڑا ہے۔ اگر وہ حوض ہی کے برابر ہے تو ایک کٹورہ پانی آئے گا۔ اور اگر اس سے آدھا ہے تو دو کٹورے اور اگر تہائی ہے تو تین کٹورے اور اگر چوتھائی ہے تو چار۔ غرض اسی طرح جو نسبت کٹورے کو حوض سے ہوگی اسی نسبت سے

Maktaba Tul Ishaat.com

کٹوروں کا عدد ہوگا۔ اس جواب کو سن کر بادشاہ نے وزیر سے کہا کہ میں نہ کہا کرتا تھا کہ طالب علم بہت عقلمند ہوتے ہیں۔ بہرحال عقل جس کا نام ہے وہ اہل اللہ میں زیادہ ہوتی ہے۔ ہاں تجربہ بعض باتوں کا ان کو نہیں ہوتا۔ سو تجربہ تو بہت سی باتوں کا آپ کو بھی نہ ہوگا۔ مثلاً جوتا سینے کا۔ کپڑا بننے کا تجربہ آپ کو بھی نہیں۔ اور ان حضرات کو اخباروں سے دلچسپی نہیں ہوتی اور ان کو اخبار بینی کی فرصت ہی کہاں ہے ان کی حالت تو یہ ہے۔

ماقصہ سکندر ودارانہ خواندہ ایم ☆ ازما بجز حکایت مہر ووفا مپرس

یعنی ہم نے سکندر اور دارا کے قصے نہیں پڑھے ہیں ہم سے تو مہر ووفا کی حکایتیں پوچھو۔

رہا یہ کہ اخبار دیکھنے کی ضرورت تو ہے۔ کیونکہ اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کی حالت معلوم ہوتی رہتی ہے تو میں اس کو تسلیم کرتا ہوں مگر اس کیلئے ہم کو اخبار دیکھنے کی ضرورت نہیں کسی نہ کسی ذریعہ سے بات معلوم ہو ہی جاتی ہے۔

استبد لک الا یام ما کنت جاھل ☆ ویاتیک بالاخبار من لم تزود

جن واقعات سے تم ناواقف ہو زمانہ خود بخود تم کو ان سے واقف بنادیگا۔ اور تمہارے پاس وہ لوگ خبر لائیں گے جن کے لئے وار کا تم نے کچھ انتظام نہیں کیا ہے۔

ایک اخبار دیکھئے اور ہم سے آکر کہہ دیا کیجئے یہ کیا ضرور ہے کہ ہر شخص اخبار ہی دیکھے تو تجربہ کار ہونا اور بات ہے اور عاقل ہونا اور بات ہے تو وہ طالب علم بہت عاقل تھے انہوں نے جب دیکھا کہ شیخ نے اس کھانے کے قبول کرنے سے ایک شرعی عذر کردیا تو وہ کھانا اٹھا کر چل دیئے اور شیخ پر مطلق اصرار نہیں کیا۔ جب ذرا دور نکل گئے اور شیخ کی آنکھوں سے اوجھل ہوگئے تو پھر واپس ہوئے اور کہا کہ حضرت اب تو قبول کر لیجئے۔ اب تو یہ کھانا مایوسی کے بعد آیا ہے کیونکہ جب میں لے کر چلا تھا اس وقت یقیناً آپ کا دل اس سے خالی ہوگیا ہوگا۔ اس پر شیخ بہت مسرور ہوئے اور طالب علم کی اس فہم پر اس کو دعا دی اور فرمایا واقعی اب کوئی عذر نہیں ہے تو اہل اللہ کی احتیاط کی یہ حالت ہوتی ہے۔

حضرت شاہ ابوالمعالیؒ صاحب کا فقر اختیاری

میں شاہ ابوالمعالیؒ صاحب کا قصہ بیان کر رہا تھا۔ بیچ میں اور باتیں آگئیں۔ جب

Maktaba Tul Ishaat.com

ان کے پیر صاحب تعویذ دے کر چلے گئے اور شاہ صاحب سفر سے واپس ہوئے تو انہوں نے کئی دن تک دیکھا کہ گھر میں فاقہ نہیں ہوا۔ بڑے پریشان ہوئے کہ آخر بات کیا ہے ۔فاقہ کیوں نہیں ہوتا۔اے لیجئے لوگ ان پر رحم کرتے ہیں کہ ہائے فلاں بزرگ کے یہاں فاقہ ہے مگر خود ان کی حالت یہ ہے کہ فاقہ نہ ہونے پر پریشان ہوتے ہیں۔ رحم پر مجھے حضرت حاجی صاحب کا واقعہ یاد آیا کہ مولوی منور علی صاحب آپ کے خادم تھے ان کو ایک حاجی صاحب نے وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد میرا مال اہل حاجت غرباء کو تقسیم کر دینا۔ انہوں نے مستحقین کی ایک فہرست تیار کی اور مشورہ کے لئے حضرت کو دکھائی۔ حضرت نے پوچھا کہ اس میں فلاں فلاں کا نام نہیں۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضرت وہ چالاکی ہوشیاری سے کما لیتے ہیں میں نے ایسوں کے نام لکھے ہیں جو محض اہل توکل ہیں۔ حضرت نے فرمایا واہ صاحب تم نے خوب سمجھا۔ دیکھو چیز دیتے ہیں قدر دان کو اور تم نے ایسوں کا نام لکھا ہے جن کو ہفت اقلیم کی بھی قدر اور پرواہ نہیں اور جو لوگ محب دنیا ہیں اور اس کے قدر دان ہیں ان کا نام ہی نہیں۔ دوسرے ان کو تو اللہ میاں نے بھی ذمہ داری لے رکھی ہے۔ کیونکہ وہ متوکل ہیں اور متوکلین کے لئے وعدہ ہے۔ **ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ**، جو خدا پر توکل کرتا ہے خدا اس کے لئے کافی ہے اور ان حریصوں کی یہ خاص قسم کی ذمہ داری نہیں گو بالمعنی الاعم ان کی بھی ہے۔ **ومامن دابۃ فی الارض الاعلی اللہ رزقھا**۔ یعنی کوئی جاندار اور روئے زمین پر چلنے والا ایسا نہیں کہ اس کی روزی اللہ تعالیٰ کے ذمہ نہ ہو۔ ان کو تم نے بھی محروم رکھا۔ حضرت حاجی صاحب کے یہاں علاوہ باطنی برکات کے ہر وقت زبان سے بھی گوہر نثار ہوتے رہتے تھے۔ تو یہ قصہ مجھے اس وقت یاد آ گیا کہ لوگ اہل اللہ کے فاقوں پر رحم کرتے ہیں ان پر رحم کرنے کی آپ کو ضرورت نہیں۔ رحم تو ان پر کرو جن پر حضرت حاجی صاحبؒ نے رحم کیا باقی اہل اللہ تو اس تکلیف پر ایسے راضی ہیں کہ جب شاہ ابوالمعالیؒ صاحب کے یہاں فاقہ نہ ہوا تو آپ نے گھر والوں سے پوچھا کہ ارے بھائی کیا بات ہے کئی دن سے فاقہ نہیں ہوا بیوی صاحبہ نے سارا قصہ بیان کیا کہ آپ کے پیر صاحب تشریف لائے تھے۔ اور ایک روپیہ غلہ کے واسطے اور ایک تعویذ غلہ میں رکھنے

Maktaba Tul Ishaat.com

کے واسطے دے گئے ہیں۔اس کی برکت سے فاقہ نہیں ہوا یہ واقعہ سن کر شاہ صاحب بڑے پریشان ہوئے کہ اگر تعویذ رہنے دیتا ہوں تو میرا مذاق بگڑتا ہے اور اگر نکالتا ہوں تو سخت بے ادبی ہے پیر کے عطیہ سے اعراض ہے۔اب بتلایئے عقلا ایسے موقع پر کیا کرتے۔مگر حدود کی نگہداشت انہی حضرات کا کام ہے۔یہ ہر چیز کا پورا حق ادا کرتے ہیں۔آپ نے فرمایا کہ حضرت شیخ کے تعویذ کے لئے ہمارا سر مستحق ہے۔غلہ میں اس کا رکھنا بے ادبی ہے۔لاؤ ہم اس کو اپنے سر پر باندھیں گے۔چنانچہ تعویذ کو تو سر پر رکھا اور باقی عطیہ غربا میں تقسیم کر دیا۔بس پھر کیا تھا وہی حالت ہوگئی جو پہلے تھی کہ آج کھانے کو ہے تو کل فاقہ ہے آپ نے یہ بھی فرمایا کہ ہمارا فقر اختیاری ہے اضطراری نہیں ہے۔ہم تو سنت سمجھ کر اس حالت کو اختیار کرتے ہیں کیونکہ ہمارے محبوب کا یہی طرز تھا۔

باطنی دولت سے ظاہری مصیبت بڑی نعمت معلوم ہوتی ہے

صاحبو! ان حضرات کا تو یہ حال ہے کہ جس غربت اور افلاس کو آپ تباہی اور بربادی کہتے ہیں۔وہ اسکو سنت سمجھ کر خوشی سے اختیار کرتے ہیں۔اور اس پر نازاں ہیں۔بتلایئے کبھی آپ نے بھی اس سنت پر عمل کیا ہے کبھی سنت سمجھ کر فاقہ بھی کیا ہے۔ایسے آدمی اب مسلمانوں میں کہاں ہیں ہاں کبھی طبیعت کے کہنے سے تو فاقہ کر لیا ہوگا۔مگر سنت سمجھ کر کبھی فاقہ نہ کیا ہوگا۔تو ان حضرات پر اگر مصیبت آئے گی تو یہ کوئی مصیبت ہے۔ہرگز نہیں۔ہاں مصیبت کی صورت ہے۔حقیقت میں وہ ہرگز مصیبت نہیں میں کہتا ہوں کہ اگر کوئی شخص مٹھائی کا کریلا بنا دے اور اس کے متعلق دو شخصوں میں اختلاف ہو۔ایک تو یہ سمجھتا ہے کہ یہ کریلا ہے اور دوسرا یہ سمجھتا ہے کہ یہ مٹھائی ہے۔اب دوسرے نے اس کو توڑ کر کھانا شروع کر دیا۔تو کیا آپ یہ کہیں گے کہ یہ کریلا کھا رہا ہے ہرگز نہیں درحقیقت وہ مٹھائی کھا رہا ہے۔ہاں صورت کریلے کی ہے۔جس سے نادان کو شبہ ہوتا ہے کہ اس کا منہ کڑوا ہو گیا ہوگا۔مگر اس کھانے والے سے کوئی اس کے مزہ کو پوچھے۔بس یہی مثال اہل اللہ کی مصیبت اور عوام کی ہے اہل اللہ پر جو مصیبت آتی ہے وہ کریلے کی صورت میں مٹھائی ہے جس سے ان کو لذت حاصل ہوئی ہے۔اور عوام کی مصیبت حقیقت میں کریلا ہے جس سے

Maktaba Tul Ishaat.com

ان کو تلخی اور پریشانی حاصل ہوتی ہے۔ میں نے اس مثال میں اس باریک مسئلہ کو بالکل واضح کر دیا۔ آپ رات دن دیکھتے ہیں کہ مٹھائی کے کھلونے اور مختلف پھل بنائے جاتے ہیں۔ مگر وہ محض صورت ہی صورت ہوتی ہے حقیقت میں وہ خالص شکر ہے۔

میں نے سنا ہے کہ محمود آباد میں ایک باورچی نے مٹھائی کا انار بنایا تھا جو ڈیڑھ سو روپے میں تیار ہوا تھا۔ جسکے اندر جھلی اور دانوں میں سرخ شربت تھا۔ اور یہ تو میرے سامنے کا واقعہ ہے کہ ایک دعوت میں باورچیوں نے مٹھائی کا پان بنایا تھا۔

تو کسی شخص نے اگر ایسا ہی کریلا بنایا اور ایک شخص اس کو کھانے لگے اور دوسرا اس پر رحم کرنے لگے تو یہ اس کی حماقت ہے یا نہیں۔ یقیناً حماقت ہے تو جس طرح کریلے کی دو قسمیں ہیں اسی طرح مصیبت کی بھی دو قسمیں ہیں ایک صورۃً ایک حقیقتاً اور نعمت کی بھی دو قسمیں ہیں ایک صورۃً اور ایک حقیقۃً۔ کفار کو جو دولت دنیوی اور عیش و آرام دیا گیا ہے یہ ظاہری نعمت ہے۔ حقیقت میں یہ سب وبال جان ہے اور مسلمانوں کو جو مصیبت پیش آتی ہے وہ ظاہری مصیبت ہے حقیقت میں وہ بڑی نعمت ہے۔ صاحبو! اس کو وہ سمجھے گا جو اس مزہ کو پہلے چکھ چکا ہو اور جس نے باطنی دولت کا مزہ نہیں چکھا وہ اس کو نہیں سمجھ سکتا۔

پرسید یکے کہ عاشقی چیست ☆ گفتم چو ماشوی بدانی

ایک شخص نے دریافت کیا کہ عاشقی کس کو کہتے ہیں۔ میں نے جواب دیا جب تم ہماری طرح عشق میں مبتلا ہو جاؤ گے تب خود بخود تم کو اس کا علم ہو جائے گا۔

کیا آپ نے ختنہ کے وقت یا فصد کراتے وقت بچوں کو روتے ہوئے نہیں دیکھا۔ بچہ کے دل سے پوچھئے وہ اس کو کیا سمجھتا ہے۔ وہ تو اس کو سخت مصیبت کہے گا مگر آپ کے نزدیک وہ مصیبت نہیں راحت ہے۔

طفل مے لرزد زنیش احتجام ☆ مادر مشفق ازاں غم شاد کام

یعنی بچہ نشتر لگنے سے لرزتا ہے مادر مشفق اس سے خوش خرم ہوتی ہے۔

کیا کبھی آپ نے اپنے یا اپنے کسی عزیز کے نشتر نہیں دلوایا۔ اور کیا پھر نشتر دینے والے کو انعام نہیں دیا۔ ضرور دیا ہے تو کیا نشتر دینے کے وقت کی تکلیف دیکھ کر کوئی کہہ سکتا

Maktaba Tul Ishaat.com

ہے کہ اس نے انعام کا کام نہیں کیا۔ ہرگز نہیں۔ آپ کا دل جانتا ہے کہ اس نے بڑا احسان کیا اور بہت راحت پہنچائی کہ آئندہ کی تکلیف سے نجات دیدی۔ اگر نشتر دیتے وقت آپ کے آنسو بھی نکلے ہوں گے تب بھی دل اندر سے راضی ہوگا۔ معلوم ہوا کہ بعض مصائب ایسے بھی ہیں جو صورت میں مصیبت ہیں اور حقیقت میں راحت معلوم ہوتی ہیں۔ پس اہل اللہ کے مصائب کو بھی ایسا ہی سمجھئے وہ خوب جانتے ہیں کہ ان تکالیف کی وجہ سے ہماری آخرت درست ہو رہی ہے۔ جتنی ہم کو یہاں کلفت ہوتی ہے۔ اسی قدر عذاب جہنم سے ہم کو نجات نصیب ہوتی ہے تو وہ ان تکالیف کو بالکل ویسا ہی سمجھتے ہیں جیسا کہ آپ نشتر کی تکلیف کو سمجھتے ہیں۔ آپ نشتر کی کلفت پر دل سے راضی ہیں وہ فقر و فاقہ طاعون وغیرہ کی تکلیف پر دل سے راضی ہیں۔ اب یہ شبہ زائل ہوگیا کہ انبیاء و اولیاء تو گناہوں سے معصوم اور محفوظ ہوتے ہیں ان پر یہ مصیبتیں کیوں آتی ہیں۔ معلوم ہوگیا کہ ان حضرات پر واقع میں مصیبت ہی نہیں اور واقع میں مصیبت ہے وہ بداعمالیوں ہی سے آتی ہے افسوس آجکل مسلمان یا تو اس کے معتقد ہی نہیں بلکہ بعض لوگ تو اس کو سن کر تمسخر کرتے ہیں۔ اور اگر معتقد بھی ہیں تو اضافت میں غلطی کرتے ہیں۔ یعنی اپنی بداعمالیوں کو ان مصائب کا سبب کوئی نہیں سمجھتا۔ زید تو عمرو کے گناہوں کو اس کا سبب بتلاتا ہے اور عمر زید کے گناہوں کو ہر شخص کے پاس عیوب کے دو تھیلے ہیں۔ ایک آگے لٹکا ہوا ہے ایک پیچھے۔ دوسروں کے عیوب ہر شخص کے پیش نظر ہیں اور اپنے عیوب کو ہر شخص پس پشت ڈالے ہوئے ہے۔ حالانکہ ہم کو چاہیے کہ سب سے پہلے اپنے عیوب پر نظر کریں کیونکہ اپنے عیوب سب یقینی ہیں جن کو ہر شخص اچھی طرح جانتا ہے اور دوسروں کے عیوب اکثر بدگمانی اور ظن و تخمین کا نتیجہ ہیں۔

حضرت ذوالنون مصریؒ کی تواضع

پہلے حضرات کی یہ حالت تھی۔ کہ ایک بار حضرت ذوالنون مصریؒ سے لوگوں نے کہا کہ دعا فرمایئے کہ بارش ہو قحط کی وجہ سے سب لوگ پریشان ہیں آپ نے فرمایا کہ جب تک موانع مرتفع نہ ہوں اس وقت تک بارش نہیں ہو سکتی۔ اور بارش کے مانع ذوالنون مصریؒ کے گناہ ہیں۔ تو مجھے پہلے شہر سے نکال دو جب بارش ہوگی لوگ یہ سن کر رونے لگے۔ آپ کو

Maktaba Tul Ishaat.com

شہر سے کون نکالتا۔ آخر آپ کو خود ہی بھاگ گئے ۔ خدا کی شان آپ کے بھاگنے کے بعد بارش ہوگئی۔ حضرات یہ موقع ہے امتحان کا۔ ذوالنون مصریؒ کے بھاگنے کے بعد بارش ہوجانے کو بہت ہی کم لوگوں نے تو سمجھا ہوگا کہ آپ کی اس تواضع کی برکت سے ہوئی اور بعضے ایسے بھدے لوگ بھی ہوں گے کہ سچ مچ حضرت ذوالنون مصریؒ کے گناہوں کو بارش نہ ہونے کا سبب سمجھے ہوں گے۔ کہ دیکھو واقعی جب تک یہ شہر میں رہے بارش نہ ہوئی جب یہ نکل گئے فوراً بارش ہوگئی معلوم ہوا کہ یہی بارش سے مانع تھے اور ایسے بھولے لوگ ہر زمانہ میں ہوتے ہیں۔ چنانچہ اب بھی ایسے لوگ بہت سے ہیں۔

حضرت مولانا گنگوہیؒ کی تواضع

ایک مرتبہ حضرت مولانا گنگوہیؒ نے اپنی نسبت فرمایا۔ واللہ میں کچھ نہیں ہوں مجھے کچھ نہیں آتا۔ جو لوگ میرے معتقد ہیں وہ محض حسن ظن سے معتقد ہیں سو بعضے بھدے لوگ اس سے یہ سمجھنے لگے کہ جب مولانا قسم کھا رہے ہیں تو سچ مچ ان کو کچھ نہ آتا ہوگا۔ غضب یہ کہ حضرت کے ایک معتقد کو شبہ ہوگیا کہ حضرت نے اس بات پر قسم کیسے کھائی۔ اب یا تو حضرت کی قسم جھوٹی یا ہمارا اعتقاد ہی جھوٹا ہے۔ میں نے کہا کہ بندہ خدا کمالات دو قسم کے ہیں ایک موجودہ ایک آئندہ۔ حضرت کی نظر کمالات آئندہ پر ہے۔ جن کے سامنے وہ کمالات موجودہ کو کوئی چیز نہیں سمجھتے اس لیے ان کی قسم صحیح ہے۔ کیونکہ عارفین جس قدر ترقی کرتے جاتے ہیں وہ اپنی پہلی حالت اور گزشتہ مقامات سے توبہ کرتے جاتے ہیں مثلاً آج ہم کو خدا تعالیٰ کی جس قدر معرفت حاصل ہے جب اس سے آگے ہم کو ترقی ہوگی تو ہم سمجھیں گے کہ اب تک ہم خدا تعالیٰ کی نسبت ناقص اعتقاد کیے ہوئے تھے۔ جب یہ حالت ہے تو عارفین کا آئندہ کمالات کے اعتبار سے موجودہ کمالات کی نفی کر دینا بالکل سچا ہے۔ اور ہمارا اعتقاد حضرت کے موجودہ کمالات پر ہے جو ان کی نظر میں چاہے کمالات نہ ہوں۔ مگر ہم تو ان کو یقیناً کمالات سمجھے ہوئے ہیں۔ اس لئے ان کی قسم بھی صحیح اور ہمارا اعتقاد بھی سچا، تو ہماری ایک غلطی تو یہ ہے کہ گناہوں کو مصائب کا سبب ہی نہیں سمجھتے اور اگر سمجھتے بھی ہیں۔ تو دوسروں کے گناہوں کو سبب سمجھتے ہیں اپنے گناہوں کو سبب نہیں سمجھتے۔ اسی لئے کسی

Maktaba Tul Ishaat.com

کو اپنی اصلاح کی فکر نہیں ہوتی بلکہ ایسے وقت میں دوسروں کے عیوب بیان کرتے ہیں۔ کہ میاں طاعون کیوں نہ آئے قحط کیوں کر نہ پڑے۔ فلاں شخص اپنی بہو پر بدنگاہی کرتا ہے۔ فلاں شخص غریبوں کی زمین دباتا ہے اور منشاء اس کا یہ ہے کہ ہم کو اپنے عیوب پر نظر نہیں ورنہ دوسروں کے عیوب پر نظر کرنے کی فرصت ہی نہ ہوتی۔ اور سب بلاؤں کا سبب اپنے ہی گناہوں کو سمجھتے تو ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اپنے عیوب پر نظر کریں۔ جب ہر شخص اپنے عیوب پر نظر کر کے ان کی اصلاح کی فکر کرے گا۔ اس وقت سب بلائیں خود بخود جاتی رہیں گی۔ اور اگر پھر بھی آئیں گی تو اس وقت وہ مصیبت ہو کر نہ آئیں گی۔ بلکہ ان سے لذت اور راحت ہی پہنچے گی۔ گو جسم کو تکلیف ہو یہ ساری تقریر اس پر ہوئی کہ میں کہہ رہا تھا کہ جب ہم نے اپنے اندر بخل نہ دیکھا تو اپنے کو بے عیب سمجھنے لگے اور یہ نہ دیکھا کہ ہمارے اندر بخل نہیں ہے تو اسراف تو ہے۔ مگر اسراف کو ہم عیب ہی نہیں سمجھتے اس لئے اس پر نظر کیوں کر ہو اور بات وہی ہے کہ بخیل کو سب ذلیل سمجھتے ہیں۔ اور مسرف (فضول خرچی کرنے والے) کو کوئی ذلیل نہیں سمجھتا کیونکہ دیکھتے ہیں کہ خوب خرچ کر رہا ہے۔ یار دوستوں کو کھلا رہا ہے تو معلوم ہوا کہ اچھے برے کا معیار ہمارے نزدیک طبیعت ہوگئی ہے۔ شریعت کو معیار قرار نہیں دیتے تو طبعی امر یہ ہے کہ اسراف سے چونکہ دوسروں کو نفع پہنچتا ہے۔ اس لئے اس کو ذلیل نہیں سمجھا جاتا۔ مگر شریعت میں بخل اور اسراف دونوں مذموم ہیں۔ بلکہ اسراف زیادہ مذموم ہے کیونکہ وہ زیادہ مضر ہے تو یوں سمجھئے کہ گناہ فی نفسہ سب برابر ہیں۔ مگر کوئی زیادہ برا ہے کوئی محض برا ہے۔ اور وجہ تفاوت اس کے آثار ہیں۔ جس گناہ میں مفاسد زیادہ ہوں وہ زیادہ برا ہوگا۔ اور یہ علم بہت وسیع ہے مگر اہل علم دو چار نظیروں کو دیکھ کر سمجھ جاتے ہیں مثلاً قتل ہے اور غیبت۔ تو قتل غیبت سے زیادہ سخت ہے کیونکہ اس کے آثار زیادہ سخت ہیں۔

اسراف بخل سے زیادہ برا ہے

اب غور کیجئے کہ مفاسد اسراف کے زیادہ ہیں یا بخل کے سو ایک مدت تک میں بھی اس غلطی میں رہا کہ میں بھی بخل کو اسراف سے زیادہ برا سمجھتا تھا۔ مگر اس وقت تک آثار پر میری نظر نہیں تھی۔ مگر جب آثار کو دیکھا۔ تو معلوم ہوا کہ اسراف زیادہ برا ہے۔ بخل

Maktaba Tul Ishaat.com

میں تو صرف یہی ہے کہ دوسرے کو نفع نہیں پہنچتا۔ پس یہی ایک خرابی ہے مگر یہ کوئی زیادہ نقصان نہیں جیسے کہ تجارت میں۔ اگر نفع نہ ہو تو یہ ٹوٹا نہیں ہے۔ تو بخیل آدمی صدقہ خیرات کے ثواب سے محروم رہتا ہے۔ مگر اس سے دوسروں کو تکلیف اور نقصان نہیں پہنچتا۔ بلکہ بخیل آدمی کو دیکھا ہے کہ وہ اکثر خوشامدیں لوگوں کی بہت کیا کرتا ہے۔ اور خوشامد کر کے کام نکالتا ہے۔ تا کہ روپیہ خرچ نہ ہو جائے۔ تو بخیل آدمی اول تو خوشامدی بہت ہوتا ہے تو کسی کو ستاوے گا کیا دوسرے خرچ کے ڈر کے مارے وہ کسی پر ظلم بھی نہیں کرتا کہ ایسا نہ ہو کہ یہ نالش کرے۔ پھر خواہ مخواہ روپیہ خرچ کرنا پڑے۔ تو بخیل کے ہاتھ سے ظلم بہت کم ہوتا ہے اس سے کسی کو نقصان نہیں پہنچتا۔ مگر شریعت نے بخل کو اس لئے جرم قرار دیا ہے کہ اس سے کسی کو نفع بھی نہیں پہنچتا۔ اور مسرف سے لوگوں کو نقصان بہت پہنچتا ہے۔ کیونکہ آج جو یہ لوگوں کو دے رہا ہے آخر یہ آتا ہے کہاں سے۔ ظاہر ہے کہ قارون کا خزانہ تو ہے نہیں یقیناً ایک دن روپیہ ختم ہو جائے گا۔ پھر یہ لوگوں سے قرض لے گا۔ دوسروں کی امانتیں خرچ کرے گا۔ کسی کی چیز مانگ کر بازار میں رہن رکھے گا اور روپیہ اپنے خرچ میں لائے گا۔

اسراف کا انجام

کانپور میں ایک صاحبزادے تھے۔ جو اپنے باپ کی وفات کے بعد ایک بہت بڑے مال کے وارث ہوئے اور بے دردی سے اس کو اڑانا شروع کیا۔ ان کے باپ کے وقت کے ایک رفیق آئے اور ان کو نصیحت کی کہ صاحبزادے اس طرح فضول خرچی مناسب نہیں بعد میں پچھتاؤ گے۔ تو وہ اٹھ کر طاق میں سے ایک لنگوٹی اٹھا لائے کہ بہت سے بہت یہ انجام ہوا کہ مجھے لنگوٹی باندھنی پڑے گی۔ سو میں اس پر پہلے سے آمادہ ہوں آخر یہی ہوا کہ اسراف کی بدولت وہ بالکل خالی ہاتھ رہ گئے اور اس وقت پچھتانا پڑا۔ اور وہ ساری بہادری خاک میں مل گئی کہ میں لنگوٹی باندھنے پر راضی ہوں۔ کیونکہ کہہ دینے اور کرنے میں بڑا فرق ہے۔ تو اسراف کا یہ انجام ہوتا ہے کہ وہ لوگوں سے جھوٹ سچ ملا کر باتیں بنا کر روپے لیتا ہے۔

چنانچہ میں نے اسی سفر میں ایک بزرگ زادے کو دیکھا کہ کسی سے اس نے دس روپے قرض لئے کسی سے بیس روپے لئے اور سب ہضم۔ اب ان کے گھر پر لوگوں کے خطوط

Maktaba Tul Ishaat.com

آرہے ہیں۔ کسی کی امانت تھی وہ اڑادی پھر جھوٹ بہت بولتے ہیں۔ کہ فلاں جگہ سے آجکل میں روپے آنے والا ہے۔ اور بے غیرت ایسے ہوجاتے ہیں کہ قرض خواہوں کے تقاضہ سے شرماتے نہیں۔ ایک مقروض رئیس کہتے تھے کہ ذرا اس تقاضے سے رونق ہوتی ہے۔ آج دس آدمی مانگ رہے ہیں۔ کل پانچ آدمی سر ہورہے ہیں۔ استغفراللہ وہ اس کو رونق سمجھتے تھے۔ حالانکہ شریف آدمی کیلئے تو سخت مصیبت کا سامنا ہے۔ پھر مسرف آدمی سے لوگوں کو وحشت ہوتی ہے۔ اور جو کچھ رعب وداب ہے۔ یہ سب خوف کی وجہ سے ہیبت ہے ورنہ وہ سب کی آنکھوں میں خار ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ایسا شخص لوگوں کو بہت تکلیف دیتا ہے۔ قلب کو دکھاتا ہے اب اگر کوئی کہے کہ اس سے نفع بھی تو ہوتا ہے کہ دس پانچ آدمیوں کو دیتا دلاتا ہے۔ تو سمجھو کہ شریعت کا قاعدہ ہے کہ اگر کسی کام میں ایک ضرر ہو اور پچاس مصالح ہوں تو وہ بھی حرام ہے۔ اور اسراف میں تو مفاسد زیادہ ہیں مصلحت بس ایک ہی ہے کہ دو چار کو دعوت کر کے کھلا پلا دیا۔ وقت نہیں ہے ورنہ میں اس قاعدہ کو مبسوط بیان کرتا۔ مگر مختصراً اتنا سمجھئے کہ جس امر میں ایک مفسدہ ہو اور پچاس مصالح ہوں شریعت نے اس ایک مفسدہ کی رعایت سے تمام مصالح کو نظر انداز کیا ہے۔ اور بہت دور تک شریعت نے اس قاعدہ کو نبھایا ہے۔ مثلاً ایک کافر لڑائی میں مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچا چکا ہے۔ اور مسلمانوں کا سخت دشمن ہو۔ سینکڑوں آدمیوں کو اس نے قتل کیا ہو پھر بہزار وقت مسلمانوں نے اس پر قابو پایا ہو مگر عین تلوار اٹھانے کے وقت وہ لا الہ الا اللہ کہہ لے تو حکم ہے کہ تلوار روک لو حالانکہ بظاہر اس وقت اس کا کلمہ پڑھنا محض جان بچانے کے لئے ہے۔ اور اس کا قتل کر دینا ہی مصلحت معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس کے چھوڑ دینے میں اندیشہ ہے کہ وہ اس وقت جان بچا کر پھر مسلمانوں کے مقابلہ میں اسی طرح آئے گا۔ جس طرح پہلے آچکا ہے مگر جہاں اس کے قتل میں مصالح ہیں اسی کے ساتھ اس میں مفسدہ بھی بہت بڑا ہے۔ وہ یہ کہ ایک محتمل شخص کو قتل کرنا لازم آتا ہے کیونکہ جیسے یہ احتمال ہے کہ اس نے تقیہ سے کلمہ پڑھا ہو یہ بھی احتمال ہے کہ وہ سچ مچ ہوگیا ہو تو محتمل شخص کو قتل کرنا حرام قرار دیا گیا۔ کیونکہ علاوہ مواخذہ آخرت وہتک حرمت

Maktaba Tul Ishaat.com

مسلم کے اس میں شریعت کی بدنامی ہے کہ مسلمانوں کو بھی قتل کیا جاتا ہے۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ اگر اس شخص کو قتل کرنے میں لاکھوں مصالح ہوں اور خرابی صرف اتنی ہو کہ ایک محتمل شخص کو قتل کرنا اندیشہ ہے تو اس صورت میں بھی قتل کرنا یقیناً حرام ہے۔ یہ ہے شریعت کا قانون کوئی دوسری اقوام میں ہم کو ایسا قانون دکھلا سکتا ہے کہ ایک شخص پر قرائن سے یقین ہے کہ یہ دشمن ہے مگر اس کو قتل نہ کر سکتے ہوں۔ سو بات یہ ہے کہ مسلمانوں کو ظاہر کے اعتبار کا حکم ہے۔ کسی کے باطن پر ان کو حکم لگانے کی اجازت نہیں جب ایک شخص ظاہر میں اسلام لے آیا ہے تو چاہے باطن میں وہ اسلام کا کیسا ہی دشمن ہو مسلمانوں کو حکم ہے کہ اس کو مسلمان سمجھیں اور اس کی عداوت کا حال خدا کے حوالے کریں اور اسی وجہ سے مسلمان بہت بھولے ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی سچا سمجھتے ہیں مگر میں دیکھتا ہوں کہ تم بھولے ہی رہو لیکن دیندار ہو جاؤ۔ اس دینداری سے بڑے بڑے لوگوں پر اثر ہو جاتا ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ کا ایفاء عہد

حضرت عمر فاروقؓ کے پاس فارس کا ایک شہزادہ آیا آپؓ نے اس پر اسلام پیش کیا اس نے انکار کیا آپ نے اسکے قتل کا حکم دیا وہ کہنے لگا کہ امیر المومنین آپ مجھے قتل تو کریں ہی گے لیکن اس سے پہلے میری ایک درخواست پوری کر دیجئے وہ یہ کہ مجھ کو پانی پلا دیجئے میں پیاسا ہوں۔ آپ نے حکم دیا کہ اس کو پانی پلا دیا جائے۔ جب پانی اس کے پاس آیا تو وہ کہنے لگا کہ امیر المومنین اس کا وعدہ فرمالیں کہ جب تک میں یہ پانی نہ پی چکوں اس وقت تک مجھے قتل نہ کیا جائے گا۔ تا کہ پینے کے درمیان میں مجھ کو کوئی قتل نہ کر دے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے وعدہ فرمالیا۔ اس نے وہ پانی زمین پر گرا دیا اور کہا لیجئے آپ مجھ کو قتل کیجئے۔ آپ مجھے قتل ہی نہیں کر سکتے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا قد خدعنی الرجل کہ مجھے اس شخص نے بڑا دھوکہ دیا۔ پھر آپ نے حکم دیا کہ اس کو قید سے رہا کر دیا جائے۔ حضرات ہے کہیں ایسا قانون جو ایک قیدی کے مقابلہ میں سلطان وقت کو عاجز کر دے کہ اب وہ اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ مگر اس کا یہ اثر ہوا کہ اس شہزادے نے تھوڑی دیر کے بعد کہا اشهد ان لا اله الا الله محمد رسول الله ﷺ میں گواہی دیتا ہوں کہ بجز اللہ کے کوئی معبود نہیں اور محمد

Maktaba Tul Ishaat.com

ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اور کہنے لگا امیر المومنین اسلام میرے دل میں پہلے ہی آچکا تھا۔ مگر اس وقت اگر میں اسلام لاتا تو آپ یہ سمجھتے کہ تلوار کے خوف سے اسلام لایا ہے۔ اس واسطے میں نے یہ تدبیر کی کہ پہلے آپ کو اپنے قتل سے میں نے عاجز کر دیا۔ پھر اسلام ظاہر کیا۔ حضرت عمرؓ کو اس بات کی بڑی قدر ہوئی اور ان سے ہمیشہ امور سلطنت میں مشورہ کیا کرتے تھے۔

بہر حال یہ بات ٹھہری ہوئی ہے کہ جن کاموں میں مصلحت ہو اور مفسدہ بھی ہو وہ حرام ہے۔ اب سمجھئے کہ اسراف میں جو شبہ ہوتا ہے اس سے لوگوں کو نفع بھی پہنچتا ہے تو شریعت اس کے مفاسد پر نظر کر کے اس کو حرام کہتی ہے اور یقیناً اسراف میں مفاسد بہت ہیں اور یہ وہ قانون ہے جس پر تمام اہل تمدن بالاجماع عمل کرتے ہیں۔ اگر ایک شخص رات کو ڈکیتی کر کے صبح کے وقت سب مال غرباء کو دیدے تو کیا یہ شخص ڈکیتی کے جرم سے بری ہو جائے گا۔ ہرگز نہیں۔ تو یہ بات ثابت ہوگئی کہ اسراف بخل سے زیادہ برا ہے۔ دوسرے ان دونوں میں ایک اور باریک فرق ہے جس سے یہ بات زیادہ واضح ہو جائے گی کہ اسرف بخل سے زیادہ اشد ہے وہ یہ کہ بخل میں یہ احتمال نہیں ہے کہ وہ شخص اپنے دین کو چھوڑ دے۔ اور اسراف میں یہ اثر ہم کو معلوم ہوا ہے بلکہ بخیل اکثر بہت دیندار ہوتا ہے۔ نمازیں بہت پڑھتا ہے اور مال کی حفاظت کے لئے راتوں کو تہجد بھی پڑھتا ہے اور روٹی کی کفایت کیلئے روزے بھی بہت رکھتا ہے۔ افطار میں مسجد کی گھونگنیوں سے پیٹ بھر لیتا ہے۔ سحری میں تھوڑا بہت کھا کر دودھ کی جگہ پانی بہت سا پی لیا۔ اور اپنے مال کو بچا لیا غرض بخیلوں کو اکثر دیندار اور نمازی ہی دیکھا گیا ہے۔ دوسرے بخیل کا دل مستغنی ہوتا ہے اس کو روپے کا نشہ ہر وقت سوار رہتا ہے۔

دو چیزیں مقوی قلب ہیں

میں کہتا ہوں کہ دو چیزیں بہت مقوی قلب ہیں ایک بچوں کو دیکھنا کہ ان کی طفلانہ حرکتوں سے دل کو فرحت ہوتی ہے۔ دوسرے چاندی سونے کا مالک ہونا۔ اطبا مقویات اور مفرحات میں ان دونوں کا ذکر کرنا بھول گئے۔ مشہور ہے کہ سو روپے میں ایک بوتل کا نشہ ہوتا ہے۔ غرض بخیل اس تصور سے ہر دم خوش رہتا ہے کہ میرے پاس اتنے ہزار

Maktaba Tul Ishaat.com

روپے ہیں۔ اتنی جائیداد ہے تو اسکا دل مستغنی ہوتا ہے۔ اس لئے وہ کبھی نصرانی یا آریہ نہیں ہوسکتا۔ اور ایک مسرف صاحب کو ہم نے خود دیکھا ہے۔ کہ اپنی جائیداد وغیرہ سب کھا چاٹ گئے۔ جب خالی ہاتھ رہ گئے تو اب فاقوں کی نوبت آئی۔ ہنر کوئی آتا نہ تھا جو اس سے ہی پیٹ پالیں اور ہنر سیکھنے کو آج کل عیب بھی سمجھا جاتا ہے۔ ایک صاحب کہتے تھے کہ ہم کو اولاد کو تعلیم دینے کی کیا ضرورت ہے ہمارے پاس اتنی جائیداد ہے جو مصارف کیلئے کافی ہے پھر پڑھانے کی کیا ضرورت ہے۔ اس کا حاصل یہ ہوا کہ تعلیم صرف کھانے کمانے کیلئے دی جایا کرتی ہے۔ اگر کھانے کو پاس ہو تو پھر تعلیم کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر یہی مقصود ہے تو گویا آدمی ایک جانور اور بہیمہ کے برابر ہو گئے۔ جس کو کھانے پینے کے سوا کچھ مقصود ہی نہیں۔ غرض ان مسرف صاحب کے پاس کوئی ہنر تو تھا نہیں۔ اب یہ سوجھی کہ عیسائی ہو جاؤ۔ چنانچہ ہو گیا۔ اسراف کا یہ انجام ہوا۔ مگر یہ جتنے لوگ مسلمان ہو کر عیسائی ہوتے ہیں وہ محض لالچ سے ہوتے ہیں۔ ورنہ یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ اسلام کے مقابلہ میں کوئی دوسرا مذہب دل سے حق معلوم ہو۔ ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ کوئی مذہب حق معلوم نہ ہو کیونکہ جو شخص ایک ضعیف شبہ کی وجہ سے اسلام کو باطل سمجھے گا۔ تو دوسرے مذاہب میں تو قوی شبہات موجود ہیں ان کو کیونکر حق سمجھ سکتا ہے تو افلاس کی پریشانی ایسی بری بلا ہے کہ اس کی وجہ سے اسلام کو چھوڑ کر بعض لوگ عیسائی ہو گئے ہیں اور اسراف سے ایسے افلاس کی نوبت آسکتی ہے کہ اور مالدار بخیل کو یہ نوبت نہیں آتی اس لئے بخیل کا دین چھوڑنا بہت مشکل ہے تو تعجب ہے کہ لوگوں نے بخیل کی مذمت کیلئے تو بہت سی حکایت تصنیف کر لیں اور اسراف کیلئے کچھ بھی نہیں تو یہ شریعت کا اتباع نہیں بلکہ عادت کا اتباع ہے اور مسلمانوں میں یہ مرض زیادہ ہے اور اس مرض کو بھی نہیں سمجھتے جس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے دل میں مال کی قدر نہیں ہوتی اور دوسری قوموں کے دل میں مال کی بڑی قدر ہوئی ہے۔

مسلمان بچوں میں مال کی قدر کم ہوتی ہے

میں نے قصبہ انبہٹہ میں دو لڑکوں کو دیکھا کہ ایک مسلمان کا لڑکا تھا اور دوسرا ہندو کا وہ دونوں ایک سکول میں پڑھتے تھے۔ اور دونوں کو ناشتہ کے واسطے گھر سے پیسے ملتے تھے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

تو استاد سے اجازت لیکر کچھ کھانے کے لئے سکول سے باہر آتے تھے۔ آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ کیا کھانا چاہیے۔ مسلمان صاحب تو فرماتے ہیں کہ ہم تو مٹھائی کھائیں گے۔ اور وہ ہندو زادہ کہتا ہے بھائی ہم تو سنگھاڑے لیں گے کہ پیٹ میں کچھ بوجھ بھی ہو۔ ان تجویزوں ہی سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں کے بچوں تک میں بھی ابتدا سے مال کی محبت اور قدر کم ہوتی ہے۔ اور ہندوؤں کے بچوں میں ابتدا ہی سے مال جوڑنے کی فکر پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لئے اگر مسلمان اسراف سے رکیں تو یہ بڑا مجاہدہ ہے اور ان کو اسراف سے رکنے پر ثواب بھی زیادہ ملے گا۔ اور مسلمانوں کے علاوہ دوسری قومیں اگر اسراف سے رکیں تو کونسا کمال ہوا۔ ان کو تو مال جمع کرنے کی محبت ہوتی ہی ہے۔ تو مسلمان جس قدر اسراف سے بچیں گے ان کو اس میں زیادہ ثواب ملے گا۔ اس لئے میں نے اسراف کا مضمون اس وقت بیان کرنے کیلئے تجویز کیا اور گو ذہن میں اسراف فی المال (مال میں فضول خرچی کرنا) کا مضمون تھا اور اب بھی وہی غالب ہے۔ لیکن شرعاً اسراف مال ہی کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ ہر گناہ اسراف میں داخل ہے۔ مگر چونکہ آج کل اسراف فی المال کے بارے میں بہت بے توجہی کی جارہی ہے۔ حتیٰ کہ بہت لوگ اس کو عیب بھی نہیں سمجھتے اور اس کے مفاسد بہت زیادہ ہیں۔ اس لئے اس وقت میں زیادہ تر اسی کو بیان کرنا چاہتا ہوں۔

اسراف کی ایک خرابی

صاحبو! اسراف کی بدولت بہت سے خاندان تباہ و برباد ہو گئے ہیں، میں نے ایسے بہت لوگ دیکھے ہیں کہ ان کے آباؤ اجداد بڑے بڑے متمول تھے۔ لیکن یہ پریشان پھرتے ہیں میں نے دہلی میں تیموری خاندان کے لوگوں کو دیکھا ہے کہ بھیک مانگتے پھرتے ہیں۔ ان میں سے بعضوں کی تنخواہ بھی ہے۔ مگر وہ روپے کو بہت زیادہ اڑاتے ہیں۔ اسی اسراف نے ان کو تباہ حال بنا رکھا ہے۔ ایک خرابی اسراف میں یہ ہے کہ ایسے لوگ جب ان کا کوئی مورث ہوتا ہے تو اسی اسراف کی گنجائش حاصل کرنے کے لئے دوسروں کا حق نہیں دیتے۔ چنانچہ ہمارے نواح میں ایسا ہوا کہ ایک شخص مالدار مرے اور ایک بیوی چھوڑی اور ایک بیٹی۔ اور ایک دور کا عصبہ تو عصبہ کا حق دیتے ہوئے جی دکھتا تھا۔ چنانچہ ان بی بی

Maktaba Tul Ishaat.com

نے عصبہ کا حق خوشی سے نہیں دیا اور نوبت بعدالت پہنچی تب اس کا حق ملا۔ اور اس سے بڑھ کر خرابی یہ ہونے لگی کہ شریعت پر اعتراض کرنے لگے۔ ان بی بی کے ایک عزیز کہنے لگے۔ کہ یہ بھی کوئی بات ہے کہ ایک عصبہ دور کا ہے۔ ساری عمر اس نے مورث کی صورت بھی نہیں دیکھی اور نہ کوئی خدمت کی۔ اور مورث کے مرنے کے بعد بیوی سے زیادہ حصہ اس کو ہو گیا۔ میں نے کہا کہ بس زبان بند کرو۔ فرض کرو کہ تم اگر کسی نواب کے عصبہ ہو جاؤ اور عدالت فیصلہ کرے کہ شریعت کے موافق فرائض نکال کر ترکہ تقسیم کیا جائے۔ اور تم کو معلوم ہو جائے کہ میرا حق دس ہزار ہے۔ ہم تو جب جانیں کہ تم اپنا حق یہ کہہ کر چھوڑ دو کہ میں نے ساری عمر نواب صاحب کی کوئی خدمت بھی نہیں کی۔ میرا حق نہ ہونا چاہیے۔ نہیں اس وقت آپ یہ فرمائیں گے کہ قربان جایئے شریعت کے کہ کتنی دور کا لحاظ کیا۔ اور اس وقت اگر اس نواب کا کوئی وارث آپ سے وہی بات کہنے لگے کہ جو آج تم دوسرے عصبہ کے بارے میں کہہ رہے ہو تو لڑنے مرنے پر تیار ہو جاؤ اور عدالت میں فرائض پر فرائض نکلوا کر داخل کرو۔ اسی طرح آج کل جو رشوت کا بازار گرم ہے وہ بھی اسی اسراف ہی کی بدولت ہے۔

خرچ میں کفایت شعاری کی ضرورت

کیونکہ تنخواہ میں کفایت شعاری کر کے گزارہ کیا نہیں جاتا لمبے چوڑے خرچ اپنے ذمے بڑھا لیے ہیں جن کے لئے تنخواہ کافی نہیں ہوتی۔ اب خواہ مخواہ رشوت لینی پڑتی ہے۔ میں اکثر ان لوگوں کو کچھ نہیں کہتا ہوں جس کی تنخواہ دس روپے کی ہے اور خرچ بیس روپے کا ہے۔ اگرچہ جائز تو میں ان کیلئے بھی نہ کہوں گا اور ان سے بھی یہ کہہ سکتا ہوں کہ جہاں تک ہو سکے خرچ کو کم کرو۔ اگر کہیں یہ خرچ کم نہیں ہو سکتا بدون رشوت کے گزارہ مشکل ہے تو میں ان سے کہوں گا اگر یہ صورت ہو کہ حاکم تم پر ایک چپڑاسی مسلط کر دے کہ جب یہ شخص رشوت لے فوراً ہم کو اطلاع دو اور تم کو معلوم ہو جائے کہ حاکم نے میرے واسطے یہ انتظام کیا ہے تو اس وقت تم کیا کرو گے یقیناً رشوت نہ لو گے اور جس طرح بن پڑے گا تنخواہ ہی میں گزارہ کرو گے۔ تو سن لو کہ اب بھی ایک نگران تم پر موجود ہے اور وہ احکم الحاکمین کا مسلط کیا ہوا ہے۔ ان علیکم لحفظین کراما کاتبین یعلمون ماتفعلون۔ تمہارے اوپر بزرگ

Maktaba Tul Ishaat.com

فرشتے نگرانی کے واسطے مقرر کئے گئے ہیں جو تمہارے سب اعمال کو جانتے اور لکھتے رہتے ہیں اور روزانہ تمہاری رپورٹ خدا تعالیٰ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ تو کس قدر افسوس ہے کہ ایک دنیوی حاکم کی نگرانی سے تو تمہارے سب حیلے بہانے ختم ہو جاتے ہیں اور رشوت سے تم ہاتھ روک لیتے ہو۔ حالانکہ سارے خرچ اس وقت بھی موجود ہوتے ہیں اور حق تعالیٰ کی نگرانی کے خوف سے تم کچھ نہیں کرتے اپنی حالت کی اصلاح نہیں کرتے اور اسی طرح حیلے بہانے کئے جاتے ہو تو یہ سوال بالکل بیہودہ ہے کہ صاحب رشوت نہ لیں تو کیا کریں۔ اس کا ہمارے پاس وہی جواب ہے کہ وہ کرو جو حاکم کی نگرانی کے وقت کرتے ہو۔ اسی طرح بعض لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ قرض نہ لو تو کہتے ہیں بدون قرضہ کے کام نہیں چلتا میں کہتا ہوں کہ اگر کہیں سے قرضہ نہ ملے تو کیا کرو گے جو اس وقت کرو گے وہ آج ہی سے کر لو۔

غیر ضروری اشیاء

غرض جن کی آمدنی کم ہے۔ وہ یقیناً تو معذور نہیں ہیں۔ جیسا کہ ابھی معلوم ہوا مگر خیر وہ بظاہر معذور معلوم ہوتے ہیں۔ گو یہ عذر خدا تعالیٰ کے پاس نہ چل سکے گا۔ لیکن جن کی تنخواہ اور آمدنی وافر ہے ان کو کیا ہوا وہ کس لئے رشوت لیتے ہیں۔ ان کے پاس تو کوئی بھی جواب نہیں بجز اس کے کہ وہ اسراف ہی کرتے ہیں تو معلوم ہوا کہ رشوت کی بنا بھی اسراف ہی ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ صاحب ضرورت پڑتی ہے جبھی تو رشوت لیتے ہیں میں کہتا ہوں کہ ضرورت کی حقیقت ہی آپ نے نہیں سمجھی۔ سنئے ضرورت وہ ہے جس کے بدون ضرر اور تکلیف ہونے لگے۔ اب اس قاعدہ کو پیش نظر رکھ کر دیکھے کہ ضرورت کی چیزیں کتنی ہیں آپ اپنے اسباب کا جائزہ لیجئے تو بہت سی چیزیں آپ کو ایسی ملیں گی جن کے ہونے کی آپ کو خبر بھی نہ ہوگی۔ تو بھلا اس کو کون ضرورت مان لے گا۔ کہ ایسی چیزوں سے گھر بھر رکھا ہے جن کی بابت یہ بھی معلوم نہیں کہ ہماری ملک میں بھی ہیں یا نہیں حضرت ضرورت کی چیزیں آپ کو بہت کم ملیں گی اور باقی سارا گھر غیر ضروریات سے بھرا ہوا ملے گا۔ خوب کہا ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

حرص قانع نیست صائب ورنہ اسباب معاش ☆ آنچہ ما در کار داریم اکثرے در کار نیست

(حرص کی وجہ سے قناعت نہیں ورنہ اسباب معاش جو ہمارے پاس موجود ہیں ان میں سے اکثر ایسے جن کی ضرورت نہیں ہے)۔

مجھے سفر کے وقت اکثر یہ خیال آیا کرتا ہے کہ اے نفس ضرورت کی چیزیں تو بس اتنی ہیں جتنی اس وقت سفر میں ساتھ ہیں۔ کہ دو چار کپڑوں کے جوڑے ہیں۔ بستر اور لوٹا ہاتھ میں ہے۔ اب مجھے سفر کئے ہوئے دو ماہ ہوئے ہیں۔ ان چیزوں کی کچھ بھی ضرورت نہیں۔ جو گھر میں بھری ہوئی ہیں۔ بلکہ سفر میں بھی بعض چیزیں جو غیر ضروری معلوم ہوئیں تو گھر بھیج دی گئیں اور مجھ کو تو اس پر بھی شرم آتی ہے۔ کہ آلہ آباد سے بعض زائد چیزیں وطن واپس کر دی گئیں۔ لیکن میں کیا کروں میں تو بہت بچنا چاہتا ہوں کہ زیادہ بکھیڑا جمع نہ ہو۔ مگر حق تعالیٰ میرے پاس بہت کچھ بھیجتے ہیں میرے دوست احباب کے دلوں میں ڈالدیتے ہیں وہ بہت سی چیزیں بھیج دیتے ہیں جن کو واپس کرتا ہوں تو ان کا دل بہت برا ہوتا ہے لیکن میں اکثر اپنی مملوک چیزوں کا جائزہ لیتا ہوں اور غیر ضروری اشیاء کو نکالتا رہتا ہوں۔ مگر میرا مطلب یہ نہیں کہ اگر گھر میں کوئی چیز زیادہ ہو تو اس کو نکال کر پھینک دو بلکہ مقصود یہ ہے کہ اگر کوئی چیز اپنے پاس نہ ہو تو خدا کو ناراض کر کے مت لو بس تم اسی پر نفس سے صلح کر لو۔ یہ تم کر نہ سکو گے کہ ضرورت سے زیادہ کوئی شے نہ رکھو۔ مگر یہ کیا ستم ہے کہ خدا کو ناراض کر کے فضولیات سے گھر بھر لیا۔ ایک صاحب فخر کر کے کہتے تھے کہ میرے کوٹ کا کپڑا تو چار روپے والا ہے مگر سلائی کے سولہ روپے دیئے کیوں؟ اس لئے کہ فیشن ہے تو ایسے فیشن کی کیا ضرورت ہے۔ شعر گفتن چہ ضرور۔ شعر کہنا کیا ضرور ہے یعنی فیشن کی کیا ضرورت ہے۔ اس پر مجھے یاد آیا کہ فائق نے غالب کے پاس اپنی غزل بھیجی تھی۔ ایک شعر میں آپ نے لفظ ید کو مشدد کر دیا اور حاشیہ پر لکھ دیا کہ بضرورت شعر ایسا کیا گیا ہے۔ غالب بڑا مسخرہ تھا اس نے جواب میں دو شعر لکھے جس میں بہت سے مخففات کو مشدد کیا۔

چہ خوش گفت فائق شاعر غرا ☆ کہ کس ہمچو من ذہن رسا نباشد

فائق شاعر نے کیا اچھا کہا کہ میری مثل کوئی شخص ذہن رسا نہیں۔

Maktaba Tul Ishaat.com

چومقام ضرورت شعر افتد ☆ تشدید جائز چرانباشد

مقام ضرورت میں شعر کا اتفاق ہوتو تشدید کس لئے جائز نہ ہوگی۔

ہے تو ہنسی کی حکایت مگر اس نے ثابت کردیا کہ شعر گفتن چہ ضرورت جب شعر میں الفاظ بگڑتے ہوں تو ایسا شعر ہی کہنا کونسا فرض ہے اسی طرح میں کہتا ہوں کہ ایسے فیشن ہی کی کیا ضرورت ہے جس سے چار روپے کے کپڑے کی سلائی سولہ روپے دینے پڑے۔ خواہ مخواہ روپیہ برباد کرنا ہے۔ وہی مثل ہوگئی کہ دمڑی کی گڑیا ٹکا سر منڈائی کا۔ اب تو لوگ فیشن کو ایسا ضروری سمجھتے ہیں کہ چاہے کتنی ہی تکلیف ہو مگر فیشن کو نہیں چھوڑتے۔ ایک صاحب کہتے تھے کہ میں نے ریل میں ایک غریب آدمی کو دیکھا کہ سردی کے موسم میں صرف ایک گبرون کا کوٹ پہنے ہوئے تھے اور جنٹلمین بنے ہوئے سفر کررہے تھے۔ رضائی ساتھ لینا تو ان کو عار ہے جس کے لئے پرانے بزرگوں کا قول ہے۔

میفکن گول گرچہ عار آیدت ☆ کہ ہنگام سرما بکار آیدت

گدڑی کو مت پھینکو۔ اگرچہ تم کو عار ہی معلوم ہو اس لئے کہ وہ موسم سرما میں تمہارے کام آئے گی۔

غرض ان کے پاس اوڑھنے کے لئے کوئی کپڑا نہ تھا اور سردی میں ان کا برا حال تھا۔ مگر بہادری کی وجہ سے ظاہر نہ کرتے تھے۔ یہ تو تھا ہی اوپر سے یہ غضب ہوا کہ ایک اسٹیشن پر گاڑی ٹھہری تو کسی انگریز نے برف والے سے برف کا پانی مانگا۔ ان حضرت کو بھی تقلید کی سوجھی تو آپ نے بھی برف کا پانی لیکر پیا۔ اس کے بعد جو ان کو سردی لگی ہے تو برا حال تھا۔ تھر تھر کانپنے لگے۔ آخر مجھے رحم آیا تو میں نے اپنی رضائی ان کو دی اس کو اوڑھ کر ان کے حواس درست ہوئے۔

سفر میں ضروری سامان کی حاجت

ایک اور حکایت مجھ سے ایک مولوی صاحب نے بیان فرمائی ہے جو بہاولپور

Maktaba Tul Ishaat.com

ریاست میں ملازم ہیں وہ کہتے تھے۔ کہ میں بہاولپور سے وطن کو چلا چونکہ لمبا سفر اور گرمی کا موسم تھا۔ اس لئے میرے ساتھ صراحی وغیرہ پانی کے چند برتن تھے۔ جن میں اسٹیشن سے پانی بھروالیا تھا۔ جس گاڑی میں میں جا کر بیٹھا اس میں ایک صاحب جنٹلمین بھی سوار تھے۔ یہ لوگ عموماً پانی کا برتن ساتھ نہیں رکھتے۔ بس بیک بینی و دو گوش۔ ایک ناک اور دو کان یعنی بدون سامان ضروری کے سفر کرتے ہیں وہ صراحی کو دیکھ کر ان سے کہنے لگے کہ یہ کیا برتن ہے جیسے بھنگیوں کا برتن ہوتا ہے میں خاموش رہا۔ تھوڑی دیر میں ان صاحب کو بھی پیاس لگی۔ مگر شرم کے مارے مجھ سے پانی نہ مانگ سکتے تھے۔ کیونکہ تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ صراحی کو بھنگیوں کا برتن کہہ چکے تھے۔ لیکن پیاس کی وجہ سے بار بار صراحی کو تکتے تھے اور اس کے منتظر تھے کہ یہ سو جائے تو ہم پانی پئیں۔ میں بھی سمجھ گیا کہ ان کا یہ ارادہ ہے تو میں نے قصداً آنکھیں بند کرلیں اور اپنے کو سوتا ہوا بنالیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ان میں سے وہ صاحب تختہ پر سے اتر کو صراحی کے پاس آئے اور اس کو منہ لگا کر لگے پانی پینے میں خاموش پڑا رہا۔ جب وہ پانی پی چکے اور اٹھنے لگے۔ میں نے فوراً ہاتھ پکڑ لیا کہ کیوں صاحب آپ نے بھنگیوں کے برتن میں سے پانی کیوں پیا۔ آپ کو شرم و غیرت نہ آئی کہ ابھی تو آپ نے اس برتن پر اعتراض کیا تھا پھر خود ہی اس برتن کو منہ لگا کر پانی پی لیا۔ بس میرا یہ کہنا تھا کہ ان پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔ اور اب میں نے ان کو خوب ہی سنانا شروع کیا کہ بھلے مانس اتنا بھی فیشن پر عاشق نہ ہونا چاہیے کہ اگر کسی نے صراحی رکھ لی تو یہ کیا برائی ہے۔ اب تو آپ کو اس کی قدر معلوم ہوئی۔ مگر انہوں نے گردن تک نہ اٹھائی پھر جو یہ معلوم ہوا کہ میں بہاولپور ریاست مدرسہ کا پروفیسر ہوں پھر تو وہ بہت معافی چاہنے لگے کیونکہ ذرا معزز مولوی کے سامنے یہ لوگ بہت لچھتے ہیں ایسے ویسے کو یہ کچھ بھی نہیں سمجھتے۔ بس اس کی وجہ کیا تھی۔ وجہ اس کے سوا کچھ نہ تھی کہ انگریز صراحی نہیں رکھتے۔ اس لئے وہ انگریزی فیشن کے خلاف ہونے کی وجہ سے بری ہے۔ انا للہ۔

Maktaba Tul Ishaat.com

لارڈ ڈفرن کا اسلامی وضع کو پسند کرنا

مولوی عبدالجبار صاحب بردوانی لارڈ ڈفرن سے جب ملے ہیں تو وہ کہتے تھے۔ میں عبادہ غیرہ پہن کر ان سے ملنے گیا تھا تو وہ کہتے تھے کہ لارڈ صاحب نے میری عبا کا دامن پکڑا اور کہا کہ مولوی صاحب اس لباس میں آپ شہزادے معلوم ہوتے ہیں اور یہ بھی کہا کہ مولوی صاحب ہم تو اپنی قومی وضع سے مجبور ہیں مگر آپ کی قوم کو کیا ہوا کہ وہ اپنی راحت کی وضع چھوڑ کر ہماری وضع اختیار کرتے ہیں۔ میں نے لوٹ کر الہ آباد میں ایک وعظ میں کہا کہ جنٹلمینو! تمہارے لارڈ صاحب کا فتوی تو قابل تقلید ہے۔ اب لارڈ صاحب ہی کے فتوے سے اس انگریزی وضع کو چھوڑ دو۔ تو حقیقت یہ ہے کہ لوگ انگریزی وضع اس خیال سے اختیار کرتے ہیں کہ اس سے کچھ ہماری عزت ہوگی۔ مگر اس سے انگریزوں کی نظر میں اور ذلت ہوتی ہے۔ انگریز بھی اسی کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں جو اپنی اسلامی وضع میں ان سے ملے۔ پھر انگریزی وضع میں سراسر تکلیف کے سوا راحت کچھ بھی نہیں۔ آدمی اس میں سرے سے پیر تک بندھ جاتا ہے۔ دیکھئے مسلمانوں کی وضع بھی گو ایک مخصوص وضع ہے۔ مثلاً کرتہ، پاجامہ، ٹوپی، عمامہ، عبا وغیرہ۔ مگر ان میں سے لازم ملزوم ایک بھی نہیں۔ کسی وقت چاہے تو پاجامہ کی جگہ لنگی بھی باندھ سکتے ہیں اور دوسرا لباس بحالہ رہے۔ لیکن اگر کسی فیشن ایبل کا پتلون خراب ہو جائے تو ان سے کبھی ممکن نہیں کہ وہ کوٹ کے ساتھ لنگی باندھ سکیں۔ غرض سر سے پیر تک وہ لوگ مقید ہیں۔ پھر وہ آزاد کدھر سے ہیں۔ آزاد تو وہ ہے جو شریعت پر عمل کرے وہ کہہ سکتا ہے

زیر بارند درختاں کہ ثمرہا دارند ☆ اے خوشا سرو کہ از بند غم آزاد آمد

جو درخت کہ پھل رکھتے ہیں وہی زیر بار ہیں سرو کی خوش نصیبی کہ وہ بند غم سے آزاد ہے یعنی جو لوگ فیشن کے دلدادہ ہیں وہ بڑی تکلیف میں ہیں۔ شریعت پر عمل کرنے والا اچھا کہ ان تمام قیود سے آزاد ہے۔

اور باوجود اس بے قیدی کے اس میں ایک دلربائی اور دلفریبی بھی ہوتی ہے اسی کی نسبت کہتے ہیں۔

Maktaba Tul Ishaat.com

نوتعلیم حضرات کا جدید زیور

دلفریبان نباتی ہمہ زیور بستند ☆ دلبر ماست کہ باحسن خداداد آمد

(خودرو پودے زیور سے آراستہ ہیں ہمارے محبوب میں خداداد حسن ہے)

زیور بستند پر مجھے یاد آیا کہ ایک بی بی نے عجیب بات کہی کہ ان نوتعلیم یافتہ لوگوں نے عورتوں سے تو زیور چھڑا دیا۔ چنانچہ جنٹلمین لوگ اپنی عورتوں کو تاکید کرتے ہیں کہ میموں کی طرح بوچے کان رکھو۔ نہ بالی ہو نہ پتہ کچھ زیور نہ ہو اور سفید کپڑے پہنو تو عورتوں سے تو زیور چھڑا دیا۔ مگر اپنے لئے زیور تجویز کرلیا۔ دیکھئے ہمارا جھومر اتار کر اپنے لئے جھومر تجویز کیا کہ ترکی ٹوپی میں پھندنا لگاتے ہیں۔ اور ہمارا گلوبند اتار کر اپنے لئے ایک طوق تجویز کیا یعنی کالر اور اپنے کف تجویز کئے اور ہماری پہنچیاں اتروا کر اپنے پہنچے پر گھڑی باندھتے ہیں۔ اور اپنے لئے پیر کا زیور تجویز کیا کہ بائیسکل چلاتے وقت پاجامہ کی حفاظت کے لئے ایک لوہا باندھتے ہیں۔ کہنے لگیں کہ اچھا انصاف کیا عورتوں کو مرد بنایا اور خود عورت بننے لگے کہ خود عورتوں کی طرح مانگ پٹی بھی کرتے ہیں اور زیور بھی اپنے لئے طرح طرح کے تجویز کرتے ہیں اور عورتوں کو مرد بنانا چاہتے ہیں۔

مستورات کا جوہر

چنانچہ ہمارے نوجوان بھائی اس کی بھی فکر میں ہیں کہ عورتوں کا پردہ ٹوٹ جائے لیکن واللہ اگر پردہ ٹوٹ گیا تو وہ خرابیاں پیدا ہوں گی کہ پھر سر پکڑ کر روئیں گے۔ چنانچہ بعضے بے پردہ لوگوں میں ایسے واقعات رات دن ہوتے ہیں مگر ان کو تو شرم وحیا نہ ہوگی۔ مگر آپ کے یہاں تو شرم حیا کی بھی تعلیم ہے۔ فحش باتوں سے روکا گیا ہے۔ آپ پردہ توڑ کر کیونکر چین سے بیٹھ سکتے ہیں۔ پھر آپ پچھتائیں گے مگر اس وقت پچھتانا فضول ہوگا۔ آپ اس وقت ہزار کوشش کریں گے کہ پردہ کرائیں مگر پھر نہ ہو سکے گا۔ کیونکہ اس وقت تو عورتوں کے لئے پردہ طبیعت ثانیہ ہوگیا ہے۔ ان کو دنیا کی خبر ہی نہیں آزادی کی ہوا

Maktaba Tul Ishaat.com

ان کو لگی ہی نہیں اس لئے وہ بسہولت پردہ کی پابندی کر سکتی ہیں۔ مگر آزادی کی ہوا چند دن کھا کر پھر پردہ میں بیٹھنا ان کو محال ہوگا۔ اب تو ہمارے بزرگوں نے ان کے دلوں میں یہ رچا دیا ہے کہ عورت کی عزت پردہ ہی میں ہے۔ اس لئے وہ خوشی کے ساتھ اس قید کو گوارا کرتی ہیں۔ لیکن اگر یہ تعلیم ان کے دلوں سے نکال دی گئی اور یہ سمجھا دیا گیا کہ عزت اسی میں ہے کہ باہر پھرو تو پھر وہ قیامت تک پردہ کی مصیبت کو برداشت نہ کریں گی۔ صاحبو! عورتوں کا جوہر یہی ہے کہ ان کو اپنے گھر کے سوا دنیا کی کچھ بھی خبر نہ ہو۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نیک عورتوں کی تعریف میں فرماتے ہیں۔ الغافلات المؤمنات بھولی بھالی مسلمان عورتیں لوگ ان کو معذور اور اپاہج خیال کرتے ہیں کہ یہ بھی کوئی زندگی ہے کہ آدمی گھر کی چار دیواری میں قید رہے۔ مگر دیکھئے خدا تعالیٰ ان کے غافل اور بے خبر ہونے کو مدح کے موقع میں بیان فرماتے ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ بے خبر اسی وقت رہ سکتی ہے جب تک کہ وہ پردہ میں مقید ہیں۔ پردہ سے نکل کر تو وہ دنیا بھر سے خبردار ہو جائیں گی۔ اس پر مجھ کو بھائی کا مقولہ یاد آتا ہے۔ جب بعضی خاندان کی عورتوں نے ان سے کہا کہ بھلا دنیا میں یوں بھی کہیں ہوتا ہے تو انہوں نے کہا تم کیا جانو کہ دنیا کیا چیز ہے۔ بس میرا گھر دیکھ لیا بھائی کا گھر دیکھ لیا یہ دنیا ہوگئی۔ تو واقعی ان کو دنیا کی کیا خبر ہے۔

آج کل کے فیشن میں قید ہی قید ہے

غرض وہ بی بی کہنے لگیں کہ آجکل کے مردوں نے ہمارا زیور اتروا کر اپنے لئے یہ زیور نکالے واقعی عجیب نکتہ نکالا۔ مجھ کو یہ مضمون اس پر یاد آیا کہ آجکل کے فیشن میں سر سے پیر تک قید ہی قید ہے اور اسلامی وضع میں نہایت آزادی ہے کبھی لنگی باندھ لی کبھی پاجامہ پہن لیا اور اس طرز میں علاوہ آزادی کے دلفریبی اور سادگی بھی بہت ہے۔ وہ دلفریبی یہ ہے کہ جس کو متنبی کہتا ہے۔

حسن الحضارۃ مجلوب بتطریۃ ☆ وفی البداوۃ حسن غیر مجلوب

Maktaba Tul Ishaat.com

شہر والوں کا حسن بناؤ سنگار سے حاصل ہوتا ہے۔ اور دیہاتوں میں قدرتی حسن ہے۔ جو بناؤ سنگار سے حاصل نہیں کیا جاتا واقعی بات ہے کہ شہر میں تو بناؤ سنگار کا حسن ہے اور دیہات والوں میں سادگی کا حسن ہے اور بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ان فیشن والے لوگوں میں دور سے حسن معلوم ہوتا ہے اور پاس سے برے معلوم ہوتے ہیں اور سادہ وضع والے ایسے ہوتے ہیں کہ قریب سے دیکھئے تو ان میں اور زیادہ حسن معلوم ہوتا ہے۔ بشرطیکہ وہ نظافت اور صفائی کے ساتھ رہیں اور بعض لوگ ایسے ہی کہ وہ بین بین ہوتے ہیں۔ لا الیٰ ھؤ لا ولا الیٰ ھؤلاء نہ ادھر نہ ادھر۔ یعنی وہ کچھ تو پرانی وضع رکھتے ہیں اور کچھ نئی وضع رکھتے ہیں۔ یہ سب سے برے۔ بعضے لوگ لنگی باندھ کر اوپر سے ترکی ٹوپی پہنتے ہیں یہ تو بہت ہی برے معلوم ہوتے ہیں۔ غرض فیشن کوئی چیز نہیں ہے۔ اس بلا کو سر سے ٹالنا چاہئے۔ بس راحت کے اعتبار سے وہی پرانی واضع اچھی ہے۔ کانپور میں ایک صاحب مجھ سے ملنے آئے۔ میں مسجد میں بیٹھا پڑھا رہا تھا۔ اب بجائے اس کے کہ وہ میرے پاس آئیں باہر کھڑے رہے۔ کیونکہ سر سے پیر تک جکڑے ہوئے تھے۔ آئیں تو کس طرح آئیں۔ جوتا ہی اتارتے ہوئے گھٹنے لگتے۔ اس کے منتظر رہے کہ میں ان کے پاس جاؤں مگر مجھے کیا ضرورت تھی۔ غرض بہت دیر کھڑے رہ کر تنگ ہو کر چلے گئے اور میری شکایت کی کہ مجھ کو دیکھ لیا اور آئے نہیں اسی طرح میرے پاس ایک ایسے شخص آئے کہ جکڑے ہوئے تھے میں اس وقت مدرسہ میں تھا میرے پاس تک پہنچ گئے مگر بیٹھیں کس طرح اور میں کرسیاں ان کے واسطے کہاں سے منگاؤں اور اگر ان کو فرش پر بٹھلاؤں تو ان کو بیٹھنا مشکل بس بھد سے گر پڑے کہ ہاتھ پیر کہیں یہ بھی بہت غنیمت ہے کہ یہ لوگ کبھی کبھی ہم طالب علموں سے ملنے آجاتے ہیں۔ گو ہم ان کا احترام نہ کر سکیں۔ اور میں اپنی جماعت کو اکثر یہ بھی مشورہ دیتا ہوں کہ ایسے لوگ آئیں تو ان سے سختی نہ کریں۔ کیونکہ ان لوگوں سے دین کی طرف اتنی توجہ بھی غنیمت ہے۔ اور میں تو واللہ اس وقت بھی ذکر کرتے ہوئے شرماتا ہوں مگر کیا کروں اس فیشن اور اسراف کی بدولت اتنا ذکر آگیا۔ اور جن صاحب نے میری شکایت کی تھی کہ میں مولوی صاحب سے ملنے گیا تھا۔ انہوں نے بات

Maktaba Tul Ishaat.com

تک نہ پوچھی۔ انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ میں تو کوٹ پتلون میں مقید تھا۔ اس لئے اندر نہ جا سکا۔ مگر وہ بھی میرے پاس نہ آئے۔ میں نے سن کر کہا کہ میں بھی مقید تھا۔ میں اس وقت حدیث پڑھا رہا تھا، میں کیونکر آتا۔ حدیث کو چھوڑ کر اٹھنا بے ادبی تھی۔

گر دو صد زنجیر آری بگسلم ☆ غیر زلف آں نگار مقلبم

بجز اس محبوب کی زلف کے جو ہمارے روبرو ہے۔ اگر دو سو زنجیریں بھی لاؤ تو ان کو توڑ ڈالیں یعنی محبوب کو چھوڑ کو دوسرے کی طرف ہرگز توجہ نہ کریں گے۔

تمہیں غیروں سے کب فرصت ہے ہم اپنے غم سے کب خالی
چلو بس ہو چکا ملنا نہ ہم خالی نہ تم خالی

جن سے انہوں نے شکایت کی تھی۔ انہوں نے ان سے کہا کہ تم کو ایسی حالت میں جانا نہ چاہئے تھا۔ تو اس فیشن کی وجہ سے یہ قباحتیں ہوتی ہیں۔ اور یہ غضب اور بھی ہے کہ ایسے لوگ لباس خود نہیں پہن سکتے۔ ایک نوکر کرتہ پہنانے کو چاہئے ایک کرتہ اتارنے کو۔ غرض پوری طرح مجبور و مقید ہوتے ہیں۔

جدید فیشنوں میں اسراف کثیر

ایک صاحب جب بریلی میں اپنا دماغی علاج کرانے آئے تھے۔ اور میری قیام گاہ کے سامنے کے کمرہ میں ٹھہرے تھے۔ طبیبوں کو ان کے اصطلاحی مرض پر رحم آتا تھا۔ اور مجھے ان کے حقیقی مرض پر رحم آتا تھا۔ کہ وہ ہر وقت ہر حالت کے مناسب لباس ہی بدلتے رہتے تھے۔ اور اس مصیبت کی وجہ سے کئی روز تک وہ مجھ سے نہ مل سکے۔ کئی روز کے بعد ملے اور ذرا سادہ لباس میں ملے کہنے لگے کہ میرا جی بہت چاہتا تھا کہ آپ سے ملوں مگر فرصت نہیں ہوئی۔ میں نے کہا کہ واقعی میں بھی دیکھتا تھا کہ ہر وقت آپ پریشانی میں مبتلا تھے۔ خیر ان سب مصائب کو تو گوارہ کر لیا جائے مگر اس کو کیونکر گوارہ کیا جائے کہ اس فیشن کی بدولت مسلمانوں کا روپیہ بہت ضائع ہوتا ہے۔ اور میں مولویوں کو بھی کہتا ہوں کہ یہ سادہ پنے میں بھی بہت اسراف کرتے ہیں۔ مثلاً کپڑا تو بنایا پرانی ہی وضع کا مگر بنایا بہت قیمتی تو یہ بھی اسراف میں مبتلا ہے۔ کیونکہ انہوں نے قیمتی کپڑے کی ہوس میں خدا کے مال کو اڑایا۔

Maktaba Tul Ishaat.com

اور بعض لباس مولویوں میں بھی ایسے رائج ہو گئے ہیں جو ضرورت سے زیادہ ہیں۔ مثلاً بہت سے لوگ صدری پہنتے ہیں۔ میری سمجھ میں آج تک اس لباس کی کوئی حکمت نہیں آئی۔ اکثر دوستوں سے پوچھا کرتا ہوں کہ تم نے صدری کیوں پہنی کسی نے آج تک مجھے اس کا سبب زینت کے سوا کچھ نہیں بتلایا۔ ایک طالب علم صدری پہن کر میرے پاس آئے میں نے ان سے کہا کہ تم صدری کو کرتہ کے نیچے پہن لو اب بھی کم نظر نہ آئے گی۔ کچھ نہیں یہ محض ایک تاویل تھی اور اصل وجہ وہی زینت ہے بعضے گھڑی وغیرہ رکھنے کے لئے صدری پہنتے ہیں۔ مگر اس کا بھی علاج آسان یہ ہے کہ کرتہ میں اندر جیب لگوائی جائے یا صدری ہی نیچے پہن لی جائے۔ مگر اس صورت میں زینت تو نہ ہوگی۔ اور بعضے صدری میں بھی یہ غضب کرتے ہیں کہ آگے پیچھے دو قسم کا کپڑا لگاتے ہیں۔ جیسے جنظلمیوں کی عادت ہے۔ سو طالب علموں کو کیا ہوا کہ وہ انگریزی خوانوں کی وضع اختیار کرتے ہیں۔

لباس میں اسراف

حدیث میں ہے جس شخص میں جو صفت نہ ہو اس کو ظاہر کرنے والا ایسا ہے جیسے دو کپڑے جھوٹ کے پہننے والا اس کی ایک تفسیر تو ظاہر ہے کہ اس نے دو کپڑے یعنی لنگی چادرہ جھوٹ کی پہن لی۔ یعنی سراسر جھوٹ ہو گیا۔ اور ایک تفسیر یہ بھی ہے کہ کپڑا تو ایک ہو مگر معلوم دو ہوتے ہیں۔ جیسے اس میں دوسرے کپڑے کا ایسے طور پر جوڑ لگایا جس سے یہ دھوکا ہوتا ہو کہ شاید دو کپڑے پہنے ہیں۔ لیکن اگر کپڑا اتروا کر دیکھو تو نیچے کچھ بھی نہیں۔ اتروا کر دیکھنے پر یاد آیا کہ ایک منشی عمامہ خراب باندھتے تھے۔ اور دوسرے منشی اچھا باندھتے تھے۔ حاکم نے ایک روز ان سے کہا کہ یہ کیا بات ہے کہ تم خراب عمامہ باندھتے ہو۔ آخر یہ دوسرے منشی بھی تو ہیں دیکھو یہ کیسا عمامہ باندھتے ہیں۔ ان منشی صاحب نے کہا کہ حضور یہ لوگ اپنی بیبیوں سے بندھوا کر آتے ہیں۔ اور میں خود اپنے ہاتھوں سے باندھتا ہوں۔ اس وجہ سے ان کے عمامے خوبصورت بندھے ہوئے نظر آتے ہیں اور اگر آپ کو میرا اعتبار نہ آئے تو سب کو حکم دیجئے کہ اپنے اعمامے کھول کر آپ کے سامنے باندھیں۔ چنانچہ حاکم نے سب کے عمامے

Maktaba Tul Ishaat.com

کھلوا کر حکم دیا کہ ہمارے سامنے باندھو دوسرے منشی اس کے عادی تھے کہ سامنے آئینہ رکھ کر عمامہ باندھتے اور بار بار اسکو کھولتے درست کرتے تھے۔ اس وقت چونکہ آئینہ ان کے سامنے نہ تھا۔ اس لئے ویسا نہ باندھ سکے جیسا کہ روزانہ باندھ کر آیا کرتے تھے۔ اور پہلے منشی نے اپنا عمامہ کھول کر ویسا ہی باندھ لیا۔ جیسا کہ ہمیشہ باندھتے تھے۔ اس وقت آئینہ دیکھنے والوں کو بڑی خفت ہوئی۔ حاکم نے کہا منشی سچ کہتا ہے کہ تم لوگ اپنی بیبیوں سے عمامے بندھوا کر آتے ہو تو جو لوگ تکلف کرتے ہیں کبھی ان کی حقیقت معلوم ہو جاتی ہے۔ سو ایک صورت یہ بھی ثوبی زور (دو کپڑے جھوٹ کے) میں داخل ہے کہ صدری آگے سے اور طرح کی اور پیچھے سے اور طرح کی یہ بھی ان لوگوں سے کہہ رہا ہوں جو کہ پرانی وضع کے پابند ہیں اور پھر ان تکلفات اور خرافات میں مبتلا ہیں تو اب ہر شخص کو دیکھنا چاہئے کہ فضول خرچی لباس میں کس کس طرح سے ہوتی ہے۔ اور یہ سب اسراف ہی میں داخل ہے جس سے بچنا چاہئے اور فضول خرچی کچھ لباس کے ساتھ مخصوص نہیں۔ دوسری اشیاء میں بھی ہوتی ہے۔ مثلاً برتن وغیرہ برتنے کے آلات بعض لوگ شیشے چینی کے خریدتے ہیں۔ ان میں تمام روپیہ برباد ہوتا ہے اگر ایک شخص پانچ سو روپے کماتا ہے تو مشکل سے پچاس روپے اس کے کام آتے ہیں اور باقی سب یونہی برباد ہو جاتے ہیں کہ آج شیشے کے برتن خریدے جا رہے ہیں۔ کل چینی کی رکابیاں آ رہی ہیں۔ بھلا شیشے کے برتن میں کھانے کی کیا ضرورت ہے۔ سب سے اچھا برتن تانبے کا ہے اگر ٹوٹ بھی جائے تو آدھی قیمت تو وصول ہو سکتی ہے۔ اور چینی اور شیشے کے برتن جہاں ٹوٹے اسی وقت سارا روپیہ مٹی میں مل جاتا ہے۔ اور آجکل ایک نئی چیز اور نکلی ہے تام چینی وہ تو نہایت ہی مہمل ہے۔ خصوصاً جہاں اس کا روغن اترا پھر تو اس میں کھانا خراب ہو جاتا ہے۔ اور اس کے علاوہ آج کل عجیب عجیب قسم قسم کے کھیل نکلے ہیں کہ ان میں بھی مسلمانوں کا روپیہ بہت ضائع ہوتا ہے کہ پیسہ کی چیز اور چار آنہ قیمت بھلا ان فضولیات میں روپیہ ضائع کرنا کونسی عقلمندی ہے۔ یورپ والوں نے ان خرافات کے ذریعہ سے ہندوستانیوں کا روپیہ خوب کھینچا ہے اور یہ ہندوستانی ایسے بیوقوف

Maktaba Tul Ishaat.com

ہیں کہ ان کو روپیہ کا درد بھی نہیں ہے اور میں زیادہ شکایت ان لوگوں کی کرتا ہوں جن کے پاس وسعت کم ہے اور وہ قرض ادھار کر کے مصیبت میں پھنستے ہیں۔ بس اجمالاً تو میں نے بتا دیا کہ مسلمان آج کل کس قدر اسراف میں مبتلا ہیں اور اس کی بدولت وہ کس مصیبت میں گرفتار ہیں کہ خاندان کے خاندان تباہ ہو گئے۔ اب یہ دیکھنا چاہئے کہ اسراف کی حقیقت کیا ہے اور اس کے درجے کس قدر ہیں کیونکہ اسراف کے مدارج مختلف ہیں۔ پس میرے بیان پر اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ کیا سب کے سب گاڑھے کا کپڑا پہنا کریں تو وہ شبہ اسراف کے مدارج سننے کے بعد رفع ہو جائے گا۔

اسراف کی حد حقیقی

اسراف کی حد حقیقی تو یہ ہے کہ التجاوز علی الحد الشرعی حد شرعی سے آگے بڑھنا اس تعریف سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ اسراف مال ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ سب کو عام ہے۔ یعنی غیر اموال میں بھی اسراف ہوتا ہے مگر میں اس وقت اسراف فی الاموال (مالوں میں فضول خرچی کرنا) ہی کو بیان کر رہا ہوں۔ تو شریعت کی حد سے تجاوز کرنا یہ ہے اسراف مگر جب تک شریعت کی حدود نہ معلوم ہوں اس وقت تک اس کی پوری حقیقت معلوم نہیں ہو سکتی کیونکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک کپڑا میں پہنوں تو میں مسرف (فضول خرچ) ہوں اور نواب رامپور پہنیں تو وہ مسرف نہیں۔ مثلاً دس روپے گز کا کپڑا پہننا نواب صاحب کے لئے اسراف نہیں کیونکہ ان کے نزدیک دس روپے کی حقیقت اتنی ہے جتنی ہمارے نزدیک دس کوڑیوں کی ہے تو ایک اسراف تو ایسا ہے جو ہر شخص کی حالت اور وسعت کے تابع ہے اور ایک اسراف وہ ہے جو کسی کی حیثیت کا تابع نہیں دوسری عبارت یوں سمجھئے کہ ایک اسراف عام ہے جو ہر شخص کے لئے اسراف ہے اور ایک اسراف خاص ہے کہ وہ بعضوں کے حق میں اسراف ہے اور بعضوں کے حق میں اسراف نہیں۔ اسراف عام تو یہ ہے کہ جس چیز کی شریعت میں صریح ممانعت ہر مسلمان کے لئے آئی ہو۔ اس کا مرتکب ہونا مثلاً مرد کے لئے چار انگل سے زیادہ ریشمی کپڑا جائز نہیں یا اتنا نیچا پاجامہ

Maktaba Tul Ishaat.com

جس سے ٹخنے ڈھک جائیں مرد کیلئے حرام ہے۔ اس کی صریح ممانعت آگئی ہے۔ اس کا ارتکاب ایک نواب بھی کرے گا تو وہ مسرف ہے اور غریب تو بدرجہ اولیٰ ہاں چار انگل تک ریشم مرد کو بھی جائز ہے۔ اور اگر اس سے زیادہ ہو لیکن اس میں فرجات ہوں یا تانا بانے میں یہ اختلاف ہو کہ تانا ریشم اور بانا سوت ہو وہ بھی جائز ہے۔ اس کے علاوہ نہیں اور یہاں ایک نکتہ صاحب ہدایہ نے لکھا ہے اس کو بھی سمجھ لینا چاہئے۔ اول اجمالاً یوں سمجھ لیجئے کہ ریشم کی تھوڑی سی اجازت شریعت نے اس لئے دی ہے کہ حضور ﷺ جانتے ہیں کہ ہماری امت میں نواب بھی ہوں گے وہ ریشم پہننا چاہیں گے۔ اگر اس میں بالکل تنگی کی گئی تو وہ حرام کے مرتکب ہوں گے۔ اس لئے اس قدر گنجائش رکھ دی گئی مگر علت کا مقتضا یہ ہے کہ تھوڑا سا ریشم پہننا مباح ہے اور کوئی ثواب اس پر نہ ملے گا۔

صاحب ہدایہ کا عجیب نکتہ

لیکن صاحب ہدایہ نے جو نکتہ لکھا ہے وہ ایسا ہے کہ اگر اس سے کام لیا جائے تو کسی قدر ریشم پہننا طاعت بھی ہو جائے گا اور اس نیت سے ریشم پہننے پر ثواب ملے گا۔ چنانچہ فرماتے ہیں لیکون انموذ جالحریر الجنة یعنی قدر قلیل حریر کی اجازت اس لئے دی گئی تا کہ اس کو دیکھ کر حریر جنت یاد آئے اور اس کی تحصیل کی کوشش کریں۔ اب اگر کوئی اس نیت کو کام میں لائے اور ریشم کا استعمال حریر جنت کا نمونہ سمجھ کر کرے اس کو ضرور اس نیت پر ثواب ملے گا۔ سو واقعی صاحب ہدایہ نے کیسا عجیب نکتہ بیان فرمایا جس سے ایک مباح کو طاعت بنانے کا طریقہ بتلا دیا پھر یہ نکتہ حریر ہی کے ساتھ خاص نہیں اس سے تمام نعمتوں میں کام لیا جا سکتا ہے۔ آپ ایک لذیذ کھانا اپنی حیثیت کے موافق کھائیں تو اس کا کھانا صرف مباح ہے اور اس حیثیت سے کھائیں کہ یہ نعماء جنت کا نمونہ ہے اس سے آخرت کی طرف رغبت ہوتی ہے تو اس میں ثواب بھی ملے گا حقیقت میں فقہا اور صوفیہ حکماء امت ہیں اور آج کل چاہے کوئی کتنا پڑھ لے مگر وہ بات کہاں سے لائیگا جو ان حضرات میں تھی خوب کہا ہے ؎

Maktaba Tul Ishaat.com

شاہد آں نیست کہ موی ومیانے دارد ☆ بندہ طلعت آں باش کہ آنے دارد

محبوب وہ نہیں جس کے بال عمدہ کمر پتلی ہو بلکہ محبوب وہ ہے جو ایک آن اور ادا رکھتا ہو جو محبوب اور دلکش ہوتی ہے۔ اور یہ کہ

نہ ہر کہ چہرہ برافروخت دلبری داند ☆ نہ ہر کہ آئینہ دارد سکندری داند

جو شخص بھی چہرہ کو برافروختہ کرلے انہیں لازم ہے کہ اس میں دلبری کی شان ہو جیسے جو شخص بھی آئینہ بنانا جانتا ہو ضروری نہیں کہ سکندری بھی جانتا ہو۔

ہزار نکتہ باریک تر زمواییں جاست ☆ نہ ہر کہ سر بتر اشد قلندری داند

سر منڈوانے سے قلندر نہیں ہوتا بلکہ اس جگہ ہزاروں نکتے بال سے زیادہ باریک ہیں۔

محقق کی شان

یہ بات نہیں کہ جو کوئی کتابیں پڑھ لے وہ محقق ہو جائے اور خدا تعالیٰ نے اس امت میں ہر زمانے کے اندر محقق پیدا کئے ہیں ان کی یہ شان ہوئی ہے کہ کتابیں پڑھنے والے ان کے برابر نہیں ہو سکتے نہ کوئی ان کے ساتھ مزاحمت کر سکتا ہے اور وہ وہاں پہنچتے ہیں جہاں کوئی نہیں پہنچتا اسی کو کہتے ہیں

بنی اندر خود علوم انبیاء ☆ بے کتاب و بے معین واستاد

بلا واسطہ کتاب و معین واستاد اپنے اندر انبیاءؑ جیسے علوم پاوے گے۔

کہ نہ ان کو استاد کی ضرورت ہے نہ کتاب کی مگر علوم کا دریا بلا واسطہ قلب پر موجزن ہے۔ لوگ غزالیؒ اور رازیؒ کو یاد کرتے ہیں۔ مگر آج بھی غزالی اور رازی موجود ہیں لیکن لوگ ان کی قدر نہیں کرتے۔ حالانکہ ان کی قدر زیادہ کرنی چاہئے کیونکہ جتنا نفع ہم کو ان سے ہو سکتا ہے غزالی اور رازی سے ہم کو نہیں ہو سکتا۔

حضرت مولانا گنگوہیؒ کی شیخ سے محبت

حضرت مولانا گنگوہی فرماتے تھے کہ اگر ایک مجلس میں جنید بغدادیؒ اور ہمارے حضرت حاجی صاحبؒ مجتمع ہوں تو ہم تو جنیدؒ بغدادی کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیں بس

Maktaba Tul Ishaat.com

ہم تو حاجی صاحب ہی کو دیکھتے رہیں گے۔ ہاں حاجی صاحب اگر چاہیں تو حضرت جنیدؒ کی طرف دیکھیں وہ ان کے لئے جنید ہو سکتے ہیں۔ ہمارے جنید تو حاجی صاحب ہی ہیں۔

صاحبو! قدر دان لوگ ایسے ہوتے ہیں۔ مگر آج کل ایسا مذاق بگڑا ہے کہ اپنے زمانے کے مشائخ و علماء کی لوگ قدر نہیں کرتے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ بعض لوگ تو عوام کے عالم ہوتے ہیں عوام کو ان سے ہی نفع پہنچ سکتا ہے اور بعضے لوگ خواص کے ہیں ان سے خواص ہی کو نفع ہو سکتا ہے عوام کو نہیں تو جنیدؒ اور غزالی سے عوام کو نفع کم ہوتا ہے کیونکہ وہ ان کو سمجھ نہیں سکتے۔ ہاں خواص کو ان سے نفع ہوتا ہے پس عوام کو تو اپنے زمانے کے مشائخ سے منتفع ہونا چاہئے اور وہ مشائخ جنیدؒ اور غزالیؒ کے علوم سے نفع حاصل کریں۔ غرض اس نظر سے اگر کوئی ریشم پہنے گا اس کو ثواب ملے گا۔ حضرت حاجی صاحب بھی بعض بزرگوں کے خوش ذائقہ اور لذیذ غذائیں کھانے کا یہی نکتہ نظر فرمایا کرتے تھے کیونکہ بعضے بزرگ بہت اچھا کھاتے پہنتے ہیں جس سے ظاہر بینوں کو شبہ ہو جاتا ہے کہ یہ کیسے بزرگ ہیں یہ تو بڑے عیش میں رہتے ہیں کہ دنیادار بھی ایسی عیش میں نہیں۔

حضرت غوث اعظمؒ کا لذیذ کھانوں کے استعمال کا سبب

حضرت غوث الاعظمؒ کی خدمت میں ایک بڑھیا نے اپنے لڑکے کو سپرد کیا کہ حضرت اس کو بھی اللہ کا رستہ بتادو۔ حضرت نے اس کو حمام کی خدمت سپرد کی اور دونوں وقت جو کی ایک موٹی روٹی اس کو ملا کرتی تھی۔ ایک دن بڑھیا اپنے لڑکے کو دیکھنے آئی دیکھا کہ جو کی روٹی روکھی کھا رہا ہے اور حضرت غوث اعظمؒ کو دیکھا کہ مرغ پلاؤ کھا رہے ہیں وہ بڑھیا کہنے لگی کیا انصاف ہے کہ آپ خود تو مرغے کھا رہے ہیں اور میرے بیٹے کو جو کی روٹی ملتی ہے۔ حضرت نے مرغ کی سب ہڈیاں جمع کر کے فرمایا قم باذن اللہ (اللہ کے حکم سے) کھڑا ہو جا۔ آپ کی دعا سے وہ مرغ زندہ صحیح وسالم کھڑا ہو گیا آپ نے فرمایا کہ بڑی بی جس دن تیرا بیٹا اس قابل ہو جائے گا اس وقت وہ بھی مرغے کھایا کرے گا۔ باقی ابھی تو وہ جو کی روٹی ہی کے قابل ہے۔ یہ جواب اس بڑھیا کی فہم کے موافق تھا ورنہ حقیقی جواب یہی تھا کہ

Maktaba Tul Ishaat.com

جو ہمارے حضرت حاجی صاحبؒ نے دیا ہے کہ حضرت غوثؒ جو لذیذ کھانے کھاتے تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کو اس میں نعمائے جنت کا عکس نظر آتا تھا اور صاحب ہدایہ کا یہ نکتہ محض نکتہ ہی نہیں بلکہ اس کی اصل اس سے نکلتی ہے کہ قرآن شریف میں جا بجا ذکر ہے کہ جنت میں سونے چاندی کے زیور اور انار انگور وغیرہ کے پھل ملیں گے۔ اسی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ دنیا کے انگور و انار میں اور آخرت کے انگور و انار میں صرف نام کا اشتراک ہے۔ اور یہ محض نمونہ ہیں آخرت کی نعمتوں کا ورنہ اس کی حقیقت اور ہے اور اس کی حقیقت اور مگر ان ناموں سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ ان کی مناسبت سے ان کی رغبت ہو۔

حضرات عارفین کے لذائذ کے استعمال میں نیت

خلاصہ یہ کہ اس کھانے میں دو حیثیتیں ہیں ایک یہ کہ وہ اس عالم کی چیز ہے دوسرے یہ کہ وہ اس عالم کی چیز ہے۔ یعنی وہاں کے کھانے کا نمونہ ہے تو پہلی حیثیت سے استعمال کرنا مباح اور دوسری حیثیت سے استعمال کرنا طاعت اور موجب ثواب ہے اور ایک صورت میں پہلی حیثیت سے استعمال کرنا بھی ثواب ہے وہ یہ کہ اس وجہ سے ان کو استعمال کرے کہ ہم ان کے محتاج ہیں ان کے استعمال کرنے سے ہماری احتیاج ظاہر ہوتی ہے تو اس صورت میں تمام نعمتیں اس عالم کے جزو ہونے کے اعتبار سے بھی مطلوب ہیں اور حضرات عارفین کو اسی طرح اپنے نفس کے اندر بھی دو اعتبار نظر آتے ہیں ایک یہ کہ وہ ہمارا نفس ہے۔ اس جہت سے وہ اس کی خدمت نہیں کرتے دوسرے یہ کہ وہ خدا کی چیز ہے۔ سرکاری مشین ہے اس جہت سے ان کو اپنے نفس سے بھی محبت ہوتی ہے اور اسی جہت سے وہ اس کی خدمت بہت کرتے ہیں۔

نفس کا حق

ایک بزرگ شاہ جہاں کے پاس بیٹھے تھے۔ ذرا دیوار جھکی تو فوراً ہٹ گئے بادشاہ بھی بعد میں ہٹے۔ تو ان سے شکایت کی کہ آپ کو اپنی جان کی فکر پڑ گئی میرا کچھ خیال نہ ہوا فرمایا کہ واقعی یہی بات ہے کیونکہ تم مر جاتے تمہارا بیٹا تمہاری جگہ کام کرتا مگر میں مر جاتا تو

Maktaba Tul Ishaat.com

میری جگہ کون دین کا کام کرتا۔ غرض یہ حضرات اس لئے اپنی جان کی قدر کرتے ہیں کہ وہ سرکاری چیز ہے اور سرکاری چیز کی نگہبانی اور قدر لازمی ہے۔ اگر کوئی شخص سر میں تیل اس لئے لگائے کہ یہ سرکاری مشین ہے اگر اس کو تیل نہ دوں گا خراب ہو جائے گی پھر سرکار ناراض ہوں گے۔ تو اس کو تیل لگانے میں بھی ثواب ہے اور اگر محض یہ نیت ہے کہ مجھے اس سے آرام ملے گا اس نیت سے ثواب نہ ملے گا اور اسی نسبت پر اس حدیث کو محمول کر سکتے ہیں۔ **ان لنفسک علیک حقا ان لعینک حقا** (**مسند احمد ۶:۲۶۸، المستدرک للحاکم ۴:۶۰**) (یعنی تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے اور تمہاری آنکھوں کا بھی تم پر حق ہے) یعنی یہ سب چیزیں خدا تعالیٰ کی ہیں تمہارے پاس بطور امانت کے ہیں۔ ان کا حق ادا کرنا تمہارے ذمہ خدا نے فرض کیا ہے تو خدا کی چیز سمجھ کر ان کا حق ادا کرو۔ اس صورت میں تم کو سونے میں کھانے پینے میں بھی ثواب ملے گا۔ اسی مضمون کو کسی نے نظم کیا ہے ؎

نازم بچشم خود کہ جمال تو دیدہ است ☆ فتم بپائے خود کہ بکویت رسیدہ است

(اپنی آنکھوں کی وجہ سے مجھ کو ناز ہے کہ انہوں نے آپ کے جمال کو دیکھا ہے اور اپنے قدموں سے مجھ کو محبت ہے کہ انہوں نے آپ کے کوچہ کا شرف حاصل کیا ہے)

ہر دم ہزار بوسہ زنم دست خویش را ☆ کو دامنت گرفتہ بسویم کشیدہ است

(یعنی ہر دم اپنے ہاتھوں کو ہزاروں بوسے دیتا ہوں اس لیے کہ اس نے محبوب کا دامن پکڑ کر اس کو میری طرف کھینچا ہے۔)

چار انگشت حریر کا استعمال جائز ہے

یعنی چونکہ ان ہاتھوں پیروں سے خدا کی اطاعت کے کام ہوئے ہیں اور اس اطاعت سے قرب الٰہی میسر ہوا ہے اس حیثیت سے ان کو اپنی جان کے ساتھ اپنے اعضا کے ساتھ محبت ہوتی ہے اور خدا کی تمام نعمتوں کو بھی وہ اسی حیثیت سے محبوب رکھتے ہیں۔ اس لئے یہاں تھوڑا سا حریر جائز کر دیا جس کی مقدار شریعت نے چار انگشت رکھی ہے اس سے زیادہ خود کے لئے بھی ناجائز ہے اور بچوں کو پہنانا بھی ناجائز ہے ہاں لڑکیوں کے لئے

Maktaba Tul Ishaat.com

جائز ہے۔ غرض ایک اسراف تو یہ ہے کہ ایسا لباس پہنا جائے جس کو شریعت نے صراحۃً حرام کیا ہو اس پر بعض لوگ شبہ کرتے ہیں کہ اس کی کیا وجہ کہ بھاگلپوری ٹسر جو کہ کم قیمت ہے وہ تو ناجائز ہے اور اونی کپڑے بعض بڑے قیمتی ہیں وہ جائز ہیں۔ اس شبہ کا منشا ہے کہ ان لوگوں نے اپنی طرف سے یہ ایک بات تراش لی کہ ریشم زیادہ قیمت ہونے کی وجہ سے ناجائز ہوا۔ حالانکہ یہ وجہ نہیں ہے اور نہ ہمارے ذمہ یہ واجب ہے کہ اس کی وجہ بیان کریں کہ شریعت نے ریشم کیوں حرام کیا۔

ہمارا مذہب تو یہ ہونا چاہئے کہ ؎

زبان تازہ کردن باقرار تو ☆ نیگیختن علت از کار تو

زبان سے اقرار کرنا چاہئے کوئی علۃ تلاش نہ کرنی چاہئے۔

دین میں شبہات پیدا ہونے کا سبب

ہم کو احکام شرعیہ کی تعمیل محض اس وجہ سے کرنی چاہئے کہ خدا کا حکم ہے۔ علت دریافت کرنے کے درپے نہ ہونا چاہئے۔ صاحبو! حکام کے لئے گورنمنٹ کا یہ قانون ہے کہ پھل وغیرہ ڈالی میں لینا رشوت نہیں۔ اگرچہ وہ دس بیس روپے کی قیمت کے ہوں اور ایک روپیہ لینا رشوت ہے آخر یہ کیا بات ہے۔ یہاں آپ کو شبہ کیوں نہیں ہوتا آپ کہیں گے کہ ضابطہ یہی ہے تو میں بھی کہوں گا کہ ضابطہ وہی ہے کہ ریشم نہ پہنو اور اونی کپڑا پہنو اور اونی کپڑا پہن سکتے ہو۔ اگرچہ ریشم کی قیمت کم ہو اور اون کی زیادہ۔ میں نہایت افسوس کے ساتھ پھر کہوں گا کہ ہمارے بھائی دین میں آکر بھولے ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ اس کی نظائر دنیوی قوانین میں رات دن وہ مشاہدہ کرتے ہیں۔ مگر وہاں کسی کو کچھ شبہ نہیں ہوتا۔ سارے شبہات دین ہی میں پیدا ہوتے ہیں۔ واقعی بات یہ ہے کہ حضور ﷺ کا تعلق ہم کو مفت میں مل گیا۔ اس کے لئے کچھ رقم صرف کرنی نہیں پڑی اس کی قدر نہیں۔ اگر حضور ﷺ کے ساتھ تعلق پیدا کرنے کے لئے کم از کم مڈل پاس کرنا بھی ضروری ہوتا یا مولوی ہونے کی شرط ہوتی تب قدر ہوتی اب تو مفت میں لا الہ الا اللہ پڑھ لیا اور آغوش میں پہنچ گئے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

مسلمان ہوگئے۔ اب شریعت کے احکام کی کیا قدر ہو۔ تو جو چیز سستی ملتی ہے اس کی یہ حالت ہوتی ہے۔

ہر کہ او ارزاں خرد ارزاں دھد ☆ گوہر طفلے بقرص نان دھد

(جو شخص کسی چیز کو ارزاں لیتا ہے وہ ارزاں دیتا ہے اس کی قدر نہیں کرتا۔ چنانچہ بچہ نادان قیمتی موتی کو ایک قرص نان کے عوض میں دے دیتا ہے۔)

اس پر گویا حق تعالیٰ کی طرف سے شکایت ہوسکتی ہے کہ ہم نے اتنی بڑی دولت تم کو مفت دیدی تھی مگر تم نے اس کی یہ ناقدری کی کہ دنیاوی قوانین سے بھی اس کی وقعت کم کر دی اسی کو فرماتے ہیں۔

اے گر انجاں خوارستی مرا ☆ زانکہ بس ارزاں خریدستی مرا

(اے کاہل تو نے مجھ کو بے قدر سمجھ رکھا ہے وجہ یہ ہے کہ میں تجھ کو مفت میں مل گیا ہوں۔ تو حضور ﷺ آپ کو مفت مل گئے ہیں۔ اس لئے آپ کے احکام کی قدر نہیں کی جاتی۔)

مفت کی قدر نہیں ہوتی

حضرت ابراہیم ابن ادہمؒ کے سامنے جب کوئی فقر و فاقہ کی شکایت کرتا تو آپ بڑے خفا ہوتے اور فرماتے کہ میاں اس کی قدر ہم سے پوچھو کہ سلطنت بلخ دے کر ہم نے اس کو مول لیا ہے۔ تم کو گھر بیٹھے یہ دولت مل گئی ہے اس لئے اس کی ناقدری کرتے ہو اسی طرح ہم کو حضور ﷺ کی قدر نہیں ہے۔ جبھی تو احکام شرعیہ میں یہ مین میکھ نکالے جاتے ہیں لیکن حضور ﷺ سے تو کچھ پوچھ نہیں سکتے کہ آپ نے ایسے احکام کیوں مقرر فرمائے کیونکہ حضور ﷺ کی تو شان ہے ؎

درپس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند ☆ آنچہ استاد ازل گفت بگو میگویم

(یعنی میں اپنی طرف سے باختیار خود کوئی بات نہیں کہتا بلکہ جو کچھ خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ کہو وہی کہتا ہوں۔)

ما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحٰی آپ جو کچھ فرماتے ہیں وہ حق

Maktaba Tul Ishaat.com

تعالیٰ کا حکم ہے اس لئے آپ سے پوچھنے کا تو کسی کو کچھ حق نہیں۔

علماء سے اسرار و علل احکام دریافت کرنا مناسب نہیں

ہاں اللہ میاں بہت جلد ملیں گے خواہ خوش ہو کر یا ناراض ہو کر اس وقت پوچھ لینا۔ جیسے دلی میں ایک دیہاتی گیا تھا اور وہ بادشاہ کے درشن کرنا چاہتا تھا۔ ایک شخص نے اس کو یہ تدبیر بتلائی کہ تو کسی حرام کا ارتکاب کر لے سپاہی تجھے پکڑ کر بادشاہ کے پاس پہنچا دیں گے چنانچہ اس بیوقوف نے ایسا ہی کیا کہ کسی بھلے مانس آدمی کے چار جوتے لگا دیئے۔ بس اب کیا تھا ہتک عزت کا مقدمہ اس پر دائر ہو گیا اور شاہی عدالت میں حاضر کیا گیا بادشاہ کے درشن تو ہو گئے مگر اس صورت سے کہ آپ مجرم تھے اور بادشاہ ناراض۔ اسی طرح حق تعالیٰ سے ملنا ہر ایک کو نصیب ہوگا مگر بعضے وہاں پر مجرم بنا کر پیش کئے جائیں گے تو اس وقت اللہ میاں سے پوچھ لینا کہ یہ کیا بات ہے کہ چار روپے گز کی چکن تو آپ نے حلال کی تھی اور بھاگلپوری ٹسر ایک روپے گز کا حرام۔ اول تو وہاں پوچھنے کی گنجائش نہیں۔ **لا یسئل عما یفعل وھم یسئلون** یعنی اللہ تعالیٰ جو کچھ کرتے ہیں ان سے کوئی باز پرس نہیں کر سکتا اور اوروں سے باز پرس کی جا سکتی ہے اور اگر بالفرض کسی نے پوچھ بھی لیا تو حقیقی جواب وہیں سے ملے گا اور ایسا جواب ملے گا کہ بس پوری تسلی ہو جائے گی۔ لوگ خواہ مخواہ علماء کو پریشان کرتے ہیں۔ ان سے احکام کی علل (علتیں) دریافت کرتے ہیں۔ علماء کیا واضح قانون ہیں ان کو علت کی کیا خبر اور خبر ہو تو اس کا بتلانا ان کے ذمہ کدھر سے واجب ہے۔ ان کی مثال تو محض وکیل جیسی ہے۔ وکیل کے ذمہ قانون کا بیان کرنا ہے علل کا بتلانا اس کے ذمہ نہیں تو علماء سے علت پوچھنے کی کسی کو گنجائش نہیں، اور اگر علت معلوم کرنے کا ایسا ہی شوق ہے اور محقق بننا چاہتے ہو تو آؤ حدیث و فقہ پڑھو۔ احیاء العلوم وغیرہ پڑھو۔ پھر ان شاء اللہ بعض احکام کے اسرار بھی معلوم ہو جائیں گے۔ اور تم کو یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ عوام کے سامنے احکام کے اسرار و علل کا بیان کرنا مناسب نہیں اس سے ان کو ضرر ہوتا ہے مگر کبھی بہت ہی ضرورت ہو تو خیر علماء کو بیان کر دینا مضائقہ بھی نہیں۔ مگر ان کا سوال پھر بھی مضر ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

حریر کی خاصیت

غرض کم قیمت زیادہ قیمت ہونے پر حرمت حریر کا مدار نہیں۔ خود حریر کی خاصیت اس کو مقتضی ہے کہ وہ حرام ہو اور اسی خاصیت کا ہم کو علم ہونا ضروری نہیں شارع کو معلوم ہونا کافی ہے تو ایک تو حد شرعی یہ ہے کہ خود وہ شے ممنوع ہو۔ دوسرا حکم شرعی یہ ہے کہ بعض کسی عارض کی وجہ سے لباس کے ساتھ ممانعت متعلق ہو جاتی ہے مثلاً اہل باطل کے ساتھ تشبہ ہونے سے بھی بعضے لباس حرام ہو جاتے ہیں۔ ایک عارض یہ ہے کہ لباس فی نفسہ اسلامی ہو اور کپڑا بھی ریشم کا نہ ہو نہ ٹخنوں سے نیچا ہو۔ ظاہر میں بالکل شریعت کے موافق ہو لیکن نیت اچھی نہیں۔

امتیاز شان کی نیت شرعاً کبر ہے

علماء کی وضع کوئی شخص اس نیت سے اختیار کرے کہ ذرا شان امتیاز پیدا ہو گی تو یہ بھی حرام ہے کیونکہ منشاء اس کا یہ ہے کہ امتیاز شان اور ترفع حاصل ہو اور یہ منشاء شرعاً کبر میں داخل ہے اور یہ مرض عورتوں میں بھی بہت زیادہ ہے، کپڑا خریدنے میں اکثر ان کی نیت اچھی نہیں ہوتی۔ سردیوں میں رضائی کی چھینٹ خریدتی ہیں تو کوشش یہ ہوتی ہے کہ ایسی چھینٹ ہو کہ محلہ بھر میں ویسی نہ نکلے۔ ہمارے ہاں ایک بڑی بی ہیں وہ ہر کپڑا دو برس کا خریدتی ہیں اور کہتی ہیں کہ اگلے سال ایسا کپڑا ملے یا نہ ملے اگر نہ ملے گا تو میں کچھ دنوں تک تو عمدہ کپڑا پہن لوں گی اور منشاء وہی ہے کہ چار بیبیوں میں میرا لباس ممتاز نظر آئے گا۔ عورتوں کو اس کا بڑا خبط ہوتا ہے دو وجہ سے ایک تو یہ کہ عورتیں عقل کم رکھتی ہیں اور یہ قاعدہ ہے کہ کم عقل آدمی کو بڑائی کا دعوی بہت ہوتا ہے اگر عقل ہو تو جس کمال میں اپنے آپ کو بڑا سمجھیں گے اسی میں بہت سے نقص بھی معلوم ہوں گے۔ اس لئے عاقل کو دعوی کمال کم ہوتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ تکلف اور بناؤ سنگار کی رغبت اس شخص کو ہوتی ہے جس میں کمال نہ ہو کیونکہ عزت تو ہر شخص کو محبوب ہے لیکن جس کے پاس کمال ہوتا ہے وہ تو اس عزت پر مطمئن رہتا ہے جو اس کو کمال کی بدولت حاصل ہے بلکہ یوں کہئے کہ اس پر

Maktaba Tul Ishaat.com

اپنے کمال کا نشہ ایسا سوار ہوتا ہے کہ تکلفات کی طرف اس کو التفات بھی نہیں ہوتا۔ چنانچہ کیمیا والوں کو دیکھا ہوگا کہ ان کی ظاہری حالت بہت شکستہ ہوتی ہے اور جس کے پاس کمال نہیں ہوتا اس کو عزت تو حاصل نہیں اس وجہ سے وہ دوسرے اسباب سے اپنی عزت بڑھانے کے لئے کوشش اور تکلف کرتا ہے چنانچہ عورتوں میں کمال تو ہوتا نہیں اس لئے وہ تکلف اور بناؤ سنگار کی فکر میں رات دن رہتی ہیں اور غضب یہ ہے کہ بچیوں تک میں یہ خیالات ہوتے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ بچپن ہی سے ان کو زیور میں لاد دیا جاتا ہے۔

چھوٹی بچیوں کو زیورات پہنانے کی قباحتیں

میں نے اکثر بچیوں کو دیکھا ہے کہ ان کو تکلف اور تصنع کا بہت شوق ہوتا ہے، سر سے پیر تک بڑی عورتوں کی طرح زیور میں لدی ہوئی ہیں۔ افسوس ہے کہ بچپن ہی سے نشوونما خراب ہوجاتا ہے اور زیادہ افسوس یہ ہے کہ اس کی تعلیم اور اصلاح کی طرف توجہ نہیں کی جاتی بلکہ اور اس کی تائید کی جاتی ہے۔ دوسرے جب ہر وقت ان کے ہاتھ پیروں میں زیور چھن چھن ہوگا تو اخلاق پر بھی اسکا ضرور اثر ہوگا۔ ہمارے یہاں ایک گاؤں کی لڑکی تھی اس کی پھوپھی نے اس کو جھانوریاں پہنادیں تھیں۔ بس جھانوریاں پیروں میں کیا پڑیں کہ اس نے اینٹھنا شروع کر دیا حتی کہ ایک بار ایسا ہوا کہ ہم عم لڑکیوں سے وہ رتبہ میں کم تھی ان کے سرہانے بیٹھنا چاہتی تھی اور سرہانے جگہ نہ تھی تو وہ کھڑی رہی اور پائنتیں پر نہیں بیٹھی اس کی پھوپھی کہنے لگی کہ جانے اس کو کیا ہوگیا یہ تو اینٹھ گئی میں نے کہا کہ جھانوریاں اس کے پیروں سے نکال دو سیدھی ہوجائے گی آخر نکال دی گئیں تو فوراً ٹھیک ہوگئی۔ تو زیور کا یہ اثر ہوتا ہے۔ اخلاق پر پھر ان کو زیور سے علاقہ ہوجاتا ہے۔ ہمیشہ کیلئے اس کی دھن اور فکر لگ جاتی ہے۔ اس لئے میری رائے یہ ہے کہ جب تک لڑکی پردہ میں نہ بیٹھ جائے اس وقت تک اس کو ہرگز زیور نہ پہناؤ اور ویسے بھی باہر پھرنے والی بچی کو زیور پہنانا نہایت خطرناک ہے۔ یہ اس کے ساتھ محبت نہیں بلکہ اس کی جان کے ساتھ عداوت ہے ہمارے ہاں ایک آٹھ نو برس کی لڑکی عید کے روز زیور پہن کر گھر سے نکلی۔ مرد سب عیدگاہ چلے گئے تھے کسی نے اسکو ایک کھنڈر میں

Maktaba Tul Ishaat.com

لے جا کر تمام زیور اتار لیا اور غنیمت ہوا کہ اس گلا نہیں گھونٹ دیا ورنہ ایسے واقعات بھی ہوئے ہیں تو بچیوں کو زیور پہنانا نہ چاہئے۔ اس میں علاوہ اخلاق خراب کرنے کے ان کی جان کو بھی خطرہ میں ڈالنا ہے ہاں اگر شوق ہو تو اس وقت پہناؤ جب وہ پردہ میں بیٹھ جائیں۔

سات برس کی بچی کو پردہ کی عادت ڈالنا مناسب ہے

اور پردہ کا وقت جو میں نے سمجھا ہے وہ سات برس کا سن ہے۔ میں نے نواب ڈھاکہ کے جواب میں بھی یہی کہا تھا اور یہ وقت میں نے اس حدیث سے سمجھا مروا صبیانکم بالصلوٰۃ اذا بلغوا سبعاً (مسند احمد ۲:۱۸۰، حلیۃ الأولیاء ۱۰: ۳۶) کہ اپنے بچوں کو نماز پڑھنے کا حکم سات برس کی عمر سے کرو۔ اس سے اتنا معلوم ہوا کہ بچوں کو احکام شرعیہ کی عادت سات برس کی عمر سے ڈالنا شروع کرو اور یہ پردہ بھی حکم شرعی ہے اور اس کا بلوغ سے پہلے ہی شروع کرنا نہایت ضروری ہے کیونکہ اول تو لڑکیاں بلوغ سے پہلے ہی مشتہات ہو جاتی ہیں دوسرے بلوغ سے پہلے اس کے لئے بھی وہی سن مناسب ہے جو نماز کے لئے حضور ﷺ نے تجویز کیا ہے تو اس سے میں سمجھا کہ سات برس کی بچی کو پردہ کی عادت ڈالنی چاہئے۔ اب جب وہ پردہ میں بیٹھ جائے اس کو زیور پہناؤ تو اس کے اخلاق پر برا اثر نہ ہوگا کیونکہ بچپن کی جو عمر ہوتی ہے اس میں جو کچھ جمنا ہوتا جم چکتا ہے۔ حرص، قناعت، تکبر تواضع جو کچھ بھی جمنا ہوتا ہے چار پانچ برس کی عمر ہی میں جم چکتا ہے تو سات برس کی عمر تک جب وہ بغیر زیور کے رہی ہے تو اس کے بعد اس کو زیور سے ضرر نہ ہوگا اور چونکہ اب پردہ میں رہتی ہے اس لئے اور کسی قسم کا بھی اندیشہ نہیں تو عورتوں کو چونکہ ابتداء سے زیور کا شوق ہوتا ہے اس لئے جب کبھی دو چار کو ایک جگہ بیٹھے دیکھا تو یا تو شادی بیاہ کے تذکرے یا زیور کی تول جھونک یا گوٹہ ٹھپہ کی تعریف و مذمت اسی قصہ میں ہمیشہ دیکھا ہم کو تو ان چیزوں کے نام بھی یاد نہیں۔ کبھی گوکھرو دکھلاتی ہیں کہ بی یہ اچھا بھی ہے یا نہیں۔ کوئی پیمک اور بانکڑی کے لئے صلاح لیتی ہے۔ جب ان کی محفل جمتی ہے اس میں بھی باتیں ہوتی ہیں، ایسا کبھی نہیں دیکھا کہ چار عورتیں جمع ہو کر دین کا تذکرہ کرتی ہوں۔ میں نے بعضی عورتوں سے پوچھا کہ سچ سچ بتاؤ تم کو اس وقت اللہ میاں

Maktaba Tul Ishaat.com

بھی یاد آتے ہیں۔ افسوس خدا تعالیٰ کی یاد جو کہ اس شعر کا مصداق ہے

یک چشم زدن غافل ازاں شاہ نباشی ☆ شاید کہ نگاہے کند آگاہ نباشی

(یعنی اس محبوب حقیقی سے یک چشم زدن کے لئے غافل نہ ہو ممکن ہے کہ کسی وقت تم پر توجہ فرمائیں اور تم بے خبر ہو۔)

حق تعالیٰ کی خاص عنایت کی گھڑی

اس کی تو ایسی بے قدری کہ ذرا بھی اس کا اہتمام اور خیال نہیں اور زیور کا اتنا خیال ہے کہ کسی وقت دل سے اترتا ہی نہیں۔ بعض روایات میں ہے کہ ان لربکم نفحات فی الدھر الا فتعرضوا لھا (مجمع الزوائد ۲۳۱:۱۰، کنز العمال: ۲۱۳۲۴) ۔ کہ دن رات میں کسی وقت حق تعالیٰ کی عنایت ہوتی ہیں۔ ان کے لئے تم کو آمادہ رہنا چاہئے۔ اسی مضمون کو شعر گزشتہ میں نظم کیا گیا ہے کہ حق تعالیٰ سے ایک پل بھر بھی غافل نہ ہونا چاہئے۔ ممکن ہے کہ کسی وقت وہ تم پر توجہ فرمائیں اور تم بے خبر ہو سو غفلت اور بے خبری میں ظاہر ہے کہ وہ الطاف وعنایات تمہارے حال پر نہ ہوں گی۔

شادی بیاہ میں اسراف

صاحبو! آپ نے دیکھا ہوگا کہ شادیوں میں پیسوں کا نچھاور ہوتا ہے جس کو بھنگی وغیرہ لوٹتے ہیں۔ تو وہ لوگ اس کے لئے ہر دم کیسے آمادہ رہتے ہیں کہ نچھاور کرنے والے کے ہاتھوں ہی کو تکتے رہتے ہیں تو دولت پائیدار کے لئے تو اس سے زیادہ آمادہ رہنا چاہئے۔ افسوس ہم کو خدا تعالیٰ کی خاص عنایات کی اتنی بھی قدر نہیں اور ہم ان کے لئے کچھ بھی آمادہ نہیں ہوتے۔ اور فضولیات میں اپنے وقت کو ضائع کرتے رہتے ہیں اور خیر اگر یہ بھی نہ ہو کہ ہر دم متوجہ رہیں تو غفلت کے اسباب کو تو جمع نہ کرنا چاہئے خدا نے اگر دیا ہے تو کھاؤ پہنو۔ مگر جیسا بھی مل گیا ویسا پہن لیا۔ اس کی کیا ضرورت ہے کہ سارے محلے سے صلاح لیتے پھرو کہ بہن یہ کپڑا کیسا ہے۔ یہ چھینٹ اچھی وضع کی بھی ہے یا نہیں۔ ارے بھائی جو تمہارے من کو بھائے بس وہی اچھی ہے۔ مگر عورتوں کو اس کا خبط ہوتا ہے

Maktaba Tul Ishaat.com

کہ ایسا کپڑا پہنیں گی جس پر چار بیبیوں کی نگاہیں پڑیں۔

حیف باشد دل دانا کہ مشوش باشد

یعنی اس دانا کے دل پر افسوس ہے کہ پریشان رہتا ہے۔

شوہر کے رشوت لینے کا سبب

پھر غضب یہ کہ سارے اچھے اچھے کپڑے سی پرو کر ٹانک کر صندوق میں رکھ دیئے جاتے ہیں۔ گھر میں شوہر کے سامنے ان کا استعمال نہیں ہوتا۔ خیر اگر وہ شوہر کے لئے ایسا کرتیں تب بھی جواز کی حد میں یہ سب زینت و آرائش اور تکلف وغیرہ آسکتا ہے کیونکہ شوہر کے لئے بناؤ سنگار و زینت و آرائش کرنا مسنون اور موجب ثواب ہے مگر شوہروں کے سامنے تو یہ عورتیں بھنگیوں کی طرح خراب وخستہ حال میں رہتی ہیں اور جب کہیں جاتی ہیں تو نواب زادی اور بیگم بن کر جاتی ہیں۔ پھر غضب یہ کہ وہاں جا کر یہ بھی تو نہیں ہوتا کہ چین سے بیٹھ جائیں اس پر اکتفا نہیں کرتیں بلکہ وہاں جا کر ہر ایک کو دیکھتی ہیں کہ کس کا زیور کیسا اور کس کا لباس کیسا ہے اور پھر آ کر خاوند سے یہ فرمائش ہوتی ہے کہ فلانی کے پاس تو ایسا سامان ہے ہمارے پاس بھی ویسا ہی ہونا چاہئے۔ آخر شوہر رشوت لینے پر مجبور ہوتے ہیں

بناؤ سنگھار کا انجام

چرتھاول میں ایک بی بی تھیں اس کے خاوند کی تنخواہ بیس روپے تھی، ایک بار عورتوں کے مجمع میں ان سے شوہر کی تنخواہ کی مقدار پوچھی گئی اب بیس روپے بتلائیں تو اہانت ہے اور زیادہ کس طرح بتلا دیں تو آپ کہتی ہیں کہ تنخواہ تو بیس روپے ہیں مگر ماشاء اللہ اوپر کی آمدنی بہت ہے۔ تو رشوت لیتے لیتے اس کی برائی ایسی دل سے نکلی کہ اس پر ماشاء اللہ پڑھا جاتا ہے۔ مگر جس زینت اور بناؤ سنگار کا یہ نتیجہ ہو اس کا انجام کیا ہوگا۔ بس وہ انجام ہوگا جس کو کوئی بزرگ فرماتے ہیں

عاقبت سازد ترا از دیں بری ☆ ایں تن آرائی وایں تن پروری

کہ آخر کار اس آرائش اور تن پروری میں دین برباد ہو جائے گا اور خدا کے سامنے

Maktaba Tul Ishaat.com

خالی ہاتھ ہو جاؤ گے۔ غرض عورتوں کو رات دن اسی کی فکر رہتی ہے کہ زیور ایسا ہو کپڑا ایسا ہو جوتہ ویسا ہو اور اس میں زیادہ تر تفاخر کی نیت ہوتی ہے۔ تو اس صورت میں بھی حد شرع سے تجاوز ہوا۔ کیونکہ نیت اچھی نہیں اس لئے گناہ ہوگا۔ یہ بھی ایک قسم کا اسراف ہے۔ اب اگر کوئی سوال کرے کہ پھر لباس ''کیا'' نیت کر کے پہننا چاہئے تو اس کا بھی جواب سن لیجئے۔ لباس کی نیت کے کئی درجے ہیں۔ ایک تو نیت ہے رفع ضرورت کی یہ تو گاڑھے اور گزی سے بھی ہو سکتی ہے۔ یہ نیت تو طاعت ہے اس کے بعد ایک نیت یہ بھی ہے کہ ہم کو آسائش و آرام ہو یہ نیت بھی جائز ہے۔ اس صورت میں کپڑا ذرا قیمتی ہوگا مگر بھڑک دار ہونا ضروری نہیں۔ تیسری نیت ہے آرائش یعنی تجمل کی۔ آپ آرائش کا نام سن کر ڈرے ہوں گے کہ یہ ناجائز ہوگا۔ مگر آپ گھبرائیے نہیں۔ شریعت ایسی تنگ نہیں۔ خدا کی رحمت ہے کہ یہ بھی جائز ہے مگر تجمل کے معنی یہ ہیں کہ اپنا جی خوش کرنے کے لئے عمدہ لباس پہنا جائے۔ اس کا مضائقہ نہیں ہے۔ اگر چوتھی نیت ہے نمائش کی۔ یہ ہے تکبر کا نمونہ یہ حرام ہے اس کو فرماتے ہیں **من لبس ثوب شهرة البسه الله ثواب الذل يوم القيامة** (**مسند احمد ۲: ۹۲، مشكوة المصابيح: ۴۳۴۶**) یعنی جو شخص شہرت کے لئے لباس پہنے گا تو اس کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ذلت کا لباس پہنائیں گے۔

آرائش و نمائش میں فرق

اب آرائش اور نمائش میں فرق سمجھنا چاہئے۔ آرائش کے معنی اوپر معلوم ہو چکے کہ اپنا جی خوش کرنے کے لئے عمدہ لباس پہنا اور نمائش یہ ہے کہ دوسروں کو دکھانے اور دوسروں سے نظریں لڑانے کی نیت ہو یہ حرام ہے تو آپ عمدہ لباس پہنئے اگر خدا نے وسعت دی ہو مگر نیت یہ رکھئے کہ اس سے اپنا دل خوش ہوگا۔ نمائش کی نیت نہ کیجئے مگر اپنا دل خوش کرنے کی نیت ایسی نہ ہو جیسی اسی سفر میں مجھے ایک صاحب نے عشاء کی نماز پڑھانے کو کہا۔ میں نے کہا میں قصر کروں گا۔ کوئی اور صاحب پڑھا دیں کہنے لگے کہ اقامت کی نیت کر لیجئے۔ میں نے کہا سبحان اللہ۔ اسباب بندھا رکھا ہے آدمی ٹکٹ لینے گیا ہوا ہے۔ ایسے

Maktaba Tul Ishaat.com

میں اقامت کی وہ نیت کیا خاک ہوگی۔ محض خدا کو دھوکا دینا ہوگا تو وہ نیت ایسی نیت نہ ہو کہ دل میں تو دوسروں کی نظریں لڑیں اور محض جائز کرنے کے لئے زبان سے یہ کہیں کہ ہم نے تو صرف اپنا دل خوش کرنے کی نیت سے یہ عمدہ لباس پہنا ہے۔ تو لفظوں کا نام تو نیت نہیں ہے۔ نیت تو دل سے ہوتی ہے پس لفظوں کا اعتبار نہ کرو بلکہ دل کے چور کو دیکھو تو وہ چور ایسی جلدی نہیں نکلا کرتا بلکہ اس کے لئے چند روز اس کی ضرورت ہے کہ ؎

قال را بگذار مرد حال شو ☆ پیش مرد کامل پامال شو

قال کو چھوڑو حال پیدا کرو یہ اس وقت پیدا ہوگا جب کہ کسی اہل اللہ کی جوتیاں سیدھی کرو۔

اہل زینت کی اقسام

البتہ اگر کسی کو ابتداء سے اہل اللہ کی صحبت میسر ہوئی ہو تو وہ بے شک اس مرحلے کو طے کر چکا ہے۔ اس کو آج وہ بات حاصل ہے جو آپ کو برسوں کے مجاہدے کے بعد حاصل ہوگی اور اگر کسی کو ابتداء فطرت ہی سے زینت پسند ہو تو اس کو بغیر مجاہدہ کے تجمل و آرائش جائز ہے کیونکہ وہ عمدہ لباس اپنی فطری عادت کی وجہ سے پہنتا ہے اس کو کسی کا دکھانا مقصود نہیں ہوتا۔ چنانچہ بعضے روساء نفیس المزاج ہوتے ہیں۔ وہ بچپن سے عمدہ لباس ہی میں پرورش پاتے ہیں ان کی طبیعت زینت پسند ہوتی ہے وہ اپنی عادت کی وجہ سے اچھا لباس پہنتے ہیں اور ان کی نظر میں اس قیمتی لباس کی وہی وقعت ہوتی ہے جو وقعت ہمارے دل میں گاڑھے دھوتر کی ہے کیونکہ ہم اس کے عادی ہیں اس لئے اس کو کوئی عجیب چیز نہیں سمجھتے اور وہ عمدہ قیمتی لباس کے عادی ہیں وہ اس کو کوئی نئی چیز نہیں سمجھتے مگر میں اس کی ایک شناخت بتلاتا ہوں اس سے امتحان ہو جائے گا کہ خوبصورت لباس نمائش کے لئے کون پہنتا ہے اور لطافت طبیعت کی وجہ سے کون۔ وہ یہ کہ یہ دیکھو کہ یہ شخص تنہائی میں کیسے رہتا ہے تو زینت کرنے والے لوگ دو قسم کے ہوتے ہیں ایک تو وہ جو کہ اپنے گھر میں بھی زینت سے رہتے ہیں۔ یہ تو لطافت مزاج کی علامت ہے ورنہ اگر ایسی حالت نہیں ہے بلکہ گھر میں تو معمولی حالت میں رہتے ہیں اور جب باہر نکلتے ہیں تو بن ٹھن کر نکلتے ہیں تو یہ تکلف و نمائش ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

آرائش کی شرعاً اجازت ہے

میں نے بعض لوگوں کو دیکھا ہے کہ گھر میں تو رہیں گے لنگی باندھ کر جیسے کوئی مزدور ہو اور باہر نکلیں گے نواب بن کر تو آرائش کی شرعاً اجازت ہے اور یہی معنی ہیں اس حدیث کے ان اللہ جمیل یحب الجمال (الصحیح المسلم' الایمان: ۱۴۷' مشکوۃ المصابیح ۵۱۰۸) (اللہ تعالیٰ جمیل ہیں جمال کو پسند کرتے ہیں)۔ اس سے زیادہ آپ اور کیا چاہتے ہیں لیکن دوسروں کو اچھا معلوم ہونے کے لئے عمدہ لباس نہ پہنو کہ یہ نمائش ہے مگر اس میں بھی کسی قدر تفصیل ہے اور وہ یہ کہ اگر عمدہ لباس اس نیت سے پہنیں کہ دوسرے لوگ ہم کو حقیر نہ سمجھیں تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ ذلت سے بچنا بھی مطلوب ہے۔ اگر ایک رئیس آدمی گاڑھے کے کپڑے پہننے لگے تو لوگ اس کو بخیل اور کنجوس مشہور کریں گے کہ کمبخت کے پاس خدا کا دیا ہوا سب کچھ موجود ہے مگر صورت ایسی بناتا ہے جیسے کوئی مزدور ہو۔ تو اس ذلت سے بچنے کے لئے بھی عمدہ لباس پہننا جائز ہے۔ مگر ہاں یہ نیت جائز نہیں کہ لوگوں میں ہماری بڑائی ہوگی ممتاز معلوم ہوں گے تو دیکھئے شریعت میں کہاں تک اجازت ہے گویا چار سے صرف ربع چوتھائی کی ممانعت ہے اور اس میں سے اتنی نمائش کی بھی اجازت ہے کہ دوسروں کی نظروں میں ذلیل وحقیر نہ ہو تو گویا صرف آٹھواں حصہ ممنوع ہے مگر اب بھی آپ کہتے ہیں کہ شریعت میں بڑی تنگی ہے۔ اس آٹھویں حصہ کی بھی اجازت دینی چاہئے۔ کیوں صاحب اس کی اجازت کیوں دینی چاہئے۔ تکبر اور بڑائی کا آپ کو کیا حق حاصل ہے۔ اس کو کیوں جائز کر دیا جائے۔ غرض نمائش کرنا یعنی دوسروں کی نظر میں بڑا بننے کے لئے زینت کرنا کہ ہمیں پر نظر پڑے یہ ناجائز ہے۔

تکبر نئی نئی ترکیبیں سکھاتا ہے

آجکل عورتیں کثرت سے اسی مرض میں مبتلا ہیں جب وہ کہیں جاتی ہیں تو اس کی کوشش کرتی ہیں کہ ساری بیبیاں ہمیں کو دیکھیں اور اس کے لئے بعض تو بجتا ہوا زیور پہنتی ہیں کہ اس کی جھنکار سن کر سب کے سب ان کی طرف متوجہ ہو جائیں اور بعض جو نیک ہیں وہ بجتا

Maktaba Tul Ishaat.com

ہوا زیور تو نہیں پہنتیں مگر وہ اور ترکیب کرتی ہیں کہ محفل میں بیٹھ کر گرمی کے بہانے گلا کھول کر دکھلا دیا۔ گریبان کے بٹن کھول دیئے کان کھول کر دکھلا دئے۔ جب سب نے دیکھ لیا ان کے پاس بہت زیور ہے تو اب بھلی مانس ہو کر بیٹھ گئیں۔ حضرت یہ ان کی ترکیبیں ہیں اور یہ سکھلاتا کون ہے۔ وہ تکبر۔ یہ تکبر بہت بری بلا ہے اس سے بچنا چاہئے یہ تو اسراف کے قواعد عامہ تھے۔ اب ایک بات رہ گئی وہ یہ کہ ایک اسراف اب بھی ہے جو ہر ایک کے لئے اسراف نہیں بلکہ ایک شخص کے لئے اسراف ہے اور دوسرے کے لئے نہیں اور غالباً طالب علم بھی اس سے خوش ہوئے ہوں گے کہ ہم کو عوام سے یہ کہنے کا موقع مل جائے گا کہ یہ ہمارے لئے اسراف نہیں تمہارے لئے اسراف ہے مگر تفصیل سن کر یہ خوشی جاتی رہے گی کیونکہ اس اسراف میں غریب لوگ زیادہ مبتلا ہیں۔ مثلاً ایک قیمتی کپڑا ہے اس کو ایک شخص خریدنا چاہتا ہے اور نمائش کی نیت سے نہیں خریدتا تو یہ اس کے لئے جائز ہے یا نہیں تو بات یہ ہے کہ وہ ایک شخص کے لئے جائز ہے اور ایک کے لئے نہیں یعنی گنجائش والے کو تو جائز ہے اور عسیر الحال تنگ دست کے لئے اسراف میں داخل ہے اور ناجائز ہے کیونکہ اس میں وہ ایک حد شرعی سے تجاوز کرتا ہے۔

صدقہ میں وسعت سے زیادہ خرچ کرنا مناسب نہیں

حدود شرعیہ میں سے ایک حکم یہ بھی ہے کہ وسعت سے زیادہ خرچ نہ کرو حضور ﷺ فرماتے ہیں افضل الصدقة ماكان عن ظهر غنى (الصحيح للبخاری ۷: ۱۸، الصحيح لمسلم، الزكاة ۹۵) بہتر صدقہ وہ ہے کہ دے کر بھی کچھ پاس رہے وابداء بمن تمول۔ شروع کرو ان لوگوں سے جن کا نفقہ تمہارے ذمہ لازم ہے، ایک مقدمہ تو یہ ہوا کہ صدقہ میں وسعت سے زیادہ خرچ کرنا نہ چاہئے۔ دوسرا مقدمہ اس کے ساتھ اور ملا لیجئے وہ یہ کہ صدقہ تمام نفقات سے افضل ہے اب نتیجہ یہ نکلا کہ جب صدقہ میں یہ قید ہے کہ وسعت سے زائد خرچ نہ کیا جائے تو پھر اپنے لباس میں اس کی کہاں اجازت ہوگی کہ وسعت سے زیادہ خرچ کیا جائے یہ تو حدیث کا مضمون ہے رہی یہ بات کہ اس حدیث کا راز کیا ہے وسعت سے زیادہ خرچ کرنا ممنوع کیوں ہوا۔ سو وہ راز یہ ہے کہ وسعت سے زیادہ خرچ کرنے والا قرض لے گا اور قرض لینا بلا ضرورت جائز نہیں کیونکہ اس

Maktaba Tul Ishaat.com

سے پریشانی ہوتی ہے اور خواہ مخواہ اپنے کو پریشانی میں ڈالنا جائز نہیں نیز بعض دفعہ قرض لینے سے ذلت بھی ہوتی ہے اور اپنے کو ذلیل کرنا بھی جائز نہیں حدیث میں ہے لاینبغی للمؤمنین ان یذل نفسه (سنن الترمذی، ۲۲۵۴، سنن ابن ماجة : ۴۰۱۶) مسلمان کو مناسب نہیں کہ اپنے کو ذلیل کرے قالوا یارسول الله وکیف یذل نفسه قال تحمل من البلاء لمالا یطیقه صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ مسلمان اپنے کو ذلیل کیونکر کیا کرتا ہے فرمایا کہ اپنی سر پر ایسی بلا لے لے جس کے تحمل کی اس میں طاقت نہیں ہے۔

دیکھئے حضور ﷺ کو آپ کے ساتھ کس درجہ کی محبت ہے کہ آپ کی ذلت حضور ﷺ کو گوارا نہیں اس پر بھی مسلمان احکام شریعۃ کی قدر نہیں کرتے تو قرض کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ابواب غیر مباحہ کی طرف نظر جائے گی ذلیل کام کرنے لگے گا۔ کہیں جوا کھیلے گا کہیں جھوٹی شہادت دیگا، کہیں رشوت لے گا۔ دھوکہ دے کر کبھی ظلم کر کے لوگوں کا مال دبانا چاہے گا۔ چنانچہ ایک زمیندار کی حکایت سنی ہے کہ وہ کسی بنئے کا قرض دار تھا اور قرض بھی سودی تھا اور پاس کچھ تھا نہیں۔ یہ کاہے کی بدولت فقط اسراف کی بدولت کہ گنجائش زیادہ تھی نہیں اور خرچ بہت کرتا تھا۔ جب قرض زیادہ ہوگیا تھا۔ مہاجن نے مطالبہ کیا کہلا بھیجا کہ اچھا بھائی لے آؤ اور مجھ سے وصول کر کے اس پر دستخط کردو وہ لالچ کے مارے بھائی کے لے کر پہنچا۔ اس زمیندار نے وہاں ایک قبر کھدوا رکھی تھی مہاجن سے کہا کہ یا تو وصولیابی کے دستخط کردو ورنہ یہ قبر تمہارے لئے ہے۔ آخر دستخط کرنا پڑے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ کافر کا مال لینے اور دبانے میں کیا حرج ہے مگر محققین تو یہ کہتے ہیں کہ اگر مال مارنا ہے تو مسلمان ہی کا مارو۔ کیونکہ قیامت میں اگر کسی کا حق تمہارے ذمہ ہو تو وہ تمہاری نیکیاں لے لے گا۔ تو نیکیاں دینا ہے تو بھائی مسلمان ہی کو دو کافر کو کیوں دیتے ہو تو خوب سمجھ لو کہ شریعت اسلامیہ ایسی نہیں کہ وہ اپنے ہی لوگوں کی رعایت کرے۔ دوسرے کی رعایت نہ کرے۔ شریعت اسلامیہ نے اپنے مخالفین کی جیسی رعایت کی ہے کسی نے بھی ایسی رعایت نہیں کی یوں دعوی تو جس کا جی چاہے کردے۔ مگر عمل کر کے بھی تو کوئی دکھلائے مگر افسوس ہے کہ اہل اسلام کی قدر دوسری قوموں نے بہت کم کی ہے چنانچہ آج

Maktaba Tul Ishaat.com

دیکھئے ان کے ساتھ کیسے کیسے معاملات کئے گئے ہیں۔

اسراف کا ناجائز ہونے کا سبب

اسی طرح پرانی حکایت سنی گئی ہے کہ ایک بنئے کا قرض کسی خان صاحب پر تھا اور بہت زیادہ قرض کی ادائیگی کی کوئی سبیل نہ تھی اس نے اپنے چند دوستوں کو جمع کر کے یہ تدبیر نکالی کہ اپنے گھر پر ایک مجمع کیا۔ اور ڈھول باجہ بھی منگوایا۔ جس سے دیکھنے والوں کو یہ خیال ہوا کہ برات آئی ہے پھر اس بنئے کو بلوایا اور اس سے کہا کہ لالہ جی آج ہمارے یہاں شادی ہے۔ ہمارے یہاں نوتہ آئے گا آ کر اپنا حساب بے باق کرو وہ خوشی خوشی آ گیا جب وہ قبضہ میں آ گیا تو کہا فارغ خطی لکھ دو ورنہ تلوار سے تمہارے دو ٹکڑے کر دیئے جائیں گے۔ وہ چلاتا ہے تو ڈھول تاشہ کی آواز میں کچھ سنائی نہیں پڑتا آخر لالہ جی نے فارغ خطی لکھی۔ فارغ خطی کو اپنے قبضہ میں کر کے کہنے لگا کہ لالہ جی بس اپنے گھر جاؤ روپیہ تم کو وصول ہو چکا ہے۔ یہ فارغ خطی موجود ہے وہ غریب اپنا سا منہ لے کر چلا گیا۔ ایک دفعہ وہ دوکان پر بیٹھا ہوا تھا کہ باجہ بجنے کی آواز آئی اس کے لڑکے نے کہا کہ ابا میں برات دیکھ آؤں کہنے لگا کہ منکا منکا برات نہیں پھارگ رکھتی (فارغ خطی) لکھواتے ہوں گے۔ وہ غریب اب برات کو فارغ خطی ہی سمجھنے لگا۔ تو صاحبو! اس اسراف کی بدولت جب قرض ہو جاتا ہے تو ایسی ایسی ترکیبیں سوجھتی ہیں۔ خدا ایسے افلاس سے بچائے تو جب ایک شخص نے باوجود گنجائش نہ ہونے کے اچھا کپڑا پہنا تو یہ آئندہ چل کر مصیبت کا سبب ہوگا۔ اس لئے شریعت کہتی ہے کہ یہ اسراف ہے اور ناجائز ہے اسی لئے میں کہتا ہوں کہ آج کل مسلمانوں کو روپیہ پاس رکھنا چاہئے۔ خالی ہاتھ نہ رہیں کیونکہ آج کل افلاس ہزاروں گناہوں کا دروازہ ہے البتہ ایسا شخص اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہے کہ جس کے ذمہ کسی کا حق نہ ہو اور خود متوکل مستغنی المزاج ہو، نہ بیوی ہو نہ بچے ہوں۔

ما ہیچ نداریم وغم ہیچ نداریم (ہمارے پاس کچھ نہیں ہے اور اس نہ ہونے کا ہم کو کچھ غم بھی نہیں ہے)۔ کا مصداق ہو۔ ایسا شخص اگر مفلس خالی ہاتھ رہے تو مضائقہ نہیں۔ وہ افلاس کی وجہ سے ان گناہوں میں مبتلا نہ ہوگا۔ ایک طالب علم ہمارے ابتدائی کتب کے

Maktaba Tul Ishaat.com

استاد کے پاس آئے مثنوی پڑھنے۔ مولانا نے فرمایا کہ پہلے کھانے کی فکر کرلو کہنے لگے کہ جس نے پیدا کیا ہو خود کھانے کا سامان کرے گا۔ اور اگر کچھ نہ کرے گا تو بہت سے بہت اپنی جان لے لیگا تو میں نے اس کے لئے آمادہ ہوں، آپ بے فکر رہیں مجھے سبق شروع کرادیں۔ مولانا اس کے توکل پر حیران ہوگئے سبق شروع کردیا۔ بس اگلے ہی روز لوگ اس کے معتقد ہوگئے اور جگہ جگہ سے کھانا آنے لگا تو کوئی اتنا آزاد ہو تو اس کے لئے وہ قاعدہ نہیں کیونکہ اس کا افلاس معیت کا سبب نہ ہوگا۔ وہ خوشی سے سب تکالیف کو برداشت کرے گا۔

ضعیف یا قوی طبیعت ہونے کو بزرگی میں کچھ دخل نہیں

بہت سے اہل اللہ ایسے بھی ہیں کہ وہ کچھ اپنے پاس نہ رکھتے تھے۔ جو کچھ آیا ایک ہی مرتبہ خرچ کر ڈالتے تھے اور بعض ایسے بھی ہوئے ہیں جو اپنے پاس جمع رکھتے تھے چنانچہ ایک بزرگ نے دعا کی کہ الٰہی میری ساری عمر کی روزی ایک ہی مرتبہ مجھ کو دے دے۔ ارشاد ہوا کیوں؟ کیا ہم پر اعتماد نہیں۔ عرض کیا کہ اعتماد تو ہے مگر جب میں نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہوں تو شیطان آکر مجھے بہکاتا ہے کہ کل کو کہاں سے کھائے گا میں کہتا ہوں کہ خدا دے گا، وہ کہتا ہے کہ یہ کیا ضرور ہے کہ خدا کل ہی کو بھیج دے۔ اگر کئی دن فاقہ کرا کے دیا تو کیا ہوگا۔ میں اس کی اس بات سے لاجواب ہوجاتا ہوں۔ پس اگر تو ساری عمر کی روزی جمع ہوگی تو جب وہ مجھ سے کہے گا کہ کہاں سے کھاؤ گے تو میں کہہ دوں گا کہ اس کوٹھڑی میں غلہ بھرا ہوا ہے اس میں سے کھاؤں گا اور اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ کیسے بزرگ تھے بات یہ ہے کہ اس کا منشاء ضعف طبیعت ہے اور طبیعت ضعیف یا قوی ہونا فطری امر ہے بزرگی کو اس میں کوئی دخل نہیں۔

ایک بزرگ مولانا احمدؒ کی حکایت

بعض ایسے ہوئے ہیں کہ انہوں نے کچھ بھی نہیں رکھا ایک بزرگ مولانا احمد ایسے بزرگ تھے کہ وہ قرض لے لیکر لوگوں کھلایا کرتے تھے۔ ان کے ذمہ بہت قرض ہوگیا۔ آخر مرنے لگے تو لوگ آکر جمع ہوئے اور تقاضہ کررہے تھے کہ آپ تو مررہے ہیں اس وقت ہمارا

Maktaba Tul Ishaat.com

روپیہ کہاں جائے گا۔ تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ ایک حلوائی کا لڑکا حلوے کی سینی لئے ہوئے پکارتا ہوا گزرا آپ نے اس کو بلوایا۔ اور سب حلوہ اس سے خرید لیا اور لوگوں کو کھلا دیا۔ لڑکے نے حلوے کے دام مانگے تو آپ نے فرمایا کہ جہاں یہ لوگ بیٹھے ہیں تو بھی بیٹھ جا۔ اس نے رونا شروع کیا کہ میرا باپ مار ڈالے گا لوگوں کو بہت ناگوار ہوا کہ ناحق اس کا دل دکھایا۔ آپ خاموش پڑے تھے کہ ایک رئیس کا فرستادہ بہت سا روپیہ لیکر حاضر خدمت ہوا۔ جس سے سب قرض داروں کا قرض ادا ہو گیا۔ ایک خادم نے عرض کیا کہ حضرت اس میں کیا حکمت تھی کہ آپ نے اس قدر قرض کی حالت میں مرتے ہوئے بھی حلوائی کے لڑکے کا قرض اپنے ذمے اور بڑھایا فرمایا کہ میں نے حق تعالیٰ سے دعا کی کہ میرا قرض ادا کرا دیں ارشاد ہوا کہ ادا کرنا کیا مشکل ہے کوئی روئے تو دریائے رحمت جوش زن ہو۔ مگر تمہارے ان قرض خواہوں میں کوئی رونے والا نہیں سب خاموش ہی بیٹھے ہیں۔ اس لئے میں نے اس لڑکے سے حلوا خریدا جب اس نے رونا شروع کیا تو رحمت حق کو جوش آیا بھائی اس واسطے یہ ترکیب کی تھی۔ مولانا فرماتے ہیں

تا نہ گرید کود کے حلوا فروش ☆ بحر بخشا لیش نمے آید بجوش

یعنی رونا ایک عجیب تاثیر رکھتا ہے دیکھو جب تک ابر نہ روئے گا چمن کیوں کر ہنس سکتا ہے یعنی جب تک بارش نہ ہو۔ باغ سرسبز و شاداب نہیں ہو سکتا اور جب تک بچہ نہ روئے دودھ کیسے جوش مار سکتا ہے اور تعلیم یافتہ فرماتے ہیں

ایکہ خواہی کز بلا جان و آخری ☆ جان خودرا در تضرع آوری

یعنی اگر بلاؤ مصیبت سے چھٹکارا چاہتے ہو تو اللہ تعالیٰ کے سامنے گریہ وزاری کیا کرو۔

در تضرع باش تا شاداں شوی ☆ گریہ کن نالے وہاں خنداں شوی

اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑگڑانے میں مصروف ہو جاؤ تا کہ شاداں ہو اور ان کے سامنے گریہ وزاری کرو بے حد خنداں ہو گے۔

در پس ہر گریہ آخر خندہ ایست ☆ مرد آخر بیں مبارک بندہ ایست

ہر گریہ کا انجام خندہ ہوتا ہے اور جو شخص انجام بیں ہو وہ نہایت مبارک شخص ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

اے خوشا آں دل کہ آں گریان اوست ☆ اے خوشا چشمی کہ آں گریان اوست

وہ دل نہایت اچھا ہے جو اللہ تعالیٰ کی محبت میں گریاں ہو اور وہ آنکھ بہت اچھی ہے جو اللہ تعالیٰ کے عشق میں گریاں ہے۔

یہ تو مولانا کے ارشاد تھے۔ مگر اصل مقصود یہ بیان کرنا تھا کہ حضرت شیخ احمدؒ اس شان کے تھے کہ وہ اپنے پاس کچھ جمع نہ کرتے تھے۔ وہ متوکل اور مستغنی المزاج تھے تو ایسے شخص کو اچھا کپڑا اچھا کھانا بھی کوئی مضر نہیں ہے۔ لیکن اگر کوئی عیال دار ہے تو اس کے لئے وسعت سے زیادہ خرچ کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ اس کے ذمہ اہل وعیال کا بھی حق ہے تو یہ بڑی بے ہمتی ہے کہ اپنے کپڑے کھانے کا تو فکر ہو اور اہل وعیال کا فکر نہ ہو۔

نبیں آں بے حمیت را کہ ہرگز ☆ نخواہد دید روئے نیک بختی

اس بے حیا کو دیکھو ہرگز اس کو نیک بختی کا منہ دیکھنا نصیب نہ ہوگا۔

تن آسانی گزیند خویشتن را ☆ زن و فرزند بگزارد بہ سختی

جو اپنے لئے آرام وآسائش تلاش کرتا ہے اور اہل وعیال کو سختی میں چھوڑتا ہے۔

غریب آدمی کی فکر آرائش اسراف ہے

تو غریب آدمی کا بھڑکتے رہنا اور زینت وآرائش کی فکر کرنا اسراف میں داخل ہے۔ کیونکہ خرچ اس کی وسعت سے زیادہ ہوگا۔ میں نے بعض لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ گنجائش سے زیادہ بھڑکتے رہتے ہیں۔ جس میں اسراف کے علاوہ تصنع بھی ہے بعض لوگوں کو اس میں بہت غلو ہوتا ہے۔ ایک صاحب تھے جب وہ باہر نکلتے تو مونچھوں پر چراغ کا تیل لگا لیتے تھے تاکہ معلوم ہو کہ خوب گھی کھا کر آئے ہیں۔ ایک روز تیل کے ساتھ بتی بھی آگئی اور مونچھوں میں اٹک گئی اس روز ساری قلعی کھل گئی تو آدمی وسعت سے زیادہ کیوں بناوٹ کرے بس مسلمان کا تو یہ حال ہونا چاہئے۔

واستغن ماأغناک ربک بالغنیٰ ☆ واذا لقیک خصاصة فتجمل

یعنی جس حیثیت پر خدا رکھے اس پر رہنا چاہئے۔ اگر وسعت ہو تو عمدہ کھانے پہننے کا بھی مضائقہ نہیں۔ اگر تنگی ہو تو اس کے موافق گزر کرنا چاہئے تو یہ بھی حدود شرعیہ ہیں۔

Maktaba Tul Ishaat.com

جب ان سے تجاوز ہوگا وہ اسراف ہو جائے گا اسی پر قیاس کر کے سب سامانوں کو دیکھ لیجئے۔ میں سب کو کہاں تک گناؤں۔ کہاں تک بیان کروں۔ بہر حال یہ مضمون غفلت کے قابل نہیں ہے۔ اس کا اہتمام لازمی ہے اور آپ کو اپنی معاشرت ضرور کچھ سنبھالنی چاہئے ورنہ اس کا آخر انجام ہلاکت ہے اور یاد رکھئے صرف اس جلسہ میں اپنی حالت پر افسوس کر لینے کا کچھ اعتبار نہیں لوگ اسی کو وعظ کا نفع سمجھتے ہیں کہ اس وقت رو دھو لئے وعظ کا نفع یہ ہے کہ آپ یہاں سے جا کر اپنی حالت کی اصلاح کی فکر میں لگ جائیں اور اگر اسی حالت پر رہے تو سمجھا جائے کہ کچھ بھی نفع نہیں ہوا۔

خلاصہ وعظ

میرے سارے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ اسراف کو چھوڑنا چاہئے۔ اور میں نے اس وقت تک جو کچھ بیان کیا یہ اسراف فی المال (مال فضول خرچی کرنے) کا ذکر تھا۔ اور جی تو یوں چاہتا تھا کہ ہر امر میں اسراف کے متعلق کچھ کچھ بیان ہو جائے مگر چونکہ وقت زیادہ گزر گیا ہے۔ اس لئے اسی پر اکتفا کرتا ہوں ممکن ہے کہ دوسری اجزاء اسراف کے متعلق بھی کسی دوسرے موقع پر یا امر وہہ میں بیان کروں۔ مگر الحمد اللہ کہ اس ضروری جزو کی تفصیل اچھی طرح بیان ہو گئی جس کو خلاصہ کے طور پر مکرر کہتا ہوں کہ اسراف کی حقیقت تو یہی ہے کہ تجاوز عن الحد الشرعی (شرعی حدود سے گزرنا) اور یہ حقیقت اموال و غیر اموال کو عام ہے۔ مگر اس کے ایک متعلق اموال میں شرعی حد تجاوز کرنا بھی ہے اور ظاہر تو یہ مسئلہ تمدن کا معلوم ہوتا ہے۔ مگر شریعت کی کیا رحمت ہے کہ اس کو بھی دین بنا دیا۔ جس سے بعضے لوگ تو تنگ آ گئے کہ دنیا کے مسئلوں کو بھی دین بنا دیا۔ ہمیں ہر طرح سے مقید کر دیا۔ دنیاوی امور میں بھی ہم کو آزادی نہیں دی گئی اور یہ لوگ مولویوں پر سارا الزام رکھتے ہیں کہ ان کے یہاں ہر چیز کا ایک مسئلہ بنا رکھا ہے۔ مگر غنیمت ہے کہ یہ لوگ خدا اور رسول ﷺ کو تو کچھ نہیں کہتے۔ مولویوں ہی کو برا بھلا کہہ لیتے ہیں۔ ہم کو اس کی بھی خوشی ہے کہ اس طرح ہم خدا و رسول ﷺ کا وقایہ (آڑ) بن گئے تھے۔ اور اس سنت پر ہمارا فی الجملہ عمل ہو گیا کہ حضرت طلحہ جنگ احد میں حضور ﷺ کو اپنی آڑ میں لے کر کفار کے حملوں سے بچایا۔ تو صاحبو! ہم آپ کی ان بے جا عنایتوں سے بھی خوش ہیں خیر تم ہم کو ہی برا کہہ لو۔ مگر خدارا اللہ و رسول

Maktaba Tul Ishaat.com

ﷺ کی شان میں گستاخی نہ کرنا۔ ورنہ ایمان ہی برباد ہو جائے گا مجھ کو اس مضمون کے قریب قریب ایک شعر یاد آیا۔

شادم کہ از رقیبان دامن کشاں گذشتی ☆ گو مشت خاک ما ہم برباد رفتہ باشد

ہم خوش ہیں کہ رقیبوں سے دامن بچا کر گذرے اگرچہ ہماری ہی مٹھی بھر خاک برباد ہو جاوے گی یعنی لوگوں سے ہم خوش ہیں کہ ہم ہی کو برا بھلا کہہ لیتے ہیں اللہ اور رسول ﷺ تو بچا دیتے ہیں۔

احکام شریعت مولویوں کے من گھڑت مسائل نہیں

تو صاحبو! یہ خدا اور رسول ﷺ کے احکام ہیں۔ ان کو مولویوں کے مسئلے نہ سمجھو اور ان کی اس لئے قدر کرنی چاہئے کہ اگر ان کو احکام نہ بنایا جاتا تو وہاں آخرت میں آپ کو ان کا صلہ کچھ نہ ملتا اور اب کیا خدا کی رحمت ہے کہ ان احکام سے آپ کی دنیا بھی سنور جاتی ہے یہاں کا بھی فائدہ ہے اور وہاں بھی ان کے صلہ میں آپ کو جنت ملے گی۔ حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ ان لوگوں نے ہمارے کہنے سے اپنی دنیا سنواری تھی اس لئے ان کو ثواب دینا چاہئے۔ تو آپ بتلایئے کہ ان باتوں کا دین بنا دینا قدر کی بات ہے یا بے قدری کی۔ اس کی ایسی مثال ہے کہ جیسے کوئی رئیس کہے کہ یہ کھانا کھاؤ تو تم کو پچاس روپے دونگا۔ اب اگر اس پر کوئی تنگ ہونے لگے تو یہی کہے گا کہ گدھے کو دیا تھا نمک وہ کہنے لگا کہ میری آنکھیں پھوڑ دیں۔ تو اس آیت میں حق تعالیٰ نے حرمت اسراف کے قانون شرعی ہونے کو ظاہر فرمایا ہے حالانکہ اس میں سراسر آپ کی دنیا کا بھی نفع ہے۔ فرماتے ہیں ان اللہ لا یحب المسرفین کہ حق تعالیٰ اسراف کرنے والوں کو نہیں چاہتا۔ اس آیت میں حق تعالیٰ یہ بتلا رہے ہیں کہ تم ہمارے پیارے ہو اور ہم نے تم کو بغیر تمہارے کچھ کئے محبوب بنایا تھا۔

مانبودیم و تقاضا مانبود ☆ لطف تو ناگفتہ ما می شنود

پہلے ہم بالکل نہ تھے اور نہ ہمارا تقاضہ اور سوال تھا۔ آپ کا لطف ہماری ان کہی باتیں سنتا تھا یعنی ہم موجود بھی نہ تھے اور اسی وقت سے محبوب ہو گئے تھے تو حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم کو ہماری اس محبت کی حفاظت کرنی چاہئے۔ ہم اسراف کرنے والوں کو نہیں چاہتے تو تم کو اسراف سے بچنا چاہئے۔ تو وہ جو محبوبیت اصلیہ ہے اس کی حفاظت کا اس آیت میں حکم

Maktaba Tul Ishaat.com

ہے اور واقعی یہ وعید جہنم کی وعید سے بڑھ کر ہے۔ اس کو وہی سمجھ سکتا ہے۔ جس کو خدا تعالیٰ سے محبت ہے اور جس کو محبت نہیں ہے وہ اس کی کیا قدر کرے گا۔ دیکھو اگر محبوب یہ کہہ دے کہ میں تم سے بولوں گا نہیں تو عاشق کے دل پر اس کا ہزار بار سے زیادہ اثر ہوتا ہے اسی کو فرماتے ہیں

شنیدہ ام سخن خوش کہ پیر کنعان گفت ☆ فراق یار نہ آں من کند کہ بتواں گفت

پیر کنعان نے نہایت عمدہ بات کہی وہ یہ کہ فراق محبوب ایسی محبت ہے جس کو بیان نہیں کر سکتے۔

حدیث ہول قیامت کہ گفت واعظ شہر ☆ تشبیہ دکنایتے ست کہ از روزگار ہجراں گفت

واعظ شہر جو ہول قیامت کی حدیث بیان کرتا ہے وہ روز ہجر سے کنایہ اور اس کا شبہ ہے، مولانا فرماتے ہیں

از فراق تلخ مے گوئی سخن ☆ ہر چہ خواہی کن ولیکن ایں مکن

فراق کی تلخ باتیں نہ کرو جو دل چاہے کرو مگر فراق کا نام مت لو۔

عشاق کا مذاق

عاشق کا مذاق یہ ہوتا ہے کہ اور جو چاہے سزا دیدو لیکن فراق کا نام نہ لو۔ عاشق فراق کا نام سن کر تڑپ جاتا ہے اس سے اندازہ کر لیجئے کہ ان اللہ لا یحب المسرفین اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔ سن کر عشاق کی جان پر کیا حالت گزری ہوگی۔

بس اب میں بیان ختم کرتا ہوں۔ حق تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائیں اور بقیہ مضامین کے بیان کی بھی توفیق فرمائیں۔

وصلی اللہ تعالیٰ وسلم علیٰ خیر خلقه

سیدنا ومولانا محمد وعلیٰ اله واصحابه اجمعین

وآخر دعونا ان الحمد للہ رب العلمین.

Maktaba Tul Ishaat.com

الغاء المجازفته

مقام جامع مسجد تھانہ بھون ۸ جمادی الثانی ۱۳۳۰ کو ارشاد فرمایا

Maktaba Tul Ishaat.com

خطبہ ماثورہ

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونومن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مفصل لہ و من یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمد اعبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ الہ واصحابہ وبارک وسلم.

اما بعد فاعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم.

قال اللّٰہ تعالیٰ ان یتبعون الا الظن (ط) وان انظن لا یغنی من الحق شیئاً (النجم:۲۸)

یہ لوگ صرف بے اصل خیالات پر چل رہے ہیں اور یقیناً بے اصل خیالات امر حق کے (اثبات میں) ذرا بھی مفید نہیں ہوتے۔ یہ پوری آیت نہیں ہے ایک آیت کا جزو ہے جو مضمون مجھ کو اس وقت مقصود بالبیان ہے اس کے لئے یہ جزو کافی ہے اور وہ مضمون ایک مختصر سا ہے لیکن اس کے شعبے کثیر ہیں۔ لیکن اس وقت ان سب شعب کو مفصلاً بیان نہ کیا جائے گا صرف ان کے لئے ایک قاعدہ کلیہ کے بیان پر اکتفا کیا جائے گا ملخص اس مضمون کا یہ ہے کہ اس آیت میں حق تعالیٰ کی طرف سے اہل باطل پر ایک خاص ملامت ہے اور الزام ہے اور چونکہ وہ مرض بعض اہل اسلام میں بھی پایا جاتا ہے۔ اس لئے ان کی اصلاح کے لئے اس وقت آیت کو اختیار کیا گیا ہے۔

آیت متلو کا شان نزول

شان نزول اس کا یہ ہے کہ دین کے باب میں کفار انبیاء کے مقابلے میں کچھ دعوی کیا کرتے اور وہ دعوی بلا دلیل تھے حق تعالیٰ ان پر ملامت فرماتے ہیں کہ یہ لوگ صرف اپنے خیالات اور ظن کا اتباع کرتے ہیں۔ حالانکہ ظن محض سے حق ثابت نہیں ہوتا ہے۔ بعض سے مراد وہ جس کا استناد نص کی طرف نہ ہو رائے محض ہو۔ یہ محض کا لفظ اہل علم کے یاد رکھنے کے قابل ہے کیونکہ اہل علم کو اس مقام پر شبہ ہو جایا کرتا ہے کہ شریعت میں ظن کا تو

Maktaba Tul Ishaat.com

اعتبار کیا گیا ہے۔ چنانچہ خبر واحد اور قیاس، ظنی ہے۔ اسی طرح قیاس شرعی بھی ہے۔ اس کا جواب محض کے لفظ سے نکل آیا یعنی جو ظن معتبر ہے وہ محض ظن نہیں ہے بلکہ وہ ظن معتبر ہے جس کا استناد نص کی طرف ہے۔ چنانچہ خبر واحد جو ظنی ہے وہ تو اصل ہی میں ظنی الثبوت نہیں ہے۔ محض اس کی سند میں ظن عارض ہو گیا ہے ورنہ بحیثیت رسول ہونے کے فی نفسہ قطعی ہے اسی طرح قیاس گو اصل ہی میں ظنی ہے لیکن وہ خود مثبت (یعنی حکم کا ثابت کرنے والا) نہیں ہے۔ بلکہ مظہر (حکم کو ظاہر کرنے والا) ہے۔ اور مثبت تو نص ہے اور قیاس اس کی طرف مستند ہے اور یہاں جس ظن پر ملامت ہے اس سے مراد وہ ظن ہے جس کا مستند نص نہ ہو محض تخمین اور رائے اس کا منشاء ہو اور جن عقائد میں یہ ظن مستند الی الدلیل (دلیل کی طرف استناد کیا گیا) بھی کافی نہیں اس میں شبہ ہی نہیں ہو سکتا جو جواب کی ضرورت ہو مجھ کو اس بات میں تطویل مقصود نہیں ہے۔ محض کے لفظ کا ایک فائدہ یاد آ گیا تھا وہ بیان کر دیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ وہ لوگ نرے گمان سے استدلال کرتے تھے اور نرا گمان جو دلائل شرعیہ سے ماخوذ نہ ہو وہ مثبت نہیں تاوقتیکہ اس ظن کا کوئی مستند شرعی ہو دین کے بارے میں کارآمد نہیں۔ دین کی قید اس لئے لگائی ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ کسی امر میں کوئی گمان مفید نہ ہو۔ چنانچہ طب میں کہ امر دین نہیں ظن معتبر ہے البتہ امر دنیوی میں بھی جہاں جس ظن کی ممانعت ہے وہاں اس پر عمل جائز نہیں۔ مقصود یہ ہے کہ دین کے بارے میں گمان اصلاً کوئی چیز نہیں خواہ وہ گمان کرنے والا کتنا ہی بڑا ذہین ہو اور عاقل ہو۔ دین کے بارے میں جب تک دلیل شرعی نہ ہو گی اس کا خیال معتبر نہ ہو گا اور دلائل شرعیہ چار ہیں ۱۔ کتاب و ۲ سنت و ۳ اجماع امت و ۴ قیاس۔ جو امر دلائل چہارگانہ میں سے کسی ایک سے بھی ثابت ہو وہ دین میں معتبر ہو گا ورنہ رد ہے۔ پس یہ بھی غلطی ہو گی کہ ان چار میں کسی ایک کو نہ مانا جائے گا اور یہ بھی غلطی ہو گی کہ ان چاروں سے تجاوز کیا جائے۔

ایک عام غلطی

آج کل ایک عام غلطی یہ بھی ہو رہی ہے کہ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ہر مسئلے کو قرآن شریف سے ثابت کریں حالانکہ دلائل شریعت کے چار ہیں۔ اگر ان میں سے ایک سے بھی

Maktaba Tul Ishaat.com

کوئی مسئلہ ثابت ہوجائے گا تو وہ شرعاً ثابت ہوجائے گا چنانچہ داڑھی رکھنے کی نسبت بعض کہتے ہیں کہ قرآن شریف سے دلیل لاؤ کہ ڈاڑھی رکھنا فرض ہے اور یہ دلائل کا مطالبہ کرنے والے ایسے حضرات ہیں کہ جن کو خود تحقیق واستدلال ہی سے اصلاً مس نہیں ان کو تو چاہئے تھا کہ محض تقلید کرتے۔

دین میں ہر شخص اجتہاد کا مدعی ہے

علماء کا قاعدہ عقلی ہے کہ جس فن کا جو جاننے والا ہوتا ہے وہ ہی اس میں دخل دے سکتا ہے اور نہ جاننے والا اگر دخل دے تو اس کو سب ہنستے ہیں۔ یہ قاعدہ ہر جگہ تو جاری کرتے ہیں لیکن دین کے اندر ہر شخص مجتہد ہونے کا مدعی ہے اور ہر کس وناکس اس میں دخل دینے کے لئے تیار ہے۔ فن زراعت کو مثلاً میں نہیں جانتا تو میں اگر گیہوں بونے کا طریقہ بیان کروں تو جاننے والے یہ کہیں گے کہ تم کیا جانو۔ اور تمام عقلاء کے نزدیک یہ جواب کافی سمجھا جائے گا مگر حیرت ہے کہ دین کے بارے میں اگر علماء بعینہٖ یہی جواب دیتے ہیں تو ناکافی شمار ہوتا ہے۔ یاد رکھو فن کے جاننے والوں کے سامنے تمہارے مطالبہ دلائل کی ایسی مثال ہے کہ ایک شخص کے پاس گھڑی ہے اور وہ بڑی معتبر ہے۔ تار گھر سے ملی ہوئی ہے اور ایک شخص آفتاب کی طرف رخ کئے ہوئے کھڑا ہے گھڑی والا کہتا ہے کہ گھڑی کے اعتبار آفتاب چھپ گیا اور اس میں ہرگز غلطی کا احتمال نہیں اور وہ کہتا ہے کہ آفتاب میرے سامنے ہے چھپا نہیں اور گھڑی والا اس سے دلیل طلب کرتا ہے اور وہ ہنستا ہے کہ یہ تو کھلی بات ہے آفتاب نظر کے سامنے ہے تم اس طرف منہ کرو دیکھو آفتاب موجود ہے دلیل کی حاجت نہیں ہے۔ بس جن لوگوں نے دین کے باب میں اپنی عمریں کھپا دی ہیں ان کا قول معتبر ہوگا یا ایک لڑکے کا جو آج ہی بالغ ہوا ہے اور یا بالغ ہے لیکن دین کا بالغ نہیں ہے۔ مولاناؒ فرماتے ہیں ؎

خلق اطفالند جز مست خدا ☆ نیست بالغ جز رہیدہ از ہوا

بجز مست عشق الٰہی کے تمام مخلوق گویا بچے ہیں پس بالغ وہی ہے جو خواہشات نفسانی سے چھوٹ گیا۔

Maktaba Tul Ishaat.com

بہر حال حساً بالغ ہو یا نہ ہو روحاً بالغ نہیں ہے بلکہ حساً بھی ہم کو تو ایسے لوگ بالغ معلوم نہیں ہوتے اس لئے کہ ظاہری علامت بلوغ کی ڈاڑھی تھی اور وہی صفا چٹ ہے۔ معلوم بھی نہیں ہوتی کہ نکلی ہے یا نہیں بہر حال ایسے لوگ جن کی یہ حالت ہے کہ علوم دین کی ان کو ہوا تک نہیں لگی وہ دلائل کا مطالبہ کرتے ہیں کہ قرآن شریف سے دلیل لاؤ میں کہتا ہوں کہ اس سوال کے اندر ایک دعویٰ مضمر ہے وہ یہ ہے کہ وہ اس کے مدعی ہیں کہ شریعت میں قرآن کے سوا کوئی دلیل نہیں ہے ہم اس دعویٰ پر ان سے اول دلیل کا مطالبہ کرتے ہیں۔ ہم کو یہ سمجھا دو کہ شریعت میں قرآن شریف ہی دلیل ہے اور کوئی دلیل نہیں۔

احادیث مبارکہ کے حجت ہونے کی دلیل

خود قرآن شریف سے ثابت ہے کہ علاوہ قرآن شریف کے اور بھی دلائل ہیں فرماتے ہیں۔ **وما اٰتکم الرسول فخذوہ وما نھکم عنہ فانتھوا**۔ (یعنی جن باتوں کا تم کو رسول ﷺ حکم کریں ان کو کرو اور جن باتوں سے منع کریں ان سے باز رہو)۔ اور فرماتے ہیں **فاعتبروا یا اولی الابصار**۔ (سوائے دانشمند و عبرت حاصل کرو)۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ جناب رسول اللہ کا ارشاد اگرچہ وہ قرآن شریف نہ ہو مثل قرآن شریف ہی کے حجت ہے اور کیوں نہ ہو **ماینطق عن الھوی** اپنی خواہشات نفسانی سے باتیں نہیں بناتے۔ آپ کی شان ہے

گفتہ او گفتہ اللہ بود ☆ گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

جو کچھ اس نے کہا ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی کا قول ہے اگرچہ اللہ کے بندے کے منہ سے نکلا ہے۔

اور فرماتے ہیں۔ **ومن یشاقق الرسول من بعد ماتبین لہ الھدیٰ ویتبع غیر سبیل المؤمنین نولہ ما تولی ونصلہ جھنم**۔ جو شخص بھی رسول ﷺ کی مخالفت کرے گا بعد اس کے کہ اس کو امر حق ظاہر ہو چکا تھا اور مسلمانوں کا رستہ چھوڑ کر دوسری راہ ہو لیا تو ہم اس کو جو کچھ وہ کرتا ہے کرنے دینگے اور اس کو جہنم میں داخل کریں گے۔

اس آیت سے اجماع امت کا حجت ہونا معلوم ہوا۔ اور فرماتے ہیں **ولو ردوہ**

Maktaba Tul Ishaat.com

الی الرسول والی اولی الامر منهم لعلمه الذین یستنبطونه منهم (اور اگر یہ لوگ اس کو رسول ﷺ کے اور جو ان میں ایسے امور کو سمجھتے ہیں ان کے اوپر حوالہ رکھتے تو اس کو وہ حضرات پہچان ہی لیتے جو ان میں اس کی تحقیق کر لیا کرتے ہیں)۔ یہ آیتیں بتلا رہی ہیں کہ قیاس بھی حجت ہے پس اگر قرآن شریف کو حجۃ مطلق مانتے ہیں تو اس کی کیا وجہ ہے کہ اس کے بعض دعاوی مسموع اور حجت اور بعض نامسموع غرض یہ سخت غلطی ہے۔ دیکھئے عدالت میں دعوے کی سماعت کے لئے شہادت مطلقہ کی ضرورت ہے مدعی اگر دو باوجاہت آدمیوں کو پیش کر دے تو مدعا علیہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ فلاں جج صاحب اور فلاں مولوی صاحب گواہی دیں گے تو مانوں گا اور اگر وہ جیسا کہے تو حاکم ہرگز نہ سنے گا اور یہ کہے گا کہ تم ان گواہوں میں جرح کرو تو اس کی طرف التفات ہوگا۔ لیکن اگر یہ مجروح نہیں تو تمہاری یہ تخصیص کہ فلاں فلاں اشخاص گواہی دیں ایک لغوبات ہوگی۔ اسی طرح مسئلہ عقلیہ ہے کہ دعوے کے اثبات کے لئے مطلق دلیل صحیح کی ضرورت ہے مستدل جس دلیل کو چاہے اختیار کرے مخاطب کو یہ اختیار رہے کہ اس میں جرح کرے اس کا جواب بذمہ مدعی ہوگا لیکن وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ تم نے یہ دلیل کیوں نہ اختیار کی۔

ادلہ اربعہ

اسی طرح یہاں سمجھ لیجئے کہ کسی مسئلہ شرعیہ کے اثبات کے لئے مطلق دلیل صحیح کی ضرورت ہے جو ادلہ اربعہ چاروں دلیل قرآن، حدیث، اجماع قیاس میں سے ہو کسی خاص دلیل کا مطالبہ نہیں کیا جا سکتا البتہ اس کا لحاظ ضروری ہے کہ قطعی دعوے کے لئے قطعی دلیل اور ظنی دعوے کے لئے ظنی دلیل ہونا چاہئے۔ جس کی تفصیل اپنے مقام پر مذکور ہے۔ غرض ایک تو غلطی یہ ہے اور دوسرے اس کی مقابل یہ ہے کہ ان چاروں سے گزر کر نرے ظن کو ہی حجت سمجھا جائے کہ نرا گمان بھی کسی مسئلہ کا مثبت نہیں ہے۔ بلکہ دلیل صحیح ادلہ اربعہ میں سے ہونا ضروری ہے اور ہر چند کہ یہ آیت خاص جماعت کے بارے میں ہے لیکن یہ مرض اگر اور جماعت میں بھی ہو تو کیا وہ اس الزام سے بچ سکتے ہیں۔ پس اب دیکھنا چاہئے کہ یہ مرض ہم میں موجود ہے یا نہیں چنانچہ دیکھا گیا تو معلوم ہوا کہ بکثرت عادت ہے کہ بلا تحقیق اور تیقن

Maktaba Tul Ishaat.com

کے محض ظن اور رائے بلکہ وہم اور شک کی بناء پر بھی دین کے باب میں حکم قطعی کر دیتے ہیں۔ عوام کیا اور اہل علم کیا اکثر ہی اس میں مبتلا ہیں۔ ہاں جو علماء محققین ہیں یا وہ عوام جو ایسے حضرات علماء کے صحبت یافتہ ہیں وہ تو مستثنیٰ ہیں ورنہ بالعموم لوگوں کو اس میں ابتلاء ہے جو مسئلہ پوچھیے کبھی یہ نہ کہیں گے کہ ہم کو علم نہیں خواہ علم ہو یا نہ ہو گھڑ کر جواب دے دیں گے۔

حضرت امام مالکؒ کی قابل رشک دیانت علم

امام مالکؒ کی حکایت ہے کہ ایک مجلس میں ان سے چالیس مسائل کسی نے پوچھے اچھی طرح یاد نہیں رہا 36 کا جواب دیا اور چار میں لا ادری (میں نہیں جانتا) کہا یا چار کا جواب دیا اور 36 میں عدم واقفیت ظاہر کی۔ آج کل ادنی طالب علم سے پوچھ کر دیکھئے جو ہرگز بھی یہ کہے کہ میں نہیں جانتا۔ مجھ کو باوجود اس کے کہ اتنے دن کام کرتے ہو گئے مگر اب تک ایسی ضرورت پڑتی ہے کہ یہ لکھتا ہوں کہ اس مسئلہ میں مجھ کو شرح صدر نہیں ہوا اور قواعد سے اگر جواب لکھتا ہوں تو اس میں یہ احتیاط کرتا ہوں کہ یہ لکھ دیتا ہوں کہ قواعد سے یہ جواب لکھا ہے۔ جزئیہ نہیں ملا اور کبھی جواب لکھ دیتا ہوں اور بعد میں لغزش ثابت ہوتی ہے۔ پس میں کہتا ہوں کہ جو لوگ لکھے پڑھے ہیں جب ان کو لغزشیں ہوتی ہیں تو جو ان پڑھ ہیں وہ تو بطریق اولی غلطیوں میں مبتلا ہوں گے۔ اور وہ شخص بھی ان پڑھ ہی ہے جو آمد نامہ دستور الصبیان بلکہ گلستان سکندر پڑھا ہو یا انٹرلس یا ایف اے پاس ہو۔

زبان اور چیز ہے علم اور

بلکہ عربی پڑھنے والے بھی سب عالم نہیں ہیں۔ کیونکہ زبان اور چیز ہے اور علم اور چیز ہے۔ میں ریاست رامپور گیا تھا وہاں چند لڑکے طالب علم انگریزی مدارس کے دیکھے جو حماسہ وغیرہ بھی پڑھتے تھے میں نے ان سے کہہ دیا کہ اپنے کو عالم مت سمجھنا اس لئے کہ اگر محض زبان عربی جاننے سے کوئی عالم ہوتا تو ابوجہل بڑا عالم ہوتا بلکہ میں تو ترقی کر کے کہتا ہوں کہ اگر علم دین بھی ہو اور عمل نہ ہو تو وہ بھی محقق عالم نہیں دلیل اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ولبئس ما شروا به انفسهم لو كانوا يعلمون۔ یعنی وہ شے بری ہے

Maktaba Tul Ishaat.com

جس کے عوض انہوں نے اپنی جان کو بیچ دیا کیا اچھا ہوتا کہ وہ جانتے۔ یہ علمائے یہود کے بارہ میں ہے چونکہ وہ عمل نہ کرتے تھے اس لئے باوجود اس کے کہ اس کے قبل ان کی نسبت **ولقد عملوا**۔۔یعنی ضرور یہ یہودی اتنا جانتے ہیں کا حکم بھی کر دیا گیا ہے۔ پھر بھی **لو کانو** (یعنی کاش ان کو اتنی عقل ہوتی)۔ میں نے ان کے علم کی نفی کی اور ان کے علم کو کالعدم سمجھا گیا۔ پس معلوم ہوا کہ علم مطلوب وہی ہے کہ جس کے ساتھ عمل ہو پس اہل علم بھی ناز نہ کریں کہ ہم نے کتابیں پڑھ لی ہیں۔ ہم مولوی ہو گئے ہیں۔

حقیقت علم تقویٰ سے حاصل ہوتی ہے

یاد رکھو جو حقیقت ہے علم کی کہ احکام کو صحیح صحیح سمجھ جائیں۔ میں بقسم کہتا ہوں کہ وہ بدون تقویٰ کے نصیب نہیں ہوتا۔ آپ دیکھ لیجئے کہ اگر دو آدمی ہم عمر ہوں اور ایک استاد سے انہوں نے پڑھا ہو اور فہم و حافظے میں بھی برابر ہوں لیکن فرق یہ ہو کہ ایک متقی ہو اور ایک نہ ہو تو متقی کے علم میں جو برکت اور نور ہوگا اور جیسا فہم اس کا صحیح ہوگا اور جیسے حقائق حقہ اس کے ذہن میں آئیں گے بخلاف وہ بات غیر متقی میں ہرگز نہ ہوگی۔ اگرچہ اصطلاحی عالم ہے اور کتابیں بھی پڑھا سکتا ہے مگر خالی اس سے ہوتا کیا ہے۔ ایک عالم نے وکیع محدث سے اپنے سوئے حافظہ کی شکایت کی تھی کہ جو پڑھتا ہوں یاد نہیں رہتا۔ انہوں نے ان کو تقوی کی تعلیم فرمائی۔ چنانچہ اس مضمون کو ان عالم نے نظم فرما دیا ہے طلبہ کو چاہئے کہ اس کو یاد کر لیں۔

شکوت الی وکیع سوء حفظی ☆ فاوصنی الی ترک المعاصی

میں نے سوء حافظہ کی حضرت وکیع سے شکایت کی تو انہوں نے مجھ کو گناہوں کو ترک کرنے کی وصیت فرمائی۔

فان العلم فضل من الہ ☆ وفضل اللہ لا یعطی للعاصی

اس لئے کہ علم اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور عاصی پر اللہ تعالیٰ کا فضل نہیں ہوا کرتا۔

اور اگر تقویٰ ہوگا تو علوم حقہ قلب پر وارد ہوں گے مولانا فرماتے ہیں۔

بینی اندر خود علوم انبیاء ☆ بے کتاب و بے معید و استا

Maktaba Tul Ishaat.com

یعنی متقی بن جاؤ اپنے اندر بلا کتاب ومعاون واستاد کے انبیاء علیہ السلام جیسے علم دیکھو گے۔

علوم حضرت حجۃ الاسلام نانوتویؒ

مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے معاصرین سے کچھ زیادہ نہیں پڑھا تھا بلکہ عجب نہیں کہ کم پڑھا ہو اس لئے کہ مولاناؒ کی طبیعت میں ہمیشہ سے ایک آزادی تھی مگر دیکھئے علوم کے ایسے دریا تھے کہ جس کے پانی نے تمام ہندوستان کو سیراب کر دیا۔ اب بھی جس طالب علم کا جی چاہے تجربہ کر لے اور تقویٰ کو اختیار کر کے دیکھ لے کہ کیسے کیسے علوم حاصل ہوتے ہیں اگر خلوص سے تقویٰ کو اختیار کیا جائے تو اس کی برکت کی تو حد نہیں۔ اگر خلوص نہ ہو تو امتحان ہی کے لئے کر کے دیکھ لو اس کی برکت بھی کچھ نہ کچھ دیکھ لو گے بقول مولانا

سالہا تو سنگ بودی دلخراش ☆ آزموں رایک زمانے خاک باش

سنگ دل خراش تو مدت سے بنے رہے ہو۔ بھلا آزمائش ہی کی نظر سے تھوڑے دنوں خاک بن کر تو دیکھو۔

در بہاراں کے شود سرسبز رنگ ☆ خاک شو تا گل بروید رنگ برنگ

موسم بہار میں پتھر کب سرسبز ہوتا ہے۔ خاک ہو جاؤ تا کہ رنگ برنگ کے پھول پیدا ہوں یعنی تکبر کو چھوڑ کر تذلل اور کسی کی متابعت اختیار کرو تا کہ طرح طرح کے فیوض وبرکات میسر ہوں۔

طلباء کو بطور خاص حصول تقویٰ کی ضرورت

اس لئے طلبہ کو خصوصیت کے ساتھ تقویٰ اختیار کرنا چاہئے۔ بعض طلبہ کہتے ہیں کہ ہم تو ابھی بچے ہیں۔ یاد رکھو یہی عمر تمہاری پختگی کی ہے جس بات کی اب عادت ہو جائے گی وہ کبھی نہ چھوٹے گی۔

سات برس کے بچے کو نماز پڑھانے میں حکمت

اسی واسطے تو ارشاد ہے مروا صبیانکم اذا بلغوا سبعاً (مسند احمد ۲: ۱۸۰، حلیۃ الاولیاء ۱۰: ۳۶) یعنی اپنے بچوں کو نماز کا حکم کرو جب وہ سات برس کو پہنچ جائیں۔ حالانکہ نماز فرض ہوتی ہے بلوغ کے بعد اور بالغ ہوتا ہے اکثر پندرہ برس

Maktaba Tul Ishaat.com

کی عمر میں اور حکم سات برس کی عمر سے پڑھوانے کا ہے تو وجہ اس کی یہی ہے کہ عادت پڑے گی اور گو ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ اگر اس سے پہلے ہی شروع کرادی جائے تو کیا حرج ہے۔ سات ہی کی کیا تخصیص ہے مجھے بھی اس میں ایک بار شبہ ہوا چنانچہ میں نے سات برس سے کم عمر والے بچوں کو نماز پڑھوانے مسجد میں لانے کا اہتمام کیا ایک روز ایک بچہ نے عین نماز میں پیشاب کر دیا۔ اس روز اس حدیث کی حکمت معلوم ہوئی کہ سات برس سے کم عمر میں کافی سمجھ بھی نہیں ہوتی۔ اس لئے نماز کے لئے مجبور کرنا مناسب نہیں۔

جمال شریعت

ایسے ایسے واقعات سے قدر ہوتی ہے شریعت کی۔ شریعت کا جمال وہ جمال ہے کہ

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم ☆ کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

یعنی سر سے پیر تک جس جگہ نظر ڈالتا ہوں ہر کرشمہ دامن دل کو کھینچتا ہے کہ یہی جگہ فریفتہ ہونے کی ہے۔

شریعت کے جس جزو کو دیکھو ادھر ہی دل کھنچتا ہے۔ بعض ایسے بھدے اور کور عقل ہیں کہ شریعت کو ایک خونخوار اور ڈراؤنی شکل میں سمجھتے ہیں۔ بات یہ کہ صفراوی کو شیرینی بھی تلخ معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے کہ اس کا ذوق فاسد ہے ایسے ہی ان لوگوں نے اپنے ادراک کو فاسد کر لیا ہے تو شریعت کی خوبی ان کو کیسے نظر آسکتی ہے۔

گفت لیلیٰ را خلیفہ کان توئی ☆ کز تو مجنوں شد پریشاں و غوی

یعنی خلیفہ نے لیلیٰ سے پوچھا تو ہی ہے وہ کہ جس کی وجہ سے مجنوں پریشان اور بے راہ ہو رہا ہے۔

از دگر خوبان تو افزوں نیستی ☆ گفت خامش تو کہ مجنون نیستی

یعنی دوسرے محبوبوں سے تو کچھ بڑھ کر نہیں ہے پھر کیا وجہ کہ مجنوں تجھ پر شیدا ہے۔ اس نے کہا کہ تو چپ رہ اس لئے کہ تو مجنوں نہیں ہے۔

دیدہ مجنون اگر بودے ترا ☆ ہر دو عالم بے خطر بودے ترا

اگر تجھ کو مجنوں کی آنکھ ہوتی تو دونوں جہاں تیرے نزدیک بے قدر ہوتے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

حق تعالیٰ شانہ سے محبت رکھنے کا اثر

صاحبو! خدا تعالیٰ کی محبت تو وہ شے ہے کہ اگر احکام شرعیہ (نعوذ باللہ) معتدل بھی نہ ہوتے تب بھی محب کے نزدیک واجب العمل تھے اس لئے کہ محبت وہ شئے ہے کہ اگر واقعی میں بھی حسن و جمال نہ ہو تو وہ حسین دکھلاتی ہے چہ جائے کہ حسن و جمال بھی ہو اور محبت بھی۔ سو شریعت کا وہ حسن ہے کہ اگر محبت بھی نہ ہو صرف نظر صحیح ہو اور احکام میں غور کیا جائے تو اس کو معلوم ہوگا کہ اسلامی احکام عین حکمت اور مصالح پر مبنی ہیں۔ چنانچہ بہت سے دوسرے مذاہب والوں نے حقانیت اسلام پر مضامین لکھے ہیں۔ غرض اس روز مجھ کو معلوم ہوا کہ سات برس کے بعد خود شریعت کا حکم ہے کہ نماز پڑھواؤ جس سے معلوم ہوا کہ بچپن ہی میں دین کی عادت ڈالنا چاہئے پس یہ خیال آنا کہ ابھی تو ہم بچے ہیں بوڑھے ہو کر کر لیں گے۔ یہ وسوسہ شیطانی ہے۔ کرنے کا زمانہ یہی ہے۔ اس وقت کے خیالات خوب پختہ ہوتے ہیں۔

بچپن میں تربیت کی ضرورت

چنانچہ ایک اللہ والے نے اپنے صاحبزادے کی تربیت کی تھی۔ جب اس کو ہوش آنے لگا انہوں نے اپنی بی بی سے کہہ دیا کہ اس کو کوئی شے تم اپنے ہاتھ مت دیا کرو۔ بلکہ ایک جگہ مقرر کر دو اور اس کو کہہ دو کہ اللہ سے مانگو اللہ تعالیٰ دیں گے اور فلاں جگہ بھیج دیں گے۔ چنانچہ جب کوئی شے وہ مانگتا یہی کہہ دیتے کہ اللہ تعالیٰ سے مانگو اور وہ مانگتا۔ غرض اس کے ذہن میں راسخ ہو گیا کہ جو کچھ دیتے ہیں اللہ میاں دیتے ہیں۔ ماں باپ دینے والے نہیں ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ وہاں کوئی شے نہ تھی اور بچے نے حسب معمول کوئی شے مانگی ماں باپ نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ سے مانگو اس نے مانگا اور وہاں گیا تو اس جگہ وہ شے رکھی ہوئی پائی اس روز وہ بزرگ بہت خوش ہوئے کہ اب اس کا توکل صحیح ہو گیا۔ میرا مقصود یہ نہیں کہ سب لڑکے ایسے ہی بن سکتے ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ بزرگان دین شروع ہی سے بچوں کی تربیت کیا کرتے تھے۔

حضرت زین العابدینؒ کی خشیت خداوندی

حضرت امام زین العابدینؒ نے بچپن میں یہ آیت سنی وقودھا الناس

Maktaba Tul Ishaat.com

والحجارۃ یعنی دوزخ کا ایندھن آدمی اور پتھر ہونگے۔ تو بے انتہا روتے تھے۔ ایک شخص نے کہا کہ آپ تو اہل بیت میں سے ہیں آپ اس قدر کیوں روتے ہیں فرمایا کہ کنعان نوحؑ کا بیٹا تھا دیکھئے اس کیلئے ارشاد ہے انہ لیس من اھلک یہ شخص تمہارے گھر والوں میں سے نہیں اس شخص نے کہا آپ تو بچے ہیں فرمایا میں نے اپنی ماں کو دیکھا ہے کہ جب چولہے میں آگ سلگاتی ہیں تو چھوٹی لکڑیوں میں آگ لگاتی ہیں۔ پھر ان سے بڑی لکڑیوں میں اسی طرح مجھ کو ڈر ہے کہ وہاں بھی یہی ترتیب نہ ہو۔

اب اس وقت کے بچے جو ہیں کیا ان پر وحی نازل ہوئی ہے کہ ان کے ذمہ بجز لہو و لعب کے کوئی کام نہیں اور یاد رکھو جو طلبہ بالغ ہیں وہ تو بچے نہیں ہیں۔ ان کو تو بے فکر نہ ہونا چاہئے۔ بہر حال طلبہ کو بالخصوص بہت اہتمام کا عمل کرنا چاہئے اور بلا عمل علم کسی کام کا نہیں اسی واسطے تو فرمایا ولقد علموا لمن اشتراہ مالہ فی الاٰخرۃ من خلاق. ولبئس ما شروا بہ انفسھم لو کانوا یعلمون (ترجمہ اور یہ یہودی بھی اتنا ضرور جانتے ہیں کہ جو شخص اس کو اختیار کرے ایسے شخص کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے اور بے شک وہ چیز بری ہے جس میں وہ لوگ اپنی جان دے رہے ہیں کاش ان کو اتنی عقل ہوتی۔)

علماء محققین کی صحبت کی ضرورت

خلاصہ یہ نکلا کہ نری عربی پڑھنے سے عالم نہیں ہوتا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ علماء بہت کم ہیں۔ گو عربی پڑھے ہوئے بہت ہوں پس عوام یا خواص کالعوام کے ظنون دین میں کیا قابل وقعت ہوں گے۔ غرض ظنون کو چھوڑ کر دلیل کا اتباع کرنا چاہئے۔ یہ تو خواص کے لئے ہے اور عوام کو حاجت کے وقت مسئلہ پوچھ کر علماء کی صحبت اختیار کرنا چاہئے اور صحبت سے یہ مراد نہیں ہے کہ علماء کی خدمت میں جا کر ٹل ہانکیں اور دنیا بھر کے اخبار اور حکایات بیان کریں کہ وکیل میں یہ لکھا ہے اور زمیندار میں آج یہ خبر ہے۔

صحبت اہل اللہ کس صورت میں مفید ہو سکتی ہے

صحبت مفید جب ہو سکتی ہے کہ ان سے اپنے امراض کا بیان کریں اور ان کا علاج

Maktaba Tul Ishaat.com

پوچھیں۔ اس نیک صحبت کی مثال ایسی ہے جیسے عطر فروش کی دوکان کہ یا تو وہاں سے عطر خریدو گے ورنہ کم سے کم خوشبو سے تو دماغ کو راحت ہوگی اسی طرح نیک صحبت سے کوئی نہ کوئی بات کام کی حاصل ہو جاتی ہے۔

یک زمانہ صحبت با اولیا ☆ بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

تھوڑی دیر کے لئے اولیاء اللہ کے پاس بیٹھ جانا سو سالہ طاعت بیریا سے بہتر ہوتا ہے۔

صحبت صالح ترا صالح کند ☆ صحبت طالع ترا طالع کند

صالح کی صحبت تم کو صالح کر دے گی اور بد بخت کی صحبت تم کو بھی بد بخت بنا دے گی۔

صحبت نیکان اگر یک ساعت است ☆ بہتر از صد سالہ زہد و طاعت است

نیکوں کی صحبت اگر ایک گھڑی بھی حاصل ہو جائے تو وہ سو سالہ زہد و طاعت سے بہت ہے۔

صحبت ناجنس سے خلوت بہتر ہے

پس دین کے جاننے کے دو ہی طریق ہیں۔ علم محققانہ اور صحبت بعض لوگ باوجود علم دین نہ ہونے کے محض معمولی نوشت و خواند کے بھروسے صحبت سے بلکہ استغناء سے بھی اپنے کو مستغنی سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم خود لکھے پڑھے ہیں۔ ہم کو کسی کی احتیاج نہیں خود کتابوں میں دیکھ لیں گے۔ صاحبو! کبھی طب کی کتابیں دیکھ کر بیوی کو مسہل بھی دیا ہے۔ حکیم جی کے پاس کیوں دوڑے ہو اور اگر کوئی اس وقت کہتا ہے کہ تم نے کتاب میں دیکھ کر خود علاج کر لیا ہوتا تو یوں کیوں کہتے ہو کہ میاں خدا جانے کیا مل رہ جائے۔ جس کی وجہ سے علاج میں غلطی ہو جائے۔ مجھ کو حیرت ہے کہ ہر فن میں تو اس کے جاننے والوں کا اتباع کرتے ہیں لیکن دین کے اندر ہر شخص مجتہد بنتا ہے۔ یاد رکھو جو کچھ کسی نے پایا ہے وہ صحبت اور اتباع کی بدولت پایا ہے ایک کتاب کے اندر آج ہی دیکھا ہے کہ خواجہ عبید اللہ احرارؒ کے پاس چند آدمی جمع تھے اس کا تذکرہ آیا کہ جمعہ کے اندر ایک ساعت ایسی ہے کہ جو کچھ دعا اس وقت کی جائے قبول ہو جائے گی۔ ہر ایک نے اپنی ایک ایک تمنا کا ذکر کیا کہ اگر ہم کو وہ وقت میسر ہو تو ہم یہ مانگیں خواجہ صاحب نے فرمایا کہ مجھ کو وہ ساعت ملے تو نیک صحبت

Maktaba Tul Ishaat.com

مانگوں۔تو صاحبو نیک صحبت وہ شے ہے کہ بزرگوں نے بھی اس کی تمنا فرمائی۔البتہ اگر نیک صحبت میسر نہ ہو تو صحبت ناجنس پر خلوت بہتر ہے ورنہ نیک صحبت ایک دم کی بھی بعض مرتبہ ایسی موثر ہو جاتی ہے کہ برسوں کا مجاہد بھی وہ کام نہیں کرتا ہے۔

ایک دنیادار عالم اور درویش

ایک درویش کی حکایت ہے کہ وہ کسی دنیادار عالم کے پاس پہنچے جن کے یہاں بڑے بڑے محل اور دنیا کا سامان تھا۔عرض کیا کہ حضرت مجھے وضو کرنا نہیں آتا مجھے وضو کرا دیجئے۔چنانچہ وہ عالم ان کو وضو کرانے لگے۔اس درویش نے کسی عضو پر چار مرتبہ پانی ڈال لیا تو مولوی صاحب نے فرمایا کہ یہ اسراف ہے تین مرتبہ ڈالو۔درویش صاحب نے فرمایا کہ یہ اتنے بڑے بڑے محل اور طرح طرح کے سامان جو تمہارے یہاں میں دیکھتا ہوں اس میں اسراف نہیں ہے۔اور ایک چلو پانی میں اسراف ہو گیا۔ان مولوی صاحب کے دل پر ایک چوٹ لگی اور سب ذخیرہ خیرات کر کے اللہ کی یاد میں مشغول ہو گئے۔دیکھئے اس ایک دم کی صحبت نے کیا کچھ کر دیا۔اور اس حکایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ علم دین وہی کارآمد ہے کہ جس سے دین درست ہو اور دنیا سے بے رغبت کر دے۔صحابہؓ میں آخر کیا بات تھی کہ وہ علوم اصطلاحیہ سے بالکل واقف نہیں تھے۔لیکن جو مقصود اصلی ہے علم کا وہ ان میں اس درجہ تھا کہ قیامت تک کسی میں نہ ہوگا۔ان میں اکثر کی شان یہ تھی **نحن امة امية لا نكتب ولا نحسب** (مسند احمد ۱۲۲:۲) (یعنی ہم ان پڑھ امت ہیں حساب اور لکھنا نہیں جانتے ہیں۔) حق تعالیٰ نے جہاں ہدی کا مسئلہ بیان فرمایا ہے اور اس کے عوض دس روزے تین قبل از حج اور سات بعد حج رکھنے کے لئے ارشاد فرمایا ہے۔اس کے آخر میں ارشاد ہے **تلك عشرة كاملة**۔یعنی یہ پورے دس ہیں اس میزان الکل کے بیان فرمانے سے معلوم ہوا کہ صحابہؓ فن حساب وغیرہ میں نہایت سادہ تھے۔ایک تاریخ میں نظر سے گزرا ہے کہ ایک صحابی کی فارس میں کسی عورت پر نگاہ جا پڑی اس پر فریفتگی ہو گئی۔حضور ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ شاید وہ شہر فتح ہو تو وہ عورت مجھے دے دیجئے اور آپ لکھ دیجئے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

حضور ﷺ نے لکھوادیا۔ خدا کی قدرت حضرت عمرؓ کے وقت میں لشکر اسلام وہاں پہنچا اور وہ ملک فتح ہوگیا اور وہ عورت جو کہ شہزادی تھی قید ہو کر آئی انہوں نے وہ تحریر دکھلائی چنانچہ وہ ان کو مل گئی۔ اس کے بھائی کو اطلاع ہوئی تو اس نے روپیہ دے کر چھڑانا چاہا پوچھا کیا لوگے فرمایا کہ ایک ہزار روپیہ لوں گا۔ سمجھے کہ ایک ہزار روپیہ بہت ہوتا ہوگا وہ دیا گیا فرمانے لگے میں تو سمجھا تھا کہ ایک ہزار روپیہ بہت ہوتا ہوگا یہ تو کچھ بھی نہیں۔ میں نہیں لیتا اس نے کہا آپ کو لینا پڑے گا۔ غرض امیر لشکر نے فیصلہ کیا کہ آپ کو حسب وعدہ لینا پڑے گا۔ غرض صحابہؓ اس قدر بھولے تھے کہ ان کو کچھ خبر نہ تھی۔ اسی واسطے صورۃ قدر میں الف کا عدد کہ جو کنایہ ہے کثرت سے اختیار کیا اس لئے کہ اکثر عرب الف کو بہت شمار کرتے تھے۔

حضرت علیؓ کی عجیب حکایت عدل

البتہ بعض محاسب بھی تھے۔ چنانچہ میں قصہ بیان کرتا ہوں کہ دو شخص راہ میں رفیق ہوئے۔ کھانے کا وقت آیا ایک کے پاس پانچ روٹیاں تھیں اور دوسرے کے پاس تین روٹیاں۔ اتفاقاً ایک مسافر بھی آگیا اس کو بھی بلا کر کھانے میں شریک کیا تینوں نے مل کر وہ روٹیاں کھائیں جب وہ مسافر ان سے علیحدہ ہوا تو اس نے ان کے احسان کے صلہ میں آٹھ درہم ان کو دیئے کہ تم آپس میں ان کو تقسیم کر لیجیو۔ تقسیم میں دونوں رفیقوں میں اختلاف ہوا۔ پانچ والے نے کہا کہ بھائی تیری تین روٹیاں تھیں تین درہم تو لے اور میری پانچ تھیں پانچ مجھ کو دیدے۔ تین والے نے کہا نہیں نصفا نصف تقسیم ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ یہ دونوں عدد قریب قریب ہیں۔ یہ قصہ حضرت علیؓ کی خدمت میں پہنچا حضرت نے دونوں کو سمجھایا کہ صلح کرلو صلح پر راضی نہ ہوئے اور درخواست حساب سے دینے کی کی تو تین والے کو فرمایا ایک تم لو اور سات اس کو دے دو۔ محاسب سن کر بہت حیران ہوئے کہ یہ کیا فیصلہ ہے۔ لیکن سننے کے بعد معلوم ہوا کہ عین عدل ہے۔ اس لئے کہ کل روٹیاں آٹھ تھیں اور تین آدمیوں نے کھائیں اور کمی بیشی کا اندازہ ناممکن اس لئے یوں کہیں گے کہ تینوں نے برابر کھائیں تو اب دیکھنا چاہئے کہ ہر ایک نے کتنا کھایا۔ پس ہر روٹی کے تین تین ٹکڑے کرلو تو

Maktaba Tul Ishaat.com

کل 24 ٹکڑے ہوئے پس ہر شخص نے آٹھ آٹھ ٹکڑے کھائے۔ سو تین والے کی روٹیوں کے نو ٹکڑے ہوئے جس میں سے آٹھ تو اس نے خود کھائے ایک بچا وہ مسافر نے کھایا۔ اور پانچ والے کی روٹیوں کے پندرہ ٹکڑے ہوئے جن میں سے آٹھ اس نے کھائے اور سات مسافر نے کھائے بس یہی نسبت درہم میں بھی ہونا چاہئے کہ سات درہم پانچ والے کو اور ایک تین والے کو ملنا چاہئے۔ اس قسم کے بہت قصے حضرت علیؓ کے ہیں کہ جو حضرت کی ذکاوت وفطانت پر دال ہیں۔ لیکن اکثر صحابہؓ لکھے پڑھے کم تھے۔ مگر دیکھ لیجئے کہ صحابہؓ کی کیا فضیلت ہے تو یہ سب ایک ذات پاک کی صحبت کی برکت ہے۔ اسی صحبت کی نسبت حافظ شیرازیؒ فرماتے ہیں۔

شراب لعل و مے بیغش و رفیق شفیق ☆ گرت مدام میسر شود زہے توفیق

یعنی خالص محبت الٰہی اور مرشد کامل شفیق اگر ہمیشہ تم کو میسر ہوتے رہیں تو بہت اچھی توفیق ہے۔

اتباع ظن مہلک مرض ہے

غرض صحبت نیک بہت بڑی دولت ہے اس کا بہت اہتمام والتزام کرنا چاہئے غرض غیر علماء کو علماء کی صحبت اور اتباع اور علماء کو اتباع دلیل طرق سلامتی ہے اور اتباع ظن دونوں کے لئے مرض مہلک ہے بس یہ ہے کہ وہ مرض جو اس آیت میں مذکور ہے جس کی نسبت میں نے دعوی کیا تھا کہ یہ مرض مسلمانوں میں بھی موجود ہے اور اس مرض کی مختلف صورتیں ہیں۔ بعض تو ایسا کرتے ہیں کہ کسی سے کوئی مسئلہ سنا اب یہ تحقیق نہیں کرتے کہ بیان کرنے والا معتبر ہے یا غیر معتبر اس کو نقل کر دیتے ہیں اگر پوچھو تم نے کس سے سنا ہے تو کہتے ہیں کہ ایک مولوی صاحب سے وعظ میں سنا تھا۔ خدا جانے کہاں کے رہنے والے تھے کون تھے۔ کہاں انہوں نے پڑھا تھا کچھ خبر نہیں۔ یاد رکھو جب تک تحقیق نہ کرلو کہ یہ شخص معتبر عالم ہے اس وقت تک وعظ بھی سننا ایسے مولوی کا جائز نہیں اور نہ مسئلہ سن کر عمل کرنا جائز ہے اور بعض سنتے تو ہیں عالم معتبر سے لیکن پوری بات نہیں سنتے صرف آدھی سنتے ہیں

Maktaba Tul Ishaat.com

اور وہی آدھی نقل کر دیتے ہیں اور بعض میں یہ مرض اس صورت سے ہے کہ علماء محققین سے مسائل سن کر کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو نئی بات ہے پہلے ہم نے کبھی نہیں سنی اس لئے صحیح نہیں سو دین میں یہ حکم محض اپنی رائے سے لگاتے ہیں۔ جس کا مبنی یہ لغو خیال ہے کہ جو بات کبھی نہ سنی ہو وہ غلط ہوتی ہے۔ میں نے یہ سنا تھا کہ بعض دیہات میں مردے کو بے نماز پڑھے ہوئے دفن کر دیتے ہیں۔ اس لئے وہاں کوئی ملا نماز پڑھانے والا نہیں ہوتا۔ خدا بھلا کرے ان مسجدوں کے ملانوں کا انہوں نے بھولے بھالے دیہاتیوں کے ذہن میں یہ بٹھا دیا ہے کہ جب تک ہم نماز نہ پڑھائیں نماز ہی جنازہ کی نہ ہوگی اور یہ کفن کے ساتھ جو جانماز ہوتی ہے یہ بھی ان لالچی ملانوں کی گھڑت ہے اپنی آمدنی کے لئے تجویز کی ہے۔ اب وہ ایسی رسم ہوگئی کہ اس کو جز کفن جانے لگے۔ اور اسی طرح اوپر کا چادرہ بھی کفن میں داخل نہیں ہے یہ بھی انہی حضرات کا ایجاد ہے اگر احترام کے لئے ڈھانپنا منظور ہے تو کوئی شخص اپنا چادر ڈال دیا کرے کافی ہے۔ مگر مصیبت یہ ہے کہ ذہن میں جما رکھا ہے کہ اپنا چادر ڈال دیں گے تو وہ مردے کے تعلق سے منحوس ہو جائے گا۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ مردے کی جائیداد اور روپیہ منحوس نہیں ہوتا اگر اس کے تعلق کی ایسی ہی نحوست ہے تو چاہئے کہ جائیداد اور روپیہ بھی مردے کا نہ کھائیں۔ اگر کسی کو اب بھی شبہ رہے میں اجازت دیتا ہوں کہ میرا چادرہ لے کر مردے پر ڈال دیں۔ پھر میں اس کو پہنوں دیکھوں کیسی نحوست مجھ کو لگے گی۔ غرض یہ جا نماز اور چادرہ داخل کفن نہیں پس اگر بعض ورثہ نابالغ ہوں تو یہ چادرہ اور جاء نماز بالغین اگر چاہیں تو اپنے حصہ سے بنانا چاہیے ایک موقع پر ایک شخص بہت خفا ہوئے اور کہنے لگے کہ اگر یہ مولوی رہے تو مردوں پر کفن پڑنا بھی چھوٹ جائے گا۔ میں نے کہا کہ ہاں سچ ہے دین کی خدمت میں شہادت ملا کرے گی اور شہداء پر کفن نہیں پڑتا۔ غرض کہ میں نے سنا تھا کہ بعض دیہات میں بے نماز پڑھے ہوئے دفن کر دیتے ہیں۔ میرا دل بہت دکھا اس لئے کہ جو مردہ بے نماز پڑھے ہوئے دفن کیا جاتا ہے تو اس جگہ کے سب لوگ گنہگار ہوتے ہیں اور تین دن کے اندر جہاں جہاں خبر پہنچتی ہے وہ سب گنہگار ہوتے ہیں۔

Maktaba Tul Ishaat.com

جنازہ میں چار تکبیرات فرض ہیں

اس لئے میں نے یہ مسئلہ بیان کیا کہ اگر جنازہ کی نماز کی دعائیں یاد نہ ہوں تو وضو کر کے جنازہ پر چار مرتبہ اللہ اکبر کہہ دیا کرو نماز ہو جائے گی اس لئے چار تکبیریں ہی اس میں فرض ہیں اور درود و دعائیں سنت ہیں۔ بعض نے میرے اس مسئلے پر انکار کیا اور وہ بھی ایسے لوگوں نے جو محض جاہل علم دین سے مس بھی نہیں رکھتے۔ بات یہ کہ جاننے والوں پر اعتماد نہیں خود علم نہیں تو جو دل میں آئے گا بکیں گے۔

اغلاط العوام

اسی طرح بہت سے ایسے مسائل مشہور ہیں کہ جن کی کوئی سند نہیں چنانچہ ایک مسئلہ یہ ہے کہ جنازہ کی نماز کے لئے جو وضو کیا جائے فرض نماز اس سے پڑھنا جائز نہیں۔ ایک مسئلہ یہ مشہور ہے کہ اذان داہنی طرف ہو اور تکبیر بائیں طرف اور عورتوں میں یہ مشہور ہے کہ رات کو درخت کو ہلانا نہ چاہئے اس لئے کہ گناہ ہے۔ میرا ارادہ ہے کہ ایک کتاب ایسی لکھوں جس میں ایسے غلط مسائل درج ہوں۔ کچھ لکھے بھی ہیں اور اس کا نام اغلاط العوام رکھا جائے گا تا کہ لوگوں کو اطلاع ہو جائے کہ یہ مسائل غلط ہیں میں نے اس وجہ سے اس کا تذکرہ کیا تا کہ کوئی صاحب دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اس کو پورا کرنے کی توفیق دے دیں یہ تو ظن و تخمین کے باب میں عوام الناس کے اغلاط کا بیان تھا اور بعض غلطیاں علماء کے اندر ہیں۔ اس سے عوام کو اور زیادہ دھوکہ ہوتا ہے۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ ہر کسی سے مسئلہ سن کر اعتماد نہ کر لیا کریں۔ جب تک محققین علماء سے نہ دریافت کر لیں۔ چنانچہ ایک مسئلہ ہے جس میں بعض لکھے پڑھے لوگ بھی تسامح کرتے ہیں کہ ایک مسجد میں اگر چونا اینٹ وغیرہ کی ضرورت ہو اور دوسری مسجد سے لگایا جائے تو جائز ہے یا نہیں تو یہ مشہور ہے کہ مسجدیں سب یکساں ہیں جو شے ایک مسجد سے زائد ہو دوسری میں لگا دینا جائز ہے۔ یہ محض رائے ہے اور رائے بھی ایسی ہے کہ ذرا غور کرو تو غلطی اس رائے کی ثابت ہوتی ہے اگر سب مسجدیں ایک ہوں تو خدا خیر کرے بدھنوں اور چٹائیوں کی اگر کوئی کہے کہ مراد یہ ہے کہ جب کوئی شے نکمی

Maktaba Tul Ishaat.com

ہوتو دوسری مسجد میں لگانا جائز ہے تو ثابت کیجئے کہ چونا وغیرہ نکما ہے اور اگر نکمے سے مراد زائد از حاجت ہے اس سے تو لازم آتا ہے کہ جو چٹائیاں بچھ رہی ہیں وہ نہ لینا چاہئے اور جو زائد کھڑی ہیں وہ لینا جائز ہیں اور بعض ان سے بھی بڑھ کر ایسے بہادر اور پہلوان ہیں کہ مسجد کی چیزیں اپنے گھر لے جاتے ہیں اور اگر کوئی منع کرتا ہے تو کہتے ہیں کیا تمہارے باوا ملک ہے ان سے کوئی پوچھے کہ تمہارے باوا کی ملک بعض لوگ حمام میں سے گرم پانی گھر لے جاتے ہیں اور حیرت تو یہ ہے کہ بعض متقی پرہیز گار بھی اس میں بھی مبتلا ہیں۔ اسی طرح بعض لوگ استنجے کے ڈھیلے لے جاتے ہیں اور یوں سمجھتے ہیں کہ آخر یہ پانی اسی واسطے تو ہے کہ وضو کریں خواہ یہاں کریں خواہ مکان پر کریں یاد رکھو مسجد کی چیز کا خلاف مصرف میں برتنا سخت گناہ ہے اور وبال اکثر یہ ہوتا ہے کہ اس وبال میں آئے ہوئے سے زیادہ گھر سے نکل جاتا ہے۔ کانپور میں ایک شخص تھے انہوں نے مسجد کا ایک کونہ دبالیا۔ ایک درویش آئے ان سے ہم نے شکایت کی انہوں نے کہا خوش ہو وہ کونہ اب سارے مکان کو مسجد میں لائے گا چنانچہ تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ ان کو حاجت شدید پیش آئی اور وہ گھر ان کو بیچنا پڑا اور مسجد میں خرید کر شامل کر دیا گیا۔ غرض ایک مسجد کے لئے جو شے وقف ہو اور وہاں کے کام کی نہ رہی ہو وہ دوسری مسجد میں بہ قیمت جا سکتی ہے اور یہ بھی شرط ہے کہ وہاں کے منتظمین کی اجازت ہو اور بغیر اس کے ہرگز جائز نہیں فقہا نے لکھا ہے کہ اگر مسجد میں پانی پینے کے لئے رکھا ہے تو اس سے وضو کرنا حرام ہے۔

مسائل معلوم کرنے کا قاعدہ کلیہ

غرض مسائل تو بہت ہیں کہاں تک بیان کئے جائیں میں قاعدہ کلیہ بیان کئے دیتا ہوں کہ جو بات سنو محققین علماء سے تحقیق کر لو جو کچھ ہم نے سنا ہے یہ صحیح ہے یا غلط اگر وہ صحیح فرمائیں تو اس پر عمل کرو اور اپنے قیاس اور رائے پر عمل نہ کیا کرو اور عوام کے قیاس کا تو کیا اعتبار ہے خود وہ لوگ جو برسوں سے یہ کام کر رہے ہیں بلکہ اپنی عمر ہی اس میں کھپا دی ہے رائے میں ان کی بھی غلطی ہوتی ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

مردار کی ہڈی بعد رطوبت خشک ہو جانے کے پاک ہے

ایک مسئلہ بیان کرتا ہوں کہ اس میں مجھے اپنی ایک غلطی معلوم ہوئی اور اس مسئلے سے پہلے ایک قاعدہ سمجھنا چاہئے وہ یہ ہے کہ مردے کے اجزاء بعد مرنے کے نجس ہو جاتے ہیں اس لئے کہ موت منجس ہے اس بناء پر میں یہ سمجھے ہوئے تھا کہ مردہ جانور کا دودھ بھی حلال نہ ہوگا لیکن ایک شخص کے پوچھنے پر احتیاطاً کتاب میں جو دیکھا تو اس میں حلال لکھا تھا بہت دیر تک حیرانی رہی کہ اس کی کیا وجہ ہے بہت دیر کے بعد اس بناء کی غلطی ظاہر ہوئی وہ یہ کہ مردار جو نجس ہوتا ہے تو موت منجس ہے تو جن اجزاء میں موت حلول کرے گی وہ اجزاء نجس ہوں گے اور موت کا اثر وہاں ہوگا جہاں پہلے سے حیات ہو اور جن اجزاء میں حیات نہ ہوگی وہاں موت بھی موثر نہ ہوگی چنانچہ اسی وجہ سے مردار کی ہڈی بعد رطوبت خشک ہو جانے کے پاک ہے۔ اسی طرح دودھ میں بھی بوجہ بیجان ہونے دودھ کے موت کا اثر نہ ہوگا جیسے پہلے پاک تھا بعد موت کے بھی پاک رہے گا۔ اس سے خود اندازہ کر لو کہ جب ہم لوگوں کی رائے غلط ہوتی ہے تو جو گلستان بوستان پڑھ کر یا انٹرنس پاس ہو کر مسائل شرعیہ میں رائے زنی کریں ان کی رائے کس درجہ میں ہوگی۔ بعض لوگ مردے پر اجرت ٹھہرا ٹھہرا کر قرآن شریف پڑھتے ہیں اور مجھے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ یہ رسم یہاں بھی ہے بہت افسوس ہوا کہ لوگوں نے دین کے کاموں کو بھی ایک پیشہ بنا لیا ہے اور تمام تر فکر و توجہ اس طرف ہے کہ کھانے کو ملے دین جائے یا رہے۔

عاقبت ساز و ترا از دین بریں ☆ ایں تن آرائی وایں تن پروری

یہ تمہاری من آرائیاں اور تن پروریاں تم کو انجام کار دین سے جدا کر دیں گی۔

اور اگر کوئی منع کرتا ہے تو کہتے ہیں کہ اس میں کیا خرابی ہے ہم نے اللہ کے واسطے پڑھ دیا اس نے اللہ کے واسطے دے دیا۔ جناب ایسے ہی آپ اللہ کے واسطے پڑھنے والے ہیں کسی اور مردے پر کیوں نہ پڑھ دیا اور اگر اللہ کے واسطے پڑھا ہے تو اس ٹھیرانے کے کیا معنی ہیں۔ بس اپنی من سمجھوتی کر لی اور اگر زبان سے بھی نہ ٹھہرایا دل میں تو ٹھیرا رکھا ہے حتیٰ

Maktaba Tul Ishaat.com

کہ اگر اس سے کم ملے تو ناراض ہوتے ہیں۔ اس میں بعض نیم ملا قیاس کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب تعلیم قرآن پر اجرت لینا علماء نے جائز کر دیا ہے تو اس میں کیا حرج ہے اس میں اور اس میں کیا فرق ہے جناب من ایک آدھ مسئلہ جاننے سے عالم نہیں ہوتا ہے۔

نہ ہر کہ آئینہ دار سکندری داند ☆ نہ ہر کہ چہرہ برافروخت دلبری داند

یعنی جو شخص آئینہ بنانا جانتا ہو ضروری نہیں کہ وہ سکندری بھی جانتا ہو اور یہ بھی ضروری نہیں کہ جو شخص بھی چہرہ کو برافروخت کر لے اس میں دلبری کی شان بھی ہو۔

جبکہ ایک شخص صاحب تقوی کہتا ہے کہ یہ صورت جائز ہے اور وہ ناجائز ہے تو تمہارے لئے اس کا قول حجت ہے۔

ہر مسئلہ کی وجہ معلوم ہونا لازم نہیں

ایک شخص پوچھنے لگا کہ گاؤں میں جمعہ نہ ہونے کی کیا وجہ ہے اس زمانہ میں لوگوں کو مجتہدیت کا ہیضہ بھی ہو گیا ہے ہر بات کی وجہ سمجھنا چاہتے ہیں میں نے ان صاحب سے پوچھا کہ کیا آپ نے ہر مسئلہ کی وجہ معلوم کر لی ہے تو میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ مجھے اس کی وجہ بتلایئے کہ مغرب کی تین رکعتیں اور عشاء کی چار کیوں ہیں اور اگر ہر مسئلہ کی وجہ معلوم نہیں ہے تو اسی مسئلہ کی کیا تخصیص ہے۔ اس کو بھی اسی فہرست میں داخل کر لو۔ ایسے ہی یہ سوال ہے کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ تعلیم قرآن پر اجرت لینا جائز ہے اور ایصال ثواب کے لئے ناجائز بات یہ ہے کہ حکم شرعی اسی طرح ہے قانون یہی ہے۔

اگر جج کے یہاں مقدمہ ہو اور ایک شخص ہار جائے اور وہ ہارنے والا یہ کہے کہ اس دفعہ کی رو سے بیشک میں ہار گیا لیکن اس دفعہ کی وجہ کیا ہے جج فوراً کان پکڑ کر نکال دے گا کہ قانون سرکاری کی گستاخی کرتا ہے۔ اسی طرح عوام کو مسائل شرعیہ کی وجوہ دریافت کرنا شریعت کی بے ادبی ہے اور منشاء اس کا قلب میں احکام کی عظمت نہ ہونا ہے ہاں اگر طالب علم ہو اور فن سیکھتا ہو اس کو وجہ اور دلائل کا سوال کرنا برا نہیں بلکہ اس کو ضروری ہے اس لئے کہ وہ دین کے اندر محقق بننا چاہتا ہے۔ اگر کوئی کہے کہ ہم بھی محقق بننا چاہتے ہیں تو ہم ان

Maktaba Tul Ishaat.com

سے کہیں گے کہ جناب نوکری چھوڑیئے زراعت تجارت دنیا کے سب کام چھوڑیئے اور ہمارے پاس کم از کم دس برس رہئے دیکھئے آپ کو بھی ہم بتلائیں گے۔

غلاصہ یہ ہے کہ اپنا مذہب یہ رکھو۔

زباں تازہ کردن باقرار تو ☆ نینگیختن علت از کار تو

یعنی زبان سے اقرار کرنا چاہئے کوئی علت تلاش نہ کرنی چاہئے۔

اور مشرب یہ رکھو

زندہ کنی عطائے تو ور بہ کشی فدائے تو ☆ دل شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو

زندہ کریں تو آپ کی عطا ہے اگر قتل کریں تو آپ پر قربان ہیں دل آپ پر فریفتہ ہو گیا ہے جو کچھ آپ تصرف کریں ہم راضی ہیں۔

کسی محقق معتبر عالم سے آپ کو یہ سننا امتثال حکم ماننے کیلئے کافی ہونا چاہئے کہ شریعت کا حکم ہے اپنی طرف سے کوئی بات مت تراشو ورنہ جو شکایت حق تعالیٰ نے اس آیت شریف میں کفار کی فرمائی اس کے مورد تم بھی ہو گے۔ اب اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ اتباع نصیب فرمائیں آمین۔